Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

676

उर्दू संग्रह

पुस्तक का नाम मआशरी तारीखे हिन्द

जिल्द अव्वल

लेखक प्रो० नसीरुद्दीन खाँ M.A.

प्रकाशन वर्ष 1932

आगत संख्या 676

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

676

676;U

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

R. C. Dutta Economic History of India Vol I Early British Rule 5/8/-

3/41
22596

سلسلۂ مطبوعات علمیہ جامعۂ عثمانیہ

معاشی تاریخ ہند

جلد اوّل

ابتدائی برطانوی حکومتِ ہند

تالیف

رامیش دت، سی۔ آئی۔ ای۔

ترجمہ

محمد نصیر الدین خاں، ام۔ اے (ایڈنبرا)۔

۱۳۵۱ھ م ۱۳۴۱ ف م ۱۹۳۲ء

دار الطبع جامعۂ عثمانیہ سرکارِ عالی حیدرآباد دکن

676
676;U
गुरुकुल कांगड़ी

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

فہرست مضامین معاشی تاریخ ہند جلد اوّل

(ابتدائی برطانوی حکومت)

ابواب	مضامین	صفحات
	دیباچۂ مولف	۱ تا ۲۱
باب ۱	عروج شہنشاہی	۱ تا ۱۹
باب ۲	بنگالہ کی اندرونی تجارت (سنہ ۱۷۵۷ء تا سنہ ۱۷۶۵ء)	۲۰ تا ۳۹
باب ۳	لارڈ کلائیو اور اسکے جانشین بنگالے میں (سنہ ۱۷۶۵ء تا سنہ ۱۷۷۲ء)	۴۰ تا ۶۱
باب ۴	وارن ہیسٹنگز بنگالے میں (سنہ ۱۷۷۲ء تا سنہ ۱۷۸۵ء)	۶۲ تا ۹۳
باب ۵	لارڈ کارنوالس اور بندوبست زمینداری بنگالہ (سنہ ۱۷۸۵ء تا سنہ ۱۷۹۳ء)	۹۴ تا ۱۱۱
باب ۶	مستاجری مالگزاری مدراس (سنہ ۱۷۶۳ء تا سنہ ۱۷۸۵ء)	۱۱۲ تا ۱۳۴
باب ۷	صوبۂ مدراس کے قدیم و جدید مقبوضات (سنہ ۱۷۸۵ء تا سنہ ۱۸۰۱ء)	۱۳۵ تا ۱۵۸
باب ۸	مل دیہی یا شخصی اسامیاں۔ مدراس میں ایک مباحثہ (سنہ ۱۸۰۱ء تا سنہ ۱۸۲۰ء)	۱۵۹ تا ۱۸۰
باب ۹	منرو اور مدراس کا رعیت واری بندوبست (سنہ ۱۸۲۰ء تا سنہ ۱۸۲۷ء)	۱۸۱ تا ۲۰۴
باب ۱۰	لارڈ ولیزلی اور شمالی ہند میں فتوح (سنہ ۱۷۹۵ء تا سنہ ۱۸۱۵ء)	۲۰۵ تا ۲۱۷
باب ۱۱	لارڈ ہیسٹنگز اور شمالی ہند میں محل واری بندوبست (سنہ ۱۸۱۵ء تا سنہ ۱۸۲۳ء)	۲۱۸ تا ۲۲۸

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

ابواب	مضامین	صفحات
باب ۱۲	جنوبی ہند کی معاشی تاریخ سنہ ۱۸۰۰ء	۲۲۹ تا ۲۶۸
باب ۱۳	شمالی ہند کے اقتصادی حالات (سنہ ۱۸۰۸ء تا سنہ ۱۸۱۵ء)	۲۶۹ تا ۲۹۶
باب ۱۴	صنعت وحرفت کا انحطاط (سنہ ۱۷۹۳ء تا سنہ ۱۸۱۳ء)	۲۹۷ تا ۳۱۲
باب ۱۵	صنعت وحرفت کی حالت (سنہ ۱۸۱۳ء تا سنہ ۱۸۳۵ء)	۳۱۳ تا ۳۳۴
باب ۱۶	تجارت خارجہ (سنہ ۱۸۱۳ء تا سنہ ۱۸۳۵ء)	۳۳۵ تا ۳۴۸
باب ۱۷	تجارت داخلہ - نہریں اور سڑکیں (سنہ ۱۸۱۳ء تا سنہ ۱۸۳۵ء)	۳۴۹ تا ۳۵۹
باب ۱۸	نظم ونسق کی ناکامیاں (سنہ ۱۷۹۳ء تا سنہ ۱۸۱۵ء)	۳۶۰ تا ۳۷۳
باب ۱۹	اصلاحات نظم ونسق اور لارڈ ولیم بنٹنگ (سنہ ۱۸۱۵ء تا سنہ ۱۸۳۵ء)	۳۷۴ تا ۳۹۲
باب ۲۰	الفنسٹن بمبئی میں (سنہ ۱۸۱۹ء تا سنہ ۱۸۲۷ء)	۳۹۳ تا ۴۱۶
باب ۲۱	ونگیٹ اور بمبئی میں رعیت واری بندوبست (سنہ ۱۸۲۷ء تا سنہ ۱۸۳۵ء)	۴۱۷ تا ۴۳۲
باب ۲۲	برڈ اور شمالی ہند میں بندوبست جدید (سنہ ۱۸۲۲ء تا سنہ ۱۸۳۵ء)	۴۳۳ تا ۴۴۶
باب ۲۳	مالیات اور معاشی ڈرین (سنہ ۱۷۹۳ء تا سنہ ۱۸۳۷ء)	۴۴۷ تا ۴۷۶
باب ۲۴	ملکہ وکٹوریہ کی تخت نشینی - سنہ ۱۸۳۷ء کا قحط	۴۷۷ تا ۴۸۰

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

معاشی تاریخ ہند جلد اوّل

(ابتدائی برطانوی حکومت)

دیباچہ مولف

برطانوی ہند کے جنگی اور سیاسی معاملات پر سربرآوردہ اور ممتاز مورخوں نے اچھی اچھی کتابیں لکھی ہیں لیکن خود اہل ہند کے متعلق یعنے انکی تجارت حرفت اور زراعت یا انگریزوں کے راج میں ان کی معاشی حالت کے متعلق آجتک کسی نے کوئی تاریخ نہیں لکھی ۔

اس اثنا میں ہندوستان میں قحط پر قحط پڑنے کی وجہ سے اس اہم مضمون پر اب توجہ مبذول ہونے لگی ہے اور اہل ہند کے حالات یعنے ان کی دولت کے ذرائع اور افلاس کے اسباب سمجھنے کا شوق عام طور پر پیدا ہونے لگا ہے ۔ اس لئے موجودہ زمانے میں برطانوی ہند کی ایک مختصر معاشی تاریخ لکھنے کی سخت ضرورت ہے ۔

مانا کہ انگریز ہندوستان میں اپنے کارناموں کو خالص اطمینان کی نظر سے نہیں دیکھ سکتے تاہم کم سے کم اپنے امن کے کارناموں پر تو وہ جائز طور سے فخر کر سکتے ہیں بنی نوع انسان کے لئے امن و امان ہی سب سے بڑی برکت ہے ۔ اور یہ برکت انگریزوں نے اہل ہند پر نازل کی مغربی تعلیم کی اشاعت بھی کی جس سے ایک قدیم اور متمدن قوم عصر جدید کے تخیلات سے

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

علم و حکمت ادارات اور زندگی سے روشناس ہوگئی اور بتدریج ایک ایسے نظم و نسق کی بناڈالی جس میں اگرچہ زمانے کی رفتار ترقی کے ساتھ ساتھ اصلاح کی بھی ضرورت ہے پھر بھی وہ مستحکم و موثر ہے انھوں نے نہایت ہی دانشمندانہ قوانین منضبط کئے اور عدالتیں قائم کیں جنکی دیانت اور راستبازی بنفسہ ایسی ہی خالص ہے جیسی روئے زمین کے کسی بہتر سے بہتر ملک میں ہو سکتی ہے یہ ہیں وہ نتائج جن کی بنا پر انگریزوں کے کارنامہ ہند کا کوئی نقاد اگر وہ راستباز اور حق شناس ہے تو اُن کی پُرجوش تعریف کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔

برخلاف اس کے کوئی صاف دل انگریز ایسا نہیں ہے جکو انگریزوں کے راج میں اہل ہند کی مادّی حالت پر غور کرنے کے بعد اطمینان خاطر حاصل ہوتا ہو نہ موجودہ زمانے میں اہل ہند کے افلاس کی نظیر کسی متمدن ملک میں ملتی ہے اور نہ عصر جدید اور ازمنۂ قدیم کی تاریخ میں ان شدید اور عالمگیر قحطوں کی مثال موجود ہے جن سے انیسویں صدی عیسوی کے ربع آخر میں ہندوستان اس سرے سے اس سرے تک تباہ و برباد ہوگیا چنانچہ ۱۸۷۷ء اور ۱۸۷۸ء میں پھر ۱۸۸۹ء اور ۱۸۹۲ء اور ۱۸۹۷ء اور ۱۹۰۰ء میں متواتر ایسے قحط پڑے کہ ان میں کم سے ڈیڑھ کروڑ نفوس پیوند زمین ہو گئے۔ یعنے بیس سال کے عرصے میں کسی ایک یورپی ملک کی اچھی خاصی آبادی کے برابر ہندوستان کی آبادی کا صفایا ہوگیا۔ مثلاً انگلستان کی نصف آبادی کے مساوی ہندوستان کی آبادی دیکھتے ہی دیکھتے اس طرح نیست و نابود ہوگئی کہ آجکل کی ادھیڑ عورتوں اور مردوں کو ابھی تک وہ زمانہ یاد ہے۔

ہندوستان میں اس طرح سخت افلاس پیدا ہونے اور پے در پے قحط پڑنے کے اسباب کیا ہیں؟ انکی متعدد بار سطحی تشریحیں پیش کی گئی ہیں لیکن غور کرنے کے بعد وہ قابل قبول نہیں معلوم ہوتیں مثلاً یہ کہا جاتا تھا کہ ہندوستان کی آبادی میں افزائش بہت سرعت کے ساتھ ہوتی ہے اور ایسی افزائش کا یقینی نتیجہ آگے چل کر قحط ہوتا ہے۔ مگر تحقیق کرنے پر معلوم ہوتا ہے کہ ہندوستان

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

کی آبادی کی شرح افزائش انگلستان کے برابر کبھی نہیں ہوئی بلکہ گزشتہ دس سال کے عرصے میں تو آبادی کا بڑھنا ہی موقوف ہوگیا۔ یہ بھی بیان کیا گیا تھا کہ ہندوستان کے کاشتکار بے پروا اور ناعاقبت اندیش ہوتے ہیں اور وہ لوگ جو فراخی اور افراط کے زمانے میں پس انداز کرنا نہیں جانتے تنگی کے زمانے میں جانبر نہیں ہو سکتے۔ لیکن جنھوں نے ان کاشتکاروں کے ساتھ ایک عمر گزاری ہے وہی خوب جانتے ہیں کہ روئے زمین پر ان کسانوں سے زیادہ کفایت شعار محتاط اور اعتدال پسند کوئی نہیں یہ بھی بیان کیا جاتا تھا کہ دیسی ساہوکار ہندوستان کے لئے آفت سے کم نہیں ان مہاجنوں نے مکروفریب اور استحصال بیجا سے کاشتکاروں کو ایک زمانۂ دراز سے ناگزیر طور پر اپنا مقروض بنا رکھا ہے۔ لیکن قحط کمیشن کی تازہ ترین تحقیقات سے منکشف ہوتا ہے کہ ہندوستان کے کاشتکاروں کا غلاموں کی طرح ساہوکاروں کا دست نگر بنا رہنا محض سرکاری مطالبات مالگزاری کی غیر متبدل حالت کی بناء پر ہے یہ کہا جاتا تھا کہ ایک ایسے ملک میں جہاں کے باشندوں کی معیشت کا انحصار صرف فصل پر ہی ہو خشک سالی یا قلت بارش کی وجہ سے اگر وہاں فصل نہ ہو تو وہ لوگ بھوکوں نہ مریں تو کیا کریں لیکن کبھی ایسا ہوا ہی نہیں کہ ہندوستان میں ہر جگہ فصل اچھی نہ ہوئی ہو اور ایک سال بھی ایسا نہیں گزرا جس میں ملک کے اشیائے خوردنی تمام آبادی کے لئے کافی نہ ہوئے ہوں، پھر اگر کسی ایک صوبے میں قحط سالی کی وجہ سے وہاں کے لوگ آس پاس کے صوبوں سے جہاں فصل خوب ہوئی ہو اپنے مایحتاج نہ خرید سکیں تو انتظامات میں کہیں نہ کہیں غلطی ضرور ہے۔

ان تمام سطحی تشریحات کی تہ تک پہنچکر ہمیں ہندوستان کے افلاس اور قحط کے حقیقی اسباب تلاش کرنا چاہئے۔ ظاہر ہے کہ دنیا کے اور ممالک کے لئے جو معاشی قوانین ہیں وہی ہندوستان کے لئے بھی ہیں اور دوسرے اقوام کی دولتمندی یا افلاس کے جو وجوہ ہیں وہی ہندوستان کے مرفہ الحالی یا ناداری کے بھی ہوسکتے ہیں۔ اس لئے دوسرے اقوام کی دولت یا افلاس کی تحقیقات کے لئے ایک ماہرفن معاشیات جن طریقوں کو اختیار کرسکتا ہے انھیں کو ہندوستان کے متعلق بھی اختیار

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

کرسکتا ہے مثلاً ان امور کی تحقیقات ضروری ہے کہ کیا زراعت خوب پھلتی پھولتی ہے؟ کیا صنعت و حرفت فروغ پر ہے؟ کیا مالی انتظام ایسا اچھا ہے کہ محصول ادا کرنے پر لوگوں کو اس کا ایک معقول معاوضہ کسی نہ کسی شکل میں ملجاتا ہے؟ کیا حکومت قومی آمدنی کے ذرائع کو لوگوں کی مادی رفاہ کی خاطر وسیع کر رہی ہے؟ یہی سوالات ہیں جن کو ایک متوسط الخیال انگریز دنیا کے کسی ملک کی معاشی حالت دریافت کرنے کے لئے پیش نظر رکھتا ہے اور یہی سوالات ہندوستان کی حقیقت حال دریافت کرنے کے لئے کافی ہیں۔

یہ ایک امر واقع ہے جس کو ہندوستان کا کوئی واقف حال اور واقف کار عہدہ دار نظر انداز نہیں کرسکتا کہ انگریزوں کی حکومت میں قومی دولت کے چشمے کئی وجوہ سے خشک ہو رہے ہیں اٹھارھویں صدی عیسوی میں ہندوستان نہ صرف زراعت بلکہ صناعی کا ایک بہت بڑا مرکز تھا اور ہندوستانی کارگہ کی پیداوار ایشیا اور یورپ کی سب منڈیوں میں بکتی تھی یہ سچ ہے کہ بدنصیبی سے ایسٹ انڈیا کمپنی اور برطانوی پارلیمنٹ دونوں نے اپنے عہد حکومت کی ابتدا میں ایک صدی کی پرانی تاجرانہ حکمت عملی کی تتبع میں جو محض خود غرضی پر مبنی تھی انگلستان کے نو ناستہ صنائع کو فروغ دینے کی خاطر ہندوستانی صنعت کی مزاحمت کی اور اٹھارھویں صدی عیسوی کے قرون آخرین اور انیسویں صدی عیسوی کے قرون اولیٰ میں اس نے ہندوستان کو برطانیۂ عظمیٰ کی حرفت کا دست نگر بنائے رکھنے اور ہندوستان کی رعایا کو صرف برطانیۂ عظمیٰ کی کارگاہ اور وہاں کے صنعتی کارخانوں کے لئے خام پیداوار فراہم کرنے کا ایک ذریعہ بنا لینے کی ٹھان لی تھی چنانچہ اس حکمت عملی کی پابندی میں ان کا ارادہ کبھی متزلزل نہیں ہوا بلکہ انھیں ایسی کامیابی نصیب ہوئی جو ہندوستان کے لئے مہلک ثابت ہوئی۔ ہندوستانی کاریگروں کو کمپنی کے کوٹھوں میں بہ جبر کام پر لگانے کے احکام صادر کئے گئے۔ ہندوستانی جولاہوں کی برادری اور قصبوں پر تجارتی رزیڈنٹ کو قانوناً وسیع اختیارات عطا کئے گئے۔ امتناعی محصول کی وجہ سے انگلستان میں ہندوستان کے ساختہ ریشمی اور سوتی پارچوں کی درآمد بند ہوگئی۔ مگر انگلستان کا تجارتی مال بلا محصول یا برائے نام محصول ادا کرنے پر ہندوستان

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

آنے لگا۔

مورخ ایچ ایچ۔ ولسن کے الفاظ میں برطانوی صناعوں نے سیاسی ناانصافی کے بل بوتے پر ایک ایسے حریف کو سرنگوں کرنے اور آخر کار اس کا گلا گھونٹ دینے میں پس و پیش نہیں کیا جس سے مساوی شرائط پر وہ مقابلہ نہیں کر سکتے تھے "۔ ہندوستان کے لاکھوں دستکاروں کی روزی چلی گئی اور دولت کمانے کا ایک بڑا ذریعہ ہندوستان کے لوگوں کے ہاتھوں سے نکل گیا۔ ہندوستان پر انگریزوں کی حکومت کا ایک المناک قصہ ہے اور اس کا بیان کر دینا اس لئے ناگزیر ہے کہ اس سے ہندوستان کے لوگوں کی موجودہ معاشی حالت اور عصر حاضر میں محض زراعت پر ان کی معیشت کا انحصار ہونے کی تشریح ہوتی ہے یورپ میں بھاپ سے چلنے والے کارخانوں کی ایجاد نے تو ہندوستان کی صنعت و حرفت کو قعر انحطاط میں پہنچا دیا اور آج سے چند سال قبل جب ہندوستان میں بھاپ سے چلنے والے کارخانے قایم ہوئے تو انگلستان نے پھر ہندوستان کے ساتھ غیر منصفانہ رشک و حسد سے کام لیا ہندوستان کے سوتی کپڑوں پر انگریزوں نے ایک نیا محصول لگا دیا جس سے ہندوستانی صناع چین اور جاپان کے صناعوں کا مقابلہ کرنے کے قابل نہیں رہے اس طرح ہندوستان کی جدید بھاپ سے چلنے والی گرنیوں کا گویا گلا گھونٹ دیا گیا۔

اب ہندوستان میں دولت پیدا کرنے کا رہا سہا ذریعہ ایک زراعت ہی ہے اور چار خمس آبادی کا انحصار زیست محض زراعت پر ہے لیکن انگریزوں کی حکومت میں محصول اراضی نہ صرف حد سے زیادہ ہے بلکہ اس سے بھی زیادہ خرابی کی یہ بات ہے کہ متعدد صوبوں میں یہ محصول غیر معین ہونے کی وجہ سے کم و بیش ہوتا رہتا ہے۔ انگلستان میں سنہ ۱۷۹۸ء سے قبل ایک صدی تک محصول اراضی ایک پونڈ مالیت کی زمین پر ایک شلنگ اور چار شلنگ کے درمیان تھا یعنے لگان کے ۵ اور ۲۰ فیصدی کے بین بین سنہ ۱۷۹۸ء میں ولیم پٹ نے اس محصول کو دوامی کر دیا اور اس کی بھی اجازت دیدی کہ دوامی میعاد کے حساب سے نقد رقم یکمشت دینے پر پھر محصول ادا کرنے کی ضرورت نہیں۔ برخلاف اس کے سنہ ۱۷۹۳ء اور سنہ ۱۸۲۲ء کے مابین بنگالے میں محصول اراضی لگان کا ۹۰ فیصدی

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

اور شمالی ہند میں لگان کا ۸۰ فیصدی مقرر کیا گیا تھا۔ یہ سچ ہے کہ انگریزوں کی حکومت نے اس میں سابق مسلمان بادشاہوں کی تقلید کی تھی۔ کیونکہ مسلمان بادشاہ بھی کثیر محصول اراضی کا مطالبہ کرتے تھے۔ لیکن فرق یہ تھا کہ مسلمان بادشاہ اپنا مطالبہ کبھی پورا وصول نہیں کر سکتے تھے اور انگریز حکمران جو کچھ مطالبات کرتے تھے نہایت تشدد کے ساتھ وصول کر لیتے تھے مثلاً بنگالے کے آخری فرمانروا نے اپنی حکومت کے آخری سال میں (سنہ ۱۷۶۴ء) ۸۱۷۵۵۳ پونڈ محصول اراضی وصول کیا تھا لیکن انگریز حکمرانوں نے اسی صوبے میں تیس سال کے اندر اندر ۲۶۸۰۰۰۰ پونڈ محصول اراضی وصول کر لیا۔ سنہ ۱۸۰۲ء میں نواب اودھ نے الٰہ آباد کے علاوہ شمالی ہند کے چند زرخیز اقطاع انگریزوں کے تفویض کر دئے تھے نواب کے عہد حکومت میں مفوضہ ممالک کا محصول اراضی ۱۳۵۲۳۴۷ پونڈ تھا مگر تفویض سے تین سال کے اندر اندر انگریزی حکومت نے ۱۶۸۲۳۰۶ پونڈ محصول اراضی کا مطالبہ کیا اس سے زیادہ تعجب اس پر ہوتا ہے کہ مدراس میں ایسٹ انڈیا کمپنی نے پہلی دفعہ جو محصول اراضی لگایا وہ زمین کی خام پیداوار کا نصف تھا۔ صوبۂ بمبئی میں مرہٹوں سے جو مقبوضات سنہ ۱۸۱۷ء میں حاصل کئے تھے ان کا محصول اراضی اس فتح کے سال ۸۰۰۰۰۰ پونڈ ہوا تھا مگر انگریزی حکومت کے چند سال کے اندر اندر اس محصول کو بڑھا کر ۱۵۰۰۰۰۰ پونڈ کر دیا گیا اور اس کے بعد سے اس محصول میں مسلسل اضافے ہوتے رہے۔ بشپ ہیبر تمام ہندوستان کی سیاحت اور انگریزی علمداری اور دیسی ریاستوں کو دیکھنے کے بعد سنہ ۱۸۲۶ء میں لکھتا ہے کہ "کوئی دیسی رئیس ہمارے مطالبے کے برابر لگان کا مطالبہ نہیں کرتا"۔ سنہ ۱۸۳۰ء میں کرنل برگز نے لکھا ہے کہ "ایشیا اور یورپ کی کسی حکومت کے تحت ہندوستان کے موجودہ محصول اراضی کے مماثل محصول کہیں نہیں جس میں صریحاً مالک اراضی کا پورا پورا لگان جذب ہو جاتا ہو"

رفتہ رفتہ انگریزوں کی ابتدائی حکومت کے سنگین محصول اراضی سے بنگالہ اور شمالی ہند کے باشندوں کو کسی قدر نجات ملی چنانچہ بنگالے میں یہ محصول دوامی کر دیا گیا اور چونکہ توسیع کاشت کے ساتھ ساتھ اس میں اضافہ نہیں کیا گیا اس لئے لگان کے ساتھ اس محصول کا تناسب (بشمول مقامی محصول تعمیرات وشاہراہ

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

جو اس کے بعد سے لگان پر عائد کیا گیا (تقریباً ۳۵ فیصد ہوتا ہے۔ گر شمالی ہند میں محصول دوامی نہیں کیا گیا البتہ ۱۸۵۵ء میں دیگر مقامی محصولات کے ساتھ اسمیں تخفیف عمل میں آئی جس سے یہ محصول ۵۰ فیصدی سے کسی قدر زیادہ رہ گیا۔ مگر اور نئے مقامی محصولات اس میں شامل کئے گئے اور موجودہ لگان کی بجائے آیندہ کے متوقعہ لگان پر حساب لگایا گیا تھا کہ یہ محصول بڑھتے بڑھتے لگان پر (۶۰) فیصدی ہو گیا۔

مدراس اور بمبئی کے حالات بدتر ہیں۔ اِن صوبوں کے اکثر اقطاع میں کسی مالک اراضی کے رعایا اور سرکار کے درمیان نہ رہنے کی وجہ سے عام طور پر کاشتکار ہی سرکار کو براہ راست محصول اراضی ادا کرتے ہیں۔ ۱۸۶۴ء میں انگریزی حکومت نے یہ ارادہ کر لیا تھا کہ معاشی لگان کا نصف بطور محصول اراضی وصول کیا جائے لیکن فی الوقت جو محصول انگریزی حکومت وصول کرتی ہے وہ بعض وقت کاشتکاروں کے لئے ان کی محنت کی اجرت اور ان کے زرعی سرمائے کے منافع کے لگ بھگ کچھ چھوڑ کر اراضی کے مجموعی معاشی لگان کے برابر ہوتا ہے۔ تیس سال میں ایک مرتبہ محصول اراضی پر نظر ثانی کیجاتی ہے اور جن وجوہ پر اس محصول میں اضافہ کیا جاتا ہے ان کا علم کاشتکاروں کو مطلق نہیں ہوتا۔ کاشتکار مجبور ہیں کہ یا تو ہر جدید اضافے کو قبول کر لیں یا اپنے آبائی کھیتوں سے دست بردار ہو کر خود خاک میں مل جائیں لوگوں کو اگر محصول اراضی میں کسی اضافے کا احتمال ہو تو زراعت پر اس کا اثر نہایت مضر پڑتا ہے ان کو کچھ پس انداز کرنے کا موقع نہیں ملتا۔ اور کسان بھی مفلس و مقروض بنے رہتے ہیں۔

مذکور الصدر واقعات سے ظاہر ہوتا ہے کہ ہندوستان میں محصول اراضی نہ صرف سنگین و غیر معین ہے بلکہ جس اصول پر وہ وصول کیا جاتا ہے خود وہ اصول دنیا کے ان تمام ممالک کے اصول اجرائے محصولات سے جن کا انتظام مملکت نہایت اچھا ہے، بالکل مختلف ہے کیونکہ ان ممالک میں مملکت خود اجتماع دولت کی ممد و معاون ہوتی ہے اور رعایا کی جیبیں بھرنے میں کچھ دریغ نہیں کرتی رعایا کو دولتمند و خوش حال دیکھ کر مملکت خود خوش ہوتی ہے اور اپنے مصارف

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

کے لئے رعایا کی کمائی سے صرف ایک قلیل حصے کا مطالبہ کرتی ہے برخلاف اسکے ہندوستان میں دراصل مملکت ہی زمین سے پیدا ہونے والی دولت کے اجتماع میں مخل ہے۔ کسانوں کی آمدنی اور منافع کی سدّراہ ہے اور عموماً ہر بندوبست پر مطالبہ مالگزاری میں اضافہ کرتی ہے۔ انھیں وجوہ سے کاشتکار ہمیشہ مفلس ونادار رہتے ہیں۔ انگلستان ہو کہ جرمنی۔ ممالک متحدہ امریکہ ہوں کہ فرانس یا دوسرے ممالک کو لیجئے ہر جگہ خود مملکت لوگوں کی آمدنی میں فراخی ان کی ہنڈیوں میں وسعت اور ملک کے لئے دولت کے نئے ذرائع پیدا کرتی ہے۔ قوم کے ساتھ یکجان ودوقالب کا مصداق ہوتی ہے چنانچہ قوم کی ترقیٔ دولت کے ساتھ ساتھ مملکت کی بھی ترقیٔ دولت ہوتی ہے مگر ہندوستان میں مملکت نے رعایا کے لئے کہیں جدید صنعتوں کا نشوونما نہیں کیا اور نہ کسی قدیم صنعت کو دوبارہ زندہ کیا۔ برخلاف اس کے ہر متوالی بندوبست پر زمین کی پیداوار میں مملکت جو کچھ اپنا حصہ سمجھتی ہے اس کے حصول میں ہر دفعہ مداخلت کرتی ہے مدراس اور بمبئی میں ہر جدید بندوبست کو رعایا اپنے اور مملکت کے درمیان اس طرح کی حجت اور تکرار کا ایک موقع سمجھتی ہے کہ کتنا رعایا کے لئے بچے گا اور کتنا مملکت ہضم کر جائے گی۔ ان چپقلش کے تصفیئے کے لئے کوئی صاف وصریح قانونی حد اختیار بھی مقرر نہیں ہے بلکہ عہدہ داران مالگزاری کی رائے اور ان کا فیصلہ اس بارے میں حکم قطعی ہے اور اس کا استغاثہ نہ تو ججوں کے اجلاس پر کیا جا سکتا ہے اور نہ عدالت ہائے اراضی میں اس کی سماعت ہو سکتی ہے۔ اس طرح مالگزاری میں اضافہ ہوتا جاتا ہے اور رعایا جیسی تھی ویسی ہی مفلس ومحتاج رہتی ہے۔

کسی ہندوستانی شاعر کا مقولہ ہے کہ بادشاہ کا محصول وصول کرنا ایسا ہی ہے جیسا سورج کا زمین کی رطوبت جذب کر لینا جو پھر بارش کی شکل میں زمین پر برکتیں نازل کرتا ہے۔ لیکن ہندوستان کی زمین سے جو بخارات اوپر اٹھتے ہیں وہ بارش کی شکل میں ہندوستان پر نہیں بلکہ دوسرے ممالک پر برکت نازل کرتے ہیں۔ ہر قوم اس بات کی توقع رکھنے میں حق بجانب ہے کہ جو محصول اس کے اپنے ملک میں وصول ہوں ان کا بیشتر حصہ اسی ملک پر

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

صرف ہونا چاہیئے۔ زمانۂ سابق میں بڑی سے بڑی حکومت میں بھی یہی ہوتا تھا۔ افغانی النسل سلاطین اور مغلیہ بادشاہوں نے اپنے عساکر و افواج پر بڑی بڑی رقمیں صرف کیں جس سے نہ صرف اعلیٰ رئیس گھرانوں کی دستگیری ہوتی تھی بلکہ لکھو کھا سپاہیوں اور ان کے خاندانوں کی پرورش بھی ہوتی تھی۔ کیا شاندار محلات اور یادگاروں کی تعمیر میں کیا ان کی عیش و عشرت اور شان و شوکت کے سامان کی تیاری میں ہندوستان کے صناعوں اور کاریگروں کے روزی نکل آتی تھی اور عمدہ سے عمدہ کام کرنے کی ان کو ترغیب ہوتی تھی۔ امراء سپہ سالار صوبہ دار۔ دیوان اور قاضی (حتیٰ کہ ہر صوبہ اور ہر ضلع میں تحت کے متعدد عہدہ دار سب اپنے بادشاہ کی تقلید کرتے تھے۔ مساجد اور مقابر شاہراہیں اور نہریں تالاب اور پانی کے خزانے ان کی عام فیاضی یا کبھی کبھی ان کے گھمنڈ پر بھی زبان حال سے شاہد ہیں۔ بادشاہ دانشمند ہوں یا نادان ہر حالت میں محصول کی آمدنی کسی نہ کسی شکل میں رعایا کو واپس مل جاتی تھی جس سے ان کی حرفت و تجارت بارور ہوتی تھی لیکن ایسٹ انڈیا کمپنی کی حکمرانی میں ہندوستان کی حالت بالکل بدل گئی۔ انگریزوں کی نظروں میں ہندوستان اس غرض سے منافع پیدا کرنے کے لئے کہ یورپ میں وہ سب منافع جمع کیا جائے ایک اچھی خاصی جاگیر یا نخلستان سے بڑھ کر نہ تھا کمپنی نے ہندوستان کی اعلیٰ خدمتیں چیدہ چیدہ یورپی اشخاص کے لئے مخصوص کر دی تھیں جن کو مشرق میں اسباب معیشت کی تلاش تھی۔ اس کے علاوہ کمپنی ہندوستان کے محاصل سے تجارتی مال خریدتی تھی اور محض اپنے نفع کی خاطر اس مال کو یورپ میں فروخت کر دیتی تھی اسی طرح اپنے تجارتی سرمائے پر ہندوستان سے بیش مقدار سود حاصل وصول کر لیتی تھی۔ جس قدر آمدنی بے انداز محصولوں سے مہیا ہوتی تھی وہ ایک فاقہ کش نظم و نسق کا پرائے نام حلق تر کرنے کے بعد تمام و کمال کسی نہ کسی شکل میں یورپ کی طرف بہا دی جاتی تھی۔

اگرچہ ۱۸۳۳ء میں ایسٹ انڈیا کمپنی کی تجارت موقوف اور ۱۸۵۸ء میں خود کمپنی ہی برخاست ہو گئی لیکن کمپنی کی حکمت عملی اب بھی باقی ہے کمپنی کے اصل کو بے باق کر دینے کے لئے زر قرض طلب کیا گیا جس کو بعد میں "قرضہ سرکار ہند"

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

کی شکل میں مبدل کیا گیا اور ہندوستان کے منصولوں ہی پر اس قرضہ کا سود ادا ہوتا ہے بالفاظ دیگر شاہنشہی کمپنی سے تاج برطانیہ پر منتقل ہوئی لیکن اہل ہند نے اس کا زر انتقال ادا کیا ہندوستان کا "سرکاری قرضہ" جو ۱۸۵۷ء میں .... ۱۵ پونڈ تھا ۱۸۶۲ء میں ......۹۷ پونڈ تک پہنچ گیا اور بابعد کے چہل سالہ امن کے باوجود اس قرضے میں مسلسل اضافہ ہوتا رہا حتی کہ اب یعنی سنہ ۱۹۱۵ء میں اسکی مقدار ......۲ پونڈ ہوگئی ہے ہندوستان کے مصارف لاحقہ کی تکمیل کے لیے ہندوستان کے محاصل سے سالانہ جو رقم "مطالبات وطن" کی شکل میں برطانیہ عظمی کو ارسال ہوتی تھی وہ بڑھتے بڑھتے اب ایک کروڑ ساٹھ لاکھ پونڈ تک پہنچ گئی ہے۔ اس میں ہندوستان کے یورپی عہدہ داروں کی صرف تنخواہوں کی رقم جن کے لئے تمام اعلی خدمتیں مخصوص تھیں ایک کروڑ پونڈ ہوتی ہے۔ ہندوستان کی خالص آمدنی اب چار کروڑ چالیس لاکھ پونڈ انگلیشیہ ہے جس کا آدھا حصہ ہر سال ہندوستان سے بیرون ملک چلا جاتا ہے۔ سچ ہے کہ ہندوستان کی سرزمین سے جو بخارات اٹھتے ہیں وہ دوسرے ہی ممالک کے لئے ابر رحمت ثابت ہوتے ہیں۔

ایک ایسے شخص کے لئے جس نے اپنی زندگی کا بہترین اور خوشگوار ترین حصہ ہندوستان کے نظم ونسق میں رہ کر گزارا ہو نظم ونسق کے اس کمزور جزو کا ذکر کرنا یعنی حکومت ہند کی مالی اور معاشی حکمت عملی کا بیان کرنا ناگوار اور افسوسناک امر ہوگا۔ مگر محض اس لیئے میں نے اس فریضے کی انجام دہی اپنے ذمہ لی ہے کہ اس زمانے میں برٹش انڈیا کا معاشی قصہ بھی بیان کر دینا نہایت ضروری ہے تاکہ ہندوستانیوں کے افلاس کے گہرے اسباب کی تشریح ہو جائے۔ کسی اور ملک کو اس حالت پر رکھئے کہ وہاں کی حرفت گویا اپاہج بن گئی ہو۔ زراعت پر سنگین اور غیر معینہ محصول اراضی عائد ہو اور مالی انتظام ایسا ہو کہ نصف محاصل ہر سال بیرون ملک ارسال ہوتے ہیں تو وہ ملک خواہ روئے زمین پر سرسبز سے سرسبز اور شاداب سے شاداب کیوں نہ ہو چند ہی روز میں قحط وخشک سالی کے گوناگوں مصائب سے مجروح ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ قوم اسی وقت ترقی کر سکتی ہے جبکہ دولت کے وسیع ذرائع پیدا کئے جائیں۔ اور محصول کی آمدنی قوم پر قوم ہی کے مفاد میں صرف کی جائے۔ اور قوم اس وقت مفلس بن جاتی ہے جبکہ دولت کے ذرائع تنگ ہو جائیں اور

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri
CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

محصول کی آمدنی زیادہ تر بیرون ملک ارسال ہوتی رہے یہ بالکل صاف وصریح اور بدیہی قوانین معاشیات ہیں جو ہندوستان پر بھی اسی طرح موثر ہیں جس طرح کسی اور ملک پر اس لئے ہندوستان کے مدبرین و منتظمین مملکت کو اچھی طرح محسوس کر لینا چاہئے کہ اس وقت تک ہندوستان کا افلاس دور نہیں ہو سکتا جب تک کہ ہندوستان کی حرفت کو دوبارہ زندہ نہ کیا جائے محصول اراضی پر ایک معقول حد نہ معین کی جائے اور ہندوستان کے محاصل زیادہ تر ہندوستان پر ہی صرف نہ کئے جائیں۔

ہندوستان کے مدبرین و منتظمین مملکت کو خاص قسم کی دشواریوں کا سامنا رہتا ہے یکے بعد دیگرے تین گورنر جنرل یعنے لارڈ ویلزلی۔ لارڈ منٹو اور لارڈ ہیسٹنگز نے ہندوستان میں محصول اراضی پر ایک دوامی حد مقرر کر دینے کی خواہش کی تھی لیکن ایسٹ انڈیا کمپنی نے اس خواہش کو پورا نہونے دیا اور اپنے مطالبات پر کسی طرح کی حد قائم کرنے پر کمپنی راضی نہوئی۔ جب ہندوستان تاج برطانیہ کے زیر حکمرانی آیا تو تین وائسرایوں نے یعنے لارڈ کیننگ لارڈ لارنس اور لارڈ رپن نے محصول اراضی کے مطالبے کی ایک حد مقرر کر دینے کے مسئلے پر پھر زور دیا لیکن وزیر ہند نے ان کی یہ تجویز نامنظور کی۔ موجودہ عہد میں تین مرتبہ برطانوی صناعوں کے گویا حکم پر اور ہندوستان کے اغراض کے خلاف بلکہ بعض دفعہ تو وائسرائے کی کونسل کے غلبۂ آرا کے بھی خلاف ہندوستان کے نرخنامۂ محصول میں تغیر و تبدل کیا گیا۔ اور اسی عہد میں تین مرتبہ ان ہندوستانی مزدوروں کے تحفظ حقوق کی معقول کوششیں کی گئیں جن کو آسام کے چاء کے مرغزاروں کے لئے بھرتی کیا جاتا تھا کیونکہ ان مزدوروں کی حالت یہ تھی کہ عورت ہو کہ مرد ایک دفعہ اقرار نامے پر دستخط کر دینے کے بعد خواہ وہ غلط فہمی یا دغا بازی ہی سے کیوں نہو ہمیشہ کے لئے طوق غلامی ان کی گردن میں پڑ جاتا تھا۔ اور جن تعزیری قوانین کی رو سے یہ مزدور چائے کے مرغزاروں میں گویا پابزنجیر ہو گئے تھے وہی قوانین ابھی تک نافذ العمل ہیں چنانچہ حال ہی میں جب چیف کمشنر آسام آنریبل مسٹر ماٹن نے ان مزدوروں کو معقول تنخواہیں دینے کی تحریک کی تو وائسرائے کی کونسل نے اس کی کانٹ چھانٹ کر ڈالی اور محض اس لئے کہ چائے کے کاروبار میں برطانوی حصہ دار اس تجویز پر معترض

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

تھے لارڈ کرزن نے اس کا نفاذ دو سال تک موقوف کر دیا۔ ایسے موقع پر ہندوستان کے منتظمین مملکت بالکل بے دست و پا ہیں کیونکہ ہر ایسے چارہ کار کو جس سے ہندوستان کے محصول پر واجبی قیود عائد ہوتے ہیں انگلستان کے حکام کی منظور ہی نہیں کرتے اور جب کبھی کسی بات میں انگلستان کے اہل دار یا صناعوں کے اغراض کے متاثر ہونے کا شائبہ بھی ہوتا ہے جن کو پارلیمنٹ ووٹ حاصل ہے تو ایسی تامینی تدابیر جو ہندوستانیوں کے فلاح و بہبود کیلئے خواہ کتنی ضروری ہی کیوں نہ ہوں ان مفروضہ اغراض پر قربان کر دیئے جاتے ہیں۔

یوں تو ہندوستان کے منتظمین مملکت بھی ہندوستانیوں کی کوئی پرزور حمایت نہیں کرتے کیونکہ حکومت ہند سے مطلب ہے درحقیقت وائسرائے اور وائسرائے کی عاملانہ کونسل کے ارکان یعنے سپہ سالار ہند رکن فوج۔ رکن تعمیرات عامہ۔ رکن مالیہ۔ اور رکن قانونی۔ اور اس کونسل میں رعایا کی طرف سے کوئی نمایندہ شریک نہیں ہے۔ نہ مزارعین کا نہ مالکان اراضی کا نہ تاجروں کا اور نہ صناعوں کا۔ نہ آج تک کوئی ہندوستانی اس کونسل کا رکن ہوا۔ اور نہ اب ہے۔ اس کونسل کے سب ارکان اُن محکموں کے افسر اعلیٰ ہیں جن کے ذمے سرکاری محاصل کی وصول یابی نہیں ہے بلکہ صرف خرچ ہی خرچ ہے جیسا کہ سر آکلینڈ کالون اور سر ڈیوڈ باربر نے ہندوستان کے خرچ کی تحقیقات کے لئے جو شاہی کمیشن منعقد ہوا تھا اس کے سامنے بیان کیا کونسل کے ارکان اعلیٰ انگریز عہدہ دار ہوتے ہیں جن کو بیشک رفاہ عام سے دلچسپی ہوتی ہے لیکن وہ بھی اپنے فرائض منصبی سے مجبور ہیں کہ اپنے اپنے سررشتوں کی ضرورتوں کے لئے زیادہ سے زیادہ رقم طلب کریں۔ اور حکومت پر رعایا کے اغراض و مقاصد کا اظہار کرنے کے لئے کونسل میں کوئی ہندوستانی رکن ہے ہی نہیں۔ ازدیاد مصارف کی تائید پر تمام زور و اقتدار کمربستہ موجود ہے لیکن تخفیف مصارف کا حامی ایک بھی نہیں۔ سر ڈیوڈ باربر کہتا ہے کہ "آج کل یہی معمول بندھا ہوا ہے کہ روز افزوں خرچ عائد کرنے کی خاطر محکمۂ مالیہ پر دباؤ ڈالا جائے۔ سررشتہ جات کے طریق کار کو عملاً دباؤ ہی کہا جا سکتا ہے کیونکہ

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

سررشتہ جات ہر وقت اور زیادہ روپے خرچ کرنے پر زور دیتے اور مستقل و مسلسل مطالبات کرتے رہتے ہیں۔" مگر تخفیف مصارف یا محصول کو اعتدال پر لانے کے لئے رعایا کے زرعی حقوق کے تحفظ اور انکی حرفت وصنعت کو فروغ پہنچانے کے لئے کوئی اُدھر سے دباؤ ڈالنے والا نہیں ہے۔ اس طرح حکومت ہند کا دستور خود ایسا ہے کہ اس سے روز بروز پردیسیوں کی حکمرانی کمزور اور رعایا سے دور ہوتی جا رہی ہے اور ہر اہم مسئلے پر دراصل یکطرفہ فیصلہ ہوتا ہے۔ تاکہ ارکان کونسل لایق دانشمند تجربہ کار اور راست باز ہوتے ہیں۔ مگر عقلمند سے عقلمند جج بھی صحیح طور پر فیصلے نہیں کرسکتا اگر وہ صرف ایک ہی فریق کی شہادت پر فیصلے صادر کردے اسی طرح حکومت ہند اپنے فریضے کی بجا آوری کی سچی خواہش رکھنے کے باوجود رعایا کی مادی فلاح وبہبود کے ذرائع اس لئے پیدا نہیں کرسکتی کہ وہ رعایا سے بالکل علحدہ ہے اور اپنی رعایا کو اپنا شریک کار بنانا قبول نہیں کرتی۔ اس حکومت کا دستور ہی کچھ ایسا ہے کہ اس سے رعایا کے مقاصد و اغراض کی تکمیل نہیں ہوسکتی۔

جان اسٹوارٹ مل کا مقولہ ہے کہ "قوم کا اپنے آپ پر حکومت کرنا ایک معنی اور ایک اصلیت رکھتا ہے لیکن یہ جو کہا جاتا ہے کہ ایک قوم دوسری قوم پر حکومت کرتی ہے تو اس کی نہ کوئی اصلیت ہے اور نہ یہ واقعہ ہو سکتا ہے البتہ ایک قوم محض اپنے اغراض کی تکمیل کے لئے دوسری قوم پر قابض رہ سکتی ہے یعنی اپنے پیسے پیدا کرنے کے لئے ایک ایسے مرغزار کی طرح جہاں انسانی جانوروں کو دوسروں کے جلب منفعت کے لئے رکھا جاتا ہے۔"

ایک سرسری نظر میں جو صداقت مذکور الصدر پُر زور بیان سے ظاہر ہوتی ہے اس سے کہیں زیادہ اس میں مضمر ہے۔ تاریخ عالم میں ایک مثال بھی ایسی نہیں ملیگی جہاں ایک قوم دوسری قوم پر محض محکوم کے مفاد کی خاطر حکمران رہی ہو۔ آج تک نوع انسان نے کوئی ایسا طریقہ اختراع نہیں کیا جس سے محکوم قوم کو اپنے معاملات کے انتظام میں کچھ حصہ دیئے بغیر قومی حقوق کا پورا پورا تحفظ ہوسکے مزید برآں اس طرح کی بلاشرکت مخصوص اور مطلق حکمرانی سے خود حکمران قوم کو کچھ

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

فائدہ نہیں ہوتا چنانچہ ہندوستان کے ساتھ انگلستان کی دلچسپی کی سب سے بڑی وجہ تجارت ہے مگر گزشتہ دہ سالہ مدت میں یہ تجارت کسی اضافے کے بغیر بالکل ایک ہی حال پر قائم ہے اور ہندوستان کو اوسط سالانہ درآمد مال کی قیمت جس کا بیشتر حصہ برطانوی اشیائے تجارت پر مشتمل ہے گزشتہ دس بارہ سال کے اثناء میں پانچ کروڑ پونڈ انگلیشیہ سے بھی کم تھی اور اسی حال پر رہی ۔ اس حساب سے ہندوستان میں فی کس تین شلنگ اس درآمد پر صرف ہوتا ہے مگر اس صرفے میں ابھی دو تین شلنگ کا اضافہ اس صورت میں ممکن ہے کہ ہندوستان خوشحال رہے ورنہ افلاس اور قحط کے ہوتے ہوئے خود موجودہ مصارف میں کمی کا امکان ہے ۔ دراصل اس طرح کی تجارت برطانیۂ عظمیٰ اور ہندوستان دونوں کے لئے باہمی تقویت اور دولت پیدا کرنے کا ایک جائز ذریعہ ہے مگر ہندوستان میں افلاس کی موجودگی میں یہ تجارت بارور نہیں ہو سکتی ۔ ہندوستان کے زر محاصل کا بیرون ملک بھیجدیا جانا اور بقول لارڈ سالسبری "جس کا کوئی معاوضہ ہندوستان کو براہ راست نہ ملتا ہو" ایک طرف تو ہندوستان کا افلاس بڑھاتا ہے اور دوسری طرف اس سے نہ تو انگلستان ہی کو تقویت ہوتی ہے اور نہ انگلستان کے ادارت کی آزادی ہی میں کچھ اضافہ ہوتا ہے ۔ اس طرح کسی قوم کو دولت کے "بلا معاوضہ" حاصل ہونے سے صنعت محنت یا ترقی کے لئے قوم میں نئے قویٰ نہیں پیدا ہو جاتے ۔ یہ بات جیسی ایک قوم پر صادق آتی ہے اسی طرح قوم کے ہر فرد پر صادق آتی ہے اگر محنت کی روٹی ہو تو وہ جزو بدن ہو کر رگ رگ کی پرورش کرتی ہے اور ہمارے اعصاب کو تقویت دیتی ہے مگر عرق ریزی کئے بغیر جو غذا ہم کھاتے ہیں وہ ہمارے حق میں سم قاتل بن جاتی ہے ۔ تاریخ اقوام گزشتہ اور سوانح ایام گزشتہ کا قلمبند ہونا محض بے سود ہوگا اگر ان سے ہمیں یہ سبق حاصل نہ ہو کہ سابق زمانے میں محکوم شاہنشاہیوں سے کثیر خراج وصول کرنا ہی اقوام گزشتہ میں عیش پسندی کا مادہ پیدا کرنے کا باعث ہوا اور اس سے جسطرح ان اقوام پر زوال آگیا اسی طرح موجودہ زمانے میں بھی ممکن ہے انگلستان نے شاہنشہی ہند کو فتح اس زمانے میں کیا ہے جس وقت برطانوی نوآبادیات میں موجودہ اہمیت

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

پیدا نہیں ہوئی تھی۔ اور یہ قرین قیاس معلوم ہوتا ہے گو آج کل یہ کہنا کفر و الحاد سے
کم نہ سمجھا جائے گا کہ اُس وقت بھی ہندوستان میں انگریزوں کی شاہنشہی باقی رہے گی
جبکہ برطانوی نوآبادیات سرکار برطانیہ کے حلقہ وفاداری سے باہر ہو جائینگی۔
نوآبادیات کی مثال ایک پھل کی سی ہے جو پختا بھی ہے تو اسی درخت سے ٹپکنے
کے لئے جس پر اس کا نشو و نما ہوا۔ وہ پیشین گو بڑا ہی دلیر ہو گا۔ جو یہ دعوے
کرے کہ اسٹریلیشیا اور کینیڈا اپنی آبادی طاقت اور ذرائع دولت میں کچھ اضافہ
ہو لینے کے بعد بھی زیادہ نہ سہی بیسویں صدی عیسوی کے وسط تک ہی برطانیۂ عظمیٰ کے
زیر نگین رہیں گے۔ برخلاف اس کے ہندوستان میں عامۃ الخلایق حقیقتاً برطانیۂ عظمیٰ
کے ساتھ زیادہ مدت تک روابط قائم رکھنا ہی پسند کرتے ہیں۔ اور یہ محض عقیدت
اور وفاداری کے خیال سے نہیں بلکہ جیسا کہ لارڈ ڈفرن نے کسی وقت کہا تھا انکے
ذاتی اغراض پر مبنی ہے۔ ان کا عقیدہ اب بھی یہی ہے کہ مغرب سے ان کو بہت
کچھ سیکھنا باقی ہے اور کسی مغربی طاقت کی زیر حکمرانی رہنے سے ہی مغرب سے
ان کے گہرے تعلقات قائم رہ سکتے ہیں۔ چنانچہ برطانیۂ عظمیٰ کی حکمرانی ان کی
تقدیر میں لکھی ہوئی تھی۔ اس کے ساتھ یہ لوگ یکدل و یکجہت ہو گئے اور اب
ان کی دلی خواہش یہی ہے کہ یہ حکمرانی برقرار رہے۔ لیکن اس کی موجودہ مطلق العنانی
اس خاص شکل میں باقی نہ رہے۔ اس میں تو شک نہیں کہ نظم و نسق کی موجودہ تشکیل
وارن ہیسٹنگز اور کارنوالس کی ممنون احسان ہے۔ اور اس میں منرو ہیچ الفنسٹن
اور بینٹنک نے بھی اصلاحیں کی ہیں لیکن ستر سال گزرنے کے بعد اس تشکیل میں
کچھ نہ کچھ تغیر و تبدل ضروری معلوم ہوتا ہے۔ اس ہفتاد سالہ مدت میں عام طور
پر ہندوستان میں تعلیم پھیل گئی ہے اور تعلیم یافتہ لوگوں کا اقتدار و اثر روز بروز بڑھ
رہا ہے۔ تعلیم یافتہ ہندوستانی از روئے انصاف اپنے ملک میں اعلیٰ خدمتوں پر
مامور ہونے کا حق مانگ رہے ہیں اور شاہنشہی کی اعلیٰ ترین کونسلوں میں شرکت
کے طالب ہیں۔ اس مطالبے کو نظر انداز کرنا آسان ہے مگر اس کا نتیجہ یہ ہوگا
کہ نہ صرف ایک تعلیم یافتہ اور ذی اثر طبقہ برگشتہ خاطر ہو جائے گا اور ملک
میں بے اطمینانی اور بے چینی بڑھے گی بلکہ بلا شرکت غیرے برطانوی حکمرانی

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

جاری رکھنے سے خود شاہنشہی کمزور ہو جائے گی درحقیقت دانشمندی اسمیں ہے کہ ذی اقتدار اشخاص کو حکومت کا حامی وہواخواہ بنالیا جائے تعلیم یافتہ اور ذی اثر ہندوستانیوں کو حکومت میں شریک کیا جائے۔ زراعت وحرفت کے علاوہ وہ خود اپنے ذاتی اغراض کے نمایندے اور اپنے ہم وطنوں کی مادی حالت کی اصلاح اور انسداد قحط کے ذمہ دار بنائے جائیں۔ جان اسٹوارٹ مل کی تصنیف سے ایک اور اقتباس پیش کیا جاتا ہے وہ کہتا ہے کہ "انسانی معاملات میں یہ فطری شرط مضمر ہے کہ دوسروں کے تحفظ کا ارادہ (خواہ کتنا ہی مخلصانہ کیوں نہ ہو) دل میں رکھ کر خود اپنے ہاتھ پیر باندھ لینا نہ تو مفید ہے اور نہ سلامت روی کی بات ہے۔ لوگوں کی زندگی میں حقیقی اور پائدار اصلاحِ حالات جو کچھ بھی ہو سکتی ہے وہ خود لوگوں کے ہی ہاتھوں ہو سکتی ہے۔"

ہندوستان کے لوگ ناگہانی تغیرات اور انقلابات کے دلدادہ نہیں اور نہ اس جدید دستور کے خواہاں ہیں جو کسی مجلس وضع قانون سے اس طرح صادر ہوتا ہے جس طرح دیوی منروا سب ہتھیار باندھے ہوئے دیوتا جوپیٹر کے سر میں سے برآمد ہوتی ہو ایسے دستور پر تو لوگ موجودہ طریقہ کار ہی کو ترجیح دیں گے کیونکہ ان کی خواہش یہ ہے کہ حکومت کو اور مستحکم بنائیں اور رعایا کے حالات سے اس کو زیادہ واقف کریں۔ ان کی یہ بھی تمنا ہے کہ وزیر ہند کی کونسل میں اور والسرائے کی عاملانہ کونسل میں چند ہندوستانی ارکان ایسے بھی وہ دیکھیں جو ہندوستان کے اہل حرفہ اور زراعت پیشہ کے نمایندے ہوں۔ ہر صوبے کی عاملانہ کونسل میں بھی وہ ہندوستانی ارکان کی شرکت کے خواہاں ہیں اور نظم ونسق کے ہر اہم مسئلے پر بحث کے وقت رعایا کے اغراض بھی پیش کرنے کے وہ خواہشمند ہیں۔ ان کی کوشش یہ ہے کہ شاہنشہی اور شاہنشہی کے تمام بڑے صوبوں کے انتظام مملکت میں رعایا کی امداد شامل رہے۔

ہندوستان کے ہر بڑے صوبے میں وضع قانون کی کونسل موجود ہے ان کونسلوں کے بعض ارکان کا انتخاب سنہ ۱۸۹۲ع کے قانون کے تحت کیا گیا

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

اور یہ ایک کامیاب تجربہ ثابت ہوا۔ اب بعض کونسلوں کے ارکان کی تعداد میں کسی قدر اضافہ کرنے سے نظم ونسق میں استحکام پیدا ہو جائے گا اور رعایا کے ساتھ حکومت کے روابط بھی بڑھیں گے۔ ہندوستان کا ہر صوبہ بیس تیس یا ان سے زیادہ اضلاع پر منقسم ہے اور ضلع انگلستان کے کونٹی کے مماثل ہے۔ ہر ضلع میں دس لاکھ یا اس سے بھی کچھ زیادہ آبادی ہوتی ہے۔ اب وقت آچکا ہے کہ صوبے کی وضع قانون کی کونسل کے لئے ہر ضلع اپنا اپنا رکن انتخاب کرے۔ جس صوبے میں تیس اضلاع اور تین کروڑ نفوس ہوں تو قرین انصاف یہی ہے کہ وہاں سے وضع قانون کی کونسل کے لئے تیس ارکان انتخاب کرکے بھیجے جائیں۔ ہر ضلع کو اس بات کا پورا پورا احساس ہونا چاہیئے کہ صوبے کے نظم ونسق میں اس کا بھی حصہ ہے۔

ہندوستان میں اصولاً اعلیٰ خدمتوں تک پہنچنے کی راہیں ہندوستانیوں کے لئے ۱۸۳۳ء اور ۱۸۵۳ء میں نیز ملکہ وکٹوریہ کے مشہور اعلان شاہی کی رو سے ۱۸۵۸ء میں بظاہر کھول دی گئی تھیں مگر درحقیقت اعلیٰ خدمتیں ان نوجوان انگریزوں کے لئے مخصوص کردی گئی تھیں جن کو مشرق میں تلاش روزگار کی دھن لگی ہوئی تھی۔ لیکن اب وقت آگیا ہے کہ ہندوستانیوں کو ان اعلیٰ عہدوں پر فائز کرنے کے لئے عملی طور پر تمام راہیں کھول دینی ضروری ہیں اور فقط ہندوستان کی ملازمت دیوانی کی حد تک ہی نہیں بلکہ تعلیمات انجینئرنگ ڈاک تار برقی کوتوالی اور طبابت کے سررشتہ جات میں بھی یہی ہونا چاہیئے جس سے اعلیٰ خدمتوں پر ترقی پانا ہندوستانیوں کے لئے ممکن بن جائے۔ ہمارا یہ مقصد نہیں ہے کہ ان سررشتہ جات میں انگریز نہ ہوں بلکہ نہایت خوشی کے ساتھ ہم انگریزوں سے امداد قبول کرینگے لیکن ہم یہ بھی نہیں چاہتے کہ یہیں کی خاک سے بنے ہوئے بندگان خدا کو محروم کرکے تمام اعلیٰ خدمات انگریز اپنی ہی قوم کے افراد کے لئے اجارے کے طور پر مخصوص کرلیں۔

ہندوستان کے ہر ضلع میں ضلع کا افسر اعلیٰ ہی کلکٹر ہوتا ہے۔ اور مجسٹریٹ بھی اور یہ نہ صرف عاملہ کا بلکہ عدالت وکوتوالی کا بھی افسر اعلیٰ ہوتا ہے۔

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

لیکن یہ سب فرائض اب علیحدہ علیحدہ اشخاص کو تفویض ہونے چاہئیں۔ اگر ضلع میں عاملہ اور کوتوالی کا افسر اعلیٰ علیحدہ ہو اور مجسٹریٹ ایک علیحدہ شخص ہو تو نظم ونسق موجودہ خرابیوں اور نقائص سے پاک صاف ہی نہ رہے گا بلکہ زیادہ ہر دلعزیز بھی بن جائے گا۔

ہر ضلع میں ایک مجلس ضلع ہے اور اب دیہی انجمنیں بھی قائم کیجارہی ہیں۔ یہ انجمنیں زمانۂ حال میں ان قدیم دیہاتی شرکتوں کا جواب ہیں جن کا تفصیلی بیان اس کتاب میں آگے کئی جگہ آیا ہے شرکتیں ہندوؤں اور مسلمانوں کی حکومت میں چھوٹی چھوٹی خودمختار جمہوریہ کی حیثیت سے ہندوستان میں ہر جگہ پھیلی ہوئی تھیں لیکن انگریزوں کی حکمرانی میں کسی قدر تعجیل و ناعاقبت اندیشی کے ساتھ ان کو بالکل مسدود کردیا گیا۔ گرموجودہ حالات میں احتیاط اور دوراندیشی کے ساتھ ان کو دوبارہ زندہ کرنا ممکن ہے۔ ان پر اعتماد اور بھروسہ کرنا اور کچھ نہ کچھ مفید کام عملی طور پر ان کے سپرد کرنا بھی ضروری ہے۔ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ ہر قصبے کے دیوانی اور فوجداری تنازعات کا تصفیہ انھیں انجمنوں کے تفویض کردینا چاہیے یہ اسلئے نہیں کہ یہ انجمنیں عدالتی فیصلے صادر کریں بلکہ اس لئے کہ وہ فریقین کی رضامندی پر آپس میں مصالحت اور تصفیہ کرادیں۔ بمقابل ہماری عدالتوں کے جو مقام وقوع سے بیس۲ تیس۳ میل پر منعقد ہوتی ہیں دیہی انجمنیں برسر موقع رہنے کی وجہ سے ان امور کا بہتر تصفیہ کرسکتی ہیں۔ اس طرح حاضری عدالت کی خاطر لکھو کھا گواہوں کے دور و دراز نہ جانے سے ان کے اخراجات کے علاوہ وقت عزیز بھی بچے گا۔ لکھو کھا سادہ منش گاؤں والے مقدمہ بازی کے برے اثرات اور جھوٹی شہادت دینا سیکھنے سے جو عدالتوں میں جاتے جاتے آجاتی ہے محفوظ رہیں گے۔ اس سے زیادہ یہ ہوگا کہ دیہی انجمنیں اور ان کے ارکان رعایا اور حاکم کے درمیان رشتۂ اتحاد قائم رکھنے کا ایک ذریعہ ہونگے جو دور حاضر میں مفقود ہے

یہ ہیں وہ چند تدابیر جن کو اختیار کرنا عقلمندی کی بات ہے۔ کیونکہ

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

اس سے رعایا اور حکومت کے درمیان روابط بھی زیادہ ہو سکینگے اور رعایا کی فلاح وبہبود کے لئے حکومت زیادہ کار آمد بھی ثابت ہوگی اور ہر دلعزیزی بھی بڑھ جائیگی۔ حکمراں طبقے کا رعایا سے اس طرح علیحدہ رہنا شاہنشہی کو مستحکم نہیں بناتا بلکہ اس کی وجہ سے ایسے قوانین وضع ہوتے ہیں جن سے تعجیل پسندی ناعاقبت اندیشی اور ناموزونیت ٹپکتی ہے اور رعایا میں بے اطمینانی اور بے چینی پھیلتی ہے۔ برطانیہ عظمیٰ میں جب حکومت ایک سیاسی فرقے کے ہاتھوں سے نکل کر دوسرے سیاسی فرقے کے ہاتھوں میں چلی جاتی ہے تو اس کا مضر اثر ہندوستان میں حکمت عملی کے ناگہانی اور پریشان کن تغیرات کی شکل میں نظر آتا ہے۔ بجائے تخفیف مصارف کے خرچ میں اضافہ ہوتا ہے اور یہ اس لئے کہ تخفیف مصارف کا معاملہ جیسا کہ دوسرے ممالک میں ہے اسی وقت ممکن ہے جبکہ محصول ادا کرنے والے سرکاری خرچ پر نگاہ رکھنے کے بھی مجاز ہوں اس کے علاوہ ملک کا نظم ونسق رعایا کی اقتصادی حالت میں اصلاح کرنے کے قابل نہیں رہتا۔ کیونکہ ایسی اصلاح محض رعایا کی امداد باہمی ہی سے ممکن ہے۔ ملک کا بہترین تعلیم یافتہ اور نہایت اعتدال پسند اور ذی اثر طبقہ اپنے ہم وطنوں کی فلاح وبہبود اور نظم ونسق کے کاروبار میں برابر کا شریک رہنے کے بجائے حکومت سے بالکل بددل ہو جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قوم افلاس میں گرفتار رہتی ہے اور شاہنشہی میں ضعف پیدا ہو جاتا ہے۔

گزشتہ زمانے میں منرو الفنسٹن اور بینٹنک (جن کا کارنامہ پہلے صفحات میں بیان کیا گیا ہے) کے سے دانشمند ترین منتظمین مملکت نے اپنے زمانے میں جہانتک ممکن ہوا رعایا کی فلاح وبہبود کو ترقی دینے میں رعایا کی امداد سے کبھی انحراف نہیں کیا۔ آج کل بھی اسی بات کی ضرورت ہے کہ ایک ایسی حکمت عملی اختیار کرنے کے بجائے جس میں کسی کا دخل نہو اور کسی پر اعتبار نہ کیا جائے۔ ایک ایسی حکمت عملی کو جاری کیا جائے اور آئندہ عمل بھی کیا جائے۔ جس سے ملک کی دولت اور رعایا ورای میں رابطۂ اتحاد قائم ہو آج کل اس بات کی بھی ضرورت ہے کہ انگریز حکام جنھیں بمقابل اپنے

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

پچاس سال قبل کے پیش روؤں کے ہندوستان کے حالات سے کم واقفیت ہے اپنی سر چڑھا دینے والی بلندی سے نیچے آئیں رعایا کے ساتھ دوش بدوش کھڑے رہیں۔ رعایا کے ساتھ مل کر کام کریں۔ رعایا کو اپنا ہمدم و شریک کار اور نظم و نسق کے برقرار رکھنے کا ذمہ دار بنائیں۔ ہر متمدن ملک میں رعایا کا شریک کار رہنا نظم و نسق کی کامیابی کے لئے لازمی ہے اور رعایا کی اسطرح کی امداد بمقابل روئے زمین کے کسی اور مقام کے ہندوستان کے لیئے زیادہ ضروری ہے۔

بمقابل تاریخ کے کسی اور دور کے نئی صدی کی ابتدا ہی میں ہندوستان بے چینی اور مصیبتوں میں زیادہ گھرا ہوا نظر آتا ہے چنانچہ قحط سے ملک تباہ و برباد ہے جس کا حلقۂ اثر گزشتہ زمانے کے قحطوں کے مقابلے میں زیادہ وسیع ہے۔ ہندوستان کے اُن اقطاع میں بھی جو اس قحط کی زد میں نہیں آئے لوگوں کی اتری ہوئی صورتوں سے پتا چلتا ہے کہ انھیں کبھی پیٹ بھر کر کھانا نصیب ہی نہیں ہوتا۔ ان میں سے اکثروں کو تو کافی غذا کبھی میسر نہیں ہوتی اور غریبوں کو عمر بھر بھوکے رہنے کی گویا عادت سی ہو گئی ہے اور ایسی عادت کہ سدّ رمق کے برابر غذا پر اپنی زندگی گزار دیں۔ ان واقعات کے ہوتے جماعت واری اختلافات کی جگہ باقی نہیں رہتی۔ اور انگریز ہو کہ ہندوستانی جو شخص نظم و نسق کا تجربہ رکھتا ہے اور برطانوی شاہنشہی کا وفادار خادم ہے وہ اپنا فرض سمجھتا ہے کہ اس خطرے کو جس سے شاہنشہی ہند کی بنیاد متزلزل ہونے والی ہے دور کرنے کی ہر ممکنہ تدبیر سوچے؟

رامیش دت

(لندن دسمبر ۱۹۰۱ء)

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

676

دیباچہ طبع ثانی

مکرر طباعت کے وقت اس کتاب کے بعض مقامات میں تصحیح و ترمیم کی گئی ہے اور بعض مضامین جن پر "ہندوستان ملکہ وکٹوریہ کے عہد میں" نامی کتاب میں خامہ فرسائی کی گئی تھی۔ موجودہ اشاعت میں حذف کر دیئے گئے۔ یہ دونوں جلدیں بہ حیثیت مجموعی ہندوستان میں انگریزوں کے عہد حکومت کی تاریخ پر مشتمل ہیں یعنے ۱۷۵۷ء کی جنگ پلاسی سے لیکر موجودہ صدی کی اور موجودہ عہد میمنت مہد کی ابتدا تک کے حالات ان دونوں جلدوں میں درج ہیں۔

رامیش دت

(لندن اگست ۱۹۰۶ء)

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

پہلا باب

عروج شہنشاہی

"مجھکو یقین ہے کہ ایک میں ہی ہوں جو ملک کو بچا سکتا ہوں، میرے سوا کسی دوسرے میں یہ قوت نہیں" یہ دعوٰی اُس جلیل القدر ولیم پٹ کا ہے، جو بعد کو لارڈ چیتھم کے نام سے مشہور ہوا۔ اُس کا یہ طنطنہ آمیز دعوٰی تعلّی کی بنا پر نہ تھا، بلکہ اسکی بنیاد اُس زبردست احساس طاقت اور اس غیر معمولی قوت مدرکہ پر تھی، جو مستقبل کے عظیم الشان کارناموں کی رنگینی بہت پہلے سے دیکھ لیتی ہے، اور جس کا پرتو، بعض اوقات اُن لوگوں پر پڑتا ہے جن کے دل و دماغ پر زندگی کے اعلٰے مقاصد کا القا ہوا کرتا ہے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ولیم پٹ نے توقعات سے بھی بڑھکر اپنے دعوے کو سچ کر دکھایا اُس نے ۱۷۵۷ء سے ۱۷۶۱ء تک انگلستان کے نظم و نسق کو اپنی نگرانی میں چلایا اور طرّہ یہ کہ اسی پنجسالہ زمانے میں موجودہ برطانوی شہنشاہی نے عروج پایا۔ انگلستان کے حلیف فریڈرک اعظم نے ۱۷۵۷ء میں جنگ روس باخ میں فتح پائی پروشیا کو پروشیا بنایا اور فرانس کو نیچا دکھایا ولف نے ۱۷۵۹ء میں کیوبک سر لیا اور ۱۷۶۰ء میں سارا کناڈا جو فرانسیسیوں کے زیر تسلط تھا فتح کر لیا۔ ۱۷۵۷ء میں ادھر کلائیو نے جنگ پلاسی میں کامیابی حاصل کی اور ادھر ایرکوٹ نے ۱۷۶۱ء

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

میں فرانسیسی اقتدار کو ہندوستان میں پامال کر دیا۔ انھی پانچ برسوں کے اندر اندر انگلستان کی عظمت پرتھوی راج (ایک عالم پناہ قوت) کے برابر مان لی گئی۔ فرانس کا اقتدار یورپ میں حقیر سا رہ گیا اور ایشیا و امریکہ سے تو نیست و نابود ہی ہو گیا۔

ہم جو قصہ بیان کرنے کو ہیں وہ ہندوستان میں برطانوی شہنشاہی کے عروج پانے سے متعلق ہے یا یوں کہنا بجا ہوگا کہ اس کا تعلق شہنشاہی کے زیر نگین لوگوں کے اقتصادی حالات سے ہے۔ اگر ہم اس ابتدائی باب میں ان اہم سیاسی واقعات پر مختصراً نظر ثانی کریں جو جنگ پلاسی سے (۱۷۵۷ء) ملکہ وکٹوریہ کی تخت نشینی تک (۱۸۳۷ء) یعنی اس اسی سال کے عرصے میں جس پر یہ جلد اول مبنی ہے برطانوی راج کے مستقل آغاز اور توسیع کے متعلق شمع ہدایت کا کام دیتے رہے ہیں تو یہ امر لوگوں کی اقتصادی تاریخ کا زیادہ واضح خاکہ کھینچنے میں مدد و معاون ہوگا۔

اس اسی سال کے اثناء میں برطانوی مدبرین اور منتظمین مملکت تین پشت تک شہنشاہی ہند کے استحکام اور توسیع کے لئے عرق ریزی کرتے رہے مگر ہر دور کی حکمت عملی مخصوص اور مختلف رہی پہلا دور کلائیو اور وارن ہیسٹنگز کا تھا جو مردانہ جرارت آزمائی اور سخت کشاکش کا زمانہ رہا اور جس میں تاجروں کی ایک کمپنی ہندوستان کی زبردست ترین قوت ملکی بن گئی۔ ۱۷۸۴ء میں پٹ کے مرتبہ قانون ہند کی منظوری کے بعد اور سال مابعد میں وارن ہیسٹنگز کی مراجعت وطن پر اس دور کا اختتام ہوا۔ دوسرا دور کارنوالس ولزلی اور لارڈ ہیسٹنگز کا تھا جس میں مرہٹوں اور میسور کی آخری لڑائیوں کے بعد یہی کمپنی ہندوستان میں ایک سطوت اعلےٰ مان لی گئی۔ ۱۸۱۷ء میں صوبہ بمبئی کے الحاق کے بعد اور اس کے دوسرے ہی سال آخری پیشوا کی گرفتاری پر یہ دور ختم ہو گیا۔ تیسرا دور امن تخفیف مصارف اور اصلاحات انتظامی کا تھا اور منرو الفنسٹن اور بنٹنک کا عہد بھی یہی ہے۔ جن کے نام دیگر مشہور فاتحین و مبارزین کے ناموں کی بہ نسبت ہندوستان میں زیادہ تشکر کے ساتھ آج تک عزیز رکھے جاتے ہیں ۱۸۳۶ء میں لارڈ آکلنڈ کے ہندوستان میں ورود کے بعد اور ۱۸۳۷ء میں

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

ملکہ وکٹوریہ کی تخت نشینی پر یہ دور بھی ختم ہوگیا۔

ا۔ کلائیو اور وارن ہیسٹنگز کا زمانہ اور اس دور کا ۱۸۵۸ء میں اختتام

ایسٹ انڈیا کمپنی ۱۶۰۰ء میں ستر ہزار پونڈ کے اصل سے قائم کی گئی تھی اس کمپنی نے ۱۶۳۹ء میں قلعہ سینٹ جارج مدراس میں تعمیر کیا۔ چارلس دوم سے بمبئی کے جزیرہ کو خرید لیا اور ۱۶۸۷ء میں اپنے کارخانے وہاں منتقل کر دئے۔ ۱۷۰۰ء میں کلکتہ کو بنگالہ کا مستقر حکومت قرار دیا گیا یہ اس زمانے کا ذکر ہے جب مدراس کے جنوب میں پونڈیچری اور کلکتے کے شمال میں چندر نگر فرانسیسیوں کے تجارتی مرکز تھے۔

۱۷۴۴ء سے ۱۷۶۳ء تک یعنے قریب قریب بیس سال تک فریڈرک اعظم کی لڑائیوں میں انگریز اور فرانسیسی براعظم یورپ و ایشیا و امریکہ کے جنگ کے میدانوں میں ایک دوسرے کے حریف رہے اور انگریزی و فرانسیسی کمپنیوں کے عاملوں نے بھی ہندوستان میں شوق سے اس مناقشے میں حصہ لیا۔ دیسی والیان ریاست سے معاہدے کئے ایک دوسرے کی تجارتی نوآبادیوں کا محاصرہ کر لیا اور مشرق میں بھی اسی تلخ رشک و حسد کا اظہار کیا جو مغرب میں ان دونوں کے اختلاف کا باعث تھا اور یہ تین لڑائیاں جن کا سلسلہ بیس سال تک انگریزوں اور فرانسیسیوں کے درمیان قائم رہا۔ جنگ کرناٹک کے نام سے مشہور ہیں۔

پہلی جنگ کرناٹک میں فرانسیسیوں نے قطعی طور پر قابو پا کر انگریزوں سے مدراس چھین لیا، اور نواب کرناٹک کی فوج کو جو شہر واپس لینے کے لئے بڑھی تھی پسپا کر دیا۔ مگر ۱۷۴۸ء میں ایلا شاپل کی صلح سے مدراس انگریزوں کو واپس مل گیا۔

ہندوستان میں اپنے ہم وطنوں کو سطوت اعلے پر پہنچانے کی آتش ہمت فرانسیسی کمپنی کے صدر ناظم ڈوپلے کے سینے میں شعلہ زن تھی کچھ دنوں تک تو اس کی کامیابی مکمل نظر آئی مثلاً اس نے اپنے ایک ہندوستانی حلیف کو سریر آرائے دکن ہونے میں مدد دی اور ایک دوسرے حلیف کی نواب

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

کرناٹک بننے میں امداد کی۔ اس طرح جنوبی ہند میں وہ سب سے بڑھ کر ذی اقتدار ،،بادشاہ گر،، کہا جا سکتا تھا جس کے مقابل برطانوی رسوخ سراسر کالعدم نظر آتا تھا۔ مگر چند ہی روز میں لارڈ کلائیو نے اپنی بیدار مغزی سے انگریزوں کا پلہ بھاری کر دیا۔ اس نے سب سے پہلے یوں نام پیدا کیا کہ نواب وقت کے ہچشم ایک برطانوی حلیف کی خاطر دار السلطنت کرناٹک یعنے ارکاٹ کو فتح کر کے اس پر قبضہ کر لیا۔ دوسری جنگ کرناٹک آخر کار جب خاتمے پر پہنچی تو اس وقت برطانیہ کے حلیف نواب کرناٹک رہے اور فرانسیسیوں کے حلیف نظام دکن۔ اور یوں جنوبی ہند میں ان دو یورپی اقوام کے درمیان ایک طرح کا توازن قوت قائم ہو گیا کیونکہ مشرقی ساحل کا پورا علاقہ جو شمالی سرکار کہلاتا ہے فرانسیسیوں کو نظام دکن سے مل گیا۔

تیسری جنگ کرناٹک فرانسیسی قوت کی بالکلیہ تباہی پر ختم ہوئی اس وقت لالی فرانسیسیوں کا سر گروہ تھا جس میں وطن پرستی کے ساتھ جلد بازی بھی ضرور تھی اس نے مدراس کے قلعے کا محاصرہ کر لیا لیکن اس کی فتح میں ناکام رہا۔ ۱۷۶۱ء میں ایر کوٹ نے جنگ واندوش میں لالی کو شکست دی اور پھر انگریزوں نے سخت جد و جہد کے بعد فرانسیسیوں سے پونڈیچری بھی لے لیا۔ جس کو ۱۷۶۳ء میں صلح پیرس کی بنا پر واپس تو دیدیا گیا لیکن فرانسیسیوں کی شمع اقتدار ہندوستان میں ہمیشہ کے لئے بجھ گئی۔ اور ۱۷۶۳ء کے بعد برطانیہ کا کوئی حریف ہندوستان میں باقی نہ رہا۔

اس اثناء میں بنگالہ میں عظیم واقعات ظہور پذیر ہوئے سراج الدولہ نواب بنگالہ نے ۱۷۵۶ء میں انگریزوں سے کلکتہ لے لیا اور اسی ہنگامے میں جو انگریز گرفتار ہوئے تھے ان میں سے اکثر و بیشتر ایک تنگ و تار زندان میں دو جو حجرہ تاریک" (کالی کوٹھری) کے نام سے مشہور ہے گرما کی ایک تپتی ہوئی رات میں گھٹ گھٹ کر مر گئے۔ یورپ سے واپس آنیکے دوسرے ہی سال کلائیو نے کلکتہ فتح کر لیا اور نواب سے صلح کر لیتے کے

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

باوجود نواب کے خلاف ایک درپردہ سازش میں شریک ہوا جس وقت خفیہ خفیہ سب تیاریاں ہوچکیں تو نواب کے مقابلے کے لیئے فوج لے کر بڑھا اور ۱۷۵۷ء میں نواب کو جنگ پلاسی میں شکست دے دی اور اس طرح سے سارا بنگالہ ہی دراصل فتح ہوگیا۔ کلائیو نے شمالی سرکار کو بھی فرانسیسیوں سے لے لیا اور اس طرح ۱۷۶۰ء میں کلائیو کے یورپ جانے سے پہلے ایسٹ انڈیا کمپنی کا راج ہندوستان کے ایک بڑے خطّے میں پھیل چکا تھا۔

نوابان بنگالہ عمال کمپنی کے ہاتھ میں اب محض کٹھ پتلی بنے ہوئے تھے۔ جنگ پلاسی کے بعد میر جعفر کو نواب بنگالہ بنایا گیا اور اس کو معزول کر کے ۱۷۶۰ء میں میر قاسم کو مسند نشین کیا گیا۔ میر قاسم ایک زبردست حکمراں تھا جس کی کوشش یہی رہی کہ عمال کمپنی کی بدعملی کی روک تھام ہوجائے کیونکہ یہ بدعملی ملک کی اندرونی تجارت میں رخنہ انداز تھی۔ اس پر ایک جنگ چھڑ گئی شکست کھاکر میر قاسم روپوش ہوگیا۔ پھر میر جعفر کی دوبارہ مسند نشینی ہوئی مگر چند ہی روز میں اس ضعیف و عمر رسیدہ نواب نے رحلت کی بعدہٗ میر جعفر کے ایک مجہول النسب فرزند کو بنگالے کا برائے نام حکمراں بنادیا گیا۔ اس وقت بنگالے کا نظم ونسق حد سے زیادہ تہ و بالا ہو رہا تھا اور رعایا پر شدید مظالم ہو رہے تھے۔

۱۷۶۵ء میں جب کلائیو نے تیسری اور آخری مرتبہ ہندوستان میں قدم رکھا تو اس نے ایک جدید یادگار حکمت عملی کی ابتدا کی شہنشاہان دہلی کا یادگار ضعیف القویٰ جانشین خانہ بدوش مارا مارا پھر رہا تھا اور برائے نام ہندوستان کا خود مختار فرمان روا تسلیم کیا جاتا تھا، اس وسیع برّاعظم کے سارے روسا و والیان ریاست اسی کی اطاعت کا بظاہر دم بھرتے تھے اور ان تمام ریاستوں اور صوبوں میں جنھیں انھوں نے اپنی قوت بازو سے فتح کیا تھا شہنشاہ ہی سے حصول اقتدار کا نمائشی اعتراف کرتے تھے کلائیو نے بھی انھیں کے قدم بہ قدم اٹھایا۔ یوں تو ۱۷۵۷ء میں اس نے بنگالے کو بزور شمشیر فتح کر لیا تھا

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

لیکن اس کے باوجود ۱۷۶۵ء میں ایسٹ انڈیا کمپنی کے لیئے شہنشاہ دہلی سے اس صوبے کے منصب دیوانی کا منشور حاصل کیا جس سے کمپنی کی ایک باضابطہ حیثیت بن گئی اور اس صوبے میں جس کی فتح آٹھ سال پیشتر ہو چکی تھی انتظام مملکت کی ذمہ داری بھی قانوناً اس کے تفویض ہو گئی۔ لارڈ کلائیو نے دیوانی اور فوجی نظم ونسق میں دوسری چند اصلاحات کیں اور ۱۷۶۷ء میں آخری دفعہ ہندوستان کو خیرباد کہا۔

کلائیو کا منصوبۂ نظم ونسق ناکامیاب رہا۔ بنگالے کی رعایا نے نواب اور کمپنی کی دوعملی میں شدید مظالم برداشت کیئے محاصل میں بھی کمی ہوئی اور ۱۷۷۰ء و ۱۷۷۱ء کے درمیانی قحط نے تو بنگالے کی ایک تہائی آبادی کا صفایا ہی کر دیا۔

مدراس میں انگریز حکام نے حیدرعلی سے جنگ چھیڑ دی حیدرعلی اٹھارھویں صدی عیسوی کے آخری نصف حصے میں ہندوستان کا قابل ترین سپہ سالار تھا۔ وہ کرناٹک کو تاخت وتاراج کرکے مدراس سے چند میل کے فاصلے پر جو نمودار ہوا تو کونسل میں کھلبلی سی پڑ گئی اور ۱۷۶۹ء میں کونسل نے اس مہیب غنیم سے ڈر کر صلح کر لی۔

ہندوستان کی صورت حالات کی اصلاح کی غرض سے برطانوی پارلیمنٹ نے ۱۷۷۳ء میں قانون ہند منظور کیا۔ اس قانون کی رو سے کمپنی کو ہندوستان میں انتظام مملکت کے باضابطہ حقوق پیدا ہو گئے اور کمپنی کے تمام ہندوستان کے مقبوضات کی نگرانی کے لیئے گورنر جنرل کی ایک خدمت بھی قائم کی گئی وارن ہسٹینگز جو اس وقت بنگالے کا گورنر تھا ۱۷۷۴ء میں پہلا گورنر جنرل مقرر ہوا۔

وارن ہسٹینگز سے بڑھ کر قابل یا ملک و اہل ملک کے حالات سے بخوبی واقف کوئی دوسرا انگریز اس وقت ہندوستان بھر میں نہ تھا۔ ۱۷۵۰ء میں وارن ہسٹینگز کا عنفوان شباب ہی تھا کہ وہ ہندوستان آیا اس نے اقتدارات کے بیجا استعمال پر بنگالہ اور مدراس دونوں جگہ

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

اپنے ہم وطنوں پر سخت اعتراضات کئے تھے۔ اور اب جو عنان حکومت اس کے ہاتھ میں آئی تو اس کی مخلصانہ خواہش یہی تھی کہ نظم ونسق کی کسی طرح اصلاح ہو جائے۔ لیکن اس کے مالی مشکلات، کونسل کی مخالفت جس کا قلب فرانسیس بانی تھا متعدد لڑائیاں اور مطلق العنانی کی طرف خود اس کا میلان طبع ان سب کے باعث اس سے خود رائی کے افعال سرزد ہوئے جو آگے چل کر برطانوی پارلیمنٹ میں اس کے واسطے مواخذے اور بازپرس کا سبب بن گئے

ہیسٹنگز نے شہنشاہ دہلی کے مقررہ خراج کو موقوف کر دیا اور شہنشاہ کے مقبوضات جو کورہ اور الٰہ آباد میں تھے نواب اودھ کے ہاتھ (پانچ لاکھ) ۵ لاکھ روپیہ لے کر بیچ ڈالے۔ روہیلوں کی سرکوبی کے لئے (چالیس ہزار) ۴۰ لاکھ روپیہ کے معاوضے میں انگریزی رسالہ اور توپ خانہ بھی نواب کو مستعار دے دیا۔

بمبئی کی حکومت بھی مرہٹوں کی (جو اس وقت ہندوستان میں ایک زبردست ترین قوت مانے جاتے تھے) مشکلات میں گرفتار تھی۔ پیشوا کی گدی کے دو دعویدار تھے بمبئی کی حکومت نے ان میں سے ایک کی امداد کرنے کا معاہدہ کر لیا۔ اور یوں پہلی جنگ مرہٹہ کی ابتدا ہوئی۔ انگریزی فوج نے یہ کار نمایاں کیا کہ احمد آباد اور گوالیار پر قبضہ کر لیا مگر لڑائی کے اصل مقصد میں ناکامی رہی۔ انگریزوں کا حلیف وظیفے پر علیحدہ ہو گیا اور ۱۷۸۲ء کی صلح کی رو سے انگریزوں کے مقبوضات میں سالسٹ اور دوسرے چند جزائر کا اضافہ ہوا۔

ادھر حیدر علی اعظم والی میسور سے دوسری جنگ میسور شروع ہوئی۔ سرایرکوٹ نے بیس سال قبل وانڈوش پر فرانسیسیوں کو جیسی شکست دی تھی۔ اب حیدر علی کو بھی چار معرکوں میں شکست دی۔ لیکن حیدر علی ہر میدان کارزار سے اپنی فوج بچا کر نکال لیجانے میں کامیاب رہا۔ جس سے اس کا زور نہ ٹوٹ سکا۔ اور یہی نہیں بلکہ ایک بہتر چال چلکے دو انگریزی متفرق دستوں

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

کو اس نے گھیر لیا۔ جو کرنل بیلی اور کرنل برتھویٹ کی کمان میں تھے اور ان سب کا قلع قمع کر ڈالا۔ مگر حیدر علی نے سنہ ۱۷۸۲ء میں رحلت کی اور سنہ ۱۷۸۴ء میں اس کے بیٹے ٹیپو سلطان کے ساتھ صلح پر یہ جنگ ختم ہوئی۔

سنہ ۱۷۷۵ء میں نواب اودھ کی وفات پر اس کے جانشین سے وارن ہیسٹنگز نے ریاست بنارس اپنی تحویل میں لے لی اور اس طرح بنارس کا راجہ انگریزوں کا دست نگر بن گیا ہیسٹنگز نے مقررہ خراج کے علاوہ راجہ سے کثیر پیشکش کا مطالبہ کیا۔ اور اس کے ادا نہ کرنے پر ایک سنگین تاوان طلب کیا۔ اور پھر راجہ کو گرفتار کر کے نظر بند کر دیا۔ اب راجہ کی رعایا کے لئے بغاوت ناگزیر ہوگئی۔ اسی وقت راجہ کو معزول کر کے اس کے ایک رشتہ دار کو اس شرط پر مسند نشین کیا گیا کہ وہ مقررہ خراج میں اضافہ قبول کرلے۔

نو مسند نشین نواب اودھ سے واجب الوصول بقایا کا تقاضہ شروع ہوا۔ اور جب اس نے مجبوری کا عذر کیا تو اس کی ماں اور دادی کا خزانہ اور جواہرات لوٹ لینے میں اس کی مدد کی گئی اور اس طرح دس لاکھ پونڈ جمع کر کے نواب نے اپنا قرضہ بیباق کر دیا اودھ اور مدراس دونوں صوبوں میں انگریز قرض خواہوں کے نام آمدنی مالگزاری کے انتقال کے باعث رعایا سخت تکالیف اٹھا رہی تھی۔ اور بنگالہ میں تو وارن ہیسٹنگز نے زمینداروں کے موروثی حقوق کی کچھ پرواہ نہ کی اور کمپنی کی آمدنی میں توفیر کی غرض سے ان کی جاگیریں نیلام کر دیں۔

یہ تمام افعال وارن ہیسٹنگز کے نظم و نسق پر دھبہ لگاتے ہیں پٹ کا مرتبہ قانون ہند سنہ ۱۷۸۴ء میں منظور ہوا اور یہ پہلا موقع تھا کہ اس قانون کی رو سے ہندوستان میں کمپنی کا تمام نظم و نسق سرکار برطانیہ کی زیر نگرانی آگیا۔ وارن ہیسٹنگز نے اس کے دوسرے ہی سال ہندوستان سے مراجعت کی۔

سنہ ۱۷۸۵ء تک ہندوستان میں برطانوی حکومت کے عروج کی مختصر تاریخ

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

یوں ہے کہ تین لڑائیاں فرانسیسیوں کے ساتھ لڑی گئیں جن سے برطانوی قوم کرناٹک میں سطوت اعلیٰ مان لی گئی پھر دو لڑائیاں میر قاسم اور سراج الدولہ سے ہوئیں جن سے وہ بنگالہ کے مالک بن گئے۔ اور ایک ایک ابتدائی لڑائی میسور اور مرہٹوں سے ہوئی۔ یہی ہیں وہ اہم جنگی معاملات جن میں کلائیو اور ہیسٹنگز کے معاصرین ہندوستان میں مشغول رہے۔ جب وارن ہیسٹنگز نے ۱۷۸۵ء میں ہندوستان کو خیرباد کہا تو اس وقت کمپنی کے اصلی مقبوضات کی وسعت بنگالہ و شمالی سرکار اور بنارس کے سوا بمبئی اور مدراس دونوں کے اکناف کے چند مختصر خطوں تک پہنچ چکی تھی۔

۲۔ کارنوالس ولزلی اور لارڈ ہیسٹنگز کا عہد ۱۷۸۵ء سے ۱۸۱۷ء تک چٹ کا مرتبہ قانون ہند ۱۳ ر اگست ۱۷۸۴ء کو منظور ہوا۔ کمپنی کے تمام دیوانی فوج اور مالگزاری کے معاملات سرکار برطانیہ کے مقرر کردہ چھ کمشنروں کی زیر نگرانی آ گئے۔ ان انتظامات کا صحیح منشا یہی تھا کہ ہندوستان کے نظم و نسق میں اصلاح ہو اور لوگوں کو اس ظلم اور اندھیر سے نجات ملے جس سے انگریزی حکومت کے عہد اولیٰ میں تکالیف پہنچی تھیں۔ نظمائے کمپنی خود اپنا گھر سنبھالنا چاہتے تھے۔ وارن ہیسٹنگز کے بعد انھوں نے لارڈ کارنوالس کو جو ایک اعلیٰ ظرف فیاض منش امیر تھا ان خاص ہدایتوں کے ساتھ گورنر جنرل بنا کر بھیجا کہ وہ اراضی سے متعلقہ سرکاری مطالبات کا دوامی تعین اس طرح سے کر دے جس سے زراعت کو ترقی دینے یا اپنی حالت سدھارنے کے لئے رعیت کو تحریک ہو۔

طوفان و تاریکی کے بعد ہندوستان میں پھر دھوپ نکلی لارڈ کارنوالس نے ان توقعات کو پورا کیا جو اس سے وابستہ تھیں۔ اس نے نظم و نسق میں اصلاح کی اور کمپنی کو مجبور کیا کہ ملازمین کمپنی کے لئے کافی تنخواہیں مقرر ہوں۔ جس سے وہ دیانت دار رہیں۔ اسی نے ہندوستان کی ملازمت دیوانی یعنے سول سروس کی بنا ڈالی جو آج تک موجود ہے ایک ہی جنگ اس کے عہد میں ہوئی اور وہ ٹیپو سلطان والئی میسور سے۔ اس نے ٹیپو سلطان کے

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

دار السلطنت پر قبضہ کرلیا۔ اور ٹیپو سلطان کو کمزور کرنے کے بعد اس کی عملداری کے کچھ حصے کا الحاق کر کے صلح کرلی۔ ۱۷۹۳ء میں ہندوستان سے مراجعت کے قبل کارنوالس نے بنگالے کی مالگزاری کے لئے دوامی بندوبست زمینداری رائج کیا۔ اور یہ ہندوستان میں انگریزی رعایا کی خوشحالی اور خوش دلی کے لئے انگریزی حکومت کے کسی اور قاعدہ قانون سے نسبتاً زیادہ مفید وکارآمد ثابت ہوا۔

۱۷۹۳ء میں ایسٹ انڈیا کمپنی کے منشور کی تجدید کی گئی۔ پارلیمنٹ میں ہندوستان کے معاملات پر بحث ہوئی اور ۱۷۸۴ء کے مجریہ قانون ہند (مجوزہ پٹ) کے اصولی شرائط برقرار رکھے گئے لیکن ایسٹ انڈیا کمپنی پر مزید یہ شرط عائد کی گئی کہ دوسرے تاجروں کیلئے جن کی مشرق سے تجارت قائم تھی۔ تین ہزار ٹن مجموعی وزن کے جہاز کمپنی کو مہیا کرنا چاہئیں کمپنی کے اجارے میں یہ پہلی رخنہ اندازی ہوئی۔ سرجان شور جسے کچھ دن بعد لارڈ ٹنیمتھ کا خطاب ملا تھا لارڈ کارنوالس کے بعد گورنر جنرل مقرر ہوا۔ اس نے بھی اپنے پیشرو کی صلح پسند حکمت عملی کی پابندی کی اور مالگزاری کے اسی دوامی بندوبست کو جو کارنوالس نے بنگالہ کو عطا کیا تھا۔ بنارس تک توسیع دی

لارڈ مارننگٹن جسے کچھ دن بعد مارکوئیس ویلزلی کا خطاب ملا تھا سرجان شور کا جانشین مقرر ہوا۔ اور ۱۷۹۸ء میں ہندوستان آیا۔ گزشتہ عہد میں فریڈرک اعظم کی لڑائیاں ہندوستان میں برطانوی حکمت عملی پر جیسا اپنا اثر ڈال رہی تھیں اسی طرح نپولین بوناپارٹ کی لڑائیاں اب اثر ڈالنے لگیں ولیم پٹ تو دول یورپ کی اس غرض سے مالی امداد کر رہا تھا کہ وہ نپولین کے مقابلے کے لئے فوجیں تیار رکھیں اور ویلزلی پٹ کا نہ صرف دوست بلکہ شاگرد رشید بھی تھا اسی لئے اس نے بھی مالی امداد کے اس طریقے کو ہندوستان میں رائج کیا مگر اس اہم اختلاف کے ساتھ کہ ناکارہ اور نکمی دیسی افواج کے برقرار رکھنے کے لئے والیان ریاست

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri
CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

کو مالی امداد دینے کے بجائے خود انہیں سے مالی امداد وصول کی جائے جس سے ان کی قلمرو میں انگریزی امدادی فوج رکھی جا سکے۔ اس طریقے سے ایک طرف تو کمپنی کی آمدنی کا اور دوسری طرف والیان ریاست پر انگریزی نگرانی رکھنے کا نیا ذریعہ ہاتھ آیا۔ اسی حکمت عملی کا نام اتحاد معاونت ہے۔

ٹیپو سلطان والئی میسور کو کسی پہلو چین نہ تھا۔ اس نے فرانسیسیوں سے نامہ و پیام شروع کر دیا جس کا انسداد ضروری تھا۔ اس لئے چوتھی مرتبہ میسور سے جنگ چھڑ گئی۔ ۱۷۹۹ء میں خود ٹیپو سلطان اپنے دار السلطنت کو بچاتے ہوئے میدان کارزار میں کام آیا۔ فاتحین نے میسور کی ریاست کے کچھ علاقے کا الحاق کر لیا۔ کچھ علاقہ مرہٹوں کو اس شرط کے ساتھ دینے کا وعدہ کیا کہ وہ "اتحاد معاونت" کو قبول کریں مگر انھوں نے صاف انکار کر دیا۔ کچھ علاقہ نظام دکن کے سپرد کیا گیا جو انگریزوں کی امدادی افواج کے سالانہ مصارف نہ دینے کے معاوضے میں ویلزلی نے کچھ دنوں کے بعد واپس لے لیا۔ اس کے بعد میسور کا جو کچھ حصہ باقی رہ گیا اس میں ایک چھوٹی ریاست قائم کی گئی اور یہ میسور ہی کے قدیم ہندو شاہی خاندان کے تفویض کر دی گئی۔

کمزور ریاستوں کے حق میں تو اس سے بھی زیادہ سرسری فیصلے صادر ہوئے کیونکہ ولزلی نے اپنے طریق کار میں کوئی خصوصیت ہی ملحوظ نہیں رکھی۔ مثلاً نواب سورت نے ۱۷۹۹ء میں رحلت کی۔ ولزلی نے نواب کے بھائی کے لئے جو وارث تخت تھا کچھ وظیفہ مقرر کر دیا اور اس ریاست کا الحاق کر لیا۔ تنجور کے راجہ کو معزول کرنے کے بعد اس کے بھائی نے وظیفے پر علیحدگی اختیار کر لی۔ اور اپنے اقتدارات انگریزوں کے سپرد کر دئے۔ ۱۸۰۱ء میں نواب کرناٹک نے انتقال کیا مگر اس کے جانشین نے تخت سے کنارہ کش ہونے سے صاف انکار کر دیا۔ اس پر بھی ایک دوسرے شہزادے کو اس کی جگہ مسند نشین کر دیا گیا جس نے اپنی سلطنت

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

انگریزوں کے حوالہ کردی اور خود وظیفے پر علیحدہ ہو گیا، فرخ آباد کے نواب کا ابھی عنفوان شباب تھا اور وہ سن بلوغ کو پہنچنے والا ہی تھا کہ اپنی ریاست کی زمام حکومت انگریزوں کے ہاتھوں میں منتقل کر دینے پر اس کو مجبور کیا گیا۔ چنانچہ اس نے مجبور ہو کر وظیفے پر علیحدگی اختیار کرلی۔ نواب اودھ سے استدعا کی گئی کہ وہ یا تو اپنی ریاست کے دیوانی اور فوجی نظم ونسق کو انگریزوں کے ہاتھ میں منتقل کردے یا انگریزوں کی امدادی فوج کے مصارف کیلئے اپنی ریاست کے نصف حصے سے دست بردار ہو کر "اتحاد معاونت" میں شریک ہو جائے موخرالذکر تجویز کے قبول کرنے کے سوا اس کو چارہ نہ تھا۔ چنانچہ اس نے الہ آباد اور دوسرے اضلاع سنہ ۱۸۰۱ء میں انگریزوں کے تفویض کر دئے۔

اب صرف ایک بڑی قوت ہندوستان میں جو باقی رہ گئی تھی وہ مرہٹوں کی تھی، لارڈ ولزلی کی خوش نصیبی سے پیشوا کو دوسرے مرہٹے سردار ہر طرف سے جو تنگ کر رہے تھے تو بہ مجبوری پیشوا نے انگریزوں سے امداد چاہی۔ سنہ ۱۸۰۲ء میں اتحاد معاونت کی تکمیل ہوئی اور پھر انگریزی فوج کی کمک سے پیشوا تخت نشین ہو گیا۔ دوسرے مرہٹے سردار یعنی سندھیا، ہلکر بھونسلے اپنی اپنی قلمرو میں یوں انگریزوں کی مداخلت کی ابتدا ہوتے دیکھکر چوکنا ہو گئے اس کے بعد ہی دوسری مرہٹہ جنگ شروع ہوئی۔ جنرل ولزلی نے جو بعد کو ڈیوک آف ولنگٹن کے نام سے مشہور عالم ہوا۔ سنہ ۱۸۰۳ء میں جنگ آسی اور جنگ ارگاون میں سندھیا اور بھونسلے کی فوجوں کا ادھر قلع قمع کر دیا۔ اور اسی سال ادھر لارڈ لیک نے دہلی میں فاتحانہ قدم رکھا اور سندھیا کی فوج کو لسواڑی پر شکست دی۔ ہلکر جو اس وقت تک موقع کی تاک میں تھا جنگ میں شریک ہو گیا اور یہ لاتناہی جنگ وجدل مرہٹوں کے متعدد سرداروں کے ساتھ جاری ہی تھی کہ نظمائے کمپنی نے خائف ہو کر اپنے ضرورت سے زیادہ جنگجو گورنر جنرل کو واپس طلب کرلیا۔ اور اس کی جگہ لارڈ کارنوالس کو دوبارہ بھیجا کہ وہ جاکر ہندوستان

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

میں پھر امن قائم کرے۔ مشرق کا "پرد کونسل" اعظم انگلستان کے "وکامنر" اعظم کی ملاقات کی غرض سے بھاگا ہوا گیا کیونکہ ولزلی کی حکمت عملی ہندوستان میں پٹ کی یوروپی حکمت عملی کے ہم شکل ہی تھی۔ ولزلی ایسے وقت پہنچا جب کہ ولیم پٹ بستر مرگ پر پڑا ہوا تھا۔ پٹ یورپ کی لڑائیوں کو اختتام پر پہنچانے میں اسی طرح ناکام رہا تھا جس طرح ہندوستان کی لڑائیوں کو انجام پر پہنچانے سے ولزلی عاجز رہا تھا۔ یورپ کے نقشے کی طرف اشارہ کر کے پٹ نے کہا تھا کہ "اس نقشے کو اب لپیٹ دو اس کی آج سے دس سال تک ضرورت نہ ہوگی"۔ صاحب فراش وزیر انگلستان اور واپس طلب کردہ گورنر جنرل کے درمیان نہایت ہی مغموم ملاقات رہی اور مرنے سے پہلے پٹ کی یہ آخری گفتگو تھی لڑائیوں کو تو کچھ دنوں ابھی جاری رہنا تھا جو یورپ میں ۱۸۱۵ء کو اختتام پر پہنچیں اور ہندوستان میں ۱۸۱۷ء میں۔

اسی زمانے میں ہندوستان میں عارضی طور پر امن قائم تھا۔ کارنوالس نے ہندوستان واپس آنے کے تھوڑے ہی عرصے کے بعد انتقال کیا اور اس کے جانشین سر جارج بارلو اور لارڈ منٹو نے تو مرہٹوں کو اپنی حالت پر چھوڑ دیا۔ ۱۸۱۳ء میں ایسٹ انڈیا کمپنی کے منشور کی دوبارہ تجدید ہوئی لیکن ان کا ہندوستان سے تجارت کرنے کا اجارہ منسوخ کردیا گیا۔ مشرق سے تجارت کرنے کا منشور جو ایسٹ انڈیا کمپنی کو ۱۶۰۰ء میں ملکہ الزبتھ نے عطا کیا تھا۔ وہ باقی نہ رہا۔ چینی چاء کے اجارے کے سوا تمام انگریز تاجروں کو تجارت کی ایک عام اجازت ملگئی۔

لارڈ ہیٹنگز جس نے بعد کو مارکوئیس ہیٹنگز کا خطاب پایا۔ ۱۸۱۳ء میں جب لارڈ منٹو کا جانشین مقرر ہوا تو مرہٹوں سے آخری کشاکش کا وقت آگیا تھا۔ جنگ نیپال کی وجہ سے کوہ ہمالیہ کے اطراف و اکناف کا کچھ علاقہ کمپنی کے قبضے میں آگیا تھا، پنڈاری اور افغان جاٹ اور مرہٹے سب کے سب زر کے بندے تھے یعنے جس سردار نے تنخواہ

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

دی اس کی نوکری بجا لانے والے جتھے کے جتھے اکثر دیہاتوں کو غارتگری کے لالچ میں لوٹ رہے تھے اور ایک ہنگامہ برپا کر رکھا تھا ان کی سرکوبی کے لیئے دوسری مہم تیار ہوئی۔ اور سب سے آخر میں تیسری اور قطعی جنگ مرہٹوں کے ساتھ ہوئی جس کی ابتدا یوں ہوئی کہ سنہ ۱۸۰۲ء میں پیشوا نے انگریزوں کے ساتھ "اتحاد معاونت" کیا تو تھا لیکن قیود کی پابندی اس کو ناگوار تھی آخرکار جب اس نے نقاب الٹ دی تو مرہٹوں کے دوسرے سردار بھی اس کے شریک حال ہو گئے۔ لیکن کھرکی پر پیشوا کی فوج نے شکست کھائی۔ اور سیتا بلدی پر بھونسلے کی فوج نے اور مہدپور کے مقام پر سر جان میلکم نے ہولکر کی افواج کا قلع قمع ہی کر دیا۔ سنہ ۱۸۱۷ء میں پیشوا کی مکمل قلمرو کا الحاق کر کے بمبئی کا صوبہ قائم کیا گیا۔ خود پیشوا سال مابعد میں گرفتار ہو گیا۔ اور اس نے وظیفے پر علیحدگی قبول کر لی۔ سندھیا ہولکر بھونسلا اور گیکوار کے سے معمولی مرہٹے سرداروں کو اپنی اپنی قلمرو کی حکمرانی تو ملی مگر وہ سب انگلستان کی شہنشاہی کے زیر نگین آ گئے۔

ہندوستان میں انگریزوں کی حکومت کے عہد دوم میں جو سیاسی اور جنگی معاملات وقوع پذیر ہوئے۔ ان کی مختصر تاریخ اس طرح ہے کہ مالگزاری کا دوامی بندوبست جو سنہ ۱۷۹۳ء میں بنگالہ میں تکمیل کو پہنچا اور جس کی سنہ ۱۷۹۵ء میں بنارس تک اور سنہ ۱۸۰۲ء و سنہ ۱۸۰۵ء کے مابین شمالی سرکار اور دیگر درمیانی خطوں تک توسیع کی گئی اس عہد کے نظم و نسق دیوانی کا نہایت شاندار و منفعت بخش کام ہے نیز میسور اور مرہٹوں کی سرتابی کا آخری مرتبہ فرد کرنا بھی اس عہد کے نمایاں سیاسی فتوح میں داخل ہے۔

۳۔ منرو الفنسٹن اور بنٹنک کا عہد حکومت سنہ ۱۸۱۷ء سے سنہ ۱۸۳۷ء تک اس عہد سے ہندوستان و یورپ میں قیام امن و تخفیف مصارف اور اصلاحات کی ابتدا ہوتی ہے۔ یورپ کی اقوام نپولین کی لڑائیوں

سے تھک کر جنگ واٹرلو کے بعد سے ایک مدت مدید تک امن و آسایش کا لطف اٹھاتی رہیں ہر طرف کوشش یہی تھی کہ اصلاحات عمل میں آئیں اور لوگوں کو دیوانی حقوق ملیں فرانس میں اس جاریہ کشاکش کی انتہا پر سنہ ۱۸۳۰ء میں وہ "انقلاب عظیم" برپا ہو گیا۔ انگلستان میں اسی کشاکش کی وجہ سے سنہ ۱۸۳۲ء کا قانون اصلاحات نافذ ہوا۔ بلجیم اور ہالینڈ میں پھوٹ پڑی اور بلجیم نے اپنی قومی حکومت کی بنا ڈالی۔ جرمنی اور اطالیہ میں بھی قومی اتحاد اور قومی خود مختاری کی متعدد تحریکیں موجود تھیں۔ یونان سنہ ۱۸۳۰ء میں خود مختار بن گیا۔ سنہ ۱۸۳۳ء میں بردہ فروشی و غلامی موقوف ہو گئی۔ ہر جگہ اصلاحات اور لوگوں کی حالت کو سدھارنے کا خیال اس عہد کی روح رواں بنا ہوا تھا اور یہی خیال ہندوستان میں بھی حکام وقت کی حکمت عملی میں نئی روح پھونک رہا تھا۔

سنہ ۱۸۱۷ء میں لارڈ ہیسٹنگز نے کلکتہ میں ہندو کالج قائم کیا اور سنہ ۱۸۲۳ء میں لارڈ ایمہرسٹ بہ حیثیت گورنر جنرل لارڈ ہیسٹنگز کا جانشین مقرر ہوا۔ چند روزہ جنگ برما کے ختم پر آسام اراکان اور بٹا سرم سنہ ۱۸۲۶ء میں کمپنی کی قلمرو میں شامل کر لئے گئے اور دو سال کے بعد لارڈ بنٹنگ نے کلکتہ میں بہ حیثیت گورنر جنرل قدم رکھا اس نے بھی کورگ کو الحاق کرنے کے بعد میسور کی عنان حکومت سنہ ۱۸۳۱ء میں اپنے ہاتھ میں لے لی اور یوں انگریزوں کی عملداری میں ان دو علاقوں کا اضافہ کیا لیکن یہ چند الحاقات اس عہد کی جس کا بیان ہم کر رہے ہیں کم اہم خصوصیات میں داخل ہیں کیونکہ وہ اصلاحات دیوانی جو منرو الفنسٹن اور بنٹنگ کی طرف منسوب کی جاتی ہیں اس زمانے کی زیادہ اہم خصوصیات میں شمار ہوتی ہیں۔

وارن ہیسٹنگز اور کارنوالس نے عدالتی نظم و نسق کے جس نظام کو قائم کیا تھا وہ ناکامیاب رہا کیونکہ ملک میں رہنے والے انتظامی کاروبار میں کوئی حقیقی حصہ لینے سے محروم تھے عدالتی کام یوں التوا میں پڑ گیا اور انگریزی حکام عدالت مقدمات کے تصفیہ میں اس قدر تاخیر کرتے تھے

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

کہ وہ عدل وہ انصاف کی ناکامیابی کے مساوی تھا کمپنی کی عملداری میں جرائم بے شمار ہو رہے تھے اور محض شبہ پر کسی کو گرفتار کر لینے یا پوشیدہ مخبروں سے کام لینے کے طریقے اختیار کرنے سے یہ خرابی اور بھی بڑھ گئی تھی۔ سنہ ۱۸۱۰ء میں لارڈ منٹو نے یہ لکھا کہ بنگالے کے ہر حصے میں ڈکیتی کے ساتھ قتل و خون کے جرائم پھیلے ہوئے تھے ایسے وقت میں کمپنی کے قابل ترین ملازموں نے یہ ضرورت محسوس کی کہ ہندوستان میں انتظام مملکت کا ایک بڑا حصہ ہندوستانیوں کے سپرد کیا جانا چاہئے سر ہنری اسٹریچی جج کلکتہ نے لکھا تھا کہ "ہندوستان کے جیسے متمدن آباد ملک میں عدل و انصاف جیسا ہونا چاہیئے وہ خود ہندوستانیوں ہی کے توسط سے ممکن ہے۔"

ٹامس منرو پہلا انگریز تھا جس نے اس اصول کے لئے ایک عملی صورت پیدا کی اور لوگوں پر اعتماد اور بھروسہ کرنے کی حکمت عملی کی ابتدا کی۔ سنہ ۱۷۸۰ء میں ایک سپاہی کی حیثیت سے اس نے ہندوستان میں قدم رکھا اور حیدر علی کی لڑائیوں میں شریک رہا۔ میسور و دکن کے ان خطوں میں جو ۱۷۹۲ء اور ۱۷۹۹ء اور سنہ ۱۸۰۰ء میں کمپنی کو ملے تھے بندوبست مالگزاری قایم کر کے نام پیدا کیا۔ سنہ ۱۸۱۴ء میں دوسری مرتبہ وہ جب ہندوستان آیا تو اس کمیشن کا صدر نشین بنکر جس کے تفویض مدراس کے عدالتی نظام کی نظر ثانی اور اصلاح تھی اور اس نے وہ مشہور قواعد منظور کئے جن سے ہندوستانیوں کو ذمہ دارانہ انتظامی خدمات اور زیادہ ملنے لگیں سنہ ۱۸۲۰ء میں تیسری اور آخری مرتبہ جب مدراس کا گورنر بنکر منرو ہندوستان آیا تو اس نے مدراس میں رعیت واری بندوبست اراضی کو رائج کیا اور ہندوستان ہی میں جولائی سنہ ۱۸۲۷ء میں وفات پائی منرو ان لوگوں میں جن کی عمر بھر اس نے خدمت انجام دی تھی بہت ہر دل عزیز رہا اور اس کی وفات پر سب نے آہ و زاری کی۔

مونٹ اسٹوارٹ الفنسٹن نے بمبئی کے ساتھ وہی سلوک کیا

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

جو سر ٹامس منرو نے مدراس کے ساتھ کیا تھا۔ یہ نوجوان جو منرو سے اٹھارہ سال عمر میں چھوٹا تھا عنفوان شباب ہی یعنے سنہ ۱۷۹۶ء میں ہندوستان آیا۔ ممتاز خدمتیں انجام دیں اور جنگ اسائی میں جب ڈیوک ولنگٹن نے سنہ ۱۸۰۳ء میں فتح پائی تو الفنسٹن اس وقت ڈیوک کا معتمد سیاسیات تھا۔ سنہ ۱۸۰۸ء میں لارڈ منٹو نے سفارت افغانستان کے لئے اسی کو منتخب کیا تھا اور اسی نے سب سے پہلے وہ کتاب لکھی تھی جو افغانیوں اور افغانستان کے حالات پر آج تک ایک مستند تصنیف مانی جاتی ہے۔

سنہ ۱۸۱۱ء میں پیشوا کی سرکار کا رزیڈنٹ مقرر ہو کر پونا واپس آیا اور سنہ ۱۸۱۷ء کی آخری مرہٹہ جنگ میں اس نے اہم حصہ لیا۔ مرہٹوں ہی کے معاملات کے تجربے کی بنا پر مرہٹوں کی قلمرو کے الحاق کے بعد سنہ ۱۸۱۹ء میں گورنر بمبئی کی خدمت پر ممتاز ہوا۔ آٹھ سال تک اس نے اس جلیل الشان عہدے کے فرائض انجام دئے۔ قواعد بمبئی بہ شکل قانون منضبط کئے انتظامی کاروبار میں ہندوستانیوں کو اور زیادہ خدمات عطا کئے اور اس صوبے میں تعلیم کی اشاعت بھی کی۔ نومبر سنہ ۱۸۲۷ء میں سر ٹامس منرو کے انتقال سے چند ہی مہینوں کے بعد بمبئی کی گورنری سے مستعفی ہو گیا۔

سنہ ۱۸۲۸ء میں بنٹنگ گورنر جنرل کی حیثیت سے جب ہندوستان پہنچا تو اصلاح کا کام آدھے سے زیادہ ختم ہو چکا تھا۔ بنٹنگ کی ملازمت کا ابتدائی زمانہ نہایت پر از واقعات گزرا تھا انیسویں صدی عیسوی کی ابتدا میں یہ مدراس کا گورنر مقرر ہوا تھا لیکن ہنگامۂ سنہ ۵۷ء کے وقوع پر اس کو واپس طلب کر لیا گیا جس کے بعد یہ یورپی سیاسیات میں اس طرح منہمک ہوا۔ کہ سنہ ۱۸۱۴ء میں جنیوا فتح کر لیا اور وہاں قدیم دستور کو دوبارہ نافذ کر دیا۔ پھر اطالیہ کو آزاد و متحد بنانے کی دھن میں پڑ گیا۔ اور یورپ میں چودہ سال گزارنے کے بعد چون برس کی سنجیدہ عمر میں وہ گورنر جنرل بنکر

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

ہندوستان آیا۔
منرو کے مجوزہ قواعد مدراس میں منظور ہو چکے تھے اور عدالت دیوانی کا نظم و نسق ہندوستانی نظماء کے سپرد ہو چکا تھا اور یہی اصلاحیں الفنسٹن نے بمبئی میں بھی کی تھیں۔ لارڈ بنٹنگ نے بھی بنگالے کی عدالت دیوانی کا انتظام ہندوستانی نظماء ہی کے سپرد کر دیا اور اُن کے اقتدار اور مشاہرے نہایت اعلیٰ پیمانے پر مقرر کر دئے۔ مالگزاری کے انتظام میں یورپی کلکٹروں کی امداد کے لئے ہندوستانیوں کو ڈپٹی کلکٹریاں بھی دیں اور ہندوستان کے نظم و نسق میں جیسے ہی لارڈ بنٹنگ نے ہندوستانیوں کو عام طور پر ملازمت دی ویسے ہی سالانہ آمدنی میں دس لاکھ کی کسر جو تھی وہ بیس لاکھ کی بیشی میں مبدل ہو گئی اس کے علاوہ ۱۸۳۳ء میں ایک اصلاح یافتہ محال واری بندوبست کی شمالی ہند میں اور ۱۸۳۵ء میں رعیت واری بندوبست کی بمبئی میں اسی نے ابتدا کی۔
۱۸۳۳ء میں ایسٹ انڈیا کمپنی کے منشور کی اسی شرط پر تجدید ہوئی کہ کمپنی تجارت سے بالکل دست بردار ہو جائے اور آج سے ہندوستان کی حکمرانی و انتظام مملکت کے سوا کچھ نہ کرے اس کے ساتھ ہی ساتھ یہ بھی مشروط قرار دیا گیا کہ کوئی ہندوستانی آج سے وہ خواہ مذہب، ملت، رنگ و نسل کے اعتبار سے وہ کچھ ہی کیوں نہ ہو کسی خدمت یا عہدے یا ملازمت سے محروم نہیں رکھا جائیگا۔
بنٹنگ کے بعد سر چارلس مٹکاف نے گورنر جنرل کی حیثیت سے خدمت انجام دی اور اس کے بعد لارڈ آکلینڈ اس کا قائم مقام بنکر ۱۸۳۶ء میں ہندوستان آیا جس کے ایک سال کے بعد ملکۂ وکٹوریہ برطانیہ کے تخت شاہنشاہی پر جلوہ افروز ہوئیں۔
ملکۂ معظمہ کی تخت نشینی کی تاریخ برطانوی شاہنشاہی کے تمام ممالک کے لئے ایک یادگار اور سہل تاریخ ہے مگر ہندوستان کے لئے

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

مذکورۃ الصدر بیان کو مدنظر رکھتے ہوئے پرانے دور کا اختتام اور جدید دور کی ابتدا در اصل اسی تاریخ سے ہوتی ہے ۔ ۱۸۳۷ء سے پہلے صوبہ جات بنگالہ و مدراس و بمبئی کے علاوہ شمالی ہند کے سرسبز و شاداب خطے انگریزوں کے زیر حکومت آ چکے تھے ہندوستان کی جلیل القدر ملازمت دیوانی کی ایک منتظمہ شکل بن چکی تھی متعدد ناکامیوں اور ناکامیاب تجربوں کے بعد ملک کے عدالتی نظم و نسق کی اطمینان بخش طور پر بنیاد پڑ چکی تھی اور انتظام مالگزاری کا سب سے پیچیدہ مسئلہ مدبرانہ طریقے پر کہئے یا غیر مدبرانہ طریقے پر ۱۷۹۳ء میں بنگالہ میں ۱۸۲۰ء میں مدراس میں ۱۸۳۳ء میں شمالی ہند میں اور ۱۸۳۵ء میں بمبئی میں حل ہو چکا تھا ۔ تمام ملک میں امن بھی قائم تھا ۔ ۱۸۳۳ء میں کمپنی تجارت سے دست بردار ہو چکی تھی اور اب اس کی حیثیت محض منتظم مملکت و حکمراں کی باقی رہ گئی تھی ۔ ۱۸۱۷ء میں کلکتے اور ۱۸۲۴ء میں بمبئی میں انگریزی کالجوں کا افتتاح ہوا ۱۸۳۶ء میں اخبارات کو آزادی بھی ملی ۔ یورپ اور ہندوستان کے درمیان دخانی ذرائع آمدورفت قائم تھے حکومت کے مصارف میں تخفیف عمل میں آ گئی تھی اس کے ساتھ ہی ساتھ محاصل میں ہر سال بیشی بھی ہوتی رہی کاروبار سلطنت کے میدان ہندوستانیوں کے لئے اور کشادہ ہوئے اور کم از کم اصولی طور پر ہندوستانیوں کی رفاہ عام برطانوی حکومت کی غایت و مقصد عظیم تسلیم کر لی گئی ۔ عوام نے بھی اس خواہش کی تکمیل میں حکومت کا ساتھ دیا ان میں دماغی بیداری پیدا ہوئی ۔ اور ہر طرف ترقی و عروج کی نشانیاں دکھائی دینے لگیں ۔ اسلئے ۱۸۳۷ء کے قریب ہندوستان کی تاریخ میں ایک قدرتی وقفہ واقع ہوتا ہے اور اسی تاریخ پر انگریزوں کی ہندوستان میں ہشتاد سالہ کارگزاری کا قصہ ختم ہوتا ہے ۔

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

دوسرا باب

بنگالہ کی اندرونی تجارت (۱۷۵۷ء سے ۱۷۶۵ء تک)

اٹھارھویں صدی عیسوی میں دنیا کے دوسرے ممالک کی طرح ہندوستان میں بھی دوسرے رستوں اور جہازرانی کے قابل دریاؤں کی راہ سے جو مال آتا جاتا تھا اس پر محصول راہداری لیا جاتا تھا مگر ایسٹ انڈیا کمپنی نے اپنی درآمد و برآمد کو اس محصول سے مستثنیٰ کرنے کے لئے ایک شاہی فرمان حاصل کر لیا تھا جس کی رو سے اُس مال پر جو کمپنی یورپ سے خرید کر ہندوستان لاتی تھی یا ہندوستان میں خرید کر یورپ بھیجتی تھی کوئی محصول ادا کرنا نہیں پڑتا تھا صرف انگریز میر مجلس یا کمپنی کے کارخانوں کے افسران اعلیٰ کا "دستک" محصول خانوں پر دکھا دینا کافی تھا جس سے کمپنی کا تجارتی سامان محصول سے محفوظ رہتا تھا۔

۱۷۵۷ء میں جنگ پلاسی کی فتح سے برطانوی قوم کا وقار بنگالہ میں اور زیادہ ہو گیا جس سے کمپنی کے عاملوں کی ہمت بڑھی کہ وہ خانگی تاجروں کی حیثیت سے بھی اپنی اندرونی تجارت کے لئے اس محصول سے استثناء کے طلبگار ہوں جیسا محض کمپنی ہی کے درآمد و برآمد کیلئے

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

22990 3/49 676

مدعی تھا یہاں اس نقطے کو واضح طور پر ذہن نشین کر لینا ضروری ہے کیونکہ یہی چیز زمانۂ مابعد میں بنگالہ کی اقتصادی تجارتی اور سیاسی تاریخ میں مضمر ہے۔

نوابان بنگالہ بھی کمپنی کے مُصّلہ حقوق کے معترف تھے جن کی بنا پر کمپنی کی درآمد و برآمد محصول سے مستثنےٰ تھی لیکن عمال کمپنی بھی جو بطور خود تجارت کر رہے تھے اندرون بنگالہ اپنے اسباب تجارت کے منتقل کئے جانے پر اس محصول سے مستثنیٰ کئے جانے کے دعویدار تھے حالانکہ یہ ان کی محض خانگی اندرونی تجارت کسی ضابطے کی رو سے مستثنیٰ نہ تھی۔

جنگ پلاسی کے بعد ۱۷۵۷ء میں کلائیو نے میر جعفر کو نواب بنگالہ بنا دیا تھا مگر میر جعفر میں نہ تو حکمرانی کی صلاحیت تھی اور نہ ان معاہدوں کو پورا کرنے کی قابلیت جو انگریزوں کے ساتھ اس نے کئے تھے۔ اسی لئے ۱۷۶۰ء میں اس کو معزول کر کے میر قاسم کو مسند نشین کیا گیا۔ میر قاسم نے اضلاع بردوان مدناپور اور چٹاگاؤں کے محاصل کو ایسٹ انڈیا کمپنی کے نام منتقل کرنے پر رضامندی ظاہر کی اور میر جعفر کے عہد کا بقایا ادا کرنے کے ساتھ ساتھ پانچ لاکھ روپیہ کمپنی کو پیشکش دینے کا وعدہ بھی کر لیا جس سے جنوبی ہند کی لڑائیوں کے اخراجات میں کمپنی کی امداد ہو سکے میر قاسم نے اپنے سب عہد و پیماں برابر پورے کئے چنانچہ دو سال کے اندر اندر انگریزوں کے تمام مالی شرائط کی تکمیل کر دی۔

لیکن اندرونی تجارت کی مشکلات ہر سال بڑھتی گئیں کیونکہ عمال کمپنی اپنے اموال تجارت کو ایک مقام سے دوسرے مقام پر بلا ادائے محصول لیجاتے رہے حالانکہ دیسی تجار ایسے اندرون ملک حمل و نقل پر سنگین محصول ادا کر رہے تھے۔ جس کی وجہ سے ان دیسی تاجروں پر تباہی آگئی اور نواب کو محاصل میں خسارہ اٹھانا پڑا۔ رفتہ رفتہ کمپنی کے عاملوں نے ساری تجارت اپنے قبضے میں کر کے ثروت کا

पुस्तकालय
गुरुकुल कांगड़ी

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

انبار لگا لیا۔

ہنری ونسٹارٹ نے جو ۱۷۶۰ء میں کلائیو کے بعد گورنری پر آیا اس روز افزوں خرابی کو محسوس کر کے اس کے وجوہ یہ بیان کیے کہ :-

"تجارت کے بارے میں تو میر جعفر سے کوئی نئی رعایت نہیں مانگی گئی تھی۔ کیونکہ کمپنی کو اس کی ضرورت ہی نہ تھی اور جن شرائط کی رو سے کمپنی کو ۱۷۱۶ء میں مراعات حاصل ہوئے تھے ان پر کمپنی قانع تھی البتہ اتنی خواہش ضرور تھی کہ نواب کے آئے دن کے خود مختارانہ مطالبات سے نجات ملے لیکن جیسے ہی ہمارا اثر ملک میں پھیلنے لگا۔ الگ نئی نئی باتیں کمپنی کے عاملوں یا اُن لوگوں سے جو اُن کے زیر حکم تھے عمل میں آنی شروع ہوئیں مثلاً لوگوں نے ان اشیاء کی تجارت شروع کر دی جن کی ان کو پہلے قطعی ممانعت تھی۔ اور ملکی معاملات میں بھی مداخلت کرنے لگے"

مسٹر ویرلسٹ نے بھی جو بعد کو گورنر ہوا یہی لکھا ہے کہ :-

"بلا ادائے محصول ایسی خرید و فروخت رائج تھی جس سے بے انتہا مظالم ہو رہے تھے انگریز گماشتوں نے لوگوں کو نقصان پہنچانے کے علاوہ حکومت کے اقتدار کو بھی پامال کر دیا اور نواب کے عہدہ داروں نے کسی وقت دخل دینے کی جرأت بھی کی تو ان کو باندھ کر مارنے پیٹنے سے بھی دریغ نہیں کیا جاتا تھا اور یہی میر قاسم سے جنگ چھڑ جانے کی وجہ ہوئی"

خود میر قاسم نے بھی انگریزی گورنر کے روبرو عمال کمپنی کے مظالم پر شدومد کے ساتھ اعتراض کیا تھا کہ :-

"کلکتے کے انگریزی کارخانے سے لے کر قاسم بازار پٹنے اور ڈھاکے تک سب انگریز حکام اپنے گماشتوں عہدے داروں اور کارپردازوں کے ساتھ حکومت کے ہر ضلع میں بہ حیثیت صاحبان ضلع

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

نزول دار اور زمینداروں کے کام کرتے تھے اور ہر جگہ کمپنی کا جھنڈا گاڑ کر میرے عہدہ داروں کو کسی اقتدار کے استعمال کی اجازت نہیں دیتے۔ اس کے علاوہ گماشتے اور دوسرے لازمین ہر ایک ضلع میں اور ہر ایک گنج پرگنے اور گاؤں میں مچھلی۔ بانس۔ بھوسہ۔ تیل۔ چاول۔ دھان۔ پان وغیرہ کا بیوپار بھی کر رہے ہیں اور ہر کس وناکس کمپنی کا "دستک" ہاتھ میں لے کر اپنے آپ کو کمپنی سے کسی طرح کم تصور نہیں کرتا۔"

میر قاسم کی یہ شکایتیں بے بنیاد نہ تھیں۔ ایلیس نے (جو کمپنی کی طرف سے پٹنہ میں گماشتہ تھا) خصومت کا طرز اختیار کر کے اپنے کو نواب کی نگاہوں میں خاص طور پر قابل نفرت ثابت کر دیا تھا چنانچہ ایک آرمینی تاجر پر یہ جرم لگایا گیا کہ اس نے نواب کے لیئے تھوڑی سی مقدار میں جو شورا خریدا تھا وہ کمپنی کے تاجرانہ حقوق کے خلاف تھا جس پر ایلیس نے اس آرمینی تاجر کو گرفتار کر کے بیڑیاں پہنا دیں اور قید کر کے کلکتے بھیجدیا۔ ایک دوسرے موقع پر اس مفروضے پر کہ انگریزی فوج کے دو مفرور سپاہیوں نے نواب کے قلعۂ مونگیر میں پناہ لی ہے ایلیس نے اپنے سپاہیوں کو قلعے کی تلاش کے لیئے بھیجا مگر وہاں کوئی مفرور ہاتھ نہ آیا۔ چنانچہ وارن ہیسٹنگز نے (جو اس وقت گورنر کی کونسل کا رکن تھا) نواب کے اقتدار کے اس طرح بیجا طور سے مجروح کیئے جانے کو محسوس کیا اور اس کو عنقریب علانیہ طور پر مخالفت پیدا ہونے کی صورت نظر آئی۔ اس نے گورنر کے نام اپنے خطوط مورخۂ ۱۳ اور ۲۶ مئی ۱۷۶۲ء میں یہ لکھا کہ:-

"مجھ کو یہ سجھائی نہیں دے رہا ہے کہ میں مسٹر ایلیس کے بارے میں کیا چارۂ کار اختیار کروں۔ میری رائے میں اس کا طرز عمل اس درجہ ناعاقبت اندیشی پر مبنی ہے اور نواب کے ساتھ

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

اس نے اس قدر صریحاً کینہ پروری برتی ہے کہ اگر ان واقعات کا مناسب طور پر اظہار کیا جاوے تو کمپنی کی شدید خفگی کا مستوجب ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ ...... واقعات پر رائے قایم کرنے والی دنیا یہ دیکھ رہی ہے کہ نواب کے اقتدار کی کھلی تذلیل ہو رہی ہے نواب کے عہدہ داروں کو بیڑیاں پہنائی جا رہی ہیں اور یہ کہہ کر کہ انگریزوں کا صدر ملک کے اس حصے میں نواب کے حق صوبہ داری ہی کو تسلیم نہیں کرتا۔ کمپنی کے سپاہیوں کے ذریعے سے نواب کے قلعوں کی تلاشی لی جا رہی ہے ان حرکتوں کا ظاہری نتیجہ کھلی مخالفت کے سوا اور کچھ نہیں ہو سکتا۔"

وارن ہیسٹنگز کا یہ طرز عمل شایان تعریف ہے کہ وہ عاملان کمپنی کے اس دعوے پر کہ ان کو اپنی خانگی تجارت پر کسی محصول کے ادا کرنے کی ضرورت نہیں بارہا معترض رہا اور بنگالیوں کی تجارت کی تباہی پر اظہار تاسف کرتا رہا۔ وارن ہیسٹنگز کی آنکھیں خودغرضی نے بند نہیں کر دی تھیں اور اگرچہ اسکو اپنے ہم وطنوں کی طرف فطری رجحان ضرور تھا مگر بنگالیوں کے حق میں ناانصافی ہوتے دیکھ کر اپنے ہم وطنوں کو پُرزور الفاظ میں مورد الزام بنانے سے وہ کبھی باز نہیں رہا۔

اپنے ایک اور خط مورخہ ۲۵ اپریل ۱۷۶۲ء میں وارن ہیسٹنگز لکھتا ہے کہ "میں ایک شکایت کے پیش کرنے کی اجازت چاہتا ہوں جو بآواز بلند داد خواہ ہے اور جس پر اگر توجہ نہ کی جائے گی تو وہ ہر ایسی کوشش کو بے سود کر دے گی جو نواب اور کمپنی کے باہمی اتحاد کو مستحکم اور پائدار بنانے میں صرف ہوگی۔ میرا مطلب ان مظالم سے ہے جو انگریزوں کی برائے نام اجازت کے نام سے کئے جا رہے ہیں ..... کئی مقامات پر جہاں میرا گزر ہوا مجھکو انگریزی جھنڈے اڑتے دیکھکر حیرت ہوئی اور دریا پر تو ایک کشتی بھی ایسی نظر نہیں آئی جس پر انگریزوں کی بیرقیں نہ ہوں۔ جس کسی حق کی بنا پر ایسا کیا جا رہا ہے (کیونکہ خود میں

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

نے جو اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے وہ بغیر کسی مزید دریافت کے قابل اعتماد ہے مجھکو یقین کلی ہے کہ ان جھنڈوں کی کثرت نواب کے محاصل کے لیئے یا ملک کے امن یا ہماری قوم کی عزت کے لئے اچھا نتیجہ نہیں پیدا کرے گی بلکہ ہر طرح نقصان پہنچائے گی۔ ہمارے آگے آگے سپاہیوں کی ایک جمعیت کوچ کر رہی تھی جن کی پیشانیوں پر خود مختاری، سرکشی اور غارتگری جھلک رہی تھی چنانچہ رستے میں ان لوگوں کے خلاف کئی شکایتیں مجھ تک پہنچیں اور ہماری آمد پر اس خوف سے کہ ہم بھی انھیں کی طرح برتاؤ کریں گے لوگ چھوٹے چھوٹے شہر و بلاد اور سراؤں کو چھوڑ چھوڑ کر بھاگ گئے یا دکانیں بند کر لیں۔ جناب خود محسوس فرما سکتے ہیں کہ انھیں خفیف خفیف بے ضابطگیوں کے باعث جو جمہور کی متفقہ شکایت کے لائق نہیں اور جس کا مسلسل اعادہ ہوتا رہتا ہے ان دیہات کے باشندے ہماری حکومت کی نسبت بُرے خیالات رکھنے کے عادی ہو چلے ہیں"

چونکہ ایک زمانہ ہیسٹنگز کا ہندوستان میں گزرا تھا اس لیئے عمال کمپنی کے نظم و نسق کے بارے میں لوگوں کی بُری رائے کا اندازہ کرنے میں اس نے غلطی نہیں کی مشہور و معروف کتاب "سیر المتاخرین" کے مصنف نے جہاں میدان جنگ میں برطانوی فوج کے اطوار کی تعریف کی ہے وہاں اُن کے دیوانی نظم و نسق کی افسوسناک تصویریوں کھینچی ہے کہ:-

"ان لوگوں یعنے انگریزوں میں مستقل جرارت کے ساتھ ساتھ حد درجہ احتیاط و دور بینی بھی موجود ہے اور صنعت ہندی یا پراجا نے میں یہ اپنا مثل نہیں رکھتے اگر فوجی قابلیت کے ساتھ ساتھ طریق حکمرانی بھی آتا یا مزارعین و شرفاء کے حالات کا پاس بھی ہوتا اور خدا کی مخلوق کی آسایش و امداد کی بھی اسی قدر استعداد و فراست کے ساتھ فکر ہوتی جیسی انھیں فوجی معاملات سے متعلق امور میں ہے تو

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

دنیا کی کسی قوم کو ان پر فوقیت نہیں ہو سکتی۔ اور نہ ان سے بڑھکر کوئی دوسری قوم حکمرانی کے قابل ثابت ہو سکتی۔ لیکن ان کو ان ممالک کے باشندوں کا اس قدر کم لحاظ ہے اور ان کی فلاح وبہبود کے معاملے میں اس درجہ بے پروائی و بے اعتنائی ہے کہ ان کے زیر حکومت رعایا ہر جگہ نالاں اور مصیبت و افلاس میں مبتلا ہے۔ الٰہی اپنے آفت زدہ بندوں کی مدد فرما اور ان مظالم سے انھیں نجات عطا کر جن کے باعث وہ پریشان حال ہیں"

نواب بنگالہ نے بھی کئی بار انگریز گورنر کے پاس شکایتیں کیں اور بجا طور پر کیں مگر ان کا کچھ نتیجہ نہیں نکلا۔ چنانچہ نواب نے ہی ۱۷۶۲ء میں لکھا تھا کہ:۔

"ہر پرگنے ہر قریہ اور ہر کارخانے میں کمپنی کے گماشتہ نمک۔ سپاری۔ گھی۔ چاول بھوسہ بانس مچھلی ٹاٹ۔ ادرک شکر تمباکو افیون کے علاوہ اور بہت سی ایسی چیزوں کی بھی! خرید و فروخت کر رہے ہیں جن کی تعداد بتانے کی ضرورت نہیں رعایا اور تاجروں وغیرہ سے ان کے اموال و اجناس کو ایک چوتھائی قیمت پر زبردستی لے لیا جاتا ہے اور پھر انھیں کے ہاتھ ظلم و زیادتی سے ایک روپیہ کی چیز پانچ روپیہ میں بیچی جاتی ہے۔ ہر ضلع کے عاملوں نے اپنے متعلقہ فرائض کی بجاآوری سے کنارہ کشی اختیار کرلی ہے۔ اور ان مظالم کی بنا پر اور محاصل کی آمدنی سے میرے محروم رہنے کے باعث مجھ کو سالانہ پچیس لاکھ کا نقصان اٹھانا پڑ رہا ہے۔ ..... خدا کے فضل سے میں نے آج تک کسی معاہدے یا قرارداد کی خلاف ورزی کی ہے اور نہ کرونگا پھر کیوں انگریزی حکام میری حکومت کی تذلیل کر رہے ہیں اور مجھ کو نقصان پہنچانے میں مصروف ہیں"

کمپنی کے گماشتوں کے افعال کی اس سے زیادہ تفصیلی حالت

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

سارجنٹ بریگو کے خط (مورخہ ۲۶ رمئی ۱۷۶۲ء میں موجود ہے) اس نے لکھا ہے کہ:-

"اگر کوئی معزز انگریز اپنے گماشتے کو یہاں خرید و فروخت کے لئے بھیجتا ہے تو یہ گماشتہ اپنے تئیں اتنا بڑا آدمی سمجھ لیتا ہے کہ وہ اس دیس کے ہر ایک باشندے کو اپنے مال کے خریدنے پر یا خود اس کا مال بیچنے پر اُسے مجبور کرنے کا اپنے کو مجاز سمجھتا ہے۔ اور اگر کسی نے عدم قابلیت کے عذر پر انکار کی جرأت کی تو اس کا نتیجہ کوڑے کھانا، یا فوری قید ہوتا ہے، اور اگر اس نے رضامندی بھی ظاہر کی تو اس پر اکتفا نہیں کیا جاتا بلکہ اپنے زور کے بل تجارت کی جملہ شاخیں اپنے قبضے میں کر لی جاتی ہیں اور دوسروں کو ان اشیاء کی خرید و فروخت ممنوع ہوتی ہے اور اس پر بھی اگر کسی نے ان اشیاء کی خرید و فروخت کی جرأت کی تو پھر اس پر عملی اشکال میں اپنے اقتدار کا اعادہ کیا جاتا ہے ان سب باتوں کے باوجود جو چیزیں کہ خریدی جاتی ہیں وہ بیوپاری نرخ سے نہایت گھٹا کر خریدی جاتی ہیں اور اس پر بھی قیمت دینے سے اکثر صاف انکار کر دیا جاتا ہے اور اس بارے میں میری مداخلت فوری شکایت کا موجب بن جاتی ہے یہ اور دوسرے مظالم جو بیان میں نہیں آ سکتے بنگالے کے گماشتے روزانہ ڈھا رہے ہیں اور یہی باقر گنج کی بربادی کا باعث ہیں۔ حالانکہ باقر گنج کسی زمانے میں بنگالے کا ایک مرفہ الحال ضلع تھا۔ لوگ ہر روز جوق جوق شہر چھوڑ کر ایسے مقامات پر رہنے چلے جا رہے ہیں جو زیادہ محفوظ ہوں۔ منڈیوں میں جہاں چیزوں کی افراط تھی وہاں مشکل سے کوئی ایسی چیز اب دکھائی دیتی ہے جو کارآمد کہی جا سکے کیونکہ چپراسیوں تک کو ان غریبوں پر جبر و زیادتی کرنے کی اجازت ہے اور اگر کسی زمیندار نے مزاحمت کا خیال کیا تو اس کو دھمکی دی جاتی ہے کہ اس کے ساتھ بھی یہی برتاؤ کیا جائے گا۔ پہلے تو یہ تھا

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

کہ کچہریوں میں کھلے بندوں انصاف ہوتا تھا اور اب ہر ایک گماشتہ اپنے آپ کو ناظم عدالت سمجھتا ہے اور اپنے گھر پر کچہری کرتا ہے زمینداروں تک کے حق میں فیصلے صادر ہوتے ہیں اور نقصان رسانی کے حیلوں سے مثلاً یہ کہہ کر کہ ان لوگوں نے چپراسیوں سے جھگڑا کیا یا کہیں چوری کی تاوان بھی وصول کئے جاتے ہیں حالانکہ قرین قیاس تو یہی ہو سکتا ہے کہ انھیں گماشتوں کے لوگوں نے دراصل یہ چوریاں کی ہونگی۔"

مذکور الصدر خط کے مماثل مزید تفصیلی واقعات محمد علی تعلقدار ڈھاکہ نے بھی اکتوبر ۱۷۶۲ء کے خط میں کلکتہ کے انگریز گورنر کو لکھے ہیں کہ :-

"اولاً اکثر تاجروں نے کمپنی کے کارخانوں سے ساز باز کرلی ہے چنانچہ اپنی کشتیوں پر انگریزی بیرقیں اڑاتے ہیں اور انگریزوں کی ملک ہونے کے حیلے سے اپنا مال بھی اٹھالے جاتے ہیں جس کی وجہ سے محاصل شاہ بندر کے علاوہ دوسرے محاصل میں بھی کمی واقع ہو رہی ہے۔

"ثانیاً۔ لاکھی پور اور ڈھاکے کے کارخانوں کے گماشتے تمباکو روئی لوہا اور متفرق اشیاء بیوپاریوں کو ایسے نرخ پر خریدنے مجبور کرتے ہیں جو بازاری نرخ سے بہت زیادہ ہوتا ہے اور پھر ان بیوپاریوں سے اس رقم کے زبردستی وصول کرنے کے علاوہ چپراسیوں کے لئے بھتہ بھی لیتے ہیں اور خلاف ورزی قرارداد کا جرمانہ بھی۔ انھی کارروائیوں کا نتیجہ ہے کہ "اورنگ" اور دوسرے مقامات بالکل تباہ و برباد ہو گئے۔

"ثالثاً۔ لاکھی پور کے کارخانے کے گماشتوں نے تعلقدار کے ان سب تعلقوں کو جو تحصیلدار کی نگرانی میں تھے تحصیلدار سے منفعت ذاتی کے لئے بہ زور چھین لیا ہے اور ان کا زر لگان تک

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

ادا نہیں کرتے اور بعض لوگوں کے اغوا سے اگر کسی نے فضول شکایت بھی کی تو انگریزوں کو سپاہیوں کے ساتھ "دستک" دیکر دیہات میں بھیجد یتے ہیں جہاں پہنچکر وہ ایک شورش برپا کر دیتے ہیں چنانچہ مختلف مقامات میں محصول کی چوکیاں قائم کردی ہیں اور غریبوں کے مکانات میں جو کچھ موجود پاتے ہیں اس کو نیلام کر کے روپیہ اینٹھ لیتے ہیں اسی ہل چل کی وجہ سے ملک تباہ ہے اور رعیت نہ اپنے گھر و نہیں بود باش اختیار کر سکتی ہے اور نہ مالگزاری ہی ادا کر سکتی ہے متعدد مقامات پر مسٹر شنوالسٹر نے زبردستی منڈیاں اور کارخانے قائم کئے ہیں۔ اور اپنی طرف سے سپاہیوں کو ناجائز طور پر نوکر رکھکر جس کو چاہیں گرفتار کر لیتے ہیں جس کو چاہیں جرمانہ کر دیتے ہیں۔ ان زبردستیوں کے باعث اکثر منڈیاں، بندرگاہیں اور پرگنے تباہ و برباد ہو گئے"

ایک طرف تو سارے بنگالہ میں ہر اہم ضلع کی اندرونی تجارت کمپنی کے عاملوں اور گماشتوں کے ہاتھوں تتر بتر ہو گئی اور دوسری طرف جن ذرائع سے کہ یہ لوگ مصنوعات ملکی اپنے قبضے میں کر لیتے تھے وہ خود کچھ کم موجب ظلم و زیادتی نہ تھے۔ ایک انگریز تاجر مسمی ولیم بولٹس نے اپنے چشم دید حالات یوں بیان کئے ہیں کہ:-

"صداقت کے ساتھ اب یہ کہا جا سکتا ہے کہ "ملک کی تمام اندرونی تجارت جیسی کہ آج کل ہو رہی ہے اور خصوصاً کمپنی کے یوروپی سرمایہ کا مشغل ملک کو ایک دائمی تماشہ گاہ مظالم بنائے ہوئے ہے جس کے مضر اثرات ملک کے ہر صناع اور جولاہے کو شدید نقصان پہنچا رہے ہیں۔ ہر ایک چیز جو بنائی جاتی ہے اس کے حقوق اجارہ اس طرح محفوظ کر لئے جاتے ہیں کہ کوئی دوسرا نہ بنانے پائے اور انگریز اپنے سیاہ فام گماشتوں اور بنیوں کے ذریعے سے ہر ایک کے لئے من مانے طور پر اس بات کا تعین کر دیتے ہیں کہ کس مقدار میں مال وصول ہونا چاہئے اور اس کی قیمت کیا دیجائیگی۔ ..... ہر گماشتہ

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

"اورنگ" یعنی صنعتی کارخانے والے شہر کو پہنچکر اپنے لئے ایک رہنے کا مقام تجویز کرتا ہے جس کا نام کچہری رکھتا ہے جہاں چپراسیوں اور ہرکاروں کو بھجکر دلالوں اور "پیکاروں" کو جولاہوں کے ساتھ طلب کرتا ہے اور اپنے مالکوں کے پاس سے کل رقم وصول ہونے کے بعد کچھ رقم پیشگی دیکر ان لوگوں سے ایک اقرار نامہ لکھوا لیتا ہے کہ اس قدر مال اس قیمت پر فلاں وقت تک تیار کر کے لایا جائے خواہ اس پر کوئی غریب جولاہا راضی ہو یا نہ ہو اکثر گماشتے کمپنی کے مشغل سرمایہ کے لیے جو چاہتے ہیں ان لوگوں سے لکھوا لیتے ہیں اور اگر کسی جولاہے نے پیشگی رقم لینے سے انکار کیا تو یہ رقم بہ جبر اس کی کمر میں باندھ دی جاتی ہے اور کوڑے لگا کر نکال دیا جاتا ہے۔ ...... عموماً ان جولاہوں کی ایک کثیر تعداد گماشتوں کے کتابچوں میں نام بنام درج رہتی ہے اور انھیں کسی دوسرے کا کام کرنے کی اجازت نہیں بلکہ محض غلاموں کی طرح ایک گماشتے سے دوسرے گماشتے کے پاس منتقل کر دیئے جاتے ہیں جہاں گماشتوں کے غیر شریفانہ سلوک اور ظلم ہمیشہ سہنا پڑتے ہیں ..... اس بارے میں جو بدمعاشی کہ ہوتی ہے وہ گمان سے باہر ہے اور ہر بدمعاشی کا نتیجہ غریب جولاہوں کی حق تلفی ہے کیونکہ جو قیمت کہ کمپنی کے گماشتے (یا کپڑوں کے جانچنے والے ماہر جو ان گماشتوں کے ساتھ سازش میں شریک رہتے ہیں) مقرر کرتے ہیں وہ بازاری نرخ یا اس مقام کے نرخ سے جہاں ان کی خرید و فروخت ہوتی ہو اکثر جگہ کم از کم پندرہ فی صدی اور بعض مقامات میں چالیس فی صدی سے بھی کم ہوتی ہے ..... کمپنی کے گماشتوں کے جبر پر مچلکہ لکھد ینے کے بعد اگر کسی وجہ سے جولاہوں نے اپنا اقرار پورا نہ کیا تو ان کا تمام مال چھین کر اسی جگہ نیلام کر دیا جاتا ہے جس سے ان گماشتوں کے خسارہ کی تلافی ہو سکے۔ خام ریشم کے چرخہ کاتنے والوں سے جن کو بنگالہ میں عام طور پر "ناگود" کہا جاتا ہے اسی طرح کی ناانصافی برتی گئی اور ایسی مثالیں علم میں آئیں جہاں ان چرخہ کاتنے والوں نے

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

اپنے انگوٹھے تک کاٹ کر پھینک دئیے ہیں تاکہ وہ ریشم کاتنے پر مجبور نہ کئے جا سکیں۔

اس طرح کی بے آئینی میں بنگالے میں صنعتوں کے علاوہ فن زراعت بھی زوال پذیر تھا کیونکہ ملک کے صناع عموماً کاشتکار ہی تھے "دو کونسڈریشن آف انڈین افیرز" (ہندوستانی معاملات پر غور وخوض) (مطبوعہ لندن ۱۷۷۲ء) کے مصنف نے لکھا ہے کہ:-

"رعیت جو عموماً قابض آراضی بھی ہے اور ساتھ ہی ساتھ صنعت گر بھی ہوتی ہے گماشتوں کے اس ظلم کی وجہ سے کہ وہ مال کے لئے رعیت کو دق کرتے ہیں اکثر اس قابل نہیں رہی کہ اپنی زمینوں کو ترقی دینا تو ایک طرف ان کا لگان تک ادا کر سکے۔ اس پر طرہ یہ کہ مال گزاری کے عہدے داروں کی سزائیں بھی اس کو بھگتنی پڑتی ہیں اور انھیں رعیت کش مطالبات کی وجہ سے مالگزاری ادا کرنے کے لئے اپنے بچوں تک کو مجبوراً فروخت کر دینا پڑتا ہے۔ یا بہ شکل دیگر ملک ہی سے مجبوری فرار اختیار کرنا پڑتا ہے"

مذکورۃ الصدر چند اقتباسات ہماری غرض کے لئے کافی ہیں یہ اقتباسات مختلف ماخذوں سے لئے گئے ہیں چنانچہ ایک اقتباس انگریز گورنر کے خطوط اور اس کی دوسری تحریروں سے ہے، ایک کونسل کے انگریز رکن سے، ایک انگریز تاجر کی تحریر سے، نیز خود نواب کے شکایات سے، ایک مسلمان تعلقدار کی روداد سے اور ایک مسلمان مورخ کی تاریخ سے، اور یہ سب تحریریں وہی ایک دردناک قصہ بیان کرتی ہیں۔ بنگالے کے لوگ اگرچہ ظلم و تعدی برداشت کرنے کے عادی ہو چلے تھے مگر کبھی انھوں نے اپنی زندگی میں ایسے مظالم نہیں دیکھے تھے جن کے اثرات اتنی دور تک پہنچے ہوں کہ ہر ایک گاؤں کی منڈی اور ہر ایک جولاہے کا گھر تک اس سے متاثر ہو۔ ان لوگوں نے حکام وقت کی مطلق العنانی تو دیکھی تھی مگر کبھی بدنظمی

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

کے ہاتھوں نہ ایسی ایذا اٹھائی تھی اور نہ ایسا دکھ پایا تھا۔ جس سے ان کے پیشے ان کے کاروبار یا ان کی زندگی تک اس درجہ متاثر ہوکہ ان کی کمائی ہی رُک جائے اور دولت کے تمام ذرائع مسدود ہو جائیں

وہ انگریز جن میں سے ایک کا نام ہنری ونسٹارٹ اور دوسرے کا وارن ہیسٹنگز تھا بنگالہ میں ایسے موجود تھے جنھوں نے اس صورت حال کے انسداد کی کوشش کی یہ دونوں نواب میر قاسم سے ملنے اور دوستانہ طور پر معاملات کا تصفیہ کرنے کے لئے مونگیر پہنچے۔ میر قاسم اگرچہ ایک مطلق العنان حکمراں تھا مگر بیدار مغز بھی ضرور تھا اس نے اگرچہ بہت سی زبردستی اور خود رائی کی حرکتیں کیں تھیں مگر کمپنی کے مقابل اپنی بے چارگی اور بے بسی کا اسکو علم بھی تھا اور اسکو یہ محسوس ہوتا تھا کہ ہنری وانسٹارٹ اور وارن ہیسٹنگز کے سوا کوئی اور اس کا دوست ہی نہیں ہے میر قاسم نے جہاں رعایت کا مطالبہ ہوا وہاں رعایت بھی کی اور ان تینوں نے ملکر ایک معاہدہ طے کیا۔

اس معاہدے کے شرائط نو عنوانوں کے تحت قلمبند کئے گئے جن میں کے پہلے تین نہایت اہم تھے اور وہ یہ ہیں کہ:-

(۱) تمام بحری تجارت کے لئے خواہ وہ درآمد ہو یا برآمد کمپنی کی "دستک" منظور کی جائے ایسی تجارت محصول کی ادائی سے بری رہے اور اس میں کوئی مزاحمت نہ کی جائے۔

(۲) اس تمام تجارت کے لئے جو اندرون ملک ہی دو مقامات کے درمیان ہو اور جو ملک ہی کے اندر تیار کی ہوئی اشیاء سے متعلق ہو کمپنی کی "دستک" منظور کی جائے۔

(۳) ایسی اشیاء پر مقررہ شرطوں کے مطابق جو خاص طور پر طے کی جائینگی اور اسی معاہدے کے ساتھ منسلک رہیں گی محصول ادا کیا جائے۔

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

کوئی بات اس معاہدے سے بڑھکر قرین انصاف نہیں ہو سکتی لیکن اس پر کلکتے میں ایک ہنگامہ طیش برپا ہو گیا۔ الفنسٹن، ہلے اور واٹس نے ۱۷ جنوری ۱۷۶۳ء میں یہ لکھا کہ:۔ "ونسٹارٹ کے مجوزہ قواعد ہم انگریزوں کے لئے ذلت کا باعث ہیں اور ان سے عام اور خاص تجارت کی تباہی کا اندیشہ بھی ہے" ۱۵ فروری کو کونسل عام کا اجلاس ہوا۔ اور یکم مارچ کو ایک باضابطہ مجلس شورہ منعقد ہوئی جس میں ونسٹارٹ اور ہیسٹنگز کی مخالفت کے باوجود یہ طے پایا کہ کمپنی کے لازموں کو بلا ادائے محصول اندرونی تجارت کا حق حاصل ہے مگر نواب کے حقوق کو تسلیم کرنے کے طور پر جملہ اشیاء پر نو فیصدی محصول کے بجائے جس کو پہلے ونسٹارٹ نے قبول کر لیا تھا۔ صرف نمک پر ڈھائی فیصدی محصول ادا کیا جا سکتا ہے۔

یہ فیصلہ خود غرض آدمیوں کے ذاتی اغراض پر مبنی تھا مگر وارن ہیسٹنگز کی مخالفانہ رائے ایک ایسے منصف مزاج آدمی کی رائے تھی جو انصاف کا حامی تھا ایک حصہ ہیسٹنگز کے طویل بیان سے یہاں نقل کیا جاتا ہے جو یاد رکھنے کے قابل ہے۔

"چونکہ میں پہلے ایک بہت ہی ادنیٰ حیثیت سے گاؤں والوں کے ساتھ رہ چکا ہوں اور وہ بھی ایک ایسے وقت میں جبکہ حکومت پر ہم سب کا غلامانہ آسرا رہنے کے باوجود زمینداروں اور سرکاری عہدہ داروں نے ہر وقت ہماری حد درجہ کی خاطر داری ہی نہیں بلکہ توقیر بھی کی اس لئے میں کامل اعتماد کے ساتھ اس موجودہ رائے کو عدل و انصاف کے منافی سمجھتا ہوں اور باتجربہ ہونے کی بناء پر مزید یہ کہہ سکتا ہوں کہ اگر ہم لوگ ظلم کرنے یا صاحبیت برتنے کے بجائے راستبازی کے ساتھ جائز تجارت کے پابند رہیں اور حکومت کے جائز اقتدارات کی اطاعت قبول کر لیں تو ہماری ہر جگہ آؤ بھگت تعظیم و توقیر ہوگی اور انگریزوں

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

کا نام رسوائی اور ملامت کے بجائے عزت و احترام کے ساتھ لیا جائے گا۔ ملک بھی ہماری تجارت سے مستفید ہوگا اور غریب ملک کے باشندے انگریزوں کی قوت سے بجوت کی طرح ڈر کر نقصان و مظالم سہنے پر مجبوراً راضی ہونے کے بجائے انگریزی قوت کو اپنا محافظ اور انتہائی برکتوں کا باعث سمجھنے لگیں گے۔"

اس معاہدے کے متعلق کلکتہ کونسل کی نامنظوری کی اطلاع نواب میر قاسم کے کانوں تک پہنچی اور یہ خبر بھی کہ اس معاہدے کے مطابق نواب کے احکام کی تعمیل میں نواب کے عہدہ داروں کی مزاحمت کی جا رہی ہے۔ اس پر میر قاسم کو طیش آیا اور بجا طیش آیا اس نے ایک ایسا نہایت ہی نیک مناسب و خیر اندیشانہ کام کیا جو آج تک کسی نیک دل مشرقی بادشاہ یا حکمراں نے شاید ہی کیا ہو۔ اس نے اپنے اس طرح کے سب محاصل سے بطور ایثار دست برداری اختیار کر کے تمام محصول ہی معاف کر دیا تاکہ اس کی رعایا کم از کم انھیں مساوی شرائط پر تجارت کر سکے جو ایسٹ انڈیا کمپنی کے ملازموں کو حاصل تھے۔

بمشکل یہ باور کیا جا سکتا ہے، لیکن یہ واقعہ ضرور ہے کہ ونسٹارٹ اور ہیسٹنگز کے سوا کلکتہ کی کونسل نے بالاتفاق اس معافی محصول پر اعتراض کیا کہ اس سے گویا خود انگریزی قوم سے یہ وعدہ خلافی برتی گئی جمنرل نے اپنی تاریخ ہند (عہد برطانیہ) میں لکھا ہے کہ:-

"اس موقع پر عمال کمپنی کا طرز عمل صفحات عالم میں ایک نہایت ہی بین مثال اس بات کی پیش کرتا ہے کہ غرض کی آندھی احساسِ انصاف تو کیا شرم و غیرت کا چراغ بھی آناً فاناً بجھا سکتی ہے"۔ ایچ. ایچ. ولسن نے اپنے توضیحی فقرے میں اس کی یوں شرح کی ہے کہ "کونسل کی روداد کے متعلق کوئی اختلاف رائے نہیں ہو سکتا کیونکہ

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

تجارتی حرص وطمع کی تنگ نظر خود غرضی نے جملہ ارا کین کونسل کو بجز
ونسٹارٹ اور ہیسٹنگز دو قابل عزت مستثنیات کے اس بات کے نا قابل
کر دیا تھا کہ وہ معقول پسندی عدل وانصاف اور حکمت عملی کے صریح ترین
ہدایات کا کچھ پاس کر سکیں مخالف رائے رکھنے والے دونوں ارکان کونسل
یعنے ونسٹارٹ اور ہیسٹنگز نے اپنی رائے نہایت خوبی کے ساتھ
قلمبند کی اور یوں استدلال کیا کہ ایسی تجویز جس کی بدولت تمام تجارت
ہمارے ہی ہاتھ میں آجائے اور ہمارے ہی آدمیوں سے نمک
بنانے کا کام بھی لیا جائے یا ملک کی ہر پیداوار گری پڑی چیز کی
طرح اُٹھائی جا سکے ۔ گو ہمارے لیئے نفع بخش ہی لیکن یہ توقع نہیں
کی جا سکتی کہ نواب بھی ہمارا شریک بنکر دیسی تاجروں کو ان کے ذرائع
تجارت سے محروم بنانے کی کوشش کرے گا۔" یہ بیان تصفیہ طلب
امور کو صاف طور پر ہمارے سامنے پیش کر دیتا ہے ۔ محض اپنی جیب گرم
کرنے کے لیئے کمپنی کے عاملوں کی آرزو یہ تھی کہ ایک زرخیز و متمدن
ملک کے باشندے نہ صرف دولت کے ان ذریعوں سے محروم
ہو جائیں جن سے وہ اچھی اور بُری دونوں طرح کی حکومتوں کے تحت
مستفید ہوتے رہے ہیں بلکہ آزادانہ پیدائش ومبادلہ دولت کے
ان حقوق سے بھی جو روئے زمین کے تمام متمدن اقوام کو حاصل ہیں
محروم ہو جائیں ۔ عمال کمپنی کی صرف یہی خواہش نہ تھی کہ وہ ایک
یا دو اشیا کا اجارہ اپنے لیئے مختص کرلیں بلکہ اپنے اور دیسی تاجروں
کے درمیان ہر شئے کی تجارت میں ایک امتیاز پیدا کریں جس
سے آخر کار سب بنگالی ایسے عام حقوق سے محروم ہو جائیں جو
بنی نوع انسان کی جملہ جماعتوں کو حاصل ہیں ۔ تاریخ عالم میں غالباً
کوئی دوسری ایسی نظیر نہیں ملے گی جہاں غیر ملکی تاجروں نے زور بازو
سے ایسے دور دست دعاوی کیئے ہوں جن سے ایک آباد
اور عظیم الشان ملک کی جملہ تجارت اہل ملک کے ہاتھوں سے

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri
CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

نکل کر اپنی مٹھی میں آجائے۔ نواب میر قاسم نے ان دعاوی کی مزاحمت پر کمر باندھی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جنگ چھڑ گئی۔

ہنری ونسٹارٹ نے جو سنہ ۱۷۶۰ء سے سنہ ۱۷۶۵ء تک کلکتے میں گورنر تھا (اور یہی زمانہ بنگالہ میں میر قاسم کی جملہ حکومت کا تھا) میر قاسم کے ملکی نظم ونسق کے متعلق اپنی رائے یوں ظاہر کی ہے:-

"میر قاسم نے کمپنی کا قرضہ اور اپنی فوج کا جملہ کثیر المقدار بقایا ادا کر دیا۔ درباری مصارف میں جن پر اس کے پیش روؤں کی ساری آمدنی صرف ہو جاتی تھی تخفیف کی اور زمینداروں کی قوت گھٹا کر سارے ملک پر اپنا اقتدار قائم کیا حالانکہ یہی زمیندار تھے جو صوبہ کے امن میں ہمیشہ خلل ڈالا کرتے تھے۔ ان سب باتوں کو دیکھکر مجھ کو بیحد خوشی ہوئی کیونکہ مجھ کو یہ خوب معلوم تھا کہ جس قدر کم نواب کو ہماری امداد کی ضرورت ہوگی اسی قدر کمپنی کو کم مصارف لاحق ہونگے اور کمپنی اپنے مقبوضات کی نگہداشت کی طرف زیادہ متوجہ رہے گی اس کے ساتھ ہی ساتھ ہمیں نواب پر بھروسہ بھی تھا کہ وہ ایک مشترکہ حریف کے مقابلے میں ہمارا قابل اعتماد و کارآمد حلیف ثابت ہوگا۔ مجھ کو اس کا یقین تھا کہ اگر ہم نواب کے حقوق پر دست درازی نہ کریں یا اس کی حکومت میں خلل انداز نہ ہوں تو نواب ہم سے کبھی جنگ نہ کریگا۔ چنانچہ نواب خود لڑائی کا کوئی موقع نہ دینے کی خاطر اس درجہ محتاط تھا کہ ایک بھی مثال ایسی پیش نہیں کی جاسکتی جہاں نواب نے اپنے کسی آدمی کو ان اراضی پر بھیجا ہو جو ہمارے تفویض کردی گئی تھیں یا جہاں ہماری تجارت کی کسی ایک چیز میں بھی مداخلت کی گئی ہو۔ الّا اس کے کہ گماشتوں کی غاصبانہ روش یا ہماری خانگی تجارت کے متعلق ہمارے نئے دعاوی کی بنا پر جس نزاع کی ابتدا ہوئی وہ ہمارے مباحث کی انتہا پر جنگ کا باعث بن گئی لیکن

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

اس وقت تک بھی کمپنی کا کاروبار بلا کسی روک ٹوک کے ہر خطے میں چلتا رہا۔ بجز ان ایک دو برافروختہ کرنے والی شکایتوں کے جو مسٹر ایلس نے شورے کے خریدنے کے متعلق کی تھیں۔ اس سے کسی قدر مختلف طرز عمل ان شرفائ کا تھا جو نواب کی مخالف جماعت کے بانی تھے۔ زمانہ صوبہ داری کی ابتدا سے ایک دن بھی ایسا نہیں گزرتا تھا جب معمولی حیلوں سے یہ لوگ موقع کی تاک میں نہ ہوں جس سے نواب کی حکومت پامال کی جاسکے یا نواب کے عہدہ داروں کو گرفتار کیا جاسکے۔ یا دھمکیوں اور سخت گوئی کے ساتھ ان کی تحقیر و تذلیل کی جاسکے۔ مجھ کو اس کی مثالیں بتانے کی ضرورت نہیں۔ اس تذکرے کے ہر ایک صفحے پر یہ مندرج ہیں"

اس کتاب کا مقصد ایسٹ انڈیا کمپنی کے جنگی واقعات بیان کرنا نہیں تاہم ۱۷۶۳ء میں میر قاسم کی جنگ کا نتیجہ ابتدا ہی سے بالکل عیاں تھا۔ میر قاسم نے انگریزوں کا ایسا مقابلہ کیا جو کسی ہندوستانی رئیس یا فوج نے بنگالہ میں شاید ہی کیا ہو۔ لیکن پہلی شکست جہیرا پایا اور دوسری اودے تالہ پر کھائی۔ طیش میں آکر میر قاسم نے ان سب انگریزوں کو جو پٹنہ میں اسیر تھے قتل کروا ڈالا۔ اور اپنی قلمرو کو ہمیشہ کے لئے خیرباد کہہ دیا۔ ضعیف میر جعفر کو ۱۷۶۰ء میں جو معزول کر دیا گیا تھا پھر گدی نشین کیا گیا گرچند ہی روز میں میر جعفر نے انتقال کیا اور اس کی وفات پر اس کے فرزند مجہول النسب نجم الدولہ کو ۱۷۶۵ء میں جلدی سے نواب بنا دیا گیا۔

ہر نواب کی مسند نشینی پر مشہور مشرقی ضرب المثل کے مطابق "روہٹنیاں ہلاتے ہی روپے مینہ کی طرح برسنے لگے" انگریزوں کو ایک نیا موقع ہاتھ آتا تھا چنانچہ جب ۱۷۵۷ء میں جنگ پلاسی کے بعد میر جعفر پہلی مرتبہ تخت نشین ہوا تو انگریزی فوج کے افسر اور سپاہیوں نے بارہ لاکھ اڑتیس ہزار پانسو پچھتر پونڈ کی رقم انعام میں پائی

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

جس میں سے خود کلائیو نے ایک زرخیز جاگیر کے علاوہ بیس ہزار پونڈ اپنے حصے کے طور پر لے لئے اور جب ۱۷۶۰ء میں میر قاسم مسند نشین ہوا تو انگریز افسران فوج کو دو لاکھ دو سو انہتر پونڈ کی مقدار میں انعام تقسیم ہوا - جس میں ونسٹارٹ نے اٹھاون ہزار تین سو تینتیس پونڈ خود لے لئے - جب ۱۷۶۳ء میں میر جعفر دوبارہ مسند نشین ہوا تو اس نے پانچ لاکھ ایک سو چھبیس پونڈ کی رقم انعاموں میں تقسیم کی اور اب ۱۷۶۵ء میں نجم الدولہ کی مسند نشینی ہوئی تو دو لاکھ تیس ہزار تین سو چھپن پونڈ کی مزید رقم پھر انعاموں میں صرف ہوئی - اس طرح آٹھ سال کے عرصے میں انعاموں کی جملہ رقم اکیس لاکھ انہتر ہزار چھ سو چھبیس پونڈ کے علاوہ تحائف اور رقوم بھی جن کی میزان تینتیس لاکھ ستر ہزار آٹھ سو تینتیس ہوتی تھی بطور تاوان طلب اور حاصل کی گئیں۔ ۱۷۷۲ء اور ۱۷۷۳ء کے مابین جب دارالعوام کی مجلس نے ایسٹ انڈیا کمپنی کے حالات کی تحقیقات کی تو اس مجلس کے سامنے ان تمام رقوم کی وصولیابی کا بعض نے اعتراف کیا اور بعض کے لئے ثبوت پیش ہوا - کلائیو نے اپنے افعال کا جواز یوں پیش کیا کہ :-

"میں نے کبھی یہ نہیں چھپایا بلکہ نظمائے ہند کی "مجلس معاملات راز" کے موسومہ خطوط میں میں نے یہ کھلے طور پر ظاہر کر دیا تھا کہ نواب کی فیاضی نے مجھ کو فارغ البال کر دیا ہے اور اب محض کمپنی کی فلاح وبہبود ہی میرے ہندوستان میں رہنے کا باعث ہے۔
. . . . کمپنی کو اس سے زیادہ توقع رکھنے کی کیا وجہ ہے کہ میں ان کی خدمت گزاری میں اپنی زندگی کو بارہا خطرہ میں ڈالنے کے بعد بھی اس ایک موقع کو جو مجھ کو مدت العمر میں اس سے پہلے کبھی نصیب نہیں ہوا تھا - اپنے ہاتھ سے کھو دوں اور جس سے کمپنی کو نقصان پہنچائے بغیر میں دولتمند ہو جاؤں کیونکہ یہ ظاہر ہے کہ

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

میر سے کم لینے کی وجہ سے کمپنی کو کچھ زیادہ ملنے سے رہا۔"

کلائیو کے حاشیۂ خیال میں بھی یہ بات نہ آئی کہ یہ زر کثیر نہ تو کمپنی کی ملک تھا اور نہ اُس کی، بلکہ یہ ملک کی مِلک تھا جو عامۃ الخلایق کی رفاہ پر صرف ہونا چاہئے تھا۔

ایسٹ انڈیا کمپنی کی حمایت میں یہ بیان کر دینا ضروری ہے کہ اس نے ان بیجا مطالبات کی جو انعاموں کے نام سے وصول کئے جاتے تھے سختی کے ساتھ مخالفت کی نیز اس کے ملازمین جو اندرونی تجارت بنگال میں کرتے تھے اس کو قابل ملامت قرار دیا ۱۷۶۵ء میں کمپنی نے انعام قبول کر لینے کے خلاف احکام اجرا کئے اور عاملان کمپنی کی اندرونی تجارت کے خلاف انسدادی احکام جو نافذ ہو چکے تھے ان کی تعمیل کے لئے کلائیو کو بعجلت ہندوستان روانہ کیا۔ احکام تو ہندوستان پہنچ چکے تھے اور ملازمین کمپنی کے اقرارنامے صرف دستخط کے محتاج تھے جن کی عنقریب تکمیل کی توقع تھی۔ ایسی حالت میں وقت ضائع کرنے کا موقع نہ تھا اسی لئے کلکتہ کی کونسل نے نجم الدولہ کو جلدی سے مسند نشین کر دیا تاکہ تحفہ تحائف اور انعام و اکرام کی بہتی گنگا سے آخری مرتبہ حلق تر کر لیں۔

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

تیسرا باب

لارڈ کلائیو اور اس کے جانشین بنگال میں

(۱۷۶۵ء سے ۱۷۷۲ء تک)

۱۷۶۵ء سے تاریخ ہند میں ایک دورِ جدید کی ابتدا ہوئی۔

اسی سال لارڈ کلائیو نے تیسری اور آخری مرتبہ ہندوستان کی سمت مراجعت کی اور شہنشاہ مغلیہ سے بنگالے کے منصب دیوانی کا منشور حاصل کیا۔ اگرچہ شہنشاہ دہلی کا کوئی حقیقی اقتدار باقی نہ رہا تھا تاہم وہ ہندوستان کا برائے نام خود مختار فرماں روا تسلیم کیا جاتا تھا اور اس منشور سے ایسٹ انڈیا کمپنی کی ایک باضابطہ حیثیت ہو گئی۔

لارڈ کلائیو کو ایک دشوار فریضہ انجام دینا تھا کیونکہ کمپنی کے معاملات ابتری میں پڑے ہوئے تھے اس کے ملازمین بددیانت تھے اور رعایا مظالم کا شکار۔ کلائیو کی کوشش یہ تھی کہ اپنے ہندوستان کے مختصر قیام ہی میں ان سب باتوں کی اصلاح کر دے۔ اس کا ۳۰ ستمبر ۱۷۶۵ء کا خط جو اس نے کلکتے سے مجلس نظار کے نام لکھا ہے ان تمام کتابوں میں جو معاملات ہند پر شائع ہوئی ہیں ایک نہایت یادگار نوشتہ ہے اس خط میں لارڈ کلائیو نے اس صورت حال کا انکشاف

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

کیا ہے جو اس کے آخری ورود پر ہندوستان میں موجود تھی اور ان تدابیر کا بھی اظہار کیا ہے جو اس نے تنظیم و ترتیب کے لیئے اختیار کیں کلائیو کا کام کلائیو ہی کے الفاظ میں بیان کرنا ضروری ہے۔

(۴) "مجھے افسوس کے ساتھ یہ کہنا پڑتا ہے کہ ہندوستان پہنچنے پر میں نے آپ کے معاملات کی صورت قریب قریب یاس انگیز پائی جس سے ہر ایسے طبقے کے حواس باختہ ہو جاتے جس کے اندر اپنے مخدوم کے معاملات میں احساس فرائض اور پاس عزت کا جوہر اپنے فائدہ کی سرگرم پیروی میں فنا نہ ہو گیا ہو اول تو دفعتاً متمول ہو جانے کے سبب سے، دوسرے اپنے ذاتی مفاد میں حد سے زیادہ سرگرم ہو جانے اور ہر طرح کے تعیش میں مبتلا ہو جانے کے باعث، اب اکثر لوگوں کے جوہر کھل چلے ہیں، اور یہی دو حد سے گزری ہوئی قباحتیں دوش بدوش اس صوبہ کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک عمل کر رہی ہیں اور ہر سررشتے کا آدمی اسی رنگ میں ڈوبا ہوا ہے۔ یہ معلوم ہوتا ہے کہ ادنیٰ سے ادنیٰ آدمی بھی دولت پر نگاہیں لگائے ہوئے ہے تاکہ وہ بھی اسراف کی۔ ایسی نمود کرنے کے قابل بن سکے جو آج کل ہر اعلیٰ و ادنیٰ کا طغرائے امتیاز بنی ہوئی ہے .... یہ تعجب کی بات نہیں کہ لوگ دولت کی بدمستی میں حصول زر کے لیئے ہر موجودہ طریقے کو بجوشی اختیار کرلیں۔ یا آپ کے آلات اقتدار معمولی بد دیانتیوں کو اپنی حرص آز کے لیئے ناکافی پاکر آپ کے عطا کردہ اختیارات کو استحصال ناجائز و اخذ بیجا کے کام میں لائیں اس طرح کی مثالیں جب اعلیٰ طبقے نے قائم کر دی ہیں تو ادنیٰ بھی اپنے حسب حوصلہ ان کی تقلید کرنے میں کبھی نہیں چوکیں گے کیونکہ یہ خرابی متعدی ہے اور خواہ نوجی لوگ ہوں یا سررشتۂ دیوانی کے وہ ان سب میں متصدی اور نشان بردار سے لیکر آزادہ رو تاجر تک پھیلی ہوئی ہے ....

"۹۔ میرے لیئے دو راہیں بالکل کھلی ہوئی تھیں۔ ایک راہ

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

ہموار جس پر کارآمد فتوحات کے پھول اس کثرت سے پھیلے ہوئے تھے کہ آسانی سے چن لیئے جا سکیں اور دوسری راہ تھی صعب انگیز ناہموار جھوجھی کے زیر قدم آئی ہی نہیں تھی یہ ممکن تھا کہ میں بھی حکومت کو اسی حال پر چھوڑ دیتا جس حال میں میں نے جائزہ حاصل کیا تھا یعنے نام تو میرا گورنر رہتا مگر اس خدمت کا اعزاز اہمیت اور وقار بدستور اسی ناگفتہ بہ حالت میں پڑا رہتا۔ ۔ ۔ ۔ لیکن اس دوراہے میں ایک شریفانہ طرز روش میرے پیش نظر تھی۔ میرے دل میں اتنی ہمت تھی کہ میں ہر طرح اپنا فرض منصبی پورا کروں یعنے متعدد ترغیبوں کے باوجود جنکے جال میری راہ میں عیاری کے ساتھ بچھائے جائیں بے لوثی و راستبازی پر ثابت قدم رہوں اور اپنے رویہ پر اُن حملوں کی کچھ پرواہی نہ کروں جو ہر مصلح کی کوششوں کی مخالفت میں بغض و کینہ وری کی اختراع ہوتے چلے آئے ہیں اور در حقیقت اس آبادی کی عام نفرت بھی اپنے سہل لوں طریقے کے انتخاب میں تو میں نے ذرا بھی پس و پیش نہیں کیا۔ میں نے اپنے کاندھوں پر وہ بوجھ لے لیا جسکو عزم بالجزم استقلال اور جبلی تقویت کی ضرورت تھی۔ اپنا کام انتخاب کر لینے کے بعد میں نے یہ مصمم ارادہ کر لیا کہ اس کوشش میں اپنی انتہائی قوت صرف کرونگا۔ اور اسی خیال میں خوش تھا کہ قوم کی عزت اور خود کمپنی کا وجود اس کی کامیابی پر منحصر ہے۔"

"۱۲۔ مجھ کو ڈر ہے کہ عمال کمپنی کے تحت اقتدار یوروپین اور دیسی مختاروں گماشتوں اور کارپردازوں نے مظالم اور مطلق العنانی کے جو رستے کھول دیئے ہیں وہ ہمیشہ اس ملک میں انگریزوں کی بدنامی کا باعث رہیں گے۔ ۔ ۔ ۔ مگر مجھ کو آخر کار یہ دیکھکر مسرت ہوتی ہے کہ ایک ایسا نسخہ اب ہمارے ہاتھ آیا ہے جو ہر طرح اتنا منفعت بخش ثابت ہوگا جسقدر آج تک کبھی ہمارے علم ہی میں نہیں آیا ہے۔ اور جس سے ان تمام امراض باطن و افعال ناجائز کا انسداد و ازالہ

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

ہو جائے گا۔ جن کا آج تک کوئی علاج ہی معلوم نہ تھا۔ میرا مطلب اس نسخے سے منصب دیوانی ہے یعنے صوبجات بنگالہ و بہار و اڑیسہ کے جملہ اراضی کی نگرانی اور تحصیل مالگزاری جس کو شہنشاہ نے ہماری گاہ گاہ کی فوجی و مالی امداد کے معاوضے میں کمپنی کے نام بخوشی عطا فرمایا ہے اور یہ عطیہ نہایت باضابطہ اور موثر طور پر عمل میں آیا ہے۔ جس کی بناء پر جہاں پناہ کا مقررہ خراج اور نواب کا مرتبہ اور اقتدار برقرار رکھنے کے لئے مجوزہ مشاہرے کے علاوہ (جو برابر ادا کئے جانے چاہئیں) جملہ محاصل کی بچت کمپنی کی ملک متصور ہو گی ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

"۱۳ - میری دانست میں اس تحصیل کے ذریعہ سے آپ کی آیندہ سال کی مالگزاری بشمول مقبوضات بردوان وغیرہ کم سے کم ڈھائی کروڑ روپیہ تو ضرور ہی ہو گی۔ اور بعد کو اور بیس تیس لاکھ بڑھ جانے کی بھی توقع ہے۔ امن کے زمانے میں تو آپ کے دیوانی اور فوجی مصارف ساٹھ لاکھ روپیہ سے زیادہ کبھی نہیں ہوتے نواب کا مشاہرہ تو تخفیف کے بعد بیالیس لاکھ روپیہ رہ گیا ہے اور شہنشاہ کو واجب الادا خراج صرف چھبیس لاکھ۔ اب رہی ایک کروڑ بائیس لاکھ روپے یا سولہ لاکھ پچاس ہزار نو سو پونڈ کی بچت یہ کمپنی کو بطور منافع پڑی" ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

"۱۶ - فائز ہندوستان ہونے کے بعد سے آپ کے ملازموں کی آسودہ حالی کی کچھ تو سبیل ہونی چاہئے جس میں رفتہ رفتہ ان کے مرتبہ کے متناسب افزونی ہوتی رہے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ان توقعات کے قوت سے فعل میں آنے کا انحصار ہے ہندوستان اور انگلستان کے درمیان مال سے لدے ہوئے جہازوں کی آمدورفت پر یعنے استحقاق تجارت پر جس کے فوائد کا آپ کو بھی علم ہے اور اس کے علاوہ ان جدید قواعد کے مطابق جن کو ہم نے ایک زمانے

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

کی بے قاعدگیوں کی اصلاح کے لئے مرتب کیا ہے۔ نمک پان اور تمباکو کے منافع پر جو کمپنی کو ملے گا"۔۔۔۔۔۔

"۱۹۔ سررشتۂ دیوانی کے متعلق یہاں تک اپنا خیال ظاہر کرنے کے بعد فوج کی نسبت بھی کچھ عرض کرنے کی اجازت چاہتا ہوں۔۔۔۔۔ جو خرابی کہ میں آپ کے علم میں لانا چاہتا ہوں وہ دیوانی نظم ونسق پر فوج کی دست درازی اور دیوانی اقتدار سے نکلکر خود مختار بننے کی سعی بیجا ہے۔۔۔۔۔ تمام فوج کو یہ چاہئے کہ وہ دوسرے سررشتوں کے حائل اقتدار دیوانی کی مطیع ومنقاد رہے۔ اور اگر کسی وقت فوج اپنی برتری کے لئے جدوجہد کرے تو گورنر اور کونسل کو یہ خیال کرتے ہوئے کہ وہ اس آبادی میں حقوق کمپنی کے امین ہونے کے علاوہ آئین دیوانی کے تحت عامۃ الخلایق کی املاک کے محافظ بھی ہیں اپنی پوری قوت اس کے انسداد میں صرف کردینی چاہئے"۔

"۲۶۔ مجھ کو اب اس یاددہی کی اجازت مرحمت فرمائی جائے کہ میں کثیر العیال ہوں۔ اہل وعیال میری مدد کے محتاج ہیں اور میں ہوں کہ اس آب وہوا پر اپنی صحت نثار کر رہا ہوں۔ اور دولت وزندگی کو خطرے میں ڈال رہا ہوں۔ اب مجھ کو صرف اس اطلاع کا انتظار ہے کہ آیا میرا طریق کار پسندیدگی کا مستحق ہے کہ نہیں، اور آیا یہ قواعد جن کے پیش کرنے کی مجھ کو عزت حاصل ہوئی ہے جزاً یا کلاً آپ کے ان اصلاحی منصوبوں کے مطابق ہیں جن کے نفاذ کی آپ نے ضرورت محسوس فرمائی تھی یا نہیں، اگر یہ امور آپ کے پسند خاطر ہوں تو آپ مجھ کو فی الفور مقتدر رہنائیں کہ میں مجلس منتخبہ کی شرکت میں اس کامیابی کے ساتھ شروع کئے ہوئے معاملے کو اختتام تک پہنچاؤں جو سہولت کے ساتھ آئندہ سال کے ختم سے پہلے ممکن ہے میں نے

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

تو ختم سال پر یورپ کی واپسی کا مصمم ارادہ کر لیا ہے اور آپ کے کاروبار بنگالہ کی کامیابی کے متعلق آپ کی ہر ایک امید و خواہش کی تکمیل سے آپ کو بالمشافہ آگاہ کرنے کی توقع رکھتا ہوں "

کلائیو کے اپنے الفاظ میں یہ اس معاملہ کی تفصیل ہے جو ہندوستان میں برطانوی راج کے عروج کا ایک اہم نقش قدم ہے اب تک تو انگریز ہندوستان میں محض تاجر ہی متصور ہوتے تھے اور اگرچہ جنگ پلاسی کے بعد ۱۷۵۷ء ہی سے وہ بنگالہ کے مالک بن چکے تھے ۔ لیکن ۱۷۶۵ء میں شہنشاہ دہلی کی جو نام کا شہنشاہ ہی سہی منصب دیوانی کے عطیے سے ایسٹ انڈیا کمپنی کی باضابطہ حیثیت بن گئی اور بنگالے کے انتظام مملکت سے متعلقہ فرائض قانوناً اس کے تفویض ہو گئے تھے ۔ وہ تجاویز جو لارڈ کلائیو نے ان فرائض کے انصرام کے لئے سوچیں تھیں وہ خود لارڈ کلائیو ہی کے الفاظ میں اوپر بیان کر دی گئی ہیں دیوانی اور فوجی نظم و نسق میں اس کی اصلاح کی سعی بلیغ اسی تعریف و ثناء کی مستحق ہے جو مورخین نے کی ہے لیکن اس کے منصوبے کے حقیقی خط و خال کو نظر غائر سے دیکھیں تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ منصوبہ بھی ہندوستان میں اور منصوبوں کی طرح عام خلائق کے مفاد کے خلاف انگریز حکمرانوں ہی کے اغراض پر مبنی تھا ۔ جس سے تمام بنگالہ جلب منفعت کے لئے ایسٹ انڈیا کمپنی کی جاگیر متصور ہونے لگا ۔

تیس کروڑ نفوس سے جو محاصل وصول کئے جائیں گے اسمیں سے مصارف و مشاہرہ منہا کرنے کے بعد جو کچھ بچ رہے گا وہ ملک ہی میں ملک ہی کی فلاح و بہبود پر صرف کرنے کے بجائے انگلستان کو بطور منافع کمپنی بھیجا جائے گا ۔ اور سالانہ پندرہ لاکھ پونڈ کی رقم ایک زیر اثر و محکوم آبادی سے وصول کر کے کمپنی کے حصہ داروں کو انگلستان پہنچائی جائے گی گویا ایک غریب قوم کے خون سے ہر سال ایک ایسی گنگا جمنی ندی بہائی جائے گی جس سے روئے زمین

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

کی سب سے زیادہ زردار قوم کی ثروت میں اضافہ ہو۔

اس طرح سے ہم یہ دیکھتے ہیں کہ ہندوستان کے نظم ونسق کے لیئے جو پہلا منصوبہ انگریز حکمرانوں نے سوچا خود اس میں بھی وہ معاشی سوتاؤ شامل تھا جو آج کل لکھوکھا پونڈ کی سالانہ رقم کو پہنچ چکا ہے۔ ہم کب یہ نہیں کہتے کہ ہندوستان میں انگریزی افواج کی فتح وظفر ملک میں ایک باقاعدہ حکومت کی ترویج، قیام امن، انصاف وعدلت، اور مغربی تعلیم کی اشاعت یہ سب چیزیں توصیف وثنا کی مستحق وسزاوار نہیں ہیں، لیکن ابتدا ہی سے ہندوستان اور انگلستان کے درمیان مالی تعلقات ہمیشہ ناانصافی پر مبنی رہے اور انگریزوں کی صدوپنجاہ سالہ حکومت کے بعد بھی ہندوستان اپنے وسیع ذرائع اپنی زرخیز زمین اور جفاکش آبادی کے باوجود روئے زمین پر اب سب سے زیادہ مفلس ونادار ملک ہے۔

کمپنی کے لیئے پندرہ لاکھ پونڈ سے زیادہ سالانہ منافع کے حصول پر قناعت نہ کر کے لارڈ کلائیو مصر تھا کہ بنگالہ کی اندرونی تجارت بھی عمال کمپنی ہی کے نفع حاصل کرنے کے لیئے مخصوص رہے۔ ان مظالم کی انسدادی تدبیریں تو اس نے نکالیں جو اس خانگی تجارت کے اثنا میں وقوع پذیر ہوتے تھے لیکن خود یہ تجارت بنگالے میں انگریزوں کے لیئے بے حد نفع بخش تھی اور کلائیو کو اس سے دست بردار ہونا پسند نہ تھا چنانچہ نمک پان اور تمباکو کی اندرونی تجارت کے برقرار رکھنے پر وہ یہاں تک تلا ہوا تھا کہ اپنی ولی نعمت ومخدوم ایسٹ انڈیا کمپنی کی کھلی مخالفت کے باوجود کمپنی کے امتناعی احکام کی پروا نہ کر کے اس تجارت کو جاری رکھنے کے لیئے بہ اشتراک دیگر عمال کمپنی ۱۷۶۵ء میں اس نے ایک اقرارنامہ کی تکمیل کی جس کا مذکورہ ذیل فقرہ نہایت معنی خیز ہے:۔

"تاوقتیکہ مجلس نظار کا انگلستان میں کوئی ایسا حکم صادر ونافذ نہ ہو

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

جس میں مذکور الصدر مشترکہ تجارت اور بیوپار کو ختم کرنے کے لئے یا اس تجارت کو جزاً یا کلاً ممنوع وموقوف قرار دینے کے متعلق ہدایت وحکم صادر کردیا جائے، یا جو ان معاہدوں اور دفعات عطایا وشرائط یا قرارداد کے منافی وخلاف ہو یا ان کے کسی ایک حصے کے بھی خلاف ہو جو مذکور الصدر دستاویز میں موجود اور بیان کئے گئے ہیں جس سے دستاویز مذکور بالکل باطل وکالعدم ہوجائے تو اس وقت اور اس حالت میں مسمیان رابرٹ لارڈ کلائیو بہ حیثیت صدرنشین اور ولیم برانسٹول وغیرہ بہ حیثیت کونسل فورٹ ولیم مذکور مسمیون ولیم برانسٹول سمنر ہیری ویرسٹ، رالیف سٹر اور جورج گرے کو نیز اس مختص ومشترکہ تجارت میں تمام دیگر حق مالکانہ رکھنے والوں کو اور ان کو جنھیں آیندہ ایسا حق مالکانہ حاصل ہوگا اور ان سب کے ورثاء کو وصیوں کو اور کارپردازوں کو بلاکسی حقیقی ضرر ونقصان کے ہرجانہ ادا کریں گے اور کسی مذکور الصدر متضاد حکم یا ہدایت کے اجراء کے باوجود مزید ایک سال کی مدت تک اس مشترکہ تجارت کو ہر طرح جاری اور برقرار رکھنے کے اسباب قائم رکھیں گے۔"

لارڈ کلائیو کا ۳۰ ستمبر والا مراسلہ موصول ہوتے ہی مجلس نظماء نے اس کا ایک جواب تو کلکتہ کمیٹی کے نام ۱۷ مارچ سنہ ۱۷۶۶ء میں لکھا اور ایک علیحدہ خط اسی تاریخ کو لارڈ کلائیو کے نام تحریر کیا۔ نظماء نے لارڈ کلائیو کی ان نمایاں خدمات کا پرجوش الفاظ میں شکریہ ادا کیا اور بنگالہ بہار واڑیسہ کے منصب دیوانی کے قبول کرنے کی اطلاع بھی دی لیکن یہ نظماء کی تعریف کی بات ہے کہ انھوں نے کلائیو کی مرتبہ تجاویز کو جو اندرونی تجارت سے متعلق تھیں قطعاً مسترد کردیا۔

"تحائف وانعام حاصل کرنے کے بارے میں ہم نے اپنی رائے مجلس منتخبہ کے موسومہ مراسلے میں ظاہر کردی ہے جس میں اتنا اضافہ اور کیا جاتا ہے کہ ہمارے خیال میں جو بے اندازہ

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

ثروت لوگوں نے اندرونی تجارت کے طفیل پیدا کرلی ہے وہ مظالم مطلق العنانی کی ایسی راہ وروش اختیار کرنے کے بعد حاصل ہوئی ہے جس کی روئے زمین پر کسی زمانے میں بھی نظیر نہیں ملسکتی ابتداہی سے جب ہم تک اس کی اطلاع پہنچی تو اس بارے میں ہمارے خیالات اور احکام میں کبھی کسی قسم کا تغیر یا تضاد واقع نہیں ہوا۔ اور عالیجناب کو یہ سُن کر تعجب نہ ہوگا کہ دوران تجارت میں جو ظالمانہ بدعملیاں سرزد ہوئی تھیں ان کے مہلک تجربے کے بعد ہم اس تجارت کو پسندیدہ نظر سے ہرگز نہیں دیکھ سکتے خواہ وہ کتنی ہی محدود و باقاعدہ شکل میں ہمارے پاس پیش کیوں نہ کی جائے جیسا کہ مجلس منتخبہ کی مندرجہ تجاویز سے ظاہر ہوتا ہے"

نظمائے کمپنی نے تو کسی وقت بھی عمال کمپنی کی اندرونی تجارت کے مضمون پر مبہم یا مذبذب رائے ظاہر نہیں کی تھی بلکہ اپنے ۱۸ر فروری ۱۷۶۴ء کے مراسلے میں صاف طور پر ایسی تجارت کو ممنوع قرار دیا تھا۔ اور ۱۵ر فروری ۱۷۶۵ء کے مراسلے میں تو نہایت شدومد کے ساتھ اس امتناع کی مکرر توثیق بھی کی تھی لیکن ہندوستان میں خود اُن کے عاملوں نے ان احکام کی پروا ہی نہ کی۔ اس پر بھی نظماء نے ۱۷ر مئی ۱۷۶۶ء کے مراسلے میں کلائیو کے مرتبہ قواعد کے تحت اس تجارت کو برقرار رکھنے کی جو تجاویز پیش ہوئیں تھیں ان سب کو نامنظور کردیا۔ لیکن اس نامنظوری کی بھی کسی نے پروا نہ کی اور عہدوپیمان جو ہو چکے تھے اور پیشگی رقوم جو دی جاچکی تھیں ان کے بہانے سے اور دو سال تک یہ اندرونی تجارت جاری رکھی گئی۔

لارڈ کلائیو نے ۱۷۶۷ء میں ہندوستان کو خیرباد کہا اور اس کا قائم مقام ویرسٹ ہوا جس نے ۱۷۶۹ء تک حکومت کی اور ویرسٹ کا جانشین کارٹیر مقرر رہا۔ جس نے ۱۷۷۲ء تک گورنری کی۔

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

ویرلسٹ اور کارٹیر کے پنج سالہ نظم و نسق میں بھی وہی بد آئینی جاری رہی جو اس سے ماقبل سالوں میں بنگالہ کے لئے سخت مضرت رساں ثابت ہو چکی تھی نظم و نسق کے تجاویز جو کلائیو نے نافذ کیئے تھے وہ ایک طرح کی دو عملی پیدا کرتے تھے مثلاً مالگزاری تو نواب ہی کے خزانۂ عامرہ کے لئے وصول کی جاتی تھی۔ عدالتی کاروبار نواب ہی کے عہدہ داروں کے تفویض تھا۔ اور تمام معاملات میں نواب ہی کا اقتدار ان کی پردہ پوشی کرتا تھا۔ لیکن ایسٹ انڈیا کمپنی جو ملک کی اصل مالک تھی اس سے خود یہ شکل منافع فائدہ اٹھا رہی تھی اور عمال کمپنی جلب منفعت کے لئے نواب کے عاملوں کو مرعوب کر کے اور اپنے ذاتی اغراض کی تکمیل کے لئے عدالتی حکام کو اپنے آلات استغاثہ بنا کے بے انتہا مظالم کر رہے تھے۔ جن کو انگریز گورنر بھی دیکھتا تھا۔ اور برا سمجھتا تھا۔ مگر اس صورت حال کا علاج کرنے سے مجبور تھا۔

"خود ہم نے اپنے اور حکومت کے مابین جو حد فصل تھی توڑ ڈالی۔ اور یہی باشندگان ملک کے لئے تذبذب کا باعث ہوئی کہ وہ اب کس کس کی اطاعت اپنا فریضہ سمجھیں۔ اسی پیچیدہ منقسمہ حکومت کی وجہ سے ایسے مظالم اور سازشیں شروع ہوئیں جو کسی دوسرے عہد میں کبھی پیدا ہی نہیں ہوئی تھیں حتی کہ عہدہ داران سرکاری نے بھی جو براہ راست کسی کے دباؤ میں نہ تھے مضر اثر میں آ کر بے باکانہ مظالم کیئے"

کاشتکاری ہمیشہ سے بنگالیوں کا خاص ذریعہ معیشت تھی لیکن یہ بھی جدید آئین بندوبست کے تحت جن کو عمال کمپنی نے رائج کیا تھا زوال پذیر تھی ایک قدیم زمانے سے بنگالہ کی زمینیں زمیندار کے موروثی قبضے میں تھیں جن کو شاہی اقتدار حاصل تھا یعنے وہ نواب کو صرف مالگزاری ادا کرتے تھے۔ اور ضرورت کے وقت

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

نواب کی فوجی خدمات بھی بجا لاتے تھے اس کے علاوہ وہ اپنی جاگیروں کی رعایا پر در اصل شاہی کرتے تھے ان کی رعیت اور اسامی بھی ان کو اپنا راجہ تسلیم کر لی تھی۔ انھیں سے امن قائم تھا یہی قضیئے چکاتے تھے یہی مجرموں کو سزائیں دیتے تھے متقی و پرہیزگاروں کا سہارا بھی یہی تھے۔ اور خداترس لوگوں کے مربّی بھی یہی تھے علوم و فنون کا نشوونما انھیں کے دم سے وابستہ تھا اور ادبیات کے سرپرست بھی یہی تھے۔ نوابان خود رائے سترھویں صدی عیسوی میں مرشد قلی خاں کی طرح اور اٹھارھویں صدی عیسوی میں میر قاسم کے سے پنجۂ آہنی سے ان زمینداروں کو نچوڑتے رہے ہیں لیکن ان نوابوں تک نے ان زمینداروں کو جو قدیم دستور کے موافق موروثی متصور ہوتے تھے ان کی جاگیروں سے کبھی بے دخل نہیں کیا۔ مگر جب میر قاسم نے اضلاع بردوان و مدناپور ۱۷۶۰ء میں کمپنی کے سپرد کئے تو عمال کمپنی نے ایک جدید انتظام کی ابتدا کی جس کی رو سے زمینداروں کے مروجہ حقوق نظر انداز کر دئے گئے اور آمدنی میں اضافہ کرنے کی خاطر ان کی معاش کو نیلام کر دیا گیا جس سے آئندہ چل کر افسوسناک نتائج پیدا ہوئے۔

"اضلاع بردوان و مدناپور میں جن کی ملکیت اور راج میر قاسم نے ۱۷۶۰ء میں کمپنی کے سپرد کر دیا تھا وہ تمام خرابیاں جو مسلمانوں کی حکومت میں ان کی بری حکمت عملی کی وجہ سے بہ افراط موجود تھیں مطلق کم نہ ہوئیں بلکہ برخلاف اس کے ۱۷۶۲ء میں تو ایک ایسی تجویز اختیار کی گئی جو صوبے کی یقینی تباہی کا باعث ہوئی یعنے زمینیں عام نیلام کے بعد ایک مختصر المیعاد سہ سالہ تعہد پر دیدی گئیں ہر کس و ناکس نے نیلام میں اپنی اپنی بولی بولی اور اگر سابقہ مستاجروں نے اپنی اسامیوں کو ہاتھ سے نہ دینے کی خاطر اصل آمدنی سے بھی بڑھکر بولی بولی تو ان لوگوں نے بھی جنھیں کچھ اس میں کھونا تو نہ

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

تھا زمینوں پر فوری قبضہ مل جانے کے لالچ سے اس بولی پر اور اضافہ کیا۔ اس طرح بے شمار لٹیرے لوٹنے کو نکلے اور شکستہ حال غریبوں کو لوٹ لوٹ کر پہلے سالیانہ یعنی سالانہ وصولباقی کی تکمیل کی۔"

ہمیں آگے چل کر معلوم ہوگا کہ جب اس جدید ظالمانہ طریقے کو وارن ہیسٹنگز نے سارے بنگالہ پر توسیع دی تو اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بے چینی بدامنی اور مصائب اور زیادہ پھیلے چنانچہ ویرلسٹ اور کارٹیر کے دوران حکومت میں ابتدا سے لیکر انتہا تک ایسٹ انڈیا کمپنی کے مطالبات کی تکمیل کے لئے نہایت تشدّد کے ساتھ مالگزاری وصول کی جاتی رہی۔

گورنر ویرلسٹ نے مجلس نظار کو یہ لکھا کہ :-

"بارہا یہ تجویز پیش کی گئی تھی کہ جب اراضی ہمارے زیر انتظام آجائے تو ہم ذرا بھی کسی اضافے کی کوشش کرنے کی بجائے زمینوں کی کاشت اور ترقی کی ترغیب دینے کے خیال سے اکثر اضلاع کے مقررہ محاصل میں کمی کردیں گے اور یہی مناسب تھا۔۔۔۔ مجھ کو اپنی رائے کے اظہار کی اجازت دیجئے جو میں نے نہایت غور و خوض کے بعد قائم کی ہے اور جو مالگزاری کی مختلف شاخوں اور آپ کے مقبوضات کے مختلف اضلاع کے تجربے پر مبنی ہے اور وہ یہ ہے کہ آپ کے محاصل میں کوئی معتدبہ اضافہ کرنا آپ کے حکام کی طاقت سے قطعی باہر ہے۔"

تجارت و صنعت دونوں اجارہ اور جبر و تعدی کی وجہ سے زوال پذیر تھے ایسٹ انڈیا کمپنی کے نظار نے اپنے عاملوں کی روک تھام کی کوشش تو کی مگر اس مرتبہ خود انھوں نے اپنے عاملوں سے کہیں زیادہ سخت خطا کا ارتکاب کیا۔ برطانوی جولاہے بنگالی جولاہوں پر رشک و حسد کر رہے تھے کیونکہ ہندوستان میں

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

برطانیہ کے ساختہ ریشمی پارچہ جات کی درآمد تھی اور کمپنی کے محصلہ سیاسی قوت کے بل پر یہ عہداً کوشش کی گئی کہ بنگالے کے صناعوں کی ہمت پست کر کے انگلستان کی صنعت کو ترقی دی جائے۔ کمپنی نے اپنے عام مراسلے مورخہ ۱۷ مارچ ۱۷۶۹ء میں جو گورنر بنگالہ کے نام جاری کیا گیا۔ یہ خواہش ظاہر کی کہ بنگالے میں لوگوں کو خام ریشم کے کاتنے کی ترغیب و تحریکیں دلائی جائے مگر ریشمی پارچہ جات کی ساخت کے لئے کسی کی اعانت نہ کیجائے اور یہ بھی صلاح دی کہ ریشم کاتنے والوں کو اپنے گھروں میں کام کرنے کی ممانعت کر دی جائے اور اس کے بجائے کمپنی کے کارخانوں میں ان سے جبر یہ کام لیا جائے۔

"اس قاعدے سے بہت اچھے نتائج پیدا ہوئے خصوصاً چرخہ کاتنے والے جو پہلے اپنے گھروں میں کاتا کرتے تھے۔ وہ اب کارخانوں میں کام کرنے لگے۔ اگر یہ اپنے اپنے گھروں میں رہ کر کاتنے کا طریقہ آئندہ کسی بے توجہی سے دوبارہ رائج ہو جائے تو اس کو بند کر دینا ہی مناسب ہے اور اب بھی زیادہ موثر طور پر اس کو موقوف کرنے کی صورت یہی ہے کہ حکومت کے اقتدار کے تحت اس فعل کے مرتکب کیلئے سخت سزائیں تجویز کر کے اس کا قطعی امتناع کر دیا جائے۔"

جیسا کہ مجلس منتخبہ نے بجا طور پر کہا "اس مراسلے میں حکمت عملی کا ایک ایسا مکمل منصوبہ شامل ہے جو ایک طرف تو اعانت و حمایت پر مبنی ہے اور دوسری طرف جبر و تعدی پر۔ اور بنگالے کی صنعتوں کیلئے عملی طور پر حد درجہ مضرت رساں ہے۔ اس کا نتیجہ (جس حد تک کہ بغیر ٹال مٹول کے اس منصوبے پر عمل کیا جائے) یہی ہو سکتا ہے کہ اس ملک کی شکل ہی بدل جائے۔ جہاں کبھی صنعتیں موجود تھیں وہاں محض خام پیداوار کے چٹیل میدان باقی رہ جائیں اور اس طرح یہ ملک برطانیہ عظمیٰ کی صنعتوں کا دست نگر بن جائے۔

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

جتنا جتنا ہم آگے چلیں گے ہم خود دیکھینگے کہ ہندوستان کے متعلق انگلستان کی معینہ حکمت عملی پچاس سال سے زیادہ عرصہ تک ہی رہی اور دارالعوام کے سامنے بھی اسی حکمت عملی کو کھلے طور پر تسلیم کیا گیا۔ ۱۸۳۳ء اور اس کے بعد بھی اسی حکمت عملی کی سختی کے ساتھ پابندی کی گئی جس سے ہندوستان کے اکثر قومی مصنوعات انگریزی صنعتوں کی نشو و نما کے لئے نہایت باثر طریقے پر ملیامیٹ کر دئے گئے:

اور یہی نہیں بلکہ اس سے زیادہ ملک کی خرابی کا جو چیز باعث ہوئی وہ لگاتار کی بادر روکھپی جو کمپنی کے منافع کیلئے یا دنیا کے دوسرے خطوں میں کمپنی کے لاحقہ مصارف کی تکمیل کیلئے بنگالے سے سال بسال جاری تھی۔ ایسٹ انڈیا کمپنی کو منصب دیوانی عطا ہونیکے چھ سال کے اثناء میں بنگالہ کے مداخل و مخارج کی جو فرد حساب مرتب کی گئی تھی اور جو دارالعوام کی چوتھی رپورٹ واقع ۱۷۷۳ء میں شامل ہے اسی سے ذیل کے اعداد لئے گئے ہیں:-

سنہ	جمع خام	جمع خالص بعد نہائی و خراج شہنشاہ دہلی و مشاہرہ نواب و مصارف جمع مالگزاری و تنخواہ ملازمین وغیرہ	جملہ مصارف دیوانی و فوجی عمارات عامہ و قلعہ جات وغیرہ	حقیقی سالانہ بچت
سنی اپریل	۲۲۵۸۲۲۷	۱۶۸۱۴۲۷	۱۲۱۰۳۶۰	۴۷۱۰۶۷
۱۷۶۵-۱۷۶۶	۲۸۰۵۸۱۷	۲۵۲۷۵۹۴	۱۲۷۴۰۹۳	۱۲۵۳۵۰۱
۱۷۶۶-۱۷۶۷	۳۶۰۸۰۰۹	۲۳۵۹۰۰۵	۱۴۸۷۳۸۳	۸۷۱۶۲۲
۱۷۶۷-۱۷۶۸	۳۷۸۷۲۰۷	۲۴۰۲۱۹۱	۱۵۷۳۱۲۹	۸۲۹۰۹۲
۱۷۶۸-۱۷۶۹	۳۳۴۱۱۹۷۶	۲۰۸۹۳۶۸	۱۷۵۲۵۵۶	۳۳۶۸۱۲
۱۷۶۹-۱۷۷۰	۳۳۳۳۴۴۳	۲۰۰۷۱۶۷	۱۷۳۲۰۸۸	۲۷۵۰۸۸
میزان	۲۰۱۳۳۵۷۹	۱۳۰۶۶۷۶۱	۹۰۲۷۶۰۹	۴۰۳۷۱۵۲

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

ان اعداد سے ظاہر ہوتا ہے کہ بنگالہ کے خالص محاصل کا قریب قریب ایک تہائی حصہ سالانہ ملک سے باہر ارسال کیا جاتا تھا لیکن حقیقی بدررو اس سے بھی کہیں زیادہ تھی۔ دیوانی اور فوجی مصارف کا بڑا حصہ یوروپین افسروں اور عہدے داروں کے مشاہروں پر مشتمل تھا۔ اور یہ لوگ اپنی جملہ پس انداز رقمیں ہندوستان سے بیرون ملک بھیجدیا کرتے تھے اس کے علاوہ ملک کی اندرونی تجارت وصنعت سے ناجائز طور پر دیسی تاجروں کو محروم کر کے جو ثروت پیدا کیجاتی تھی وہ سب کی سب سالانہ بیرون ملک ارسال کردی جاتی تھی بنگالہ سے جو حقیقی بدررو جاری تھی اوس کا صحیح اندازہ سنہ ۱۷۶۶ء اور سنہ ۱۷۶۷ء کی درآمد برآمد کے اعداد سے ملتا ہے جن کو گورنر ہنری ویرلسٹ نے جمع کیا تھا اور وہ یہ ہیں۔

درآمد	برآمد
۶۲۴۳۷۵ پونڈ	۶۳۱۱۲۵۰ پونڈ

بہ الفاظ دیگر ملک کی درآمد سے برآمد دہ چند زیادہ تھی خود مسٹر ویرلسٹ نے اس خرابی کو جو ایک وسیع پیمانے پر تھی محسوس کیا اور باشندگان بنگالہ کی مادی حالت پر اس سے جو مضر نتائج مرتب ہوتے تھے ان کے اظہار میں کبھی کوتاہی نہ کی۔

"پہلے جو کچھ بھی رقوم دہلی ارسال کی جاتی تھیں ان کا معاوضہ بنگالہ کے بے پایاں تجارت سے مل جایا کرتا تھا۔۔۔۔۔ اب نواب کے قلمرو کی موجودہ حالت اس سے کس قدر مختلف ہے۔ ہر ایک یورپی کمپنی نے ملک میں اپنے اپنے لئے دولت پیدا کر کے مگر صوبے کی زرخیزی میں ایک حبہ کا اضافہ کئے بغیر خاص

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

شغل سرمایہ کی رقم کو ایک کثیر مقدار پر پہنچا دیا ہے"

"فراہمی رقوم کے مطالبات کی وجہ سے جو اس صوبے پر دنیا کے ہر گوشے سے ہوتے رہتے ہیں۔ آپ کے خزانے کی حالت بہت ابتر ہو چکی ہے اور ملک سے اس وسیع پیمانے پر برآمد ہوتی دیکھ کر اور اس کے لابدی نتائج کا خیال کر کے ایک وحشت سی ہوتی ہے"

"یہ بمشکل کہا جا سکتا ہے کہ کوئی ملک خواہ وہ کتنا ہی زرخیز کیوں نہ ہو مال کی مسلسل رسد قائم رہنے کے بغیر سال تمام کی پیداوار کے ایک تہائی حصے سے زیادہ مقدار میں ہر سال ملک سے باہر رقم ارسال کرنے کے باوجود نشو و نما پاتا تو ایک طرف اپنے موجودہ حال ہی پر کچھ دنوں قائم رہ سکے۔ چہ جائیکہ اس کے ساتھ کے اور واقعات بھی ایسے موجود ہیں جن کی وجہ سے ملک کی زرخیزی اور بھی روز بروز کم ہو رہی ہے اور اگر اس کا انسداد نہ کیا جائے گا تو رہا سہا بھی مفقود ہو جائے گا۔ میرے مشاہدہ کی بات ہے کہ پہلے ایک بڑا فائدہ ملک کو یہ تھا کہ مختلف خاندانوں کو بڑے بڑے عطئے ملتے تھے اور گورنران ملک بھی بہ صرف کثیر عیش و عشرت کیا کرتے تھے جن کی وجہ سے ملک کی آمدنی ملک ہی میں منتشر رہتی تھی لیکن اب تو یہ ہے کہ ایک ہی خلیج یعنی آپ کا خزانہ جملہ اراضی کی آمدنی کو ہضم کر جاتا ہے۔ اور شغل سرمائے کی رقم کو چھوڑ کر اور ناگزیر مصارف کو نکالکر ان رقوم کا کوئی حصہ دوبارہ باشندوں کے ہاتھوں میں واپس نہیں جاتا"

شغل سرمایہ کیا تھا اس کی توضیح دار العوام کی مجلس منتخبہ نے اپنی ۱۸۳۰ء کی نویں رپورٹ میں یوں کی ہے:

"بنگالے کی مالگزاری کا ایک مقررہ حصہ کئی سال سے ایسا مال خرید نے کے لئے مختص ہے جو انگلستان کو برآمد کیا جاتا ہے

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

اور یہی طریقہ "شغل سرمایہ" کہلاتا ہے اس رقم کی کثرت گویا ایک معیار ہے جس کے مطابق کمپنی کے اعلیٰ ملازمین کی قابلیت کا اندازہ کیا جاتا ہے - اور طرفہ یہ کہ ہندوستان کے افلاس کا یہ سب سے بڑا سبب ہی ہندوستان کی دولت و خوشحالی کا پیمانہ سمجھا جاتا تھا سال بسال عظیم الشان جہازوں کے بے شمار بیڑے مشرق کے بیش بہا مال و سامان سے لدے ہوئے روز افزوں و پے در پے جب انگلستان پہنچتے تھے تو عوام پر اس کا زبردست اثر پڑتا تھا اور تجارتی دنیا میں اتنی وافر پیداوار کو اس وسیع پیمانے پر موجود پاکر عام رائے فطری طور پر یہ ہوتی تھی کہ اس ملک میں کیسی کچھ روز افزوں ثروت اور مرفہ حالی نہ ہو گی - بظاہر یہ معلوم ہوتا تھا کہ شاید ہندوستان کو بھی اس برآمد کے ہم قدر مال و سامان کی رسد حاصل ہو جاتی ہو گی - اور اس طرح وہ تجارتی سرمایہ جو ان چیزوں کی پیدائش میں لگا ہوا تھا برابر بڑھ رہا ہو گا - لیکن دراصل دیکھا جائے تو یہ باج گزاری تھی نہ کہ سود مند تجارت جس کی خوشنما شکل فریب آمیز نظر آ رہی تھی -

گورنر و یرلسٹ اور مجلس منتخبہ دار العوام نے صاف طور پر جس دائمی بدررو کی خرابیوں کا اظہار کیا تھا اس کو انگلستان کے زبردست ترین سیاسی فلسفی نے بھی ایسے الفاظ میں مورد الزام قرار دیا تھا جو انگریزی زبان کی بقا تک تو محو نہیں ہو سکتے ۱۷۸۳ء میں فاکس کے مجوزہ مسودۂ قانون ہند پر جو تقریر ایڈمنڈ برک نے کی اس میں اس نے ہندوستان کی اس دائمی بدررو کے تباہ کن نتائج بھی بیان کئے اور بلا شبہ جب تک وہ پارلیمنٹ کا رکن رہا اس بڑے مقرر نے اتنی زبردست بلیغ اور برحق تقریر پھر کبھی نہیں کی -

"مشرقی فاتحین کا غیظ و غضب بہت جلد کم ہو جاتا تھا

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

اس لئے کہ مفتوحہ ملک کو وہ اپنا وطن بنا لیتے تھے ان کا عروج و زوال ان کی قلمرو کی عروج و زوال کے ساتھ وابستہ تھا۔ باپ اپنی اولاد کی توقعات کا متحمل تھا اور اولاد کے پیش نظر اپنے آباو اجداد کی یادگاریں تھیں یہ مقدر کی بات تھی کہ ان کے آباو اجداد نے ہر پھر کر اسی سرزمین میں اپنے قدم گاڑے تھے اور ہر شخص کی یہ فطری خواہش ہوتی ہے کہ کوئی خراب ملک اسکو نصیب نہ ہو افلاس غیر پیداآوری اور بربادی انسانی نظر کے لئے کوئی فرحت بخش منظر نہیں اور چند ہی لوگ ایسے ہوں گے جو اہل ملک کے ناقابل برداشت لعن و ملامت سنتے ہوئے عمر یہیں گزار دیں۔ غیظ و غضب اور حرص و آز کے مارے تاتاری حکمرانوں نے جب غارتگری کے ساتھ شدید مظالم شروع کئے تو اس وقت بھی اُن کی چند روزہ انسانی زندگی میں اتنی مہلت تھی کہ وہ اپنی تندزوری و زبردستی کا مزہ چکھیں۔ اگر ظلم و زبردستی سے دولت و ثروت کا انبار انھوں نے لگا لیا تو یہ سارا انبار گھر کے اندر ہی موجود تھا اور پھر کوئی دوسرا اُن سے بھی زیادہ زبردست شخص آتا ایسا پیدا ہو جاتا تھا جو اُن سے چھین کر لوگوں کی دولت لوگوں پر تقسیم کر دیتا تھا۔ اس زمانے میں اگرچہ فتنہ و فساد بھی تھا اور سیاسی قوت کی روک تھام بھی ختم تھی لیکن فطرت کے مواقع کھلے تھے اور حصول مطالب کے چشمے خشک نہ تھے اسی وجہ سے ملک کی صنعت اور اندرونی و بیرونی تجارت ترقی پذیر تھی حتیٰ کہ طمع و سودخواری خود قومی دولت کو کام میں لانے اور اس کو محفوظ رکھنے کا باعث بنتی تھی۔ کاشتکار اور کاریگر اگرچہ بہت زیادہ سود ادا کرتے تھے لیکن اس سے اسی ذخیرے میں اضافہ ہوتا تھا جس سے انھیں پھر کبھی قرضہ ملتا تھا اور ان کے لئے ذرائع کا ہمدست کرنا گراں قیمت تھا مگر جو ذرائع کہ حاصل تھے وہ قابل اعتماد و تیقن تھے اور اس عام نتیجہ کی بدولت قومی ذخیرے میں تو فیر ہوتی تھی۔

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

"لیکن انگریزوں کی حکومت میں اس نظم کی کایا پلٹ ہی ہوگئی ہے تاتاریوں کی لشکر کشی ضرر رساں تھی مگر ہمارا ادعائے محافظت تو ہندوستان کو تباہ کر رہا ہے۔ ان کی تو دشمنی تھی ہماری یہ دوستی ہے بیس سال کے بعد بھی ہمارے فتوح ایسے ہی ادھورے ہیں جیسے روز اول تھے ملک کے باشندے یہ جانتے ہی نہیں کہ ضعیف العمر، انگریز کیسے ہوتے ہیں وہاں تو نوجوان بلکہ لڑکے حکومت کرتے ہیں جو نہ باشندگان ملک کے ساتھ اٹھتے بیٹھتے ہیں اور نہ ان کے ساتھ کچھ ہمدردی ہی رکھتے ہیں اہل ملک کے ساتھ وہ قطعاً کوئی معاشری تعلقات نہیں رکھتے گویا کہ وہ ہندوستان میں نہیں بلکہ انگلستان میں رہتے ہیں۔ وہ تو صرف یک بہ یک دولتمند بننا چاہتے ہیں تاکہ آئندہ کہیں بیٹھکر چین و آرام سے زندگی بسر کریں۔ اس غرض کے لئے جس قدر میل جول ناگزیر ہوتا ہے اس سے زیادہ وہ اہل ملک کے ساتھ کوئی تعلق پیدا نہیں کرتے۔ زمانہ کی تمام حرص و آز سے مملو اور نوجوانی کی تند مزاجی میں چور وہ یکے بعد دیگرے دریا کی موجوں کی طرح امنڈے چلے آرہے ہیں باشندگان ملک کی آنکھوں کے سامنے بجز اس لاتناہی اور یاس آفریں منظر کے کچھ نہیں ہے جس میں خونخوار شکاری پرندے قطار در قطار اڑے چلے آتے ہیں اور پے در پے کئی لقمے زہر مار کرنے کے بعد بھی ان کی گرسنگی مسلسل باقی رہتی ہے اگر کسی انگریز نے یہاں ایک روپیہ بھی بطور منافع پیدا کیا تو بس سمجھ لیجئے کہ وہ روپیہ ہندوستان سے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے غائب ہوگیا"

ہندوستان کے نظم ونسق میں گورنر ویرلسٹ اور ایڈمنڈ برک کے زمانے سے تو اب تک بہت کچھ ترقی ہو چکی ہے۔ ہندوستان کے برِاعظم میں نصف صدی تک بلا فصل ایسا امن قائم رہا جو

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

اٹھارہویں صدی عیسوی میں مفقود تھا۔ اندرونی و بیرونی تجارت کو حسد انگیز امتناعی محصول سے نجات حاصل ہوئی۔ عدالتی انتظام اور جان و مال کی حفاظت کے طریقے مکمل ہوئے۔ اشاعت تعلیم سے لوگوں میں ایک نئی روح پیدا ہو گئی جس سے وہ اعلیٰ خدمتوں اور مزید ذمہ داریوں کے قابل بنے۔ بریں ہم دائمی بدرروی کی خرابی جس کے ویرلسٹ اور برک اپنے زمانے میں شاکی تھے روز بروز بڑھتے بڑھتے دریائے مواج بن گئی اور آج تک موجود ہے جس سے ہندوستان ایک قحط زدہ اور چٹیل میدان نظر آتا ہے۔ ہندوستان میں قحط نازل ہونے کا براہ راست سبب تو سالانہ بارش کی قلت ہے لیکن قحط کی شدت اور جانوں کا عظیم نقصان ہندوستانیوں کی لاعلاج مفلسی و بے زری کی بنا پر ہے اگر عام طور پر لوگ مرفہ الحال ہوتے تو وہ مقامی فصل کی ناکامیابی پر قریب کے صوبوں سے غلہ و اجناس خرید سکتے جس سے جان کا نقصان نہ ہوتا لیکن جب لوگوں کے پاس کوئی ذریعۂ معیشت ہی نہ ہو تو وہ اردگرد کے مقامات سے کچھ بھی خرید نہیں سکتے اور مقامی فصل کی ناکامیابی پر ہزاروں اور لاکھوں بلکہ کروڑوں کی تعداد میں نہ مرتے تو کیا کرتے۔

سنہ ۱۷۶۹ء کے اوائل میں عام گرانی آنے والے قحط کا پتا دیتی تھی لیکن باوجود اس کے رقم مالگزاری پہلے کے مقابل نہایت سختی کے ساتھ جمع کی گئی "مالگزاری تو اس سے پہلے کبھی اس چستی کے ساتھ وصول نہیں کی گئی تھی" سال کے آخر حصے میں موسمی بارش قبل از وقت بند ہو گئی۔ کلکتہ کونسل نے مجلس نظار کے موسومہ ۲۳ نومبر کے مراسلے میں کمی محاصل کا خیال ظاہر کیا لیکن یہ نہیں بتایا کہ رعایا کی امداد کے لئے کیا تدابیر اختیار کرنا مناسب ہوگا۔ ۱۹ مئی سنہ ۱۷۷۰ء کو انھوں نے لکھا کہ "اس قحط میں جو ہلاکت واقع

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

ہوئی اور جو افلاس پھیلا ہوا ہے وہ بیان سے باہر ہے پورنیہ کی آبادی کا ایک تہائی سے زیادہ حصہ لقمۂ اجل ہو گیا حالانکہ کسی زمانے میں پورنیہ میں ہر چیز افراط سے ملتی تھی اور دوسرے مقامات میں بھی یہی مصیبت درپیش ہے'' ۱۱ر ستمبر کو انھوں نے یہ تحریر کیا کہ:-

''لوگوں کو جو مصائب پیش آئے ہیں ان کے بیان کرنے میں مبالغہ ناممکن ہے۔ تعجب نہ تھا کہ تحصیل مالگزاری پر بھی اس آفت کا اثر پڑتا لیکن یہ کہتے ہوئے ہمیں مسرت ہوتی ہے کہ محاصل میں اسقدر کمی نہ آئی جیسی فرض کر لی گئی تھی'' ۱۲ فروری ۱۷۷۱ء میں کلکتہ کونسل نے لکھا کہ:- ''پچھلے قحط کی شدت اور آبادی کے گھٹ جانے کے باوجود اس سال صوبہ جات بنگالہ اور بہار ہر دو کی رقم بندوبست میں کچھ اضافہ کیا گیا ہے ۱۰ر جنوری ۱۷۷۲ء میں انھوں نے لکھا کہ:- مالگزاری کی ہر مد میں وصولات اسی کامیابی کے ساتھ ہوئیں جیسی توقع تھی''

یہ پڑھنا تکلیف دہ ہے کہ آئے دن اموات و مصائب نازل ہوتے رہے مگر محاصل اراضی اس تشدد کے ساتھ وصول کیا گیا کہ اس کی مثال تاریخ عالم میں نہیں ملتی۔ کونسل کے اراکین نے قحط کے اثرات و نتائج معلوم کرنے کی غرض سے دورہ کرنے کے بعد سرکاری طور پر یہ اندازہ لگایا کہ تمام بنگالہ کی آبادی کا قریب قریب ایک تہائی حصہ لقمۂ اجل ہو گیا۔ بالفاظ دیگر ایک کروڑ نفوس قحط کی نذر ہو گئے اور مصیبت زدہ لوگ گاؤں میں بازاروں میں اور سر راہ دم توڑ رہے تھے مگر ان مرنے والوں کی امداد کے لئے باقاعدہ انتظام کرنا تو ایک طرف خود عاملان کمپنی کے افعال ایسے تھے جن سے اموات کی تعداد اور زیادہ ہو گئی گماشتوں نے نہ صرف تمام غلہ و اجناس اپنے قبضے میں کر کے لوگوں کی مصیبت سے کثیر منافع پیدا کیا بلکہ کاشتکاروں کو آیندہ فصل کے تخم تک فروخت کرنے پر مجبور

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

کر دیا مجلس نظار نے اسکی اطلاع پانے پر خفگی کا اظہار کیا اور امید ظاہر کی کہ "سختی سے سخت عبرت انگیز سزائیں ان سب ملزموں کو دی گئی ہونگی جنھیں کمپنی کی نیک دلی سے یوں اختلاف کرنیکی جرات ہوئی اور عام مصیبت سے اس طرح فائدہ اٹھانے کا خیال پیدا ہوا"

لیکن کمپنی کی یہ نیک دلی جب ان کی اپنی غرض کی کوئی بات ہوتی تھی تو اس وقت اس درجہ نمایاں نہ تھی کیونکہ بنگالے کی ایک ثلث آبادی کے لقمہ گور ہو چکنے کے بعد اور اراضی کے ایک تہائی حصہ کے بنجر بن جانے کے باوجود بنگالہ کے محاصل اراضی میں کسی کمی کا پتا نہیں چلتا ۔ مجلس نظائے کمپنی کو وارن ہسٹنگز نے ۳ نومبر ۱۷۷۲ء میں یہ لکھا کہ:۔

"صوبے کی آبادی کے کم از کم ایک ثلث حصے کی بربادی کے بعد اور آخر کار زراعت کے گھٹ جانے کے باوجود ۱۷۷۱ء کے خالص محاصل ۱۷۶۸ء سے بھی زیادہ ہیں ۔۔۔۔ فطرتاً یہ توقع کیجا سکتی تھی کہ محاصل کی کمی بھی اس آفت عظیم کے دوسرے نتائج کے قدم بہ قدم چلتی مگر جبر و تعدی سے کام لیکر اُسے سابقہ معیار ہی پر قائم رکھا گیا"۔

ہندستان کے موجودہ نظم ونسق کی زبان میں محاصل کا اپنے سابقہ معیار پر اس طرح زبردستی برقرار رہنا گویا ہندوستان کے اپنی اصلی حالت پر عود کرنے کی غیر معمولی قوت کا نتیجہ ہے ۔

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

چوتھا باب

وارن ہیسٹنگز بنگالے میں ۱۷۷۲ء سے ۱۷۸۵ء تک

۱۷۷۳ء میں برطانوی پارلیمنٹ نے "قانون تنظیم" منظور کیا۔ اس قانون کی رو سے وارن ہیسٹنگز جو ۱۷۷۲ء میں بنگالے کا گورنر ہوا تھا۔ ۱۷۷۴ء میں پہلا گورنر جنرل مقرر ہوا۔ اور اس کی کونسل کے منجملہ پانچ اراکین کے تین تو بہ شمول فلپ فرانسس انگلستان سے مقرر کئے گئے اور دو عمال کمپنی کے طبقے سے منتخب کئے گئے۔ عدالت العالیہ بھی کلکتہ میں قائم کی گئی اور توقع تھی کہ ان انتظامات سے ہندوستان کے نظم ونسق کی اصلاح ہو جائے گی۔

وارن ہیسٹنگز کا نام ایک طرف تو تاریخ ہند کے اُن مشہور واقعات کی یاد تازہ کرتا ہے جو پارلیمنٹ میں طویل مباحث کے موضوع رہے ہیں اور دوسری طرف بیگمات اودھ و راجہ بنارس اور رہیلوں کی لڑائی کے قصے کو از سر نو یاد دلاتا ہے ان کے علاوہ کم نمائشی مگر زیادہ اہم واقعات جو ہیسٹنگز کے نظم ونسق کے زمانے میں گزرے وہ مشرق میں مرہٹوں کے ساتھ اور جنوب میں حیدر علی کے ساتھ انگریزوں کی عظیم کشاکش سے متعلق ہیں اور ان واقعات کے متعلق

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

ہیسٹنگز کے رویہ پر جو مباحث کہ شروع ہوئے وہ اس کے نظم و نسق کے اختتام کے ایکصدی بعد بھی آج تک ختم نہیں ہونے پائے۔

اس قصے سے ان تمام مباحث کو خارج کر دینے سے ہمیں ایک ناقابل بیان تسکین سی ہوتی ہے۔ اس کتاب کے مقصد کے مدنظر ہم اپنی توجہ وارن ہیسٹنگز کی محض ان تدابیر تک محدود کر دینگے جن سے کروڑوں کی مادی فلاح و بہبود یعنے قوم کی اقتصادی حالت متاثر ہوئی اور ان مباحث کو چھوڑ کر جن پر سو سال سے زیادہ مقرر کی زبان اور مورخ کا قلم چلتا رہا اس جلد میں ہم صرف وارن ہیسٹنگز کے دیوانی اور مالگزاری کے نظم و نسق پر نظر ثانی کریں گے۔

ہم اس سے قبل وارن ہیسٹنگز کو بحیثیت ایک زبردست قابل منصف مزاج اور باعزت آدمی کے دیکھ چکے ہیں خواہ وہ ہمدردانہ مگر بے سود کوشش اس لئے کر رہا ہو کہ میر قاسم کے بین حقوق جو کمپنی کے عاملوں نے غصب کر لئے تھے محفوظ رہیں یا اس لئے کہ نئے حکمرانوں کی ناسزا غارتگری سے بنگالیوں کی اندرونی تجارت بچی رہے لیکن بنگالہ کا نظام اراضی جس طرح ہیسٹنگز کے تمام انگریز معاصرین کے لئے بالکل ایک نیا مسئلہ تھا اسی طرح ہیسٹنگز کے لئے بھی وہ ایک نئی چیز تھی نظماء کمپنی توفیر زر مالگزاری کا مسلسل مطالبہ کر رہے تھے جس سے وارن ہیسٹنگز کو اتنا موقع نہیں ملا کہ اس مسئلہ کو صحیح طور پر سمجھ سکے یا منصفانہ اس کا تصفیہ کر سکے۔

اٹھارھویں صدی عیسوی میں انگریز انگلستان کے نظام اراضی سے بخوبی واقف تھے جہاں زمین تو مالکان اراضی کی ملک تسلیم کی جاتی تھی مگر مزارعین کو لگان پر دے دی جاتی تھی اور مزدور پیشہ اس کی کاشت کرتے تھے۔ مگر بنگالہ کا نظام اراضی اس سے بالکل مختلف تھا اور جو تنازع فیہ دعاوی سرکار اور زمیندار اور رعیت کی طرف سے وقتاً فوقتاً پیش ہوتے تھے ان کی وجہ سے اس ادارے

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

کے اصلی خصوصیات ایک مدت تک پوشیدہ ہو گئے تھے مثلاً سرکار کو کسی معنی میں بھی حق مالکانہ حاصل نہ تھا البتہ اراضی کے محاصل کی سرکار حقدار ضرور تھی۔ یہ جاگیرات پشتہا پشت سے زمینداروں کے قبضے میں تھیں جو دیوانی و فوجداری کے اختیارات کے ساتھ شاہی کرتے تھے۔ اور قدیم دستور کے موافق کاشتکاروں سے لگان وصول کرنے کا حق رکھتے تھے۔ کاشتکار محض مزدور پیشہ ہی نہیں تھے۔ بلکہ جن زمینوں پر قابض تھے اِن پر ایسے حقوق رکھتے تھے جو قدیم رواج کے مطابق اراضی پر لگان ادا کرنے کے بعد باپ سے بیٹے پر منتقل ہو سکیں۔ شاذونادر بنگالے کے نوابوں نے جاگیروں کی جدید طور پر پیائش کر کے ان کی مالگزاری میں اضافہ کیا تھا۔ شاذونادر زمینداروں نے لگان زیادہ کیا تھا۔ پر ایں ہم کئی صدیوں تک اس انتظام کی خاص ہئیت میں کوئی تغیر و تبدل نہیں ہوا تھا۔ سرکار مالگزاری کی حقدار تھی زمیندار اپنے مروجہ لگان کے مستحق تھے اور سرکار کو مالگزاری ادا کرتے تھے۔ رعیت کو اپنی مقبوضہ زمینوں پر موروثی حقوق حاصل تھے بشرطیکہ وہ رواجی زر لگان مالکان اراضی کو برابر ادا کرتے رہیں۔

۱۷۶۵ء میں جب ایسٹ انڈیا کمپنی کو شہنشاہ نے بنگالے کا منصب دیوانی عطا کیا تو اس وقت عمال کمپنی نے نہ مالگزاری کا انتظام فوراً اپنے ہاتھ میں لیا اور نہ عدالتی نظم و نسق بلکہ مرشد آباد کے مسلمان عہدہ دار ہی کمپنی کے رزیڈنٹ کی زیر نگرانی جو نواب کے دربار سے وابستہ تھا، بنگالے کی مالگزاری وصول کرتے رہے اور اسی طرح ایک ہندو سردار شتاب رائے بھی کمپنی کے گماشتے کی زیر نگرانی جو پٹنہ میں مقیم تھا بہار کی مالگزاری وصول کرتا رہا۔ صرف بست و چہار پرگنہ میں اور اضلاع بردوان مدناپور و چٹاگانگ میں جو کمپنی کے قدیم مقبوضات تھے کمپنی کے مقرر کردہ عاملوں کا

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

سنہ ۱۷۶۹ء میں کمپنی نے نگرانکار مقرر کئے جن کو تحصیل مالگزاری اور عدالتی نظم و نسق پر نگرانی کے اختیارات دئے گئے تھے "یہ دوعملی اچھی طرح نہیں چل سکی - کیونکہ نہ تو ملک کے حقیقی حکمرانوں نے جو ہند و اور مسلمان کلکٹروں کے پردے میں سارا محاصل خود لیا کرتے تھے حکمرانی کی ذمہ داری محسوس کی - اور نہ خود ہند و مسلمان کلکٹروں نے جو اپنے تئیں کمپنی کا محض گماشتہ تصور کرتے تھے - رعیت پر مظالم تو دونوں فریق توڑتے تھے لیکن اس کی حفاظت کا کوئی ذمہ دار نہ تھا - سنہ ۱۷۶۹ء میں نگرانکاروں کی تحقیقات سے یہ معلوم ہوا کہ سارا نظم و نسق نہایت ہی ابتری میں پڑا ہوا ہے کلکٹر زمینداروں سے اور مستاجروں سے جو کچھ بن پڑتا بزور وصول کر لیتے تھے اور مستاجروں کو اذن عام تھا کہ اپنے زیر دستوں کو جس طرح چاہیں لوٹ لیں" عدالتی انتظام کے متعلق یہ ظاہر ہوا کہ "کارروائیوں کا باضابطہ طریقہ سب جگہ موقوف تھا اور ضابطے پر وہی شخص عمل کرتا تھا جس میں دوسروں کو اپنے فیصلوں پر مجبور کر کے عمل کرانے کی طاقت تھی"

سنہ ۱۷۷۲ء میں یہ تصفیہ ہوا کہ ملک کا نظم و نسق انگریز عہدہ داروں کے ہاتھ میں دے دیا جائے - گورنر وارن ہیسٹنگز اور اس کی کونسل کے چار دوسرے ارکان کی ایک مجلس مقرر ہوئی اور اس مجلس نے مالگزاری کے انتظام اور عدالتی مقدمات کے انفصال کے لئے قاعدے مقرر کئے - خزانۂ عامرہ اور عدالت مال کا جملہ کاروبار مرشد آباد سے کلکتہ منتقل کر دیا گیا اور ایک مجلس مالگزاری کے (جو گورنر اور اس کی کونسل پر مشتمل تھی) تحت کر دیا گیا - تمام صوبوں میں یورپی نگرانکاروں کو جنھیں اب کلکٹر کہا جاتا ہے وصول مالگزاری کا اختیار دیا گیا - پنج سالہ بند و بست مالگزاری کی ابتدا کی گئی اور مجلس کے چار اراکین صغیرہ کو اس منصوبے کی تعمیل کے لئے دورے پر روانہ [illegible]

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

اور ایک عدالت فوجداری قائم کی گئی کلکٹر عدالت دیوانی کا صدر نشین ہوتا تھا اور عدالت فوجداری میں بھی موجود رہتا تھا جہاں ایک قاضی دو مولویوں کی مدد سے تصفیۂ مقدمات کرتا تھا۔ ان عدالہائے دیوانی و فوجداری کے فیصلوں کے خلاف مرافعے کی سماعت کے لئے کلکتے میں دو صدر عدالتیں قائم کی گئیں۔ نظام کوتوالی کی جدید طور پر تنظیم عمل میں آئی جس کی رو سے چودہ اضلاع میں جن پر بنگالہ اُس وقت منقسم تھا دیسی افسران پولیس جن کو فوجدار کہا جاتا تھا مقرر کئے گئے اور مالگزاری و عدالت سے عہدہ داروں کی رہنمائی کے لئے جو قواعد مرتب ہوئے تھے وہ دیسی زبانوں میں طبع کر کے شائع کئے گئے۔ یہ تمام مختلف انتظامی اصلاحات وارن ہیسٹنگز کی لیاقت و قابلیت کا ثبوت دیتی ہیں لیکن اس کے ساتھ ہی ساتھ انگریزی حکومت کے اس نقص کو بھی ظاہر کرتی ہیں جو آج تک مسلسل چلا آیا ہے یعنی ملک کے باشندوں پر بے اعتباری و بے اعتمادی۔ اٹھارھویں صدی عیسوی میں جس طرح ہندو اور مسلمان عہدہ دار مرتشی اور لالچی تھے اسی طرح کمپنی کے عمال بھی رشوت خوار اور لالچی تھے وارن ہیسٹنگز اور اُس کے جانشین کارنوالس نے انتھک کوششیں کیں کہ انگریزی حکام دیانت دار بنیں۔ چنانچہ انھیں اعتماد و ذمہ داری کی خدمتیں بھی دی گئیں اور کام کے لحاظ سے کافی تنخواہیں بھی مقرر کی گئیں مگر ہندو اور مسلمان عہدہ داروں کو نہ اعتماد و ذمہ داری کی خدمتیں ہی دینے کی کوشش کی گئی اور نہ کافی مشاہرہ دینے پر توجہ کی گئی اور نہ نظم و نسق کے کام میں ان کی امداد قبول کی گئی۔

سنہ ۱۷۷۴ء میں قانون تنظیم کی رو سے جب وارن ہیسٹنگز گورنر جنرل مقرر ہوا تو اس وقت پنج سالہ بندوبست اراضی ناکامیاب ثابت ہو چکا تھا اور زمینداروں کے موروثی حقوق نظرانداز کر دئے گئے تھے۔ نیز زمینیں نیلام کر کے بندوبست عمل میں لایا گیا تھا۔ نیلام میں بولی بولنے والوں

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

نے جوش مقابلہ میں بڑی سی بڑی بولی تو بولی مگر کاشتکاروں کو خوب سا نچوڑ لینے کے بعد بھی معہودہ مالگزاری ادا کرنے سے قاصر رہے۔ بنگالے کے نظام اراضی کے متعلق وہی پہلی سی غلط فہمی باقی رہی جس سے قدیم جاگیرداروں کے خاندان برباد ہو گئے اور کاشتکاروں کی آبادی مظالم کا شکار بنی رہی۔ جب وارن ہیسٹنگز نے ۱۷۷۲ء میں عنان حکومت اپنے ہاتھ میں لے لی تو یورپی کلکٹر واپس طلب کئے گئے اور کلکتہ، بردوان، ڈھاکہ، مرشد آباد، دیناج پور اور پٹنہ میں ایک ایک صوبہ واری مجلس قائم کی گئی جس کو تحصیل مالگزاری کی نگرانی کا اختیار تفویض ہوا اور ہندستانیوں کو اضلاع میں عامل بنا کر اس لئے بھیجا گیا کہ وہاں جا کر وہ اُن فرائض کو انجام دیں جن کو انجام دینا انسانی قوت سے باہر تھا۔

بندوبست اراضی کے متعلق انصافانہ حکمت عملی کیا ہو سکتی ہے ۱۷۷۶ء میں اس موضوع پر کلکتے میں بحث ہوئی۔ وارن ہیسٹنگز اور بارویل نے یہ تجاویز پیش کیں کہ اراضی کا یا تو نیلام کر دیا جائے یا محاصل کے تعہد پر پٹہ کر دیا جائے اور نیلام میں لینے والوں سے یا پٹہ داروں سے تاحیات بندوبست کیا جائے۔ برخلاف اس کے ایک عاقل و فرزانہ مدبر نے جو انگریزی ادبیات میں "جونیس کے خطوط" کا مصنف ہونے کی وجہ سے مشہور ہے اس صورت حال کے متعلق زیادہ منصفانہ وسیع نظری کو کام میں لایا ہے۔ فلپ فرانسیس اس وقت گورنر کی کونسل کا رکن تھا اُس نے اپنی بہترین یادداشت میں جیسی ہندوستان میں پھر کبھی قلمبند نہیں ہوئی یہ صلاح دی کہ مالگزاری کے سرکاری مطالبات دوامی طور پر مشخص ہونا چاہئیں۔

"زمینداروں کی ایک بڑی تعداد تباہ و برباد ہو گئی ہے اور اپنی زمینوں کے انتظام سے بالکل محروم ہے۔ اعلیٰ مرتبہ خاندانی لوگ یا وہ جو کسی وقت اعلیٰ عہدوں پر تھے معدودے چند رہ گئے ہیں اور انھیں بھی کثیر منافع کی چاٹ لگی ہوئی ہے اور لگان ادا کرنے کے ساتھ ساتھ

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

اس توقع کا پورا کرنا ملک کی بضاعت سے باہر ہے۔ ضرورتاً ادنیٰ درجے کے لوگ سرکار کی طرف سے عامل مقرر کیے جاتے ہیں یہ لوگ دستاویز لکھ دیتے ہیں کہ جہاں وہ عامل مقرر کیے جائیں گے اس ضلع سے ایک مقررہ رقم ادا کریں گے اور اس طرح یہ عامل دراصل مستاجران مالگزاری متصور ہوتے ہیں اس کے بعد یہ لوگ صدر یعنی مستقر حکومت سے پروانجات حاصل کرکے اضلاع کو روانہ ہوتے ہیں تاکہ سرکار کو واجب الادا مالگزاری ادا کرنے کے لئے زمینداروں یا اسامیوں سے رقم مشخص کرلیں۔"

اس نظام مستاجری کی خرابیاں اور ملک پر اس کے مضر نتائج جو مرتب ہوتے تھے وہ سب بیان کرنے کے بعد فلپ فرانسیس نے مالگزاری کے دوامی بندوبست کی صلاح دی جس سے لوگوں میں خوشحالی پھیلے:۔

"جمع ایک دفعہ مشخص ہونے کے بعد یہ معاملہ سرکاری طور پر قلمبند ہوجانا چاہیئے اور یہ دواماً غیر متغیر رہنی چاہیئے اور اگر ممکن ہو تو لوگوں میں بھی اس کا کامل یقین پیدا کیا جائے اور بلا لحاظ اس کے کہ اب یا آئندہ مالک زمین کون ہوگا یہ شرط محض زمین سے متعلق رہے ایسی حالت میں کہیں اگر مخفی دولت باقی رہ گئی ہوگی تو زمینوں کی ترقی کے لئے کام میں لائی جائے گی کیونکہ اس وقت مالکان اراضی کو اس بات کا اطمینان رہے گا کہ اُن کی محنت کا ثمرہ انھیں کو ملے گا۔"

جب یہ تجاویز لندن میں نظمائے کمپنی کے سامنے پیش ہوئیں تو انھوں نے ایک آخری و قطعی تصفیہ کرنے میں پس و پیش کیا۔ انگریزوں کے خاصۂ طبیعت کے مطابق ٹال مٹول کی حکمت عملی اختیار کرکے انھوں نے یہ جواب دیا کہ:۔ "زمینوں کو تاحیات یا دواماً پٹے پر دینا" ان ہر دو مسائل کے مختلف حالات پر غور کرنے کے بعد متعدد اہم دلائل کے لحاظ سے ہم کسی ایک طریقے کو اختیار کرنا موجودہ حالت میں مناسب نہیں سمجھتے۔"

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

یہ سب سے بدترین تصفیہ تھا جو نفلاء نے کیا کیونکہ اس سے وارن ہیسٹنگز کا مجوزہ تاحیات پٹہ اور فلپ فرانسیس کا مجوزہ دوامی پٹہ، دونوں کی تردید ہوگئی اور وہ قلیل المیعاد پٹہ جو بذریعۂ نیلام دیا جاتا تھا اور جو صوبۂ بنگالہ کی تباہی کا باعث تھا پھر سے جاری ہوگیا۔ ہندوستان کے تجارت پیشہ حکمران انھیں "اہم دلائل" کی بناء پر اپنی مالگزاری کی کثیر دوامی توفیر سے خوب واقف تھے۔ نتیجہ یہ کہ بنگالے میں اور دس سال تک نیلام کے اس طریقے کے باعث اور قلیل المیعاد پٹہ اور نادہند زمینداروں کی آئے دن سزائے قید بھگتنے کی وجہ سے ایک آفت برپا رہی۔

۱۷۷۲ء میں جس پنج سالہ بندوبست کی ابتدا ہوئی تھی وہ ۱۷۷۷ء میں اختتام پر پہنچا۔ نیلام کے طریقے میں کسی قدر ترمیم کی گئی اور موروثی زمینداروں کو ترجیح دی جانے لگی لیکن جب پنج سالہ تعہد کے بجائے سالانہ تعہد پر اراضی دینے کا اعلان کیا گیا تو اس نظام کی سختی زیادہ شدید ہوگئی۔ اس طرح ۱۷۷۸ء ۱۷۷۹ء و ۱۷۸۰ء میں زمینیں سالانہ تعہد پر زمینداروں کو دی گئیں۔ ملک اس اقتصادی ظلم و تعدی کے ہاتھوں نالاں تھا اور مالگزاری کا وصول ہونا پھر بند ہوگیا۔

۱۷۸۱ء میں بڑے بڑے تغیرات شروع ہوئے۔ عدالتہائے دیوانی کی رہنمائی کے لئے تیرہ دفعات اور قواعد ترتیب دئے گئے جن کو بعد میں پچانوے ۹۵ دفعات و قواعد کی شکل میں لاکر قانون دیوانی میں ضم کردیا گیا اور فارسی اور بنگالی زبانوں میں ترجمہ کرکے ترجمے کے ساتھ ساتھ ان کو طبع کرادیا گیا۔ نظمائے دیوانی اور کلکٹروں کو عدالتی اختیارات دئے گئے تاکہ وہ اپنے اپنے صوبوں میں روز افزوں جرائم سے نبٹ سکیں۔ کلکتے میں ایک مجلس مالگزاری قائم ہوئی اور اس مجلس نے جدید یک سالہ بندوبست مالگزاری کی تجویز پیش کی جس میں زمینداروں کو ترجیح دی جاسکے جب یہ بندوبست عمل میں آیا تو مالگزاری میں بقدر چھبیس لاکھ روپے

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

یا تقریباً دو لاکھ ساٹھ ہزار پونڈ کا اضافہ ہوا۔

بنگالے کے تمام بڑے بڑے زمینداروں نے اور قدیم جاگیرداروں کے خاندانوں نے اس سالانہ بندوبست کے طریقے سے نیز بار بار کے اضافوں اور تحصیل کی سختیوں کی وجہ سے جن سے وہ کبھی واقف نہ تھے خوب مصیبتیں اٹھائیں۔ قدیم خاندانوں کی اولاد نے یہ دیکھا کہ اُنکی جائداد کلکتے کے مہاجنوں اور سٹہ کھیلنے والوں کے ہاتھوں میں چلی گئی ہے بیوہ یا کمسن جاگیرداروں نے اپنی صلح پسند رعایا کو کلکتے سے بھیجے ہوئے لالچی کارپردازوں کے مظالم میں گرفتار پایا۔ اتفاق کی بات تھی کہ بنگالے میں تین سب سے بڑی جاگیریں جن میں سے ہر ایک کی ایک لاکھ پونڈ سے زیادہ مالگزاری تھی۔ تین ممتاز خواتین کے زیر حکومت تھیں جن کے نام اُن کے ہموطنوں کے دل میں آج تک نقش ہیں۔ بردوان کی جاگیر جسکے محاصل ساڑھے تین لاکھ پونڈ سے زیادہ تھے مشہور و معروف تلک چند کی بیوہ کے قبضے میں تھی۔ جو شہرۂ آفاق تیج چند کی ماں تھی۔ راج شاہی کی جاگیر جس کے محاصل دو لاکھ ساٹھ ہزار پونڈ تھے قابل تعظیم رانی بھوانی کے قبضے میں تھی جس کا نام نہ صرف اُس کے بلند رتبے اور اوصاف حمیدہ کا لحاظ کرتے بلکہ اُس کی نیک زندگی اور فیاضانہ داد و دہش کے دیکھتے ہوئے آج تک ہندوستان میں عزیز ہے اور دیناج پور کی جاگیر جس کے محاصل ایک لاکھ چالیس ہزار پونڈ تھے ۱۸۰۰ء میں راجہ کے انتقال پر اس کی بیوہ کی زیر نگرانی آگئی تھی کیونکہ اُس کا وارث پانچ سال کے سن کا ایک لڑکا تھا جس کی رانی ہی ولی و سرپرست تھی۔ ان تین جاگیروں کی سرگزشت سے کسی قدر اُن تکالیف و مصائب کا اندازہ ہوتا ہے جو مالگزاری کے متعلق وارن ہیسٹنگز کی آئے دن متغیر و ناگوار حکمت عملی کے زیر اثر رعایا کو برداشت کرنے پڑے۔

دیناج پور کو سب سے زیادہ نقصان پہنچا۔ راجہ کی کم سنی میں ایک غیر محتاط اور لالچی مختار مسمی دیبی سنگھ جاگیر کے انتظام کیلئے کلکتے سے نامزد ہوا

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

دیبی سنگھ پر یہ الزام تھا کہ اُس نے پورنیا اور رنگ پور میں ظلم و زیادتی کی تھی اور اپنی پہلی خدمت سے برطرف ہو چکا تھا۔ چنانچہ کمپنی کے کاغذات میں اس کی بدچلنی کا ثبوت موجود تھا۔ اس کے باوجود راجہ کی کم سنی میں جب دیناج پور کے محاصل میں اضافہ کرنا مقصود ہوا تو اس موزوں مختار کا انتخاب کیا گیا۔ دیبی سنگھ نے اپنے تئیں اس کام کے لئے موزوں ثابت کر دکھایا اس نے ایسی بے رحمی شروع کی جس کے مماثل اٹھارھویں صدی عیسوی میں بنگالے میں تو کسی نے نہیں کی تھی۔ زمینداروں کو قید کر دیا اور کاشتکاروں کو کوڑے لگوائے کہ کسی طرح بھی محاصل میں اضافہ ہو اس کے ظلم سے عورتیں تک نہ بچ سکیں۔ ان کے لئے زدوکوب اور تازیانے کی اذیتیں الگ تھیں اور نہایت بے شرمی کے ساتھ تذلیل و آبروریزی الگ تھی۔

دیبی سنگھ کے مظالم سے تنگ آکر دیناج پور کے مزارعین اپنا گھر اور گاؤں چھوڑ چھوڑ کر بھاگ رہے تھے۔ جب انھوں نے اس ضلع کو چھوڑ کر چلے جانے کی کوشش کی تو جا بجا مسلح سپاہیوں کے دستوں نے انھیں واپس بھگا دیا۔ ان میں سے کئی ایک تو جنگل میں روپوش ہو گئے اور جو باقی رہ گئے وہ بغاوت پر آمادہ ہو گئے۔ اس طرح دنیا میں سب سے زیادہ متحمل، مطیع اور فرماں بردار کاشتکاروں کی نسل کو قصداً بغاوت کرنے پر مجبور کیا گیا۔ چنانچہ تمام دیناج پور اور رنگ پور میں بغاوت پھیل گئی۔ سپاہی طلب کئے گئے اور اس کے بعد سزائیں اور بے رحمانہ قتل و خون ریزی شروع ہوئی۔ مسٹر گوڈلیڈ نے جو ضلع کا افسر اعلیٰ تھا اس بلوے کو بنگالے کے تمام ہنگاموں میں سب سے زیادہ بڑا اور اہم ہنگامہ بیان کیا ہے اور جس بے رحمانہ تشدد کے ساتھ اسکو فرو کیا گیا بنگالے میں شائد اس کی مثال بھی نہیں ملتی۔

بردوان کا قصہ اس سے کم دردناک ہے کیونکہ جو بڑی ناانصافی یہاں ہوئی اس کا اثر قابض جاگیر کے خاندان تک ہی محدود رہا۔ اور

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

لوگوں پر کچھ زیادہ اثر نہیں پڑا۔ سنہ ۱۷۷۰ء میں مہاراجہ تلک چند کے انتقال پر اُس کے کم سن فرزند تیج چند کی وراثت منظور ہو چکی تھی۔ جس کی دوبارہ توثیق بھی ہوئی۔ متوفی زمیندار نے لالہ امی چند کو جو کل خاندان کا بہی خواہ تھا اپنا دیوان مقرر کیا تھا لیکن ضلع کے افسر اعلیٰ جان گریہم نے براج کشور کے سے غیر محتاط اور لالچی آدمی کو لالہ امی چند کے بجائے جاگیر کا دیوان مقرر کرنے پر بیوہ رانی کو مجبور کر دیا جس قدر ایک عورت سے ممکن تھا رانی نے براج کشور کی بد دیانتی کے انسداد کی کوششیں کیں اور جاگیر کی بڑی مُہر اُس کے حوالے کرنے سے انکار کر دیا۔

سنہ ۱۷۷۴ء میں وارن ہیسٹنگز کے پاس رانی نے جو عرضی پیش کی تھی اُس میں لکھا تھا کہ میرے فرزند کی مُہر میرے ہی قبضے میں تھی اور چونکہ میں بغیر پڑھے کسی کاغذ پر اُس کو ثبت نہیں کرتی تھی اس لئے براج نے ہر طریقے سے اُس کو اپنے قبضے میں لانے کی کوشش کی مگر میں بھی ہر وقت اُس کے دینے سے صاف انکار کرتی رہی اس پر بنگالی سال ۱۱۷۹ (مطابق سنہ ۱۷۷۲ء) میں براج کشور نے مسٹر گریہم کو بردوان آنے کی ترغیب دی۔ اس نے میرے لڑکے تیج چند کو جو اس وقت نو سال کا تھا مجھ سے چھین لیا اور ایک دوسری جگہ لے جا کر فوجی پہرے کیساتھ اس کو نظر بند کر دیا۔ میں ایسی حالت میں خوف زدہ مصیبت کی ماری سات دن سے زیادہ بے آب و دانہ رہی جس سے میری زندگی معرض خطر میں تھی مگر میری ایک نہ چلی جب میرا کوئی وسیلہ نہ رہا تو میں نے بمجبوری وہ مُہر براج کشور کے حوالے کر دی۔

اور آگے چل کر اس درخواست میں یہ مذکور تھا کہ اس طرح جاگیر کی مُہر حاصل کرنے کے بعد براج کشور جاگیر کی دولت برباد کرنے لگا تھا۔ ایک کثیر رقم تغلب کر لی تھی اور حسابات پیش کرنے سے صاف انکار کر رہا تھا۔ رانی کو اپنے لڑکے کے ساتھ اپنی جان کا خطرہ لگا ہوا تھا اور اس کی استدعا تھی کہ تحفظ جان کے لئے اس کو کلکتے میں رہنے کی اجازت

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

دی جائے۔

گورنر جنرل کی کونسل کے تین ارکان کلیورنگ، مانسن اور فرانسس نے براج کشور اور جان گریہم پر جو تغلب کا الزام لگایا گیا تھا اُس کی تحقیقات کی استدعا کی اور ۱۱ جنوری ۱۷۷۵ء میں یہ لکھا کہ "رانی کے گیارہ لاکھ روپے سے زیادہ رقم (جسے وہ اپنے کم سن لڑکے کی ملک بیان کرتی ہے) کے تغلب کا جو الزام بردوان کے دیوان اور مسٹر گریہم پر لگایا ہے اُس کے صدق و کذب سے ہمیں بالفعل سروکار نہیں یہ رانی کا کام ہے کہ وہ اپنے بیان کردہ الزامات کو ثابت کرے۔ ہم اس قدر ناانصاف نہیں ہیں کہ کسی شخص کی آبرو اور بے گناہی پر حملہ کیا جائے اور ہم کسی ثبوت کے پیش ہونے سے قبل اس کو باور کریں اور نہ رانی کی درخواست کا ہی یہ منشاء ہے اس لئے درخواست گزار کی استدعاء منظور کی جانی چاہئے"

کونسل کے اختلاف آراء کی وجہ سے اس کی کوئی مناسب تحقیقات نہیں ہو سکی وارن ہیسٹنگز نے جان گریہم کی حمایت کی تھی۔ کلیورنگ، مانسن اور فرانسیس نے یہ لکھا کہ "حسب بیان گورنر معمولی معمولی تحفے تحائف مسٹر گریہم کو ملے تو تھے مگر یہ ناممکن تھا کہ مسٹر گریہم کی جس بے حساب دولت کی شہرت عام تھی وہ انہیں تحائف سے پیدا کی گئی ہو" ہیسٹنگز نے جواب دیا کہ "میں مسٹر گریہم کی دولت سے بالکل ناواقف ہوں اور مجھ کو یہ معلوم نہیں ہے کہ کس بنیاد پر کثرت آراء اس کو بے حساب کہتی ہے۔ میں نے اپنا یہ فرض سمجھا کہ رانی بردوان کے اتہامات سے مسٹر گریہم کو بری ثابت کروں"

بقیہ کیفیت یہ ہے کہ بردوان کی جاگیر پر سنگین محصول اراضی لگایا گیا تھا کیونکہ گنگا گوبند سنگھ دیوان مجلس مالگزاری راجہ کے گھرانے کا دوست نہ تھا اور اُس نے بنگالے کی کسی دوسری قدیم زمینداری کے مقابل بردوان پر لگان بہت زیادہ کر دیا تھا۔ کئی قرنوں تک بردوان نے

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

یہ مصیبت سہی - جاگیردار امراء کی اولاد جو اپنی عملداری میں کسی وقت شاہی کر چکی تھی اور مرہٹوں کے حملوں کے وقت قدیم نوابان بنگالہ کی امداد کرتی رہی تھی اب اس قابل بھی نہیں رہی تھی کہ بنگالے کے نئے مالکوں کے مالی مطالبات کی تکمیل کر سکے - یہ خاندان بالکلیہ تباہی سے یوں بچا کہ دوامی پٹہ داری کا ایک جدید نظام قائم کیا گیا جس سے زمینداری کی ذمہ داریاں کچھ دوسروں کے سر ہوئیں لیکن آج تک بردوان کی جاگیر سے اسکے محاصل کا ایک غیر متناسب حصہ جو بنگالے کی کسی اور بڑی جاگیر کے واجب الادا محاصل سے بہت بڑا ہے سرکار کو بطور مالگزاری ادا ہوتا ہے -

لیکن وہ قابل تعظیم خاتون جس کے مصائب پر اٹھارھویں صدی عیسوی میں ایک عالم ترس کھاتا تھا اور جس کے نام کو آجتک بنگالے میں لکھوکھا مرد عورت ایک مذہبی احترام کے ساتھ عزیز رکھتے ہیں راج شاہی کی رانی بھوانی ہے - لارڈ کلائیو کے جنگ پلاسی کی فتح کرنے سے پہلے اس رانی کی یہ بڑی جاگیر تقریباً تمام شمالی بنگالے پر مشتمل تھی - اس نے اپنی آنکھوں مسلمانوں کی سلطنت کی عظمت بھی دیکھی تھی اور اس کا انحطاط بھی دیکھا اور اسی کی آنکھوں کے سامنے انگریزوں کا راج عروج پر پہنچا اور ہندوستان میں پھیلا - اُسکے اوصاف ولیاقت ہندو عورتوں کی انتظامی قابلیت کی بین مثال ہیں اور اس خاتون کی مقدس زندگی اور بے انتہا نیک نیتی کی وجہ سے بنگالے میں گھر گھر اُس کا نام عزیز تھا آج تک ہندو لڑکیاں اور لڑکے اس رانی کے قصے کو پڑھتے ہیں جس کا اُن نو خواتین میں شمار ہے جو قصوں اور تواریخ میں ہندوستان کی شرافت نسواں کا مکمل نمونہ سمجھی جاتی ہیں -

مالگزاری کے جدید نظام کا جس کی وارن ہیسٹنگز نے ابتدا کی تھی اور پنج سالہ بندوبست کا جو ۱۷۷۲ء میں کیا گیا تھا - راج شاہی پر بھی اسی طرح اثر پڑا جس طرح بنگالے میں دوسری جاگیروں پر پڑا تھا -

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

گورنر اور کونسل نے اپنے ۳۱؍ دسمبر ۱۷۷۳ء کے مراسلے میں یہ تحریر کیا کہ:- "راج شاہی کی زمیندارنی رانی بھوانی مالگزاری بروقت ادا نہیں کرتی ہے" اور ۱۷۷۴ء میں ۵؍ مارچ کو انھوں نے رانی پر یہ اعلان کر دینے کا مصمم ارادہ کر لیا کہ "اگر اُس نے ماگھ کے بنگالی مہینے کے آخر تک کا (۱۰؍ فروری) بقایا زر مالگزاری ۲۰ پھاگن (یکم مارچ) تک ادا نہ کیا تو ہم بہ اقتضائے ضرورت اُس کو زمینداری سے محروم کر کے اُن لوگوں کے قبضے میں دے دیں گے جو سرکار کے ساتھ اپنے معاہدات کی بروقت تکمیل کر سکیں" ایک دوسرے مراسلے میں جو ۸؍ اکتوبر ۱۷۷۴ء کا لکھا ہوا تھا گورنر جنرل نے یہ تجویز منظور کی کہ رانی کو اُس کے تعہد اُس کی زمینداری اور اراضی کی جملہ ملکیت سے بیدخل کر دیا جائے اور چار ہزار روپیہ (۴۰۰ پونڈ) ماہانہ اسکا تاحیات گزارہ مقرر کر دیا جائے۔"

ان متعدد درخواستوں میں سے جو ضعیف رانی نے اس عتاب و بے عزتی سے بچنے کے لئے پیش کیں چند درخواستیں غیر معمولی دلچسپی رکھتی ہیں۔ اُن میں کی ایک درخواست میں رانی نے ۱۷۷۲ء کے پنج سالہ بند وبست کی ابتداء سے اپنی جاگیر کی سرگزشت بیان کی ہے اور دلال رائے مستاجر کے مظالم اور مُلک کی بے چراغی کا اظہار کیا ہے جو ان مظالم کا نتیجہ تھی۔

"۱۱۷۹ بنگالی (مطابق ۱۷۷۲ء) میں سرکار کے انگریز حکام نے میری اراضی کے تمام لگان کو مخلوط کر دیا۔ اور ضلعداری کی متھوٹ (پٹہ داروں کے نذرانے) اور دوسرے لگان کو جو عارضی تھے دوامی کر دیا۔... مجھ بڈھی زمیندارنی سے اپنی رعیت کی مصیبت نہیں دیکھی گئی اس لئے میں نے جاگیر کی مالگزاری کی مستاجری قبول کر لی مگر جب میں نے دیہات میں تحقیقات کی تو معلوم ہوا کہ مالگزاری کی رقم ادا کرنے کے لئے وہاں کافی گنجائش نہیں ہے......

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

بھدرا کے مہینے (مطابق اگست ۱۷۷۲ء) میں کئی بند ٹوٹ گئے اور رعیت کی زمینیں تہ آب ہوگئیں جس سے ساری فصل برباد ہوگئی۔ میں زمینداری کی حیثیت سے مجبور تھی کہ رعیت کو اس تباہی سے بچاؤں چنانچہ زرلگان کے ادا کرنے کے لیے انھیں مہلت دے کر مجھ سے جو سہولت ممکن تھی ان کو دی اور استدعاء کی کہ انگریز حکام بھی اسی طرح مجھ کو مالگزاری کی رقم ادا کرنے میں مہلت دیں۔ لیکن میری بات کا اعتبار نہ کر کے ان کی اسی میں خوشی تھی کہ انھوں نے میرے گھر سے کچہری موتی جھیل پر منتقل کر دی اور دلال رائے کو سزاول کی خدمت دیکر ملازم رکھ لیا تاکہ وہ مجھ سے اور میری جاگیر سے مال گزاری کی رقم جمع کرے۔" ......

"پھر میرے گھر کا محاصرہ کر لیا گیا اور میری تمام جائداد کی جانچ کی گئی اور جو کچھ رقم میں نے بحیثیت زمیندار و مستاجر جمع کی تھی یا قرض لی ہوئی میرے پاس موجود تھی حتیٰ کہ میری تنخواہ کی رقم بھی جس کی جملہ میزان ہوتی ہے سب کی سب مجھ سے چھین لی گئی۔"

"۱۱۸۰ بنگالی جدید سال (مطابق ۱۷۷۳ء) میں بائیس لاکھ ستائیس ہزار آٹھ سو چھبیس روپے پر کل جاگیر دلال رائے کو مستاجری پر دے دی گئی۔ اور مجھ سے سارے اختیارات چھین لئے گئے پھر دلال رائے اور ایک ادنیٰ آدمی پارن بوس نے جاگیر میں محصولات اور زیادہ کر دئے مثلاً ایک اور ضلعداری متھوٹ وغیرہ اور پہلی رعیت کے فرار ہو جانے پر جو نقصان ہوا وہ موجودہ رعیت سے وصول کیا گیا ان دو آدمیوں نے من مانے احکام صادر کئے رعیت سے اُن کی تمام جائداد حتیٰ کہ تخم کاشت اور ہل چلانے کے بیل بھی چھین لئے اور ملک کو ویران و بے چراغ کر دیا۔ میں امید کرتی ہوں کہ مجھ بڈھی زمیندارنی کی اس میں کچھ غلطی نہیں ہے کہ سارا ملک لٹ گیا اور رعیت شکایتوں سے بھری بیٹھی ہے۔

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

"ان وجوہ کی بناء پر میں اب یہ درخواست کرتی ہوں کہ دلال رائے کو اس سال بائیس لاکھ ستائیس ہزار آٹھ سو سترہ روپے بطور مالگزاری جو ادا کرنا ہے میں بھی اس بات پر آمادہ ہوں کہ سرکار کا نقصان نہ ہو اور اس کے بجائے اس قدر رقم میری طرف سے اب ادا کی جائے۔"

یہ اقتباسات اس لئے قابل قدر ہیں کہ ان سے ہمیں یہ پتا چلتا ہے کہ اس وقت بنگالے کے اور حصوں میں کیا ہو رہا تھا۔ قدیم زمیندار اگر نیلام میں بولی بولنے والوں کے مقابلے میں رہ گئے تو انھیں ان کی آبائی جائداد سے محروم کر دیا جاتا تھا جو پشتہا پشت سے اُن کے قبضے میں چلی آ رہی تھی اور اگر انھوں نے مالگزاری کی رقم میں اضافہ کر کے اپنی جاگیر کی مستاجری قبول کر لی مگر رقم بروقت ادا نہ کر سکے تو اُن کی جاگیروں پر جبراً منتظم مقرر کر دئے جاتے تھے جو کاشتکاروں کو الگ لوٹ لیتے تھے اور لوگوں پر آفت الگ ڈھاتے تھے۔ حتیٰ کہ اُس خطے ہی کو ویران کر دیتے تھے۔ شدید سختی کے باوجود بھی مالگزاری کی رقم وصول نہیں ہوتی تھی اور بنگالے کی کاشت کی زمینوں کے ایک تہائی سے زیادہ حصے پر گھنے جنگل پیدا ہو گئے جائے ہوئے تھے۔

رانی بھوانی کے فرزند پران کرشنا نے اور عرائض پیش کئے۔ اور مالگزاری کے متعلق متعدد مشورے بھی ہوئے۔ فلپ فرانسیس نے انگریز عمال کے اس طریقے پر اعتراض کیا کہ وہ اپنے دیسی مختاروں کے نام سے زمینوں کی مستاجری کر رہے تھے۔ اُس نے کہا کہ: "یہ ملک خود ہندوستانیوں کا ہے اور سابق کے فاتحین اس سرزمین سے خراج لینے پر ہی قانع تھے ..... ملک کے قدیم دستور و رواج کے خلاف جتنے طریقے اب تک جاری کئے گئے اُن کے نتائج ہمیشہ مہلک ثابت ہوئے چنانچہ میرے خیال میں اب عام رائے یہ ہے کہ بنگالے اور بہار کی کم از کم دو ثلث زمین بالکل غیر آباد و بے چراغ ہو گئی ہے کیونکہ ڈرپوک غریب ہندو جب ان مظالم کے مقابلے کی جرأت نہیں کر سکتے تو فرار ہو جاتے ہیں

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

بہتر سمجھتے ہیں۔"

آخر کار کونسل نے بغلئیہ آرا ۱۷۸۱ء میں یہ تجویز کی کہ "راجہ دلال رائے کو راج شاہی کی مستاجری سے محروم کرکے رانی کی زمینوں کو مستاجری پرانی ہی کے قبضے میں واپس دے دیا جائے۔" ہیسٹنگز نے اس فیصلے کو بالکلیہ پسندیدگی کی نظر سے کبھی نہیں دیکھا اور نہ اُس نے بنگالے کے قدیم موروثی خاندانوں کے حقوق کی کبھی ایسی قدر کی تھی جیسی کہ اس کے جانشین لارڈ کارنوالس نے کی۔ چنانچہ نیلام میں زمینیں خریدنے والوں اور مستاجروں کی حمایت سے اس نے کبھی دریغ نہیں کیا اور یہی لوگ اُس کے تلخ و بے درد نظام حکومت میں ترقی پر تھے۔ قدیم راج شاہی کے بڑے بڑے زرخیز ٹکڑے الگ کر دئے گئے اور یہ بطور جاگیر گنگا بابو کو عطا ہوئے۔

نظام مالگزاری میں آئے دن کے مظالم اور تغیرات سے جو خرابیاں پیدا ہو گئی تھیں وہ اس وجہ سے اور بڑھ گئیں کہ صوبے کے جملہ محاصل ملک سے باہر چلے جاتے تھے اور کسی شکل میں باشندگان ملک کو واپس نہیں ملتے تھے جس سے اُن کی تجارت، اُن کی صنعت و حرفت اور زراعت کو فروغ نصیب ہو سکے۔ مجلس منتخبہ کی نویں روداد بابتہ ۱۷۸۳ء کے صفحہ ۵۵ پر مرقوم ہے کہ:۔

"۱۷۷۰ء کی خشک سالی کے باوجود جس سے بنگالے کی ایسی بری طرح تباہی ہوئی کہ جس کی نظیر نہیں ملتی شغل سرمایہ کا طریقہ یکے بعد دیگرے نت نئی حکومتوں سے جو نہایت درجہ خطرناک رنگ ڈھنگ کی تھیں زبردستی جاری رکھا گیا۔ زمینوں کے محاصل سے، یورپی مال کی فروخت سے، اور اجاروں کی پیداوار سے جو مال کہ بنگالے میں خرید اجاتا تھا اس کی لاگت دس لاکھ پونڈ سے کبھی کم نہ ہوتی تھی اور عموماً بارہ لاکھ پونڈ کے لگ بھگ ہو جاتی تھی۔ یورپ کو جو مال بلا معاوضہ بھیجا جاتا ہے اسکی اقل مقدار رقم دس لاکھ پونڈ

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

ہوتی ہے۔ ایک لاکھ پونڈ کے قریب رقم کمپنی کے حساب میں بنگالے سے چین کو بھی سالانہ ارسال ہوتی ہے۔ اور یورپ کی چین سے براہ راست تجارت قائم ہے اس میں اس قسم کی جملہ پیداوار چلی جاتی ہے۔ اسکے علاوہ امن کے زمانے میں بنگالے سے ہندوستان کے ان تمام صوبہ جات کو جن کی آمدنی اُن کے مصارف انتظام کے مساوی نہیں ہوتی ایک مسلسل رسد قائم رہتی ہے ....

"بنگالے اور انگلستان کے درمیان جو معاملات ہو رہے ہیں وہ تجارت خارجہ تو ہرگز نہیں کہے جا سکتے اور اگر ان کا حساب کیا جائے تو محاصل کی رقم کو اس طور پر منافع پر لگانے کے جو مضر و مہلک اثرات ہوتے ہیں وہ نہایت واضح طور پر آنکھوں کے سامنے آجائیں گے اور یہ دکھائی دینے لگے گا کہ جہاں تک کمپنی کا تعلق ہے ملک کی جملہ پیداوار جو برآمد کی جاتی ہے وہ بلا معاوضہ اور بلا ادائے قیمت برآمد کی جاتی ہے اور اُس کے مبادلے میں دوسرا کوئی مال درآمد نہیں ہوتا۔

"لیکن بدرر و کی شکل میں رقوم کے یوں ہاتھ سے نکل جانے کے نتائج کو اور زیادہ واضح کرنے کے لئے بنگالے کے اس حصۂ محاصل کو جس سے کمپنی بطور خود شغل سرمایہ نہیں کرتی چین اور یورپ کی تجارت کے کام میں لانے کے مسئلے کی طرف آپ کی مجلس اپنی توجہ معطوف کر رہی ہے....." سرکار کے سررشتۂ دیوانی کے لئے جو کچھ صرف ہوتا ہے اس سے تمام دیسی لوگ قریب قریب محروم ہیں کیونکہ بجز چند مستثنیات کے دیسی لوگوں سے عام طور پر یا تو انگریزوں کے محض گماشتوں اور ملازموں کا کام لیا جاتا ہے یا تحصیل مالگزاری کے ذیلی سررشتہ جات میں ان کی خدمات قبول کی جاتی ہیں اور یہ بھی اُس وقت جبکہ ان کی امداد کے بغیر ایک قدم آگے بڑھانا قطعی ناممکن ہوتا ہے۔"

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

ذیل اعداد و بنگالے کے ہشت سالہ جمع و خرچ کے متعلق سرکاری کاغذات سے لیے گئے ہیں۔

سال		مالگزاری	جملہ جمع	مصارف دیوانی	مصارف فوج	جملہ خرچ
از مئی	تا اپریل	پونڈ	پونڈ	پونڈ	پونڈ	پونڈ
۱۷۷۱ء	۱۷۷۲ء	۳۳۴۱۹۴۱	۳۲۵۹۵۶۴	۲۰۶۷۸۱	۱۱۶۴۳۴۸	۲۸۸۴۱۹۲
۱۷۷۲ء	۱۷۷۳ء	۲۲۹۸۴۴۱	۲۸۹۹۹۹۶۸	۲۳۴۰۵۱	۱۲۸۸۹۹۷	۲۸۲۷۱۴۱
۱۷۷۳ء	۱۷۷۴ء	۲۴۳۸۴۰۵	۳۱۶۰۱۸۹	۲۱۳۴۳۶	۱۳۰۴۸۸۳	۲۷۴۷۹۷۵
۱۷۷۴ء	۱۷۷۵ء	۲۷۷۷۰۷۰	۳۵۶۳۹۱۵	۲۶۸۲۲۲	۱۰۸۰۳۰۴	۳۳۰۰۱۲۴
۱۷۷۵ء	۱۷۷۶ء	۲۸۱۸۰۷۱	۴۱۹۸۰۱۷	۳۳۵۹۴۸	۱۰۵۱۶۶۹	۳۴۲۸۴۸۰
۱۷۷۶ء	۱۷۷۷ء	۲۷۵۵۰۴۳	۳۹۷۴۴۴۰	۳۲۵۱۹۲	۹۴۲۱۹۹	۳۴۲۴۴۰۱
۱۷۷۷ء	۱۷۷۸ء	۲۵۳۰۰۴۲	۳۹۹۸۰۸۸	۴۷۷۲۹۳	۱۱۸۴۷۰۸	۳۳۵۲۰۲۹
۱۷۷۸ء	۱۷۷۹ء	۲۶۵۶۸۰۹	۳۷۸۲۶۹۰	۵۵۳۸۱۰	۱۸۴۶۲۳۶	۴۹۷۲۵۹۰

یہاں تک ہم نے بنگالے کی صورت حال بیان کی۔ اگر ہم بنگالے سے باہر نکل کر دوسرے صوبوں کے حالات پر سرسری نظر ڈالیں جو وارن ہسٹینگز کے زیر انتظام یا زیر اثر رہے ہیں تو ہمیں معلوم ہوگا کہ وارن ہسٹینگز کے توسیع اقتدار کے ابتدائی نتائج خوشگوار نہیں رہے۔ اٹھارھویں صدی عیسوی میں شمالی ہند جن چھوٹی چھوٹی ریاستوں پر منقسم تھا۔ چشم دید شہادت کے مطابق ان میں ایک ریاست ایسی نہ تھی جو بنارس سے زیادہ سرسبز و شاداب ہو۔ یہاں کی رعایا نہایت محنتی تھی۔ صنعت و حرفت اور زراعت ترقی پر تھی اور یہ مقدس مقام جو ہندوستان کے ہر خطے کے ہندوؤں کا معبد عام تھا راجہ بلونت سنگھ کا دار الحکومت بھی تھا۔

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

۱۷۷۰ء میں بلونت سنگھ نے انتقال کیا اُس وقت چونکہ شاہ اودھ نواب وزیر کے نام سے مشہور تھا اس ریاست کا رئیس واجب الاطاعت تسلیم ہوتا تھا اس لئے اُس نے حق مالکانہ وصول کرکے اور سابقہ رقم مالگزاری میں کسی قدر اضافہ کرنے کے بعد بلونت سنگھ کے لڑکے چیت سنگھ کی وراثت منظور کرلی۔ ایسٹ انڈیا کمپنی کو اس وراثت سے ایک طرح کا لگاؤ ہو چلا تھا۔ ۳۱ر اکتوبر ۱۷۷۰ء کے ایک عام مراسلے میں بنگالے کے گورنر نے نظمائے کمپنی کو یہ لکھا کہ:۔ "نواب وزیر کا ہماری سفارش و درخواست کو قبول کرلینا ہمارے لئے ایک نہایت اطمینان بخش اور بے حد مسرت خیز واقعہ ہے کیونکہ اس کی وجہ سے متعدد رؤسائے ہندوستان کے اس خیال کی تقویت ہوگی کہ شاہ اودھ اور انگریزوں میں نہایت مخلصانہ اتحاد قائم ہے"۔

شجاع الدولہ شاہ اودھ نے ۱۷۷۵ء میں رحلت کی اور وارن ہسٹینگز نے جو اُس وقت گورنر جنرل تھا برطانیہ کے قدیم حلیف کی وفات سے فائدہ اُٹھاکر برطانوی عملداری اور راج کو پھیلانا چاہا۔ مئی ۱۷۷۵ء میں شاہ اودھ کے فرزند و جانشین آصف الدولہ سے ایک جدید معاہدہ کیا گیا جس کی رو سے بنارس ایسٹ انڈیا کمپنی کے زیر تفویض ہوگیا اور راجہ چیت سنگھ اب انگریزوں کا باجگزار بن گیا۔

اگست ۱۷۷۵ء میں گورنر جنرل نے نظمائے کمپنی کو لکھا کہ:۔ "بنارس اور راجہ چیت سنگھ کی عملداری کے دوسرے علاقے جو کمپنی کے سپرد ہوئے ہیں (اگرچہ یہ کہنا گویا آپ اپنی تعریف کرنا ہے) وہ آپ کے خیالات کے بالکل مطابق ثابت ہوں گے کیونکہ اس تفویض سے کمپنی کو ایک بیش بہا چیز ہاتھ آئی ہے...... اس عملداری کے محاصل [illegible] روپے ہیں جن کو راجہ ماہانہ اقساط میں جمع بندی کے حسابات دینے یا کسی قسم کی منہائی کا

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

دعویٰ پیش کئے بغیر بطور خراج ادا کرتا رہے گا۔"

رؤسائے واجب الاطاعت کی اس تبدیلی کا پورا پورا مفہوم کامل تین سال گزرنے کے بعد کہیں بد نصیب چیت سنگھ کی سمجھ میں آیا۔ وارن ہسٹنگز نے جولائی ۱۷۷۸ء میں چیت سنگھ کو لکھا کہ:۔

"برطانیہ عظمیٰ نے ۱۸ مارچ کو فرانس کے خلاف جنگ کا اعلان کر دیا ہے۔ مجھ کو اپنے اور مجلس نظماء کی طرف سے یہ استدعا پیش کرنی ہے کہ آپ موجودہ جنگ کا بوجھ ہلکا کرنے میں حصہ لیں کیونکہ کمپنی کی رعایاء کی حیثیت سے ہر موقع پر کمپنی کے اغراض کی تائید کرنا آپ پر فرض ہے۔"

البتہ ایک انگریز یعنی فلپ فرانسیس کی راستبازی یہاں انصافاً قلمبند کرنا ضروری ہے اُس نے ان ناجائز مطالبات پر وارن ہسٹنگز کی مخالفت کی کوشش کی تھی یہی فلپ فرانسیس تھا جو کسی وقت ریاست بنارس کو انگریزوں کا باجگزار بنانے میں صف اول میں تھا مگر جب راجہ کمپنی کا باجگزار بن گیا تو ان من مانے مطالبات پر اُس نے سخت اعتراض کئے۔

"اس میں کسی سوال کی گنجائش ہی نہیں کہ راجہ کو ہر وقت اس حکومت کے اقتدار کے سامنے سرنگوں رہنا چاہئے اور جب تک یہ اقتدار انصاف پر چل رہا ہے میں اس اقتدار کی حمایت کے لئے اسی طرح تیار ہوں جس طرح اس مجلس کا کوئی دوسرا رکن ہو سکتا ہے۔ میں نے اول سے ہی اپنے شکوک کا اظہار کر دیا ہے کہ آیا راجہ پر اُن شرائط سے متجاوز مطالبات کرنے کا ہم کو حق حاصل ہے جو ہم نے ابتداء سے راجہ کے لئے مقرر کی تھیں اور جن کو اُس نے قبول بھی کر لیا یا نہیں۔ میں تو ہمیشہ یہی سمجھتا رہا ہوں کہ راجہ کو اس زمینداری پر قبضہ دینے کی بنیادی شرائط یہی تھیں۔ اگر کسی اعلیٰ قوت کے امتیاز ذاتی پر ایسے مزید مطالبات راجہ سے کئے جا سکتے ہیں تو اس سے نہ تو راجہ کے

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

کوئی عام حقوق باقی رہ سکتے ہیں اور نہ حقوق ملکیت یا کم از کم اتنا تو ہوگا کہ ایسی حالت میں راجہ کے حقوق کا کوئی ضامن ہی نہیں رہے گا اگر یہی صورت حال ہے تو پانچ لاکھ کے بجائے پچاس لاکھ کا مطالبہ کیا جاسکتا ہے اور راجہ کے انکار اور رقم ادا نہ کرسکنے کا فوری نتیجہ یہ ہوسکتا ہے کہ اس کی زمینداری ہی ضبط کرلی جائے۔"

یہ اعتراضات تو یوں ہی رہے اور فوج کے مصارف کے علاوہ چیت سنگھ سے سال دوم کی پیشکش کے پانچ لاکھ روپے کا مطالبہ کیا گیا۔ پھر سال سوم کی پیشکش کے پانچ لاکھ روپیے کا اور سال چہارم کی پیشکش کا بھی۔ جب راجہ نے یہ رقوم ادا نہ کیں تو اس پر پہلے عتاب ہوا اور پھر اُس کو گرفتار کرلیا گیا۔ یہ دیکھ کر اُس کے ہمراہیوں نے کمپنی کے پہرہ داروں پر حملہ کرکے گویا اُس کے انجام پر مُہر لگادی۔ راجہ اپنی ساری جائداد چھوڑ کر روپوش ہوگیا۔ اس کے بعد محاصل کے مطالبات میں اضافہ کرکے اُس کے خواہرزادے مہیپ نارائن کو مسند نشین کیا گیا۔ مگر انتظام مملکت گورنر جنرل کے کارپردازوں ہی کے ہاتھوں میں رہا۔

یہ انتظام مملکت بُری طرح ناکامیاب رہا۔ مگر اس لئے نہیں کہ وارن ہسٹنگز میں بلونت سنگھ اور چیت سنگھ کے مقابل جن کی حکومت میں بنارس نہایت سرسبز تھا انتظامی قابلیت کم تھی بلکہ اس لئے کہ اس جدید انتظام میں محاصل کے مطالبات میں جو اضافہ کیا گیا تھا اُس کی وجہ سے ریاست کا تمام زرعی کاروبار تباہ و برباد ہوگیا تھا۔

وارن ہسٹنگز نے راجہ کی طرف سے جو پہلا نائب مقرر کیا وہ رقوم بر وقت ادا نہ کرنیکے جرم میں مدت سے برطرف کردیا گیا مگر دوسرا نائب جو مقرر کیا گیا وہ اس مسلمہ اصول پر کاربند رہا کہ محاصل کی مقررہ رقم ہر حالت میں جمع ہونی چاہئے۔ اسنے زمینوں پر بہت زیادہ لگان لگائے اور جمعبندی بھی نہایت تشدد کیساتھ کی۔ رعیت ایک گرداب بلا میں پھنسی ہوئی تھی کہ ۱۷۸۳ء کی مہیب خشک سالی سے سارا ملک

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

ایک ویرانہ بن گیا۔

ہسٹینگز نے اس ویرانی وخشک سالی کے مضر اثرات بچشم خود معائنہ کئے۔ ۲ر اپریل ۱۷۸۴ء میں اُس نے کونسل بورڈ کو یہ لکھا کہ:- "بکسر کے حدود سے بنارس تک لوگ ایک اضطرار کی حالت میں میرے پیچھے پیچھے شور مچاتے رہے جس کو سنتے سنتے میں تھک گیا۔ یہ عام بےچینی ایک عرصے تک خشک سالی کی پریشانیوں کے باعث ناگزیر طور پر اور بڑھ گئی ہے۔ تاہم میرے پاس یہ یقین کرنے کی وجہ ہے کہ اس بےچینی کا خاص سبب اگر نظم ونسق کی شدت اور عمال کی بد دیانتی نہیں، نہ سہی پھر بھی انتظامی نقائص واسقام تو ضرور ہیں۔ مجھ کو یہ لکھتے ہوئے تاسف ہوتا ہے کہ بکسر سے لے کر اُس کے مقابل کی سرحد تک ہر گاؤں میں ویرانی کے آثار کے سوا میں نے کچھ دیکھا ہی نہیں۔ اور یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتا کہ بنارس کے شہر کے سوا اس تمام صوبے میں حکومت کا محض نام ہی نام رہ گیا ہے۔ نظم ونسق میں بدعملی پھیلی ہوئی ہے اور رعایا پر مظالم ہو رہے ہیں تجارت بھی بے سہارا ہے ظاہر ہے کہ ذرائع آمدنی کو اس طرح بیجا زیر تصرف لانیکی وجہ سے صوبے کے محاصل میں فوری خسارے کا اندیشہ ہے۔"

اودھ کی قلمرو سے جدا ہو کر کمپنی کی عملداری میں آنے کے نو سال بعد بنارس کی یہ حالت ہو گئی تھی۔ اب ہم ایک قدم اور آگے بڑھ کر خود اودھ کی حالت پر نظر ڈالیں گے۔

جیسا پہلے بیان کیا گیا ہے ۱۷۷۵ء میں برطانیہ کے حلیف شجاع الدولہ نے انتقال کیا۔ شجاع الدولہ اپنے دشمنوں کے حق میں بے رحم وسنگ دل ضرور تھا لیکن اُس کے زمانے میں اُس کی قلمرو کی رعایا قانع مرفہ الحال اور خوش دل تھی۔ اس کی فرمانروائی کے آخری زمانے میں جو انگریز حکام اودھ ہو آئے تھے وہ ملک اور

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

رعایا کی آسودہ حالی کے شاہد تھے۔

جب آصف الدولہ نے اپنے آبائی تخت پر قدم رکھا تو وارن ہیسٹنگز نے اودھ میں ایسٹ انڈیا کمپنی کا اقتدار اور بڑھا دیا۔ شجاع الدولہ کے ساتھ جو قدیم معاہدہ تھا اُس میں ترمیم کی اور ایک جدید معاہدہ آصف الدولہ کے ساتھ کیا" جس کی بدولت موخر الذکر بالآخر خواہ مخواہ کمپنی کا باجگزار بن گیا۔"

یہی باجگزاری اودھ کی بربادی کا باعث ہوئی۔ کرنل ہینی کو ہسٹینگز نے رسالے اور توپ خانے کی کمان میں اودھ بھیجا تھا اپنے ہم وطنوں کی طرح کرنل ہینی کی بھی خواہش یہی تھی کہ اس نیک گھڑی سے فائدہ اٹھائے اور اپنی نئی خدمت کے طفیل جلد وافر دولت پیدا کر لے۔ کمپنی کے نام حق مالگزاری کے انتقال کا طریقہ جو مدراس اور دیگر مقامات میں اس قدر مہلک ثابت ہو چکا تھا اودھ میں بھی رائج کیا گیا۔ کرنل ہینی دیوانی اور فوجی اختیارات استعمال میں لاتا تھا اور اُس نے بہرائچ اور گورکھپور کی مالگزاری بھی مستاجری پر لے لی تھی۔ ہینی کے زیر انتظام لگان زیادہ کر دئیے گئے اور مالگزاری ہر طرح کی ظلم و زیادتی کے ساتھ وصول کی جاتی رہی۔ لوگ اپنے کھیتوں کو چھوڑ چھوڑ کر دیہات سے بھاگ گئے۔ اور ملک ایک ویرانہ سا ہو گیا۔

آصف الدولہ نے یہ خود پیدا کردہ تباہی دیکھی اور ۱۷۷۹ء میں انگریزی حکومت کو یہ لکھا کہ: "کثرت مصارف کی بناء پر بڑی سی بڑی رقم ضرورتاً تشخیص کرنے کے بعد مالگزاری کو تعہد پر دیا گیا تھا مگر ہر سال وصول میں کمی ہوتی رہی تھی مگر اب یہ نوبت پہنچ چکی ہے کہ لوگوں نے کاشتکاری تو کیا اس سرزمین ہی کو الوداع کہہ دیا ہے" اسی بناء پر نواب نے نئے رسالے اور توپ خانے کے مصارف کے لئے کمپنی کے نام حق مالگزاری کے جدید انتقال پر یہ کہہ کر اعتراض کیا کہ

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

اُس کے لئے یہ مزید فوج بالکل بیکار تھی جس سے نقصان مالگزاری الگ تھا اور حکومت کے معاملات میں پیچیدگیاں الگ پیدا ہوتی تھیں۔

کلکتہ کونسل نے اس اہم اطلاع پر غور و خوض کیا اور فلپ فرانسیس نے اُس منصف مزاجی سے جو اُس کا خاصہ تھی یہ مخصوص یادداشت لکھی:—

"ابھی مجھ میں اتنے تحکمانہ خصائل پیدا نہیں ہوئے ہیں کہ میں کسی پردیسی فوج کے مصارف کے بوجھ سے ایک خودمختار فرماں روا کے نجات چاہنے کو کوئی نازیبا یا خوفناک بات سمجھوں خصوصاً جبکہ یہ پردیسی فوج اس لئے بدنام بھی ہے کہ وہ ملک کی محافظت کے روپ میں مُلک اور محاصل دونوں کو ہضم کر جاتی ہے۔

"مجلس نظماء نے اپنے ۵ اردسمبر ۱۷۷۵ء کے مراسلے میں صوبۂ اودھ کی ملازمت میں اس رسالے اور توپ خانے کا رکھنا منظور کیا ہے بشرطیکہ اس طرح رکھنا صوبے کی بالکلیہ رضامندی سے ہو اور کسی طرح بھی اُس کے خلاف مرضی نہ ہو۔ اس حصۂ فوج کی نسبت سردست کوئی حجت نہیں ہے کیونکہ نواب وزیر اُسکی واپسی کا خواہاں نہیں ہے بلکہ اُس کے مطالبات کلیۃً اُس عارضی رسالے اور توپ خانے اور اُن علیحدہ پلٹنوں سے متعلق ہیں جو میجر ہینی اور کپتان آسبورن کی کمان میں ہیں۔ نواب وزیر کا بیان ہے کہ اول الذکر یعنی رسالہ توپ خانہ دونوں حکومت کے اغراض کے لئے نہ صرف ناکارہ ہیں بلکہ وہ مالگزاری و محاصل چنگی میں معتدبہ نقصان کا باعث بھی ہیں موخرالذکر حکومت کے معاملات میں نئی نئی پیچیدگیاں پیدا کرتے ہیں اور ایسے خودسر و خودمختار ہیں کہ کسی کی نہیں سنتے۔

"یہ تحریک اس مفروضے پر پیش ہوئی ہے کہ ہمیں نہ صرف نواب وزیر کو اس فوج کے نوکر رکھنے پر مجبور کرنے کی ضرورت ہے بلکہ اس کی بھی کہ ہم بطور خود اُن محاصل کو جمع کریں جس سے اس فوج کے مصارف ادا

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

ہوتے ہیں اور یہ انتظام کی موجودہ حالت میں قریب قریب مُلک کی فوجی ترقی کے مساوی ہے۔ اس طرح ایک ضرورت دوسری ضرورت کو پیدا کرتی ہے اور اُس وقت تک یہی حالت برقرار رہیگی جب تک کہ دیسی ریاستوں میں ایک بھی ایسی چیز موجود رہے جس پر ہماری لالچ بھری نظریں پڑ سکیں یا جو ہماری حرص و آز کی دسترس سے باہر نہ ہو سکے۔ یا جب تک تجربہ ہمیں یہ نہ سکھلا دے کہ دوسروں کے حق میں انصاف کرنا خود اپنے لئے ایک فراست کی بات ہے۔"

پلٹنوں کی واپسی کے سوال پر وارن ہسٹینگز کی نظروں میں کمپنی کا مالی نقصان اودھ کے باشندوں کی تکالیف کے مقابل زیادہ اہم و باوقعت تھا۔ اُس نے کہا کہ نواب تو کمپنی کا باجگزار ہی تھا اور کمپنی پر مزید مصارف کا بوجھ ڈالے بغیر یہ فوج واپس نہیں بلائی جا سکتی۔"

تاریخ ہند کے مورخ جیمز مل نے لکھا ہے کہ:۔ "کسی اور وجہ سے نہیں بلکہ محض اپنی سہولت کی خاطر انگریزوں نے کسی حق کا دعویٰ کئے بغیر نواب کو انگریزی فوج کے جملہ مصارف برداشت کرنے پر مجبور کر دیا۔ یعنی ہسٹینگز کے قول کے موافق نواب کے ساتھ ایک باج گزار کا سا برتاؤ کیا۔ انگریز نواب کی قلمرو کے مالک بن بیٹھے اور نواب پر خود مختارانہ فرمانروائی کی۔"

۱۷۷۵ء میں انگریزی حکومت کے مطالبات چودہ لاکھ پونڈ تک پہنچ چکے تھے اُسی زمانے میں گورنر جنرل کا برسٹو کو لکھنو سے واپس طلب کر کے اُس کی جگہ ڈرلٹن کو رزیڈنٹ بنا کر بھیجا اور بیگمات اودھ یعنی نواب کی ماں اور دادی کو لوٹ لینے میں جس سے کمپنی کی حکومت کے مطالبات کی تکمیل ہو سکے نواب کی مدد کرنا اور ایک کثیر رقم کا نہایت بے رحمی اور بے عزتی کے ساتھ ان بیگمات سے وصول کیا جانا یہ سب واقعات تاریخی ہیں جن کو ان صفحات میں بیان کرنے کی چنداں ضرورت نہیں۔ اس کتاب کی خاص غرض پر نظر کرتے ہوئے شاہی

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

خاندان کی حق تلفی کے درد ناک قصے کے مقابل اودھ کے کاشتکاروں کی حالت زیادہ اہم ہے۔

وہ واقعات جو وارن ہسٹینگز کے مشہور عالم مواخذے کے وقت مفلس پٹہ داروں سے لگان وصول کرنے کے متعلق بطور شہادت پیش کئے گئے نہایت عبرت انگیز ہیں۔

یہ بیان کیا گیا تھا کہ نادہند اسامیوں کو کھلے پنجروں میں قید کر دیا گیا جس کا جواب یہ دیا گیا کہ ہندوستان کی دھوپ میں اس وضع کے پنجروں میں بند کرنا موجب آزار نہ تھا۔ یہ بھی بیان کیا گیا تھا کہ باپ اپنے بچوں تک کو فروخت کرنے پر مجبور کیا گیا تھا۔ جس کا جواب یہ دیا گیا کہ کرنل ہینی نے اس خلاف فطرت فروخت کے انسداد کے لئے احکام صادر کر دئے تھے لوگوں نے ایک کثیر تعداد میں اپنے اپنے گاؤں کو خیر باد کہہ کے جلا وطنی اختیار کر لی تھی اور اس کے انسداد کے لئے فوج تک سے کام لیا گیا تھا۔ آخر کار ایک بڑا ہنگامہ بپا ہو گیا۔ زمیندار و کاشتکار سب کے سب اس ناقابل برداشت اخذ بیجا پر ایک ساتھ اُٹھ کھڑے ہوئے۔ پھر کیا تھا۔ ہولناک واقعات اور قتل و خونریزی شروع ہوئی۔ سپاہیوں نے طیش میں آکر غیر تربیت یافتہ اور فوجی قواعد سے ناواقف کاشتکاروں کی خوب سرکوبی کی۔

کرنل ہینی کو جب اودھ سے واپس طلب کر لیا گیا جب کہیں جاکر یہ ہنگامہ فرو ہوا۔ لیکن اودھ کی حالت ایک ویرانے کی سی ہو گئی ۱۷۷۴ء میں کپتان ایڈورڈ نے اودھ کی حالت دیکھی تھی اور پھر ۱۷۸۳ء میں بھی دیکھی۔ جہاں اُسنے زراعت صنعت و حرفت و تجارت کو برسر ترقی پایا تھا وہاں اُس نے دوسری مرتبہ "چٹیل میدان پائے"۔ مسٹر ہولٹ نے بھی یہی بیان کیا ہے کہ اودھ کی پہلی سی حالت نہیں رہی تمام شہر و بلاد خالی پڑے ہیں اور سارے ملک میں قحط کے آثار نمودار ہیں۔ ۱۷۸۴ء میں فی الواقع اس صوبے میں ایک سخت قحط پڑا اور اس طرح

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

بدانتظامی اور جنگ کی مصیبت تو تھی ہی بھوکوں مرنے کی ایک اور آفت نازل ہو گئی۔

ایسٹ انڈیا کمپنی کا جگہ جگہ ظالمانہ استحصال الگ تھا اور اپنی عملداری کے نئے علاقوں میں رعایا پر مصیبتیں الگ تھیں ۱۷۷۳ء کا مجریہ قانون تنظیم بھی ضروری اصلاح کرنے میں ناکام ثابت ہو چکا تھا جب مجلس معاملات راز کی چھ روداد یں اور مجلس منتخبہ کی گیارہ روداد یں ۱۷۸۲ء اور ۱۷۸۳ء میں شائع ہوئیں، تو برطانوی پارلیمنٹ پر ان حالات کا انکشاف ہوا اور ملک کے نظم و نسق میں اصلاح کے لئے ایک صدائے احتجاج بلند ہوئی۔ فاکس کا مجوزہ قانون ہند کا مسودہ ایڈمنڈ برک کی حمایت کے باوجود دارالعوام میں نامنظور ہوا اور آخر کار ہندوستان کے نظم و نسق کی اصلاح کے لئے مسٹر پٹ کا مرتبہ مسودہ ۱۷۸۴ء میں بشکل قانون نافذ کیا گیا جس سے پہلی مرتبہ کمپنی کا نظم و نسق سرکار برطانیہ کی زیر نگرانی آگیا یعنی کمپنی کے دیوانی مالگزاری اور فوجی تمام معاملات سرکار برطانیہ کے مقررہ چھ کمشنروں کے زیر انتظام کر دئے گئے۔ اس کے بعد کے سال ہی وارن ہیسٹنگز اپنی خدمت سے مستعفی ہو گیا اور لارڈ کارنوالس کو جو ایک نیک روش فیاض منش امیر تھا بحیثیت گورنر جنرل ہندوستان بھیجا گیا۔

وارن ہیسٹنگز کے نظم و نسق کے اس مختصر بیان میں ہماری توجہ قطعی طور پر محض لوگوں کی اقتصادی حالت تک ہی محدود رہی اور غیر جانبدار مورخین کی طرح ہمیں بھی افسوس ہے کہ اس نقطۂ نظر سے وارن ہیسٹنگز کا نظم و نسق ناکام رہا۔ مگر وارن ہیسٹنگز کے حق میں انصاف کرنے کیلئے یہاں ان عذرات کی نقل کرنی ضروری ہے جن کو مسٹر شور نے (جنہوں نے بعد میں لارڈ ٹین متھ خطاب پایا تھا) ۱۷۸۹ء میں نہایت قابلیت کے ساتھ ہیسٹنگز کی طرف سے جوابدہی کرتے ہوئے پیش کیا تھا:۔

"ان صوبوں کے ایک بڑے حصے کا حق مالگزاری کمپنی کو

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

پہلی دفعہ اٹھائیس سال قبل ملا تھا اور منصب دیوانی کے عطیے سے کمپنی کے نام تمام صوبے کے حق مالگزاری کو دوامًا باضابطہ منتقل ہوئے چوبیس سال کا عرصہ گزر چکا ہے۔ جب ہم اس عطیے کی حقیقت و وسعت کا خیال کرتے ہیں اور جو ملک کہ ہمارے تحت آیا ہے اس کے باشندوں کے عادات و اطوار اختلاف زبان اور اختلاف آداب معیشت وغیرہ پر غور کرتے ہیں اور اس پر بھی کہ ہم نے قدیم آئین سے ناواقفیت کے باوجود اور ایشیائی مالیات کا کوئی عملی تجربہ رکھنے کے بغیر عنان حکومت اپنے ہاتھ میں لے لی تو یہ تعجب کی بات نہیں معلوم ہوتی کہ ہم سے غلطیاں سرزد ہوئیں یا اب بھی قابل اصلاح امور ہم میں موجود ہوں۔"

اس رائے میں بہت کچھ صداقت ہے یا ایں ہمہ وارن ہیسٹنگز پر بمقابل اس کے کسی اور معاصر انگریز کے اس رائے کا کم اطلاق ہوتا ہے کیونکہ وارن ہیسٹنگز ہندوستان میں اجنبی نہ تھا اور نہ باشندگان ملک سے ناواقف تھا وہ ہنوز لڑکا ہی تھا کہ ہندوستان آیا معمولی حیثیت سے اُس کی ابتدائی زندگی گزری۔ عام لوگوں سے ملتا جلتا رہا۔ اُن کے عادات و اطوار سے خوب واقفیت حاصل کی اور اُن کا قدرداں رہا۔ خدمت سے مستعفی ہو کر ہندوستان سے چلے جانے کے بیس سال بعد برطانوی پارلیمنٹ کے سامنے اس نے یہ کہا کہ:۔

"میں حلفیہ کہتا ہوں کہ ہندوستان کے رہنے والوں کے متعلق یہ کہنا کہ ان کی اخلاقی حالت بہت ابتر اور گری ہوئی ہے سراسر غلط اور بالکل بے بنیاد ہے ...... یہ لوگ شریف و نیک طینت ہیں اور ان میں اتلاف حقوق کے موقع پر انتقام کے لئے فوری برافروختہ ہو جانے کے مادے کے مقابلے میں کسی کے ساتھ مروت اور احسان مندی کرنے کا احساس زیادہ ہے اور یہ لوگ

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

انفعال طبع کے بدترین اثرات سے ایسے ہی مستثنیٰ ہیں جیسے روئے زمین پر کسی اور جگہ کے باشندے ہو سکتے ہیں۔" ایسے تھے ہندوستان کے لوگ جن سے ہسٹینگز واقف تھا اور جن میں رہ کر غیر حاضری کے چند مختصر وقفوں کے سوا اس نے ۱۷۵۰ء سے ۱۷۸۵ء تک اپنی عمر کے پینتیس سال کام کرتے کرتے گزارے تھے۔

ہندوستان میں وارن ہسٹینگز کے ظاہری افعال سے بھی اُن جذبات کی بالکلیہ تکذیب نہیں ہوتی جو عام لوگوں کے متعلق وارن ہسٹینگز کے دل میں موجود تھے۔ ایک ایسے وقت میں جبکہ عاملان کمپنی بنگالیوں سے اندرونی تجارت لوٹ لوٹ کر ناگہانی طور پر کثیر دولت پیدا کر رہے تھے وارن ہسٹینگز ہی وہ اکیلا شخص تھا جس نے اپنے ہموطنوں کی اس مطلق العنانی اور ظلم و زیادتی کی مخالفت میں اپنے رہنما ونسٹارٹ کے پہلو بہ پہلو کھڑے ہونے کی ہمت کی تھی۔ اور ۱۷۷۲ء سے ۱۷۸۵ء تک خود اپنے سیزدہ سالہ نظم و نسق میں بھی وہ بدنظمی میں ایک طرح کا انتظام پیدا کرنے کی کوشش کرتا رہا تھا ہندو اور مسلمانوں کے مذہبی قوانین منضبط اور شائع کئے تھے انھیں قوانین کے مطابق انفصال مقدمات کے لئے عدالتیں قائم کی تھیں اس نے نظام مملکت کی ایک نئی شکل قائم کی جس میں اس کے بعد بہت کچھ اصلاح تو ہوئی مگر اس نظام کا پہلا موجد اعظم وہی تھا یہ اقتضائے فطرت تھا کہ ایک ایسے شخص سے جس میں انتظامی قابلیت کا مادہ اس قدر موجود تھا اور جس کو مُلک اور باشندگان مُلک کے حالات کا اس قدر صحیح علم تھا اعلیٰ درجے کی انتظامی کامیابی کی بھی توقع کی جائے لیکن نظم و نسق کی کامیابی کو اگر اس نظر سے جانچا جائے کہ اس کا مدار رعایاء کی محض خوشنودی پر ہے تو یہ ماننا پڑیگا کہ وارن ہسٹینگز کا انتظام سلطنت بری طرح ناکامیاب رہا انگریزوں کے اقتدار کی توسیع سے یا اُن کے اثرات سے لوگوں کی اقتصادی

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

حالت میں کچھ اصلاح نہ ہوئی بلکہ بنگالے اور بنارس اور اودھ میں مصیبت ورنج، فتنہ وفساد اور پے در پے قحط نقش قدم کی طرح جلو میں رہے۔

ہمارے لئے یہ بہت ممکن ہے کہ اس ناکامی کے اسباب سکون قلب کے ساتھ اب ایک صدی گزر جانے کے بعد دریافت کر سکیں۔ لیکن ہیٹنگز اور اس کے تمام انگریز معاصرین کے دلوں میں یہ ناقابل تزلزل مشترک اعتقاد نقش تھا کہ ہندوستان کی سرزمین ایسٹ انڈیا کمپنی اور اس کے عاملوں کی منفعت ذاتی کے لئے ایک بڑی جاگیر تھی اسی لئے ہیسٹنگز نے اپنے پرزور دماغ کی ساری قوت اسی میں صرف کردی کہ ہندوستان کسی حال ذریعہ منفعت بن جائے۔ کمپنی کے نظم ونسق کے اس مقصد اولین کے مقابل رفاہ عام کا کچھ درجہ نہ تھا۔ رعایا کے حقوق ہوں کہ والیان ریاست کے، زمینداروں کے حقوق ہوں کہ رعیت کے، سب کے سب ہندوستان کے تاجرپیشہ حکمرانوں کے اس ملوکانہ خیال پر قربان تھے۔ چنانچہ ۱۷۷۰ء کی قحط سالی میں بنگالے کی ایک تہائی آبادی کا صفایا ہو جانے کے باوجود مالگزاری کی رقم میں اضافہ کیا گیا جاگیرداروں کے خاندانوں کو جو صدیوں سے جاگیروں پر مالکانہ قبضہ رکھتے تھے مستاجروں کی طرح مہاجنوں اور سٹہ کھیلنے والوں کے مقابل ہر سال نیلام میں بولی بولنے پر مجبور کیا گیا کاشتکاروں کو بغاوت کرنے پر آمادہ کیا گیا۔ اور جب وہ اپنے گھروں اور گاؤں کو چھوڑ چھوڑ کر بھاگنے لگے تو انھیں نہایت بے رحمی کے ساتھ سپاہیوں کے ذریعے سے اُن کے گھروں میں پھر کھینچ بلایا جاتا تھا، اور اس طور پر وصول کی ہوئی رقم کا بہت بڑا حصہ شغل سرمایہ کی شکل میں کمپنی کے حصہ داروں کے لئے انگلستان ارسال ہوتا رہا جس سے حصہ دار شادان وفرحاں تھے۔

روئے زمین پر کوئی نظم ونسق خواہ اس کے اندر کتنی ہی خداداد استعداد کیوں نہ ہو، اور خواہ وہ کتنا ہی مکمل کیوں نہ ہو کسی قوم کی مفلسی

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

یا کسی ملک کی قحط سالی کا انسداد کرنے میں کبھی کامیاب نہیں ہو سکتا، اگر اس کی مالی حکمت عملی ایسی ہو جس کی رو سے کسی ملک کے ذرائع آمدنی غیر ملکی تاجروں کی جیبیں بھرنے کے لئے خالی ہوتے رہیں۔

وارن ہیسٹنگز کے نظم ونسق کی ناکامی کا اصل سبب یہی تھا اور اس کی تند مزاجی خود مختاری اور خود رائی کی وجہ سے یہ خرابیاں اور زیادہ ہو گئیں۔ بڑے بڑے حکمرانوں کے اعمال پر مورخوں کے فیصلے سے زیادہ برحق اور زیادہ دیرپا فیصلہ زبان خلائق کا فیصلہ ہے۔ ہندوستان کے رہنے والے ہسٹینگز کے نظم ونسق کو جس سے ملک پر مفلسی چھا گئی اسی طرح تکلیف اور دہشت کی نظر سے دیکھتے ہیں جس طرح وہ اس کے جانشین کے انتظام مملکت کو تشکر آمیز نظروں سے دیکھتے ہیں کیونکہ اس کے جانشین میں ہمدردی کے ساتھ ساتھ اپنی محکوم کثیر آبادی کی مادی فلاح وبہبود کے لئے کام کرنے کی ہمت تھی۔

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

پانچواں باب

لارڈ کارنوالس اور بندوبست زمینداری بنگالہ

(سنہ ۱۷۸۶ء سے سنہ ۱۷۹۳ء تک)

پٹ کا مرتبہ قانون ہند ۱۳؍ اگست سنہ ۱۷۸۴ء میں نافذ ہوا جس کی رو سے کمپنی کا انتظام سرکار برطانیہ کی زیر نگرانی آ گیا اور اس طرح سے چند اصلاحیں بھی بجبوری عمل میں آئیں۔ نظمائے کمپنی نے یہ محسوس کیا کہ اب اپنا گھر سنبھالنا چاہیئے۔ اُنھوں نے وارن ہسٹینگز کی جانشینی کے لئے ایک عالی طینت وسیع ہمدردی رکھنے والے امیر کا انتخاب کیا۔ اور ۱۲؍ اپریل سنہ ۱۷۸۶ء کے مراسلے میں جدید گورنر جنرل لارڈ کارنوالس کی رہنمائی کے لئے مکمل ہدایات بھی تحریر کیں۔ اس یادگار مراسلے میں نظماء نے بنگالے کے نظام مالگزاری میں بار بار تغیر و تبدل کرنے پر ناپسندیدگی کا اظہار کیا اور نہایت زبردست نگرانی کے ساتھ کسی ایک نظام کی پابندی مناسب خیال کی۔ اُنھوں نے ایسی سب کوششوں کو قابل نفرت قرار دیا جو زمین کے لگان میں

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

اضافہ کرنے اور مستاجروں سزاولوں اور امینوں کی خاطر جن کو کاشتکاروں کی فلاح وبہبود سے کوئی دلچسپی نہ تھی زمینداروں کو اراضی سے بیدخل کرنے میں صرف کی جارہی تھیں۔ انھوں نے یہ رائے ظاہر کی کہ خورد برد کی نوبت ہی نہ آنے دینے کا مناسب طریقہ تو یہی ہوگا کہ رقم مالگزاری کا معقول اصول پر اندازہ کر لینے کے بعد ایک دوامی بندوبست رائج کیا جائے کیونکہ بروقت مالگزاری ادا کرنے کے لئے قابض کی موروثی حقیت اراضی ہی بہترین کفالت ہوسکتی ہے۔ یہ بھی تاکید کی کہ جہاں تک عملی طور پر ممکن ہو زمینداروں ہی سے بندوبست کیا جائے اور بیان کیا کہ "تشدد وایذارسانی کے باوجود ایک بڑھی چڑھی رقم مالگزاری کے پورا وصول نہ ہونے سے یہ بہتر ہے کہ مالگزاری کی رقم متوسط ہی ہو مگر باقاعدہ طور پر اور بروقت وصول ہوتی رہے جس سے ہمارے اغراض کی تکمیل کے ساتھ ساتھ اس دیس کے رہنے والوں کی خوشحالی اور قابضان اراضی کی محافظت حقوق بھی زیادہ معقول طریقے پر ممکن ہے" نظمائے کمپنی کا ارادہ بندوبست کو بالآخر دوامی کرنیکا تو تھا مگر انھوں نے یہ خواہش ظاہر کی کہ سردست پہلا بندوبست صرف دہ سالہ ہونا چاہئے۔ ۱۷۸۶ء کے مراسلۂ نظماء کے اس مختصر خلاصے سے ناظرین خود محسوس کرسکتے ہیں کہ فلپ فرانسیس نے ۱۷۷۶ء میں جو مدبرانہ تجاویز پیش کئے تھے وہ دس سال کے بعد بارآور ہوئے اور دس سال کے تلخ تجربے کے بعد (تلخ اس لئے کہ بنگالیوں نے اس اثناء میں ہر طرح کی مصیبت اور رنج اٹھائے تھے) فلپ فرانسیس کے تجاویز کی معقولیت واہمیت نمایاں ہوئی اور ہسٹینگز کے تغیر پذیر و درشت منصوبوں کی خفت وعدم معقولیت موردلعن وطعن بنی۔

ان جدید منصوبوں کے لئے جس شخص کا انتخاب

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

کیا گیا وہ اس کام کے سزاوار بھی تھا ہندوستانی معاملات کے تفصیلی معلومات کے بغیر جیسے وارن ہسٹینگز کو حاصل تھے لارڈ کارنوالس میں یہ خداداد بات تھی کہ وہ جن لوگوں پر حکمرانی کرنے بھیجا گیا تھا اسے اس کو حقیقی ہمدردی ضرور تھی۔ ہندوستان کی تاریخ میں دو ایک ہی نہیں بلکہ کئی ایک مثالیں موجود ہیں کہ ایک زبردست اور وسیع ہمدردی اور خیرخواہی کا جذبہ رکھنے والے منتظم سلطنت نے وہاں کامیابی حاصل کی ہے جہاں مقامی حالات کا زیادہ تجربہ کار مگر محدود ہمدردی رکھنے والا منتظم سلطنت ناکام رہا۔ اسی لئے اٹھارھویں صدی عیسوی میں جو ضرورت محسوس کی گئی تھی وہی آجتک بھی کی جاتی ہے کہ انگریزوں کے ہندوستانی نظم ونسق میں یورپ کے وسیع تدبّر کا خمیر ضروری ہے۔

ہندوستان میں ورود کے بعد لارڈ کارنوالس نے یہ محسوس کیا کہ یہاں کے رسم ورواج، حقیت اراضی کے طریقے اور لگان کے مسائل میں مزید تحقیقات کے بغیر دہ سالہ بندوبست کو انجام دینا ناممکن تھا اسی لئے اُس نے زور وشور سے ایسی تحقیقات شروع کردی۔ مالگزاری کی کمیٹی کا نام مجلس مالگزاری کے نام سے بدل چکا تھا۔ مگر اُس کے اختیارات اور فرائض بحالہ قائم تھے۔ یورپی ملازمان دیوانی (سول سرونٹ) کو کلکٹر جج اور مجسٹریٹ کے مجموعی اختیارات حاصل تھے اور عدالت فوجداری کا کاروبار نائب نواب بنگالہ کے تفویض تھا جس کی عدالتوں میں یورپین مجسٹریٹ تمام سنگین مقدمات کی سماعت کے لئے بھیجے تھے۔

سنہ ۱۷۹۰ء میں انتظام مملکت میں ایک تغیر عظیم عمل میں آیا۔ گورنر جنرل نے باجلاس کونسل تمام صوبوں کی فوجداری عدالتوں کی نگرانی قبول کرلی۔ صدر عدالت فوجداری مرشد آباد سے کلکتے منتقل کیگئی۔ چار عدالت ہائے حلقہ فرداً فرداً دو اعلیٰ عہدہ داروں کی زیر نگرانی اُن مقدمات کی سماعت کرتی تھیں جن کی سماعت کے مجسٹریٹ مجاز نہ تھے۔ سررشتہ جات دیوانی وفوجداری و مالگزاری کے

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

قواعد پر نظر ثانی کر کے انگریزی اور دیسی زبانوں میں اُن کو طبع کیا گیا تھا۔
۱۷۹۳ء میں نظم و نسق عدالت میں مزید اصلاحیں عمل میں آئیں
عدالتی اور عاملانہ فرائض ایک دوسرے سے علیحدہ کر دئے گئے۔
مجلس مالگزاری اور اضلاع کے کلکٹروں کو مال کے مقدمات میں
عدالتی اختیارات سے محروم کر دیا گیا۔ اور کلکٹروں سے مجسٹریٹ
کے اختیارات بھی چھین لئے گئے۔ کلکٹر سے بڑے درجے کا
ایک اعلیٰ عہدہ دار ہر صوبے میں جج اور مجسٹریٹ مقرر کیا گیا اور ہر
صوبے میں انتظام پولیس بھی اسی کو تفویض کر دیا گیا۔ کلکتہ۔ پٹنہ۔ ڈھاکہ
اور مرشد آباد میں چار مرافعے کی عدالتیں قائم کی گئیں۔
ٹیپو سلطان والیٔ میسور سے جو جنگ ہوئی تو لارڈ کارنوالس
کو فوجی حرکات و سکنات کی نگرانی مجبوراً خود اپنے ذمے لینی
پڑی۔ کارنوالس میسور کے دارالسلطنت تک در آیا اور ۱۷۹۲ء
میں ٹیپو سلطان سے صلح کے شرائط ہاتھ پکڑ کر لکھوا لئے۔ انگریزوں
کو مغربی ہند میں کالی کٹ اور کورگ ملا اور مشرق میں بڑا محل اور اسی
بڑے محل کے بند و بست مالگزاری کا کام ٹامس منرو نے ۱۷۹۲ء
سے ۱۷۹۹ء تک انجام دیا جس میں اُس نے وہ تجربہ اور کامیابی
حاصل کی کہ آگے چل کر وہ مدراس میں سب سے زیادہ ممتاز
عہدہ دار مالگزاری مانا گیا۔
بنگالے میں تحقیقات مالگزاری قریب الختم تھی۔ مسٹر جان شور
نے (جو بعد کو لارڈ ٹیمتھ ہوا) اپنی مشہور یادداشت ۱۸ جون ۱۷۸۹ء
میں لکھی جو صوبۂ بنگالہ کی اراضی کے دوامی بند و بست سے متعلق تھی
اور اسی یادداشت نے اس بند و بست کی بنیاد رکھی جس پر
ایسٹ انڈیا کمپنی اور لارڈ کارنوالس تلے ہوئے تھے۔ اس قابل
اور مکمل یادداشت کا اختصار اس محدود کتاب کی گنجائش سے
باہر ہے کیونکہ اس کے ضمیمہ جات تجاویز و سوالات سب مل کر

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

مشہور و معروف پانچویں رپورٹ کے ستّر گنجان مطبوعہ صفحات ہوتے ہیں لیکن مسٹر شور کی مکمل تحقیقات سے جو واقعات مستنبط ہوتے ہیں اُن میں سے بعض کا بیان کرنا یہاں ضروری ہے۔

مسٹر شور نے اس بند وبست کا حوالہ دیا ہے جو ۱۵۸۲ء میں ٹوڈرمل نے اور ۱۷۲۲ء میں جعفر خاں نے کیا تھا۔

"اگر ہم اول ہی یہ فرض کرلیں کہ ٹوڈرمل کا مقررہ محاصل اعتدال پر مبنی تھا تو مبینہ اضافہ بہت بڑھا چڑھا نہیں سمجھا جا سکتا۔ ٹوڈرمل سے جعفر خاں کے زمانے تک مُلک نے دولت و ثروت میں بہت کچھ ترقی کی تھی کیونکہ تجارت کے نئے رستے کھل گئے تھے۔ اور خارجہ تجارت عام طور پر زیادہ پھیلی ہوئی تھی۔ سیم و زر جو اکبر کے عہد میں معدوم تھے۔ نئے نئے ذریعوں سے مُلک میں افراط کے ساتھ بھر گئے تھے۔ اس کے برخلاف ہم اس مسلمہ سیاسی فراست کی تعریف و توقیر کرتے ہیں جس نے ہر قسم کی اخذ بیجا کی ایک حد مقرر کردی اور رعایائے مُلک کو اپنی محنت اور عمدہ انتظام کے ثمرے سے بہرہ ور ہونیکا موقع دیا۔

شجاع خاں، علی وردی خاں اور میر قاسم نے بعد میں جو اضافے کئے مسٹر شور نے آگے چل کر اُن کے حوالے دئے ہیں اور اس رپورٹ کے ضمیمے سے مختلف تواریخ میں بنگالے کی مالگزاری سے متعلق حسب ذیل اعداد ہمارے سامنے آتے ہیں:۔

بند وبست ٹوڈرمل ۱۵۸۲ء	یک کروڑ روپے [illegible]	[illegible] پونڈ
" سلطان شجاع ۱۶۵۸ء	یک کروڑ روپے [illegible]	[illegible] پونڈ
" جعفر خاں ۱۷۲۲ء	یک کروڑ روپے [illegible]	[illegible] پونڈ
" شجاع خاں ۱۷۲۸ء	یک کروڑ روپے [illegible]	[illegible] پونڈ

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

مذکورالصدر اعداد کے دیکھنے سے معلوم ہوگا کہ مالگزاری کی جملہ رقم میں مسلمانوں کی حکومت کے خاتمے تک کوئی زیادہ تبدیلی نہیں ہوئی اگرچہ ۱۷۲۲ء اور ۱۷۶۳ء کے درمیان دوسرے مختلف محصول لگائے گئے تھے:۔

انگریزوں کی حکومت شروع ہونے سے کچھ پہلے کی جمعبندی کا حوالہ دیتے ہوئے مسٹر شور نے ۱۷۶۲ء سے ۱۷۶۵ء تک ان چار برسوں کے اعداد دیئے ہیں" اس دور کا پہلا سال قاسم علی (میر قاسم) کے عہد حکومت سے متعلق ہے اور دوسرا اور تیسرا سال نندکمار سے جو میر جعفر کا فدوی و فرماں بردار تھا اور چوتھا سال محمد رضا خاں سے متعلق ہے اور یہ دیوانی کا پہلا سال تھا۔

سنہ	حقیقی جمع (روپے)	حقیقی جمع (پونڈ)
۱۷۶۲-۶۳	۶۴۵۶۱۹۸	(۶۴۶۰۰۰)
۱۷۶۳-۶۴	۷۶۱۸۴۰۷	(۷۶۲۰۰۰)
۱۷۶۴-۶۵	۸۶۷۵۵۳۳	(۸۱۸۰۰۰)
۱۷۶۵-۶۶	۱۴۷۰۴۸۷۵	(۱۴۷۰۰۰۰)

انگریزوں کی حکمرانی اور ان سے قبل کی مسلمانوں کی حکمرانی میں باعث امتیاز وہ خاص اقتصادی خط و خال ہیں جن کو سالانہ معاشی سوتاؤ کہا جاتا ہے غیر ملکی حکمرانوں نے اس کی ابتدا کی اور یہ بات مسٹر شور کی نظر سے چھپ نہ سکی۔

" کمپنی تجارت بھی کرتی ہے اور ملک کی فرماں روائی بھی اور تاجروں کی حیثیت سے کمپنی نے تمام تجارت اپنے قبضے میں کر رکھی ہے اور فرماں روا کی حیثیت سے تمام محاصل اسکے قبضۂ تصرف میں

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

ہیں۔ آئے دن یورپ کو جو محاصل ارسال کئے جاتے ہیں وہ دراصل اُن محاصل سے خریدی ہوئی دیسی اشیاء کی شکل میں روانہ ہوتے ہیں۔"

"ہم یہ بھی تسلیم کرلیں کہ بالفرض مال کی بڑی مانگ ہونے سے رعایا کی صنعت میں افزائش ہوئی تو بھی یہ نتیجہ اخذ کرنے کے لئے ہمارے پاس معقول دلائل موجود ہیں کہ اس افزائش کے فوائد ان خرابیوں سے جو ایک دور دراز ملک سے حکمرانی کرنے والی غیر ملکی قوم کی حکومت کے ساتھ وابستہ ہیں متوازن ہی نہیں بلکہ ان سے بھی زیادہ ہیں۔"

"برنیر کے وقت سے منصب دیوانی کے ملنے تک ہر چیز سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ اندرون ملک یعنی بنگالے اور ہندوستان کے شمالی علاقوں کے درمیان یا خلیج مور اور خلیج فارس اور ساحل ملیبار کے مابین ایک وسیع پیمانے پر تجارت رہی ہے۔ انھیں رستوں سے سیم و زر اور مال تجارت یورپ کی پردیسی کمپنیوں کے لئے آتا جاتا رہا۔ اور مشرقی جانب سے ریزۂ زر بھی افیون کے مبادلے میں ارسال ہوتے رہے۔"

"لیکن ۱۷۶۵ء سے حالت بالکل اس کے برعکس ہو گئی۔ کمپنی کو تجارت کا مساوی معاوضہ نہیں ملنے لگا۔ پردیسی کمپنیاں سیم و زر شاذ و نادر ہی درآمد کرتی تھیں اور نہ یہ چیزیں کسی کثیر مقدار میں ہندوستان کے دوسرے حصوں سے بنگالے میں لائی جاتی ہیں۔"

"فی الجملہ اس نتیجے پر پہنچنے میں مجھکو کچھ پس و پیش نہیں ہے کہ کمپنی کو منصب دیوانی جب سے ملا ہے ملک میں سیم و زر کی جو مقدار رائج تھی وہ اب بہت گھٹ گئی ہے درآمد کے قدیم رستے جن کے ذریعے سے اس بدررو کی ایک بڑی حد تک تلافی ہو جاتی تھی اب بند ہو گئے ہیں۔ ایک طرف تو چین اور مدراس و بمبئی کو ہمیشہ رقوم کی ضرورت رہتی ہے اور دوسری طرف یورپی

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

اشخاص انگلستان کو رقم برآمد کرتے ہی رہتے ہیں۔ ان دونوں وجوہ کی بناء پر آئندہ مُلک چاندی سے اور خالی ہوتا رہے گا۔"

مذکورۂ بالا بیان سے واضح ہے کہ مسٹر شور نے چاندی کی اس قلّت کا بطور خاص ذکر کیا ہے۔ آدم اسمتھ کے زمانے سے پہلے سیم و زر ہی مُلک کی دولت سمجھے جاتے تھے لیکن یہاں جس چیز سے مُلک کے خالی ہو جانے کا ذکر ان پُرزور الفاظ میں کیا گیا ہے وہ حقیقی دولت ہی ہے یعنی لوگوں کی پیداوار و اشیائے خوراک۔

بند و بست بنگالہ کے تین ممکنہ طریقوں یعنی رعیت داری بند و بست و مستاجری بند و بست و زمینداری بند و بست، ان تینوں پر بحث کرتے ہوئے مسٹر شور نے قطعی طور پر یہ ثابت کر دیا کہ زمینداری بند و بست ہی ایک ایسا بند و بست تھا جو اصلاح مُلک و حسن انتظام دونوں کے موافق تھا۔"

"ہم نے سطح ارض پر تو زمینداروں کا حق ملکیت تسلیم کر لیا ہے...... محض کسی کا حق تسلیم کرنا ایسے طریقے نافذ کئے بغیر جن سے وہ حق قابل قدر بن سکے۔ ملک کی ترقی کے لئے مطلق مفید نہیں ہو سکتا۔ ہمارے جیسے پردیسی راج کے مطالبات دیسی حکمرانوں کے مطالبات کے مقابل یقیناً زیادہ اعتدال پر مبنی ہونے چاہئیں اور یہ مطالبات ہمارے مقبوضات کی دائمی طور پر قدر قائم رکھنے کے لئے معیّن ہو جانے چاہئیں۔ بجز چند ضروری اختیارات کے ہندوستان کے نظم و نسق پر ہر ممکنہ حد بندی عائد کرنی چاہئے کیونکہ وہ ہماری اپنی حکومت کی نگرانی سے بقدر نصف کرۂ ارض بعید ہے اور باشندوں کے املاک مقامی حکام کی تلوّن مزاجی سے جو عدم نگرانی کا نتیجہ ہوتی ہے محفوظ رہنے چاہئیں۔

"سرکاری مطالبہ حقیقی آمدنی مالگزاری کا نُو عشر تک اس امید میں معیّن کر دیا گیا کہ مابقی میں زمیندار اپنی جاگیرات کو ترقی دینے میں

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

جب کامیاب ہو جائیں گے تو پھر اس قلیل دسویں حصے میں بھی جواب اُن کے لئے چھوڑ دیا گیا ہے رفتہ رفتہ اضافہ کر لیں گے۔

اگر حکومت زمینداروں کی آمدنی سے اپنی رعایا کی فلاح و بہبود کا اندازہ لگاتی ہے تو زیادہ سے زیادہ زمینداروں کی آمدنی کے نُو عشر تک حکومت کو مطالبہ کرنا چاہئے۔ میرا مطلب جملہ خام پیداوار کے اُس حصہ متناسبہ سے ہے جو لاحقہ فوری مصارف و منافع کی مہمائی کے بعد زمینداروں کو ملتا ہے۔ مجھ کو یہ توقع رکھنی چاہئے کہ اگر زمیندار اپنی زمینوں کی اصلاح اور رعیت کی حوصلہ افزائی کی طرف ضروری توجہ کرتے رہیں تو اُن کا یہ منافع رفتہ رفتہ اس حصّہ متناسبہ سے بھی بڑھ جائے گا۔"

آگے چل کر مسٹر شور نے نہایت واضح طور پر اور پُرزور الفاظ میں بنگالے کے زمینداروں کے حقوق جو کچھ اُس کی سمجھ میں آئے بیان کئے ہیں۔

"میں زمینداروں کو اراضی کا مالک سمجھتا ہوں جنکی حقیت اراضی اپنے اپنے قوانین مذہب کے مطابق ارثاً باپ سے بیٹے پر منتقل ہوتی آئی ہے اور انصاف کی رو سے شاہی اقتدار ان ورثائے قانونی کی موجودگی میں نہ تو اُن کو وراثت سے محروم کرنے کا مجاز ہے اور نہ اس میں کوئی تبدّل و تغیر کرنے ہی کا حق رکھتا ہے۔ ایسی بنیادی حق کی رو سے زمینوں کا حق فروخت و حق رہن پیدا ہوتا ہے جو ہم کو منصب دیوانی کے ملنے سے بھی پہلے زمینداروں کو حاصل تھا۔"

"مطلق العنانی اگرچہ ایسے دعاوی پیش کر سکتی ہے جن سے کسی راہ راست دبر ملا خلاف ورزیٔ حقوق کئے بغیر زمینداروں کے حقوق تہ و بالا ہو جائیں۔ لیکن عام طور پر عمل یہی رہا ہے کہ مطلق العنانی ان حقوق کی حامی ہی رہی ہے۔ اکبر کے عہد میں زمینداران بنگالہ دولتمند

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

بھی تھے۔ اور تعداد میں بھی زیادہ تھے۔ اور جب اکبر اور اُس کے جانشینوں کے زیر حکم جعفر خاں کو انتظام سلطنت تفویض ہوا اُس وقت بھی زمیندار موجود تھے اُن کی اپنی اپنی اراضی سے متعلق حد اختیار میں اضافہ بھی ہوا تھا اور جب انگریزوں کو منصب دیوانی ملا تو بڑے بڑے زمیندار اُس وقت بھی صاحب دولت و مرتبہ تھے"

اس حد تک تو زمینداروں سے متعلق لکھا گیا۔ رعیت اور کاشتکاروں کے بارے میں بھی مسٹر شور کا زور و شور سے یہی خیال ہے۔

"بنگالے کے ہر ضلع میں" جہاں اخذ بیجا کے اذن عام نے قواعد کو تمام وکمال باطل نہیں کر دیا ہے زمین کا لگان نرخ مقررہ پر معیّن ہے اور بعض اضلاع میں ہر گاؤں کا نرخ جدا جدا ہے اور یہ نرخ زمین کی پیداوار کے لحاظ سے اس قدر فی بیگہ مقرر ہے۔ بعض زمینوں میں دو مختلف اجناس فصلوں کی پیداوار ہوتی ہے اور بعض میں تین اور زیادہ نفع کی چیزیں مثلاً شہتوت کے درخت پان اور تمباکو گنا وغیرہ سے زمین کی قدر متناسباً بڑھ جاتی ہے"۔

"خود کاشت رعیت (وہ رعیت جو اپنے مسکونہ مقام کی زمینوں کی کاشت کرتی ہے) کے نام پٹے بلا تعین میعاد دئے جاتے ہیں جن میں اس بات کا اظہار کیا جاتا ہے کہ جب تک رعیت سالانہ زر لگان ادا کرے زمین پر قابض رہ سکتی ہے۔ اور اسی طرح حق قبضہ کی ابتدا ہوئی ہے"۔

"پاہی کاشت رعیت (وہ رعیت جو اپنے مقام مسکونہ سے دور کی زمینوں کی کاشت کرتی ہے) کا قبضۂ اراضی ایک غیر معیّن حقیت اراضی پر مبنی ہے اُن کو پٹہ جو دیا جاتا ہے اُس میں عام طور پر ایک میعاد معین کر دی جاتی ہے اور جہاں رعیت ان شرائط کو اپنے موافق نہیں پاتی ہے تو اراضی چھوڑ کر کسی اور مقام

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

میں چلی جاتی ہے۔"

اپنی یادداشت کے آخر میں مسٹر شور نے اپنی تجاویز کا خلاصہ کر دیا ہے:-

"آئندہ بند و بست کے لئے جن رہنما اصول پر میری تجاویز مبنی ہیں وہ دو ہیں"

"(۱) اصول مالگزاری کے لئے حکومت کی دلجمعی و اطمینان اور

(۲) رعایا کے لئے اطمینان دلی اور حفاظت جان و مال۔"

"اول الذکر یعنی حکومت کا اطمینان کلی زمینداروں سے دوامی بند و بست کر لینے میں مناسب طور پر ہو جاتا ہے کیونکہ ان کی زمینیں اور املاک حکومت کے پاس ادائے مالگزاری کی کفیل ہے۔"

"موخر الذکر مسلمہ اصول اجرائے محصولات پر جہاں تک ممکن ہو عمل کرنے سے حاصل ہو سکتا ہے یعنی جو محصول کہ ہر شخص دینے پر مجبور ہے وہ مقرر ہونا چاہیئے نہ کہ من مانا۔ اور ادا کرنے کا وقت ادا کرنے کا قاعدہ اور مقدار غرض سب کچھ محصول دینے والے کو اور دوسرے ہر شخص کو صاف و واضح طور پر معلوم ہو سکے۔"

"جس کے بعد بند و بست دس سال کے لئے یقیناً کیا جا سکتا ہے بشرطیکہ آگے چل کر اُس کو دوامی کر دینے کا خیال ملحوظ رہے۔"

مذکورہ صدر بیان مسٹر شور کی مستند یادداشت کا محض ایک خاکہ ہے جس میں اُس نے اس دوامی بند و بست کی تائید کی ہے جس کی فلپ فرانسیس نے پہلے پہل حمایت کی تھی دوسری یادداشت میں جو اسی سال پیش ہوئی مسٹر شور ہی نے یہ تجویز کی کہ بند و بست دہ سالہ کو آخر کار دوامی کر دینے کی اطلاع زمینداروں کو نہ دی جائے۔ لیکن لارڈ کارنوالس نے اس پر یہ کہہ کر اعتراض کیا کہ اعلان نہ کرنے سے حکومت کی آئندہ حکمت عملی غیر متیقن

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

رہے گی اور اس سے ایک طرح کا تذبذب ظاہر ہوتا ہے۔ کارنوالس کی بعض باتیں اس قدر واضح و پختہ و قوی ہیں کہ اس مختصر بیان میں بھی ان کو چھوڑ دینا ناممکن سا ہے۔

"مسٹر شور نے اپنی یادداشت میں جو گزشتہ جون میں پڑھی گئی تھی نہایت قابلیت کے ساتھ اور میری رائے میں نہایت کامیابی کے ساتھ اراضی سے متعلق زمینداروں کے حقوق مالکانہ کی حمایت میں مدلل بحث پیش کی تھی لیکن اگر لفظ "دوامی" اب بندوبست زیر بحث سے نکال لیا جائے تو مسٹر شور کے دلائل کی قوت زمینداروں کے کس کام کی ہے جن کے حقوق کے لئے وہ جھگڑ رہے ہیں......

"جب خود زمیندار جو زمین کا جائز طور پر مالک ہے دہ سالہ پٹے پر محض مستاجر بن جائے اور اس مدت کے بعد اس سے پھر نئے لگان کا مطالبہ کیا جائے جو شائد آئندہ چل کر ناواقفیت یا حرص پر مبنی ہو تو اس وقت کیا توقع ہو سکتی ہے کہ اصلاح تو ایک طرف آئندہ ویرانی کی روک تھام ہو سکے۔

"میں بلا خوف تردید یہ کہہ سکتا ہوں کہ ہندوستان میں کمپنی کی عملداری کا ایک تہائی حصہ اب ایک جنگل بن گیا ہے جس میں جنگلی جانور بسے ہوئے ہیں۔ کیا دہ سالہ پٹہ کسی کے لئے باعث ترغیب ہو سکتا ہے کہ وہ یہ جنگل صاف کردے اور رعیت کی حوصلہ افزائی کرے کہ وہ آئیں اور ان زمینوں کی کاشت کریں جبکہ اس پٹے کے ختم پر یا تو وہ اپنی جدید کاشت کی زمینوں پر من مانے محصول ادا کرنے پر راضی ہو جائے یا اپنی محنت سے فائدہ اٹھانے کے توقعات ہاتھ سے کھو دے جن کا بمشکل اس وقت تک اس کو معاوضہ ملنے کا موقعہ ملا ہو گا......

"میں اپنا یہ نہایت راسخ عقیدہ ظاہر کئے بغیر نہیں رہ سکتا کہ اگر ان صوبوں کی زمینیں پٹے پر صرف اسی مدت تک دے دی

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

جائیں گے تو اس مدت کے اختتام پر ملک مفلس و تباہ ہو جائیگا۔"

اس کے بعد کی یادداشت میں لارڈ کارنوالس نے دوبارہ اپنے مدبرانہ خیالات قلمبند کئے ہیں۔

"اگر ایسے قوانین نافذ ہوں جن سے زمینداروں کو اپنی محنت اور کفایت شعاری کا ثمرہ ملنے کا سامان ہو جائے اور ساتھ ہی ساتھ کاہلی اور فضول خرچی کے بُرے نتائج بھگتنے کا بھی تو یا تو زمیندار اس قابل بن جائیں گے کہ اپنا کاروبار آپ کریں یا ضرورت ان کو مجبور کرے گی کہ اپنی زمینیں دوسروں کے ہاتھ بیچ ڈالیں جو ان زمینوں کی کاشت کر سکتے ہیں اور اُن کو ترقی دے سکتے ہیں۔ میرے خیال میں یہی ایک موثر طریقہ ہے جس کو یہ حکومت ہو یا کوئی دوسری حکومت خود اختیار کر سکتی ہے اور اس سے مالکان اراضی کفایت شعار اور مفاد عام کے دوراندیش محافظ دولی بن سکتے ہیں......

"بیس سال اُس کے متعلق معلومات جمع کرنے میں صرف ہوئے ہیں۔ سنہ ۱۷۶۹ء میں سزاولوں کا تقرر عمل میں آیا۔ سنہ ۱۷۷۰ء میں مجالس صوبہ جات قائم کی گئیں۔ سنہ ۱۷۷۲ء میں ایک مجلس حلقہ صوبہ داری کے تمام اختیارات کے ساتھ بندوبست کرنے کے لئے متعین ہوئی۔ سنہ ۱۷۷۶ء میں امناء مقرر ہوئے کہ ملک کی "فرد ہست و بود" (فہرست لگان ادا کنندگاں) تیار کریں۔ سنہ ۱۷۸۱ء میں مجالس مال گزاری برخاست کر دی گئیں ہر ضلع پر ایک کالکٹر بھیجا گیا اور انتظام مالگزاری اور کونسل عام کے اختیارات مجلس مالگزاری کو تفویض کر دئے گئے جو کلکتے میں حکومت کی براہ راست نگرانی میں تھی ہمارے پیشروؤں کی طرح ہم نے بھی نئے معلومات کی تلاش و جستجو اپنے سر لی۔ اور تین سال سے ہم انھیں کو فراہم کرنے میں لگے ہوئے ہیں۔ اکثر کالکٹروں نے ہر اس معاملے پر جس کو ہمنے اہم خیال کیا بڑی بڑی رپوٹیں

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

لکھ بھیجیں......

ان مذکورالصدر اسباب سے اور اُن کے علاوہ ذاتی ثروت کے بیرون ملک ارسال سے جو دولت بدررو کی طرح بہی جارہی ہے اُس کے نتائج کئی سال سے بُری طرح محسوس ہو رہے ہیں چنانچہ سیم و زرِ رائجہ کی قلت ہے اور کاشت اور عام تجارت پر مردنی سی چھائی ہوئی ہے......

"اس ملک کو دوبارہ آسودہ حال اور اس حصۂ دُنیا میں انگریزوں کے مفاد و اقتدار کا ممد و معاون بنانے کے لئے ہمارے نظام حکومت کے اُصول میں اہم تبدیلی کی قطعی ضرورت ہے۔

"انھیں خرابیوں کے انسداد کی کوشش کرنے کے لئے تو ہم متعین ہوئے ہیں جن سے مفادِ عام کو سخت نقصان پہنچ رہا ہے اور ایک مقررہ لگان پر اراضی کا دوامی پٹہ عطا کرنے سے ہم اپنی رعایا کو تمام ہندوستان میں سب سے زیادہ خوش و خرم بنادیں گے۔"

نومبر ۱۷۹۱ء میں دہ سالہ بندوبست کے لئے ایک مرمہ و مکمل دستور العمل حکومت کی طرف سے نافذ ہوا اور ۱۷۹۳ء میں بنگالے کے ہر ضلع میں یہ بندوبست اتمام پر پہنچا۔ صوبجات بنگالہ بہار اڑیسہ کی جملہ مالگزاری ۱۷۹۰ء و ۱۷۹۱ء میں ([illegible]) دو کروڑ اڑسٹھ لاکھ نوسو نواسی روپے وصول ہوئی۔ اس صدی کے اوائل میں جعفر خاں اور شجاع خاں نے جو جمع مقرر کی تھی اس سے یہ دوچند تھی۔ میر جعفر کی حکمرانی کے سال آخر میں یعنی ۱۷۶۴-۶۵ء میں نندکمار نے جو جمع وصول کی تھی اُس سے یہ سہ چند تھی اور کمپنی کو عطائے منصب دیوانی کے پہلے سال انگریزوں کی زیر نگرانی محمد رضا خاں نے جو جمع وصول کی تھی اُس سے یہ قریب قریب دوچند تھی باوجودیکہ ممکنہ تشدد کے ساتھ اس جمع کا تعین ہوا تھا

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

پھر بھی اس میں اس قدر اضافہ اس لئے ممکن ہوا کہ یہ اعلان کر دیا گیا تھا کہ یہ جمع آخری اور دوامی ہے۔

نظمائے کمپنی نے ۱۹ ستمبر ۱۷۹۲ء کے مراسلے میں اس کارگزاری پر نہایت عمدہ لفظوں میں اپنی پسندیدگی کا اظہار کیا اور مالگزاری کے اس دوامی بندوبست کو منظور کر لیا۔ ان احکام کے وصول ہونے پر لارڈ کارنوالس نے ۲۲ مئی ۱۷۹۳ء میں ایک عام اعلان کر دیا کہ یہ بندوبست جو بعض جگہ ختم ہو چکا ہے اور بعض جگہ ابھی جاری ہے دوامی ہے۔ اس اعلان کے پہلے تین فقرے حسب ذیل ہیں:۔

فقرہ اول۔ بنگالہ۔ بہار اور اڑیسہ کے دہ سالہ بندوبست مالگزاری کے متعلق ابتدا میں جو قواعد ۸ ستمبر ۱۷۸۹ء میں بنگالے کے لئے ۲۵ نومبر ۱۷۸۹ء میں بہار کے لئے اور ۱۰ فروری ۱۷۹۰ء میں اوڑیسہ کے لئے منظور ہوئے تھے اُس وقت مالکان اراضی کو یا اُن کے مختاروں وغیرہ کو جو بندوبست میں اُن کی طرف سے شریک ہو سکتے تھے آگاہ کر دیا گیا تھا کہ ان قواعد کے تحت جو جمع مقرر کی گئی ہے وہی دس سال کے اختتام پر بھی جاری رکھی جائے گی اور بلا تغیر و تبدل دواماً قائم رہے گی بشرطیکہ اس طرح کا جاری رکھنا ایسٹ انڈیا کمپنی کی معزز مجلس نظماء پسند و منظور فرمائیں ورنہ نہیں۔"

فقرہ دوم۔ ایسٹ انڈیا کمپنی کی معزز مجلس نظماء نے مارکوئس کارنوالس کو جو معزز ترین آرڈر آف گارٹر کا نائٹ اور گورنر جنرل ہے یہ اجلاس کونسل تمام زمینداروں تعلقداروں اور دیگر حقیقی مالکان اراضی صوبہ جات بنگالہ بہار اوڑیسہ کی اطلاع کے لئے یہ اعلان کرنے کا مجاز کیا ہے کہ ان مذکور الصدر قواعد کے تحت جو جمع اُن کی زمینوں پر اُن کے لگان کے مطابق

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

مقرر کی گئی ہے یا کی جائے گی وہ دواماً ہو گی۔"

فقرہ سوم۔ گورنر جنرل باجلاس کونسل حسبہٖ زمینداروں خود مختار تعلقداروں اور دیگر حقیقی مالکان اراضی پر جن سے یا جن کی جانب سے مذکورۂ صدر قواعد کے تحت یہ بندوبست کیا گیا ہے یہ اعلان کرتا ہے کہ بندوبست کی میعاد ختم ہو جانے کے بعد جمع میں جو ہر شخص کے لئے علیحدہ علیحدہ معین ہوئی ہے کوئی تغیر و تبدل نہیں کیا جائیگا بلکہ وہ سب اور اُن کے ورثا بھی اپنے اپنے زمینوں پر اسی لگان پر دواماً قابض رہنے کے مجاز ہوں گے۔"

اس طرح سے ۱۷۹۳ء کا دوامی بندوبست کا دستور العمل اول منظور ہو گیا۔ اور ہندوستان میں انگریزی قوم کی صد و پنجاہ سالہ حکمرانی میں یہی ایک عمل نیک تھا۔ جو لوگوں کی اقتصادی فلاح و بہبود کی موثر طریقے پر حفاظت کرتا تھا۔ یہ ایک ایسا فعل تھا جو متمدن اقوام کی موجودہ حکمت عملی کے مطابق ہے کہ غیر معین اور روز افزوں سرکاری مطالبات سے لوگوں کو شل کر دینے کے بجائے اُن کو اپنی اپنی محنت سے فائدہ اُٹھانے کا موقعہ دینا چاہیئے۔ گزشتہ سو سال کے اندر بنگالے میں زراعت کی توسیع ہوئی ہے اور بنگالے کے محاصل میں آمدنی اراضی کا نوے فی صدی حصہ ۱۷۹۳ء میں محسوب ہوتا تھا مگر اب اٹھائیس فی صدی کا تناسب قائم ہے اور آمدنی اراضی کا سوا چھ فی صدی حصہ شاہراہوں اور تعمیرات عامہ کے کام کیلئے مزید محصول کے طور پر لگان میں شامل کیا گیا ہے۔

۱۷۹۳ء سے اس دوامی بندوبست کے بعد بنگالے میں کبھی ایسی خشک سالی نہیں ہوئی جس میں جان کا معتد بہ نقصان ہوا ہو۔ ہندوستان کے دوسرے حصوں میں جہاں لگان غیر معین اور زیادہ ہے زرعی اصلاحات کی ترغیب کے اسباب مفقود ہیں اور دولت پس انداز کرنے کا کوئی موقع نہیں ہے جب کبھی قحط آتا ہے تو

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

لاکھوں کروڑوں اموات ہو جاتے ہیں۔ اگر ایک قوم کی خوش حالی و خوش دلی لارڈ کارنوالس کے سنہ ۱۷۹۳ء کے مجوزہ دوامی بندوبست کی کامیابی اور فراست کا معیار ہو سکتی ہے تو یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ سب سے زیادہ دور اندیشی اور کامیابی کا طریقہ تھا جو انگریزی قوم نے ہندوستان میں اختیار کیا۔

ہم بنگالے کی مالگزاری کے اس دوامی بندوبست کے قصے کو اس محاصل زمین کے بندوبست سے مقابلہ کئے بغیر ختم نہیں کر سکتے جو اس سے پانچ سال کے بعد یعنی سنہ ۱۷۹۸ء میں انگلستان میں کیا گیا۔ ولیم سوم کا محصول املاک جو ابتدا سے ذاتی املاک اور خدمات کے لئے مختص خیال کیا جاتا تھا بعد کو جب ذاتی املاک محصول سے بری ہو گئیں تو سالانہ محصول اراضی کہلایا جانے لگا۔ جنگ وراثت ہسپانیہ کی بدولت اس کی سالانہ مقدار میں فی پونڈ چار شلنگ یعنی بیس فی صدی کا اضافہ کر دیا گیا تھا۔ لیکن سنہ ۱۷۱۳ء میں صلح اوٹریٹ کے بعد اس کو گھٹا کر صرف دو شلنگ فی پونڈ یعنی دس فی صدی کر دیا گیا۔ اسی طرح اٹھارھویں صدی عیسوی کے ختم تک یہ محصول فی پونڈ ایک شلنگ اور چار شلنگ کے بین بین یعنی آمدنی اراضی کے بیس و پانچ فیصدی کے بین بین بڑھتا گھٹتا رہا۔

بنگالے کے دوامی بندوبست سے پانچ سال بعد وزیر اعظم ولیم پٹ نے اس محصول اراضی (مالگزاری) کو انگلستان کے اُن اضلاع میں جن کی قانون میں تخصیص کر دی گئی تھی دوامی کر دیا اور مالکان اراضی کو اختیار تھا کہ وہ چاہیں تو یک مشت رقم دے کر اس محصول سے دواماً بری ہو جائیں چنانچہ تیرہ لاکھ پونڈ محصول تاحال بالمعاوضہ چھوڑ دیا گیا ہے اور دس لاکھ پونڈ سے کچھ زیادہ ابھی باقی ہے جو جائداد پر ایک معینہ بار تصور کیا جاتا ہے

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

جس کو تسلیم کرتے ہوئے جائداد کی خرید و فروخت ہوتی رہتی ہے۔
پیٹ کے اس محصول اراضی کے دوامی بندوبست کی دور اندیشی پر شک کیا جا سکتا ہے لیکن کارنوالس کے دوامی بندوبست بنگالہ پر تو کچھ شبہہ کی گنجائش ہی نہیں کیونکہ انگلستان میں تو اس بندوبست سے صرف مالکان اراضی و صاحب جائداد اشخاص کو فائدہ پہنچا لیکن بنگالے میں اس بندوبست سے تمام زرعی قوموں کو فائدہ پہنچا ہے۔ کسانوں کی تمام آبادی اس سے مستفید ہوتی ہے اور اس تجویز کے نفاذ سے زیادہ آسودہ حال اور مالدار بن گئی ہیں۔ انگلستان میں تو قومی آمدنی کے متعدد ذرائع میں سے محض ایک ذریعہ اس بندوبست کی وجہ سے بند ہو گیا لیکن بنگالے میں اس نے زراعت کو بچا لیا جو قوم کی معاش کا دراصل ایک ہی ذریعہ ہے۔ انگلستان میں اس کی وجہ سے مملکت کو زیادہ محصول اراضی وصول کر کے اُسے قوم کے مفاد میں صرف کرنے کا موقع نہ رہا۔ لیکن بنگالے میں مملکت روز افزوں دولت سوتے سے باز رہی۔ انگلستان میں اس کی وجہ سے مالکان اراضی نے محصول سے نجات حاصل کی مگر بنگالے میں تمام قوم قحط کے مہلک و مضر اثرات سے محفوظ ہو گئی۔

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

چھٹا باب

مستاجری مالگزاری مدراس (۱۷۶۳ء تا ۱۷۸۵ء)

پچھلے بابوں میں ہم نے بنگالے کی معاشی تاریخ ۱۷۵۷ء سے ۱۷۹۳ء تک بیان کی ہے اب ہم مدراس کی صورت حال کی طرف متوجہ ہوتے ہیں یہاں برطانیہ اور فرانسیسیوں کے درمیان ایک زمانے سے جو جنگ و جدال تھی وہ ۱۷۶۳ء میں صلح پیرس کی رو سے آخر کار اختتام پر پہنچی۔

اس جنگ و جدال کی پر از واقعات تاریخ اکثر معرض بیان میں آئی ہے جنوبی ہند پر قابض ہونے کیلئے یہ ایک نہایت اہم کشاکش تھی اور مقابلہ تھا ڈوپلے کا جس نے فرانسیسی شہنشاہی کی بنیاد ڈالی۔ لارڈ کلائیو کے ساتھ جس نے اس نامکمل تعمیر کو بنیاد ہی سے ڈھا دیا۔ بعد ازاں وہ ایک مستقل اور حب وطن پر مبنی کوشش تھی جو لائق بُسی اور جلد باز لالی نے مشرق میں فرانسیسی طاقت کی مدافعت میں کی تھی مگر آیر کوٹ نے آخر کار اس طاقت کی بیخ کنی کر دی۔ صلح پیرس میں انگلستان کی کامیابی تسلیم کر لی گئی اور اس کے بعد فرانس کی طاقت پھر کبھی انگلستان کے ہمسر نہ ہو سکی۔

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

اس جنگ و جدال کے عامیانہ قصے سے رو گرداں ہو کر لوگوں کی معاشی حالت کی طرف متوجہ ہونے میں ہمیں یہ معلوم ہوتا ہے کہ اپنے سر سے ایک بوجھ تھا کہ اُتر گیا۔ ہندوستان کی تاریخ برطانوی اور فرانسیسی جنگ و جدال کی تاریخ نہیں ہے بلکہ ہندوستان کے لوگوں کی تاریخ ہے یعنی اُن کی مادی اور اخلاقی حالت کیا ہے اُن کی تجارت کیا ہے صنعت اور زراعت کیا ہے۔ اور صحیح معنی میں یہی تاریخ آجتک محتاج توجہ رہی ہے اس لئے ہم اس موجودہ تصنیف کو اُسی آگاہی بخش مضمون کے لئے مخصوص کئے دیتے ہیں اور جنگ و جدال کے زیادہ نمائشی قصے کو آب و تاب کا قلم رکھنے والے مصنفین کے لئے چھوڑ دیتے ہیں۔

جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے انگریزوں اور فرانسیسیوں کے درمیان یہ بست سالہ کشاکش سنہ ۱۷۶۳ء میں اختتام پر پہنچی۔ پونڈیچری اور چند دوسرے مقامات کی نوآبادیاں فرانسیسیوں کو واپس مل گئیں لیکن اس کے باوجود جنوبی ہند میں محض انگریز ہی ایک سطوت اعلیٰ رہ گئے تھے محمد علی کو جو انگریزوں کا بنایا ہوا تھا نواب کرناٹک تسلیم کر لیا گیا تھا۔ انگریزوں کے راستے مقبوضات مدراس کے ارد گرد کے علاقے سے لے کر تمام مشرقی ساحل سے شمال کی طرف بنگالے تک پھیلے ہوئے تھے۔

محمد علی نواب کرناٹک کی سیرت اُس کے ہمعصر میر قاسم نواب بنگالہ سے بالکل متضاد واقع ہوئی تھی جیسا کہ میر قاسم ایک مستقل مزاج زبردست فرماں روا تھا ویسا ہی محمد علی کمزور اور عیش پرست حکمران تھا۔ میر قاسم نے اپنے مستقر حکومت کو اس لئے مونگیر میں منتقل کر دیا تھا کہ انگریزوں کے اثرات سے دور رہ کر اپنے نظم و نسق کا انتظام کر سکے۔ برخلاف اس کے محمد علی نے اپنے دار السلطنت ارکاٹ میں اس لئے بود و باش ترک کر دی تھی کہ وہ انگریزوں کے شہر مدراس میں

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

رہ کر عیش کی زندگی بسر کر سکے۔ میر قاسم نہایت کفایت شعار تھا اور وہ تمام مالی قرار دادیں جو انگریزوں کے ساتھ اُس نے کیں تھیں اپنی تخت نشینی کے دو سال ہی میں سب کی سب پوری کر دیں۔ مگر محمد علی کمپنی کے دعاوی کو کبھی سلجھا ہی نہیں سکتا تھا چنانچہ قرض کا بار اُس کے کاندھوں پر بڑھتا ہی چلا گیا۔ میر قاسم نے انگریزوں سے اس لئے جنگ کی تھی کہ بنگالے کی اندرونی تجارت اُس کے رعایا کے ہاتھ میں رہے برخلاف اس کے محمد علی تھا کہ انگریز لیندارووں کے تمام حق مالگزاری منتقل کرتا رہا حتیٰ کہ اس طرح سے اُس کی تمام عملداری اس کے لیندارووں کے قبضے میں چلی گئی۔ میر قاسم کو مجبوراً اپنی قلمرو سے جلاوطن ہونا پڑا تھا چنانچہ اسی غریب الوطنی ہی میں اس کا انتقال بھی ہوا۔ مگر محمد علی نے انگریزوں کے دست نگر بننے میں بڑی بے عزتی گوارا کر لی تھی۔ اور نتیجۃً قرض میں گرفتار بھی تھا لیکن اس کے باوجود عیش کی زندگی بسر کرتا رہا۔ اور معمر ہو کر دنیا سے رخصت ہوا۔ مشرق میں برطانوی قلمرو قائم کرنے کی تجاویز زیر نظر کرتے ہوئے محمد قاسم کے سے زبردست حکمران کے لئے میدان تنگ ہو گیا تھا البتہ محمد علی کے سے کمزور حکمراں کو اذن عام تھا کہ وہ عیش کے ساتھ زندگی بسر کرے۔ قرضے پر قرضہ بڑھائے اور اپنی سلطنت کے محاصل سے سود ادا کرتا رہے۔

محمد علی کے سے کمزور فرماں روا کے نظم و نسق کے تحت کمپنی کیلئے اپنے اثر و اقتدار کو توسیع دینا آسان تھا مگر کمپنی نے ہشیاری یہ کی کہ دیوانی کرناٹک کو اپنے ہاتھ میں نہیں لیا جیسا کہ ۱۷۶۵ء میں بنگالہ میں کیا تھا بلکہ برائے نام محمد علی کے دیوانی اقتدارات قائم رکھے اور اسی کو سپہ سالار بھی باقی رکھا حالانکہ دراصل حقیقی اقتدار پس پردہ کمپنی ہی کو حاصل تھا۔ ملک کی فوجی محافظت کمپنی ہی کے ذمے تھی اور نواب کے محاصل کا ایک حصہ اسی غرض کے لئے مختص کر دیا گیا تھا چنانچہ جس قدر کمپنی کے جنگ و جدال زیادہ ہوتے گئے کمپنی کے مطالبات میں بھی اضافہ

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

ہوتا رہا نواب نے یہ ایک عجیب طریقہ اختیار کیا کہ کمپنی کے مطالبات کی تکمیل کے لئے کمپنی ہی کے عاملوں سے قرضے پر قرضہ لینا شروع کر دیا۔

اس سے زیادہ معنی خیز و مہلک وہ کفالت تھی جو اُس خانگی قرض کے لئے نواب نے پیش کی یعنے اپنے مخفی خزانے سے رقم نہ دے سکنے کی وجہ سے یا اس بات کو پسند نہ کر کے نواب نے اپنے خانگی قرضخواہوں کے ہاتھ میں اپنی عملداری کا سارا محاصل دے دیا۔ اس طرح کرناٹک کی رعایا نواب کے نائبین کی حکمرانی سے نکل کر برطانوی لین داروں کی حکمرانی میں چلی گئی حتّٰی کہ کھیتوں میں جو فصل نمو پر تھی اُس سے انگریز قرض خواہوں کے حقوق غیر منفک وابستہ تھے۔ اکثر ظلم و زیادتی کے ساتھ حتّٰی کہ تازیانے کے استعمال کے بعد بھی نواب کے عمّال جو مالگزاری جمع کرتے تھے وہ ساری کی ساری کمپنی کے برطانوی عمال کو یوروپ ارسال کرنے کے لئے دے دی جاتی تھی جس سے سارے کرناٹک پر اُس انڈے کے چھلکے کی مثال صادق آتی تھی جس کا اندرونی حصہ خالی ہو چکا ہو اور محض چھلکا ہی چھلکا رہ گیا ہو۔ جنوبی ہند میں کھیت پر کھیت اور گاؤں پر گاؤں کیا تھے کہ ایک وسیع مزرعہ تھا جہاں بونے والے بو رہے تھے اور مزدور پیشہ محنت میں مشغول تھے تاکہ پیداوار کی جملہ آمدنی ہر سال یورپ ارسال کر دی جا سکے۔

اس طرح مُلک اور باشندگان مُلک کو دُہرا نقصان پہنچا۔ نواب کے وصول مالگزاری کے طریقے اگرچہ شدید اور سخت تھے مگر ساتھ ہی ساتھ ممکن التاویل بھی تھے اور یہ مطالبات سال بسال پیداوار کی مناسبت سے کئے جاتے تھے لیکن جب نواب کے قرضخواہ اس منظر پر رونما ہوئے تو ایک طرف تو نواب کے جمع مالگزاری کے طریقے کا تشدد اور دوسری طرف انگریزی طریقۂ کارروائی کی ناممکن التاویل سختی یہ

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

دونوں باتیں ایک جگہ جمع ہو گئیں نواب کے قرض خواہوں کے حقوق کی سختی سے پابندی کی گئی اور اسی طرح زراعت پیشہ لوگوں پر وہ دباؤ پڑا جو پہلے کبھی نہیں پڑا تھا اس کے علاوہ اگر نواب ہی ان محاصل سے مستفید ہوتا تو یہ محاصل گویا ملک ہی میں صرف ہوتے اور ایک نہ ایک شکل میں پھر لوگوں کی جیب میں واپس آجاتے لیکن جب انگریز قرض خواہوں نے مخصوص اضلاع کے جملہ محاصل پر نہ صرف دعویٰ ہی کیا بلکہ اُس کو یوں اپنی مٹھی میں کر لیا تو یہ محاصل سارے کا سارا ہمیشہ کے لئے ملک سے باہر نکل گیا ملک پر افلاس چھا گیا اور صنعت و تجارت پر بھی زوال آگیا۔

دارالعوام نے ۱۷۸۲ء میں جو مجلس منتخبہ ہندوستان میں انفصال مقدمات اور عدل و انصاف کی نسبت تحقیقات کرنے کے لئے مقرر کی اور اس مجلس نے جو شہادت گواہوں سے لی اس سے بھی اس کا کافی ثبوت ملتا ہے۔

"جارج اسمتھ سے جو حسب الحکم حاضر ہوا تھا استفسار کیا گیا کہ اُس نے کب تک ہندوستان میں قیام کیا اور کن کن مقامات کا کس کس حیثیت سے مطالعہ کیا ہے؟ تو اُس نے یہ جواب دیا کہ وہ ۱۷۶۲ء میں ہندوستان آیا تھا اور ۱۷۶۷ء سے اکتوبر ۱۷۷۹ء تک مدراس میں مقیم رہا۔ اس سوال پر کہ جب وہ پہلی دفعہ اُس سے واقف ہوا ہے اُس وقت مدراس کی تجارت کا حال کیا تھا اُس نے کہا کہ تجارت نہایت ترقی پر تھی اور مدراس کا ہندوستان کی بڑی تجارتی منڈیوں میں شمار ہوتا تھا۔ اس استفسار پر کہ جب وہ مدراس سے روانہ ہوا ہے اس وقت وہاں تجارت کی حالت کیا تھی جارج اسمتھ نے جواب دیا کہ اُس کی روانگی کے وقت تجارت بالکل باقی نہیں رہی تھی۔ مدراس کی ملکیت میں صرف ایک جہاز رہ گیا تھا پھر سوال کیا گیا کہ کرناٹک کی اندرونی تجارت اور زراعت کی اُس وقت کیا حالت تھی جب وہ پہلی مرتبہ اُس سے

واقف ہوا ہے تو اُس نے کہا کہ اُس زمانے میں کرناٹک آباد اور سرسبز وشاداب سمجھا جاتا تھا چنانچہ کثیر تجارتی سامان اور اشیائے فروخت کی وہاں خوب بکری ہوتی تھی۔ اس استفسار پر کہ جب وہ مدراس سے روانہ ہوا ہے اُس وقت وہاں کی زراعت اندرونی تجارت اور آبادی کیسی تھی اُس نے یہ جواب دیا کہ زراعت اور آبادی انحطاط پر تھی اور تجارت نہایت ہی محدود ہو کر رہ گئی تھی"

عاملان کمپنی جو مدراس کی کونسل کے ارکان بھی تھے نواب کو قرض دے دے کر عظیم ثروت پیدا کر رہے تھے اور مجلس نظماء کو اپنے کرتوت سے آگاہ کرنے کا خیال اُن کے دل سے کوسوں دُور تھا مجلس نظماء کے احکام کے تحت انھوں نے چھوٹے چھوٹے قرضوں کو ۱۷۶۶ء کے بڑے قرضے کی شکل میں ایک کر لیا تھا جس پر مبنی براعتدال شرح سود صرف دس فی صد تھی اور انھوں نے وقتاً فوقتاً یہ توقع بھی ظاہر کی تھی کہ نواب اس قرضے کو بیباق کر دے گا مگر نہ تو یہ اُن کے فائدے کی بات تھی اور نہ کمزور وضعیف نواب ہی کے کہ یہ معاملہ ختم کر دیا جائے اسی لئے یہ معاملہ کبھی ختم ہی نہیں ہونے پایا۔ آگے چل کر ۱۷۶۹ء میں اس معاملے کی باضابطہ تفصیل جب نظمائے کمپنی کو معلوم ہوئی تو اس وقت اُن کے غصے کی کوئی انتہا نہ تھی:-

"چونکہ ابتدا سے انتہا تک یہ معاملہ ہم سے مخفی رکھا گیا جو بطور خود قابل الزام ہے تو اب ہم یہ شبہہ کئے بغیر نہیں رہ سکتے کہ محمد علی کی مجوزہ عزت افزائی میں اس قرضے کی اہمیت بھی آپ کے پیش نظر رہی ہے خواہ ایسا ہوا ہو یا نہیں یہ بات تو یقینی ضرور ہے کہ اس معاملے کو ہم سے چھپا رکھنے میں آپ نے اپنے فرائض سے بڑی غفلت کی ہے"۔

"جب ہم نے اپنے عاملوں کے ذمے نواب کے اس قرض کی وصولیابی کر دی تھی جو تقریباً بیس سال تک جنگ کے جاری رکھنے کیلئے ہم نواب کو دیتے رہے ہیں تو پھر ہمارے عمال اپنے فرائض کی بجا آوری

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

اور نمک حلالی کے ساتھ ساتھ اس اعتبار عامہ کے متعلقہ فرائض کو کس طرح نظرانداز کرسکتے ہیں اور اپنے ذاتی اغراض کو اُس میں دخیل ہونے دے سکتے ہیں؟ وہ کیونکر اس بات کی جرأت کرسکتے ہیں کہ کمپنی کے افواج اور اثرات واقتدارات نواب کے محاصل کے وصول کرنے کے کام میں لائے جائیں جبکہ یہ محاصل اُن کے اپنے قرضے میں مکفول ہیں۔"

"گورنر مذکور اور اُس کی کونسل نے اُس اعتماد کے سراسر خلاف جو اُن پر کیا گیا تھا کمپنی کے اغراض کے مقابل خانگی لوگوں کے اغراض کو کھلے طور پر یوں ترجیح دی کہ نواب کے بعض نہایت زرخیز اضلاع کے کثیر محاصل کو خانگی اشخاص کے نام منتقل کرنے کی اجازت دے دی حالانکہ ان محاصل سے نواب کے اس قرضے کی ادائی ہوسکتی تھی جو نواب نے کمپنی سے لیا تھا اس طرز عمل کی نادرستی و بے اُصولی اس سے اور زیادہ نمایاں ہو جاتی ہے کہ محاصل زیر بحث زیادہ تر کمپنی ہی کی عام حفظ امن کے طفیل وجود میں آیا ہے اور اس محاصل کے اس طرح سے غیر فطری طور پر صرف کئے جانے سے ہماری ان کثیر رقوم کی وصولیابی جو نواب سے وصول شدنی ہیں آئندہ زمانے پر ٹل جاتی ہے حالانکہ کرناٹک کے حفظ امن کے مصارف و نگہداشت کا زیادہ تر حصہ کمپنی ہی پر عائد ہوتا ہے۔"

وہی وارن ہیسٹنگز جس نے بنگالے کی اندرونی تجارت کے اجارے سے متعلق عمال کمپنی کے دعوے پر اعتراض کئے تھے۔ اب مدراس کی کونسل کا ایک رکن تھا۔ ہیسٹنگز نے صدق دل کے ساتھ یہ کوشش کی کہ مدراس میں عمال کمپنی کے نام جو حق محاصل منتقل کرنے کا طریقہ نواب آرکاٹ نے رائج کیا تھا وہ اب بند ہو جائے۔ ایک پرزور اور صاف صاف مراسلے میں جس میں ہیسٹنگز کا خاص طرز تحریر نمایاں ہے اور جس پر اُس کے اور مدراس کی کونسل کے تین اور ارکان کے دستخط ثبت ہیں نظما کا مراسلہ وصول ہونے پر مدراس میں اس پر عمل کیا گیا اُس کی تفصیلی کیفیت

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

بیان کی گئی ہے کہ

"ہم آپ کے احکام کا عندیہ اور مقصد جو سمجھتے ہیں وہ یہ ہے کہ نواب نے بہ ثبت دستخط و مہر خود کرناٹک کے محاصل کے کچھ حصے کو غیر اشخاص کے نام دستاویز کے ذریعے سے بطور وقف منتقل کر دیا ہے تاکہ اس سے بلا شرکت کمپنی غیر اشخاص کے قرضوں کی ادائی کی جائے آپ اس کو سخت ناپسند فرماتے ہیں۔ خواہ نواب ہو کہ آپ کے عمال کسی کے اس قسم کے خود مختارانہ حقوق رکھنے کے خیال کو آپ کبھی روا نہیں رکھتے اور ہمیں ہدایت کرتے ہیں کہ ہم اُن لوگوں سے اس بات کا مطالبہ کریں کہ اس دستاویز منتقلی کی بناء پر جو حقوق وہ رکھتے ہیں اُن سب حقوق سے ان لوگوں کو دست بردار ہو جانا چاہیئے۔ اس کے اتمام پر آپ ہمیں یہ حکم دیتے ہیں کہ ہم نواب کو آگاہ کر دیں کہ اُس کا پہلا فریضہ یہ ہے کہ کمپنی کا قرضہ بیباق کر دے اور اس کے بعد آپ ہمیں اس بات کی اجازت دیتے ہیں کہ ہم کمپنی کی طرف سے اُس طریقۂ کار کو منظور کریں جو نواب اور ہم باہمی مشورے سے نواب کے دوسرے قرضخواہوں کے قرضے کی ادائی کے لئے نکالیں .....

"میر مجلس اور مسٹر ڈیوپرے نے باضابطہ طور پر اُن تمام حقوق سے دست برداری قبول کر لی ہے جو دستاویز منتقلی کی رو سے اُن کو حاصل تھے اور اپنے قرضے کی وصولیابی کے لئے اپنے تمام حقوق کو کمپنی کی محافظت میں دے دیا ہے علاوہ اس کے آپ کے احکام مشتہر ہو جانے کے بعد چند اور لوگوں نے بھی اسی مثال کی پیروی کی لیکن ان لوگوں کی بہت زیادہ تعداد ہمارے مجوزہ طریقے پر کمپنی کی محافظت قبول کرنے سے انکار کرتی رہی اور ہم نے اپنے اس مطالبے کو جبر و تعدی کے ساتھ ان لوگوں کو قبول کرانا مناسب خیال نہیں کیا۔"

ایک دوسرے مراسلے میں جو اسی سال کا لکھا ہوا ہے وارن ہیسٹنگز نے

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

اس بات پر بھی روشنی ڈالی کہ نواب جو اپنے خانگی قرض خواہوں کے ہاتھ میں کٹھ پتلی بنا ہوا تھا کمپنی کی مخالفت میں اپنے قرض خواہوں کے فائدے کے لئے انگلستان میں اثر پیدا کرنے کی کس طرح کوشش کر رہا تھا۔

"ابھی تک نظمائے کمپنی ہی کی مرضی پر نواب کا پورا پورا انحصار تھا اور انھیں کو نواب ساری کمپنی کا قائم مقام سمجھتا تھا۔ لیکن اب بدخواہ مشیروں نے اسے یہ پٹی پڑھائی ہے کہ بیرونی اثرات وقت پڑے تو اس کے کام آئیں گے اور یہ بھی سمجھا دیا ہے کہ اس کے خانگی قرض خواہ چاہیں تو نظمائے کمپنی کے احکام کو قلمزد کرا دے سکتے ہیں سب سے زیادہ بدترین جو بات ہے وہ یہ ہے کہ اس خیال کا اس کے دل پر نقش بیٹھ گیا ہے کہ پارلیمنٹ اور سرکار برطانیہ اپنے کامل اقتدار کے ساتھ کمپنی کے خلاف اس کی زبردست حمایت کرے گی۔"

نواب کو یہ اطلاع غلط نہیں ملی تھی کیونکہ اس کے قرض خواہوں نے مقررہ اضلاع کے محاصل سے اس قدر کثیر ثروت پیدا کر لی تھی اور اس قابل بھی گئے تھے کہ وہ اپنے موافق کثیر تعداد میں ووٹ حاصل کر کے نظمائے کمپنی کے سیاہ وسپید کے مالک بن جائیں۔ اور جیسا کہ ہم آگے چل کر دیکھیں گے ان قرض خواہوں کے تمام دعاوی بلاتحقیقات آخر کار قبول کر لئے گئے۔

اسی دوران میں قرضخواہوں کے نام جملہ محاصل منتقل کر کے نواب نے اپنے قلمرو کے تمام ذرائع آمدنی ختم کر دئے تھے اور تنجور کے زرخیز ملک پر للچائی ہوئی نظریں ڈالنے لگا تھا باوجودیکہ سنہ ۱۷۶۹ء میں جو معاہدہ انگریزوں اور حیدر علی کے درمیان ہوا تھا اس کی رو سے تنجور کا راجہ انگریزوں کا حلیف تسلیم کر لیا گیا تھا پھر بھی نظمائے کمپنی بھی اپنے "حلیف" کی دولت پر حرص وطمع کی نگاہیں ڈالنے لگے تھے اسی لئے

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

محمد علی کی اس تجویز کو کہ کمپنی کے قرضے کی ادائی کے لئے تنجور کو لوٹ لینا چاہیئے انھوں نے کان دھر کر سنا۔

نظماء نے یہ لکھا کہ "یہ بات ہم کو غیر واجبی سی معلوم ہوتی ہے کہ راجۂ تنجور کے قبضے میں سب سے زیادہ زرخیز اقطاع مملکت ہونے کے باوجود جس سے بڑی سی بڑی فوج کے ضروریات کی فراہمی ممکن ہے کرناٹک کی محافظت میں وہ کچھ بھی حصہ نہ لے ....

ہم اسی لئے آپ کو تاکیداً ایما کرتے ہیں کہ آپ حصول مطالب میں موثر طریقے پر نواب کی امداد کریں اور اگر راجۂ تنجور مصارف جنگ کے ایک مبنی بر انصاف حصۂ متناسبہ کے برداشت کرنے سے انکار کرتا ہے تو آپ وہ طریقۂ کار اختیار کریں جو نواب کی حکومت کے وقار و استحقاق کے مناسب حال ہو ہمیں توقع ہے کہ ان احکام کی تعمیل میں جو کچھ رقم راجۂ تنجور سے وصول ہوگی وہ سب کی سب نواب پر کمپنی کا جو قرضہ ہے اُس کی ادائی میں صرف کی جائے گی اور جو کچھ اس قرضے کی ادائی کے بعد بچ رہے گا وہ خانگی قرضے کی ادائی کے کام میں لایا جاسکتا ہے"

یہ ایک کھلا اشارہ تھا جس پر عمل کیا گیا۔ سنہ ۱۷۷۱ء میں تنجور کا محاصرہ کر لیا گیا اور چار لاکھ پونڈ تاوان دینے پر اُس کی نجات ہوئی لیکن اس سے نواب کی اشتہا اور تیز ہوگئی اور نواب کے ہی خواہ دوست انگریزوں نے یہ خیال کرنا شروع کیا کہ "اس صوبے کے عین وسط میں اس طرح کی طاقت کا برقرار رکھنا خالی از خطر نہیں ہے"۔ دوبارہ محاصرہ کرنے کے بعد سنہ ۱۷۷۳ء میں ۱۶ ستمبر کو تنجور فتح کر لیا گیا بدنصیب راجہ کو اور اس کے سارے خاندان کو قلعے میں نظر بند کر دیا گیا اور اُس کی قلمرو نواب کے نام پر منتقل کر دی گئی۔ نواب کے زیر حکومت تنجور کیا آیا کہ چند ہی سال میں بدنظمی کے کے ہاتھوں وہاں ایسا انحطاط پیدا ہو گیا جیسا کہ کسی اور سرسبز و زرخیز ملک میں کبھی ہوا ہی نہ تھا۔ دشمن کا مفتوح ملک سمجھ کر محمد علی نے رعایا پر مطالبات پر مطالبات کئے انگریز قرض خواہوں کے نام محاصل منتقل کر دئے اور تجارت وصنعت

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

کو تباہ و برباد کر ڈالا۔ چند سال کے اندر ہی اندر تنجور جو جنوبی ہند کا گلستان کہلاتا تھا مشرقی ساحل پر سب سے زیادہ ویران خطہ بن گیا۔

مسٹر ٹیری نے جو شہادت ۱۸۱۳ء میں مجلس خفیہ کے سامنے پیش کی تھی اُس میں یہ کہا تھا کہ تنجور کی موجودہ حالت بیان کرنے سے پہلے کمیٹی کو اس سے آگاہ کرنے کی ضرورت ہے کہ بہت زمانہ نہیں گزرا جب یہ صوبہ ہندوستان بھر میں نہایت سرسبز و شاداب اور آباد مانا جاتا تھا میں نے پہلی مرتبہ ۱۷۶۸ء میں اس مُلک کی حالت دیکھی تھی موجودہ حالت سے اس کا نقشہ بالکل مختلف تھا۔ تنجور اس وقت اندرونی اور غیر ممالک کی تجارت کا ایک بڑا مرکز تھا۔ بمبئی اور سورت سے روئی درآمد ہوتی تھی بنگالے سے کچا ریشم آتا تھا جس کا یہاں پارچہ بھی تیار ہوتا تھا۔ شکر مصالحہ وغیرہ سماٹرا اور ملاکا کے علاوہ جزائر مشرقی سے بھی لایا جاتا تھا۔ پیگو سے سونا گھوڑے ہاتھی اور لکڑی کی درآمد تھی اور چین سے مختلف اشیائے تجارت درآمد ہوتے تھے۔ تنجور ہی سے حیدر علی کی قلمرو اور مرہٹوں کی شہنشاہی کے شمالی مغربی اقطاع میں یورپی سامان تجارت اور بنگالے کے ساختہ خاص قسم کے ریشمی پارچہ جات کی رسد قائم تھی جو ہندوستانیوں کے ملبوسات کا ایک عام جزو ہیں۔ تنجور کی برآمد حسب ذیل تھی۔ ململ چھینٹ۔ رومال۔ گھنگم مختلف قسم کے سوتی پارچے اور ایک قسم کا موٹا چھاپے کا کپڑا جس کو ڈچ اور ڈنیش لوگ اسلئے خرید کر لے جاتے تھے کہ ویسٹ انڈیز افریقہ اور جنوبی امریکہ کی منڈیوں میں اس کی بڑی مانگ تھی نیز بہت کم مُلک ایسے نکلیں گے جن میں قدرت کے ذرائع پیداوار اس کثرت سے پائے جاتے ہوں جیسے تنجور میں۔ یہاں کی زمینیں فطری طور پر سرسبز و شاداب ہیں اور دو بڑی بڑی ندیاں یعنی کیاوری اور کولرون سے جو پانی کے خزانے چادر اور نہریں بنائی گئی ہیں اُن سے ہر کھیت کی آبپاشی ہوتی ہے اور یہی تنجور کی غیر معمولی سرسبزی کا راز ہے اس سرزمین کی سطحی حالت یکساں نہیں اور اس کی شکل بمقابل

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

ہندوستان کے دوسرے خطوں کے جن کو میں نے دیکھا ہے انگلستان سے بہت مشابہت رکھتی ہے چند سال پہلے تنجور کی حالت ایسی تھی مگر ایسا فوری انحطاط ہوا کہ اکثر اضلاع میں اس گزشتہ ثروت کے آثار تک کا ڈھونڈھ نکالن اب مشکل ہو گیا ہے۔ ....

"مجھ کو معلوم ہوا ہے کہ اُس زمانے یعنی ۱۷۸۰ء میں صنعتیں ترقی پر تھیں مُلک آباد و سرسبز و شاداب تھا لوگ محنتی اور خوش حال تھے ۱۷۸۰ء کے پہلے محاصرے کے زمانے سے راجہ کو گدی واپس ملنے تک دو مرتبہ یہ سرزمین میدان کارزار رہ چکی تھی حکومت میں انقلاب پر انقلاب ہو رہے تھے جن کی وجہ سے تجارت صنعت اور زراعت کچھ ہو نہیں رہی تھی اور اس مُلک کے لاکھوں باشندے اس سرزمین کو چھوڑ چھوڑ کر کسی محفوظ مقام کی تلاش میں نکل گئے تھے۔"

مدراس کے لئے ایک نئے گورنر کے تقرر کا وقت اب آ چکا تھا مسٹر پیگٹ کو جو فرانسیسیوں کے زمانۂ جنگ میں گورنر تھا ۱۷۶۳ء میں انگلستان کی طرف مراجعت کرنے پر پہلے تو بیرونٹ کا خطاب عطا ہوا۔ اور پھر "امیر آئرلینڈ" کا اعزاز دیا گیا اب صوبۂ مدراس کے نظم و نسق میں اصلاح ضروری معلوم ہوئی اس لئے ۱۷۷۵ء میں گورنری پر اسی کا تقرر دوبارہ عمل میں آیا۔ چند سال پہلے محمد علی نے تنجور کا الحاق کر لیا تھا اس کو نظمائے کمپنی نے صاف طور پر پسند نہیں کیا اس لئے اُنھوں نے راجہ کو تنجور کی گدی واپس دینے کے احکام صادر کئے لارڈ پیگٹ نے بھی ان احکام کی تعمیل کا تہیہ کر لیا۔ محمد علی نے بہت چالیں چلیں کہ راجہ کو تنجور کسی طرح واپس نہ ملے مگر لارڈ پیگٹ نے بھی مصمم ارادہ کر لیا تھا کہ راجہ کو دوبارہ گدی ضرور ملے گی چنانچہ ۱۷۷۶ء میں ۳۰ مارچ کو راجہ دوبارہ گدی نشین کیا گیا۔ گورنر کی مشکلات اب شروع ہوئیں۔ نواب ارکاٹ کے متعدد قرض خواہوں میں پال بنیفیلڈ نامی ایک شخص تھا جو عام شہرت رکھتا تھا یہ شخص کمپنی کے سیول ارکیٹکٹ (معمار) کی خدمت پر ملازم ہو کر ۱۷۶۳ء

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

میں ہندوستان آیا تھا لیکن لین دین پر سود در سود سے کر اپنی قسمت
کے معیار بٹنے میں اُس نے زیادہ کامیابی حاصل کی تھی - جب
تنجور کے راجہ کی دوبارہ تخت نشینی ہوئی تو بینفیلڈ نے یہ دعویٰ
پیش کیا کہ نواب کو جو قرضہ اُس نے دیا تھا اُس کے معاوضے میں
اُس کے نام تنجور کے محاصل میں ایک لاکھ باسٹھ ہزار پونڈ کے حصے
پر حق مالکانہ منتقل ہو چکا ہے اور یہ حق اُس کو اب بھی حاصل ہے
اور دیگر اشخاص کو جو قرضہ اُس نے دیا تھا اُس کے لئے بہتر ہزار
پونڈ کی رقم تک موجودہ فصل پر بھی اُسے حق حاصل ہے یہ واقعہ
اُس زمانے کے حالات پر خوب روشنی ڈالتا ہے - بینفیلڈ کمپنی
کا نو مامور ملازم تھا جس کی سالانہ تنخواہ چند سو پونڈ تھی لیکن مدراس
میں اُس کے پاس نفیس سے نفیس بگھیاں اور عمدہ سے عمدہ
گھوڑے تھے اُس نے نواب سے ایک ایسی کثیر رقم کا مطالبہ کیا
تھا جیسی قصے اور کہانیوں میں سننے میں آتی ہے اور جس کی تکمیل کیلئے
ایک متمول ریاست کا محاصل اور ایک زرعی قوم کی بوئی ہوئی فصل
درکار تھی

لارڈ پگیٹ نے بینفیلڈ کے دعاوی مجلس کے سامنے پیش کر دئے
مگر بینفیلڈ اپنی تائید میں کوئی دستاویز یا رسید پیش نہ کر سکا - اور یہ بیان
کیا کہ نواب اپنے قرضے کا خود مقر ہوگا - اس مجلس نے بغلبہ آرا یہ
تجویز منظور کی کہ مختلف اشخاص کے خلاف بینفیلڈ نے جو دعاوی پیش
کئے ہیں اُن کی کافی توضیح نہیں ہوتی ہے اور تنجور کے محاصل کو نواب
کا بطور خود کسی دوسرے کے سپرد کر دینا ناجائز ہے مگر بینفیلڈ کے لئے
یہ تصفیہ اطمینان بخش نہ تھا اُس کے دوست احباب اور پیروی کے
ذرائع کم نہ تھے چنانچہ دوبارہ جب اُس کے تمام دعوے کونسل کے
سامنے پیش ہوئے تو وہ سب کے سب تسلیم کر لئے گئے - رسل
کو بحیثیت ریذیڈنٹ تنجور بھیجنے کی تجویز لارڈ پیگیٹ نے پیش کی تھی

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

مگر اس کو ارکان نے بکثرت آراء پسند نہیں کیا۔ کرنل اسٹوارٹ کے متعلق کہا جاتا ہے کہ تنجور کے معاملات کا انتظام لین داروں کے اغراض کے موافق کرنا اُس نے قبول کر لیا تھا اسی لئے اُس کا انتخاب کیا گیا لارڈ پیگٹ نے کثرت آراء کی مزاحمت کی اور ۲۴ اگست ۱۷۷۶ء کو کرنل اسٹوارٹ نے اُسے گرفتار کر کے نظر بند کر دیا۔

"کرنل اسٹوارٹ نے میرے ساتھ شام کا کھانا کھایا اور کھانے کے بعد میں نے اُس کو کمپنی کے خانہ باغ میں رات کے کھانے کی دعوت دی...... رات کے سات اور آٹھ بجے کے درمیان کرنل اسٹوارٹ کے ساتھ قلعے کے مکان سے میں اپنی گاڑی تک پہنچا ہی تھا کہ دو پلوں کے درمیان جہاں زمین کا جزیرہ نما حصہ ہے وہاں میں نے لفٹنٹ کرنل ایڈنگٹن اڈجوٹنٹ جنرل کو راستہ کاٹ کر جنوب کی جانب سے گاڑی کی طرف دوڑتا ہوا دیکھا اس خیال سے کہ اُسے ہم سے کچھ کہنا ہوگا میں نے گھوڑوں کی لگام کھینچ لی جب گاڑی رُکی تو ایڈنگٹن گھوڑوں کے سر پر آپہنچا اُس نے شمشیر برہنہ ہلاتے ہوئے سپاہیوں کو للکار کر آواز دی معاً سپاہیوں کی ایک جمعیت دوسری جانب سے درختوں کے جھرمٹ میں سے نمودار ہوئی اور کپتان لائی سانٹ نے پستول ہاتھ میں لئے ہوئے اسی جانب سے گاڑی تک آ کر مجھ سے یہ کہا کہ آپ میرے قیدی ہیں...... پھر کپتان لائی سانٹ نے مجھ کو مسٹر بنفیلڈ کی گاڑی تک لے جا کر چھوڑا"

نظمائے کمپنی پر اس اطلاع سے سکتہ چھا گیا مگر ان میں بھی اختلاف آراء تھا انھوں نے لارڈ پیگٹ کی رہائی کے لئے احکام تو دئے مگر ساتھ ہی ساتھ لارڈ پیگٹ کو بھی واپس طلب کر لیا۔ ان احکام کے ہندوستان پہنچنے سے پہلے لارڈ پیگٹ عزت و ذلت

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

کی دسترس سے بلند ہو چکا تھا یعنی قید ہی میں اُس نے ۱۷۸۰ء میں انتقال کیا اس کے بعد ۱۷۷۸ء میں سر ٹامس رمبولڈ مدراس کا گورنر مقرر ہوا۔

نواب کے قرضخواہ جنھوں نے ۱۷۷۶ء میں یہ انقلاب برپا کر دیا تھا اپنے اغراض سے بے خبر نہ تھے۔ ۱۷۶۷ء کے پہلے قرضے کے متعلق تو ہم مفصل لکھ چکے ہیں۔ ۱۷۷۷ء میں بھی قرض کی ایک اور شکل نکالی گئی۔ نواب کو اپنے ناکارہ رسالے کے برطرف کرنے کی ترغیب دی گئی لیکن اُس کے پاس اتنی رقم نہ تھی کہ وہ اُن کی بقایا تنخواہ وغیرہ ادا کرتا۔ ٹیلر اور مجندی اور کال نے اس شرط سے ایک لاکھ ساٹھ ہزار پونڈ قرض دینے پر آمادگی ظاہر کی کہ کمپنی سے اس کی منظوری حاصل کی جائے اس قرض کے لئے محاصل کی کفالت بھی لازماً عمل میں آئی۔ نواب کے منتظم نے دو سال کے بعد یہ شکایت پیش کی کہ "ان اضلاع کی جملہ آمدنی بحکم سرکار انگریزوں کو جو تنخواہیں عطا ہوئی ہیں اُن کی ادائی کے لئے مختص کر دی گئی ہے۔ مسٹر ٹیلر کے گماشتے...... ان تنخواہوں کو وصول کرنے کے لئے حاضر ہیں اور چونکہ تمام جمع شدہ محاصل اُن کو واجب الادا ہے اس لئے سرکار کی فوج کی سات یا آٹھ مہینے کی تنخواہیں جو باقی پڑی ہیں ادا نہیں کیجا سکتیں"

اس معمور واقعات سال یعنی ۱۷۷۷ء ہی میں ایک تیسرا قرض بھی جو بیس لاکھ پونڈ سے کچھ زیادہ تھا لیا گیا۔ سر ٹامس رمبولڈ نے مدراس پہنچ کر اس قرضے کے متعلق بجا طور سے طیش کھا کر یہ لکھا کہ:۔

"میں اپنے تعجب اور حیرت کی حالت کیا بتاؤں جب میں یہاں پہنچا تو معلوم ہوا کہ چار لاکھ پگوڈا یعنی ایک لاکھ ساٹھ ہزار پونڈ رسالے کے قرضے کے ماسوا اور پہلے کے قرضخواہوں کے اور کمپنی کے مختلف قرضوں کے علاوہ نواب نے ترسٹھ لاکھ پگوڈا (پچیس لاکھ بیس ہزار پونڈ) کی کثیر رقم بطور قرض اور اپنے ذمے لے لی ہے۔

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

میں اس حالت کو دیکھ کر سراسیمہ ہوں کیونکہ نواب کے قرضخواہ عموماً کمپنی ہی کے ملازم ہیں اور اس لئے کمپنی کی طرف سے مجھے جو کچھ بھی کرنا ہے اُس میں مشکلات اور بغض و عداوت کا سامنا رہیگا۔"

کرناٹک کے معاملات کی خراب وخستہ وتباہ وشکستہ حالت کو چھوڑ کر سر ٹامس رمبولڈ نے اپنی توجہ شمالی سرکار کی طرف منعطف کی کہ یہ علاقہ جو سمندر کے کنارے واقع تھا اور شمال کی جانب پھیلا ہوا تھا انگریزوں ہی کے قبضے میں تھا اس علاقے کے حصے بخرے ہو چکے تھے جو زمینداروں میں منقسم تھے اور یہ زمیندار موروثی مالکان اراضی ہونے کے علاوہ اپنی اپنی جاگیروں میں حکمرانی بھی کرتے تھے۔ کمپنی کا نظم ونسق ان زمینداروں کے حق میں نہایت تشدد آمیز رہا تھا اور ان کی جاگیروں میں کچھ بھی نہیں رہا تھا۔ سر ٹامس رمبولڈ نے خود ان جاگیروں کی گذشتہ سرسبزی اور موجودہ انحطاط پر نہایت ہی چست اور متین الفاظ میں یہ شہادت پیش کی ہے کہ:-

"ہندوستان میں کمپنی کی حکومت پر یہ الزام ہمیشہ رہے گا کہ ان کی حکمت عملی کا ایک اُصول یہی رہا ہے کہ چن چن کر اپنی عملداری سے معتبر معتبر اشخاص کا اخراج کر دیں۔ کسی ایسے شخص سے جس نے بنگالے اور ان سرکاروں کی خوشحالی کو ان کی موجودہ ویران وتباہ حالت میں تبدیل ہوتے ہوئے دیکھا ہے یہ کہیئے کہ وہ سامنے آکر قوم سے اس کی تشریح تو کر دے کہ اس مسئلے سے کس کا نام اور کس کی آبرو زیادہ تعلق رکھتی ہے اور وہ رؤساء و سردار و متمول زمیندار جو اس سرزمین کے چپے چپے پر پائے جاتے تھے آج سب کے سب کہاں غائب ہو گئے؟"۔

"چند روز سے مجلس نظماء نے جو شان تحریر اختیار کی ہے اس سے عوام اس کے سوا کوئی اور نتیجہ نہیں نکال سکتے کہ اس ملک میں

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

کمپنی محض چند حقوق فرماں روائی کی ہی مالک نہیں بن بیٹھی ہے بلکہ بلا اشتراک غیرے وہ خود ساری زمین پر بھی گویا حق مالکانہ رکھتی ہے امراء زمیندار ہی اراضی کے حقیقی اور اصل قابض تھے اور انھوں نے یہ زمینیں بطور ترکہ اپنے آباو اجداد سے پائی تھیں جنکی قدامت یورپ کے لئے قصہ اور کہانی ہے ان کی حالت آناً فاناً زمینداروں کی سی نہیں بلکہ محض کسان اور مزدور پیشہ کی سی ہو گئی اور اب یہ کمپنی کے کھیتوں میں مزدوری کر لیتے ہیں مغلیہ حملہ آور اس سرزمین کو بالکل مطیع نہ کر سکے اس لئے یہ سرداران اراضی نہ کہیئے بلکہ خراج اپنی قدیم خود مختاری کے برقرار رکھنے کے لئے بطور تاوان ان مغلیہ حملہ آوروں کو ادا کرتے تھے اور یہ گویا اپنے رسوم و عادات و مراعات اور املاک پر حق قبضہ بلا مزاحمت و پیکار بحال رکھنے کا ایک طرح کا معاوضہ تھا اس خراج کا مطالبہ ہمیشہ اعتدال پر مبنی ہوتا تھا چونکہ ایسے ممتاز و معزز اشخاص کے لئے عام رواج کے مطابق کثیر نوکر چاکر عملہ وغیرہ کا رکھنا ضروری خیال کیا جاتا تھا اس لئے اس امر کو بھی خاص طور پر مطالبے کے وقت ملحوظ رکھا جاتا تھا۔ مغلیہ صوبیدار جمع میں کسی قسم کی مداخلت کرنے کے بغیر زمینداروں ہی سے سرکاری آمدنی کی رقم مشخص کر لیتے تھے شمالی سرکار کے کمپنی کے تفویض میں آنے کے بعد بھی انھیں عاقلانہ اصول کی پابندی کی جاتی تو ہر ایک جماعت کے لئے یہ باعث خوشنودی ہوتا ملک سرسبز و شاداب رہتا اور ان باجگزاروں کی خوشحالی سے کمپنی خود خوشحال رہتی۔

اب یہ تجویز پیش کی گئی تھی کہ ایک مجلس حلقہ قائم کی جائے جو مقامی تحقیقات کے بعد شمالی سرکار کے زمینداروں سے جو کچھ محاصل واجب الادا نکلتا تھا اس کا تصفیہ کر دے۔ سر تامس رمبولڈ نے اس مجلس کو فی الوقت ملتوی کر کے زمینداروں کو مدراس طلب کیا

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

جس سے زمینداروں میں ایک تہلکہ سا پڑ گیا لیکن اکتیس زمینداروں میں سے جو بلائے گئے تھے اٹھارہ نے ان احکام طلبی کی تعمیل کی۔ پنج سالہ بندوبست عمل میں لایا گیا اور شمالی سرکار کے کمپنی کے زیر حکومت آنے کے زمانے سے وقتاً فوقتاً جملہ محاصل میں جو اضافے ہوتے رہے تھے وہ قدیم وصولات پر پچاس فی صد سے زیادہ تھے۔

اس پر بھی نظمائے کمپنی کو اطمینان نہیں ہوا۔ اُن کا خیال یہی تھا کہ مجلس حلقہ اس سے بھی زیادہ اطمینان بخش نتائج پیدا کر کے دکھا سکتی تھی۔ انھوں نے سر تامس رمبولڈ پر یہ الزامات قائم کئے کہ مجلس حلقہ کو ملتوی کرنے میں اُس نے خاص احکام کی خلاف ورزی کی اور زمینداروں پر یہ سختی بھی کی کہ اُن کو مدراس طلب کیا۔ اسکے علاوہ سر تامس رمبولڈ نے دو سال کے اندر اندر ایک لاکھ چونسٹھ ہزار پونڈ کی رقم جو یورپ ارسال کی تھی اس کے دیکھتے ہوئے اسپر رشوت ستانی کا الزام بھی لگایا گیا چنانچہ جنوری ۱۷۸۱ء میں کمپنی کی ملازمت سے ہی اس کو برطرف کر دیا گیا۔

لارڈ مکارٹنی جو ایک نہایت خوش اخلاق اعتدال پسند سیاسی تجربہ کار لائق و فائق امیر تھا مدراس کا گورنر مقرر ہوا۔ اور جون ۱۷۸۱ء میں ہندوستان آیا۔ اس وقت مدراس کے صوبے پر انتہائی ادبار و افلاس چھایا ہوا تھا ایک زمانے کی بدنظمی کے اثرات تو یہاں پہلے ہی سے تھے حیدر علی والئ میسور کی جنگ عظیم کے مصائب ان میں اضافہ ہوئے حیدر علی کے رسالے اور سواروں نے اس سرزمین کو روند ڈالا تھا۔ مدراس کے نواح میں کوسوں تک تباہی اور بربادی پھیلا دی تھی۔ سارے کرناٹک پر ایک دہشت سی طاری تھی لوگ جنگلوں میں روپوش ہو گئے تھے کھیت اجاڑ پڑے تھے اور گانوؤں کے گانوؤں جلا کر اُسنے نیست و نابود کر دئے تھے حالت یہ تھی کہ ایک فتنہ فرو نہیں ہوتا تھا کہ دوسرا پیدا ہو جاتا تھا اور یہ سب کچھ وقوع میں

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

آنے کے باوجود مدراس کی کونسل اس مہیب غنیم کے مقابلے کی تدابیر پر ابھی ششش و پنج کے ساتھ غور ہی کر رہی تھی۔

اس جنگ کے واقعات پر خامہ فرسائی ہمارا مقصد نہیں ہے وارن ہسٹینگز اس وقت گورنر جنرل تھا اس نے سر ایر کوٹ کو جو ایک جنگ آزمودہ سپہ سالار تھا اس غنیم سے جنوبی ہند کو بچانے کے لئے دوبارہ روانہ کیا۔ سر ایر کوٹ نے حیدر علی سے چار مرتبہ میدان کارزار میں مقابلہ کیا۔ حیدر علی پسپا ہوا۔ مگر اس کا زور نہ ٹوٹا۔ ستمبر ۱۷۸۲ء میں سر ایر کوٹ نے مدراس سے بنگالے کو مراجعت کی اور دسمبر ۱۷۸۲ء میں حیدر علی نے اس دنیا سے رحلت کی۔ ۱۷۸۳ء میں حیدر علی کے فرزند ٹیپو سلطان سے مصالحت کر لی گئی۔

سارا ملک افلاس میں گرفتار تو تھا ہی مصیبت پر اور مصیبت یہ آئی کہ ۱۷۸۳ء میں مدراس کے اس سرے سے اس سرے تک ایک عظیم قحط نمودار ہو گیا عام طور پر کمپنی کی آمدنی میں بچت تو نکلتی تھی مگر محاصل کو منافع میں لگاتے ہیں یعنی اس آمدنی سے اشیاء و سامان تجارت خرید کر یورپ کو فروخت کے لئے بھیجنے میں بچت کیسی کمپنی کو خسارہ ہونے لگا۔ ذیل کے اعداد سرکاری اسناد سے لئے گئے ہیں۔

دوازدہ سالہ مداخل و مخارج صوبہ مدراس

سال	جملہ محاصل خالص	جملہ دیوانی و فوجی مصارف ذمہ کمپنی	بچت	کمی
مئی - اپریل	پونڈ	پونڈ	پونڈ	پونڈ
۱۷۶۷-۱۷۶۸	۳۸۱۳۳۰	۴۸۹۰۱۲	۰	۱۰۷۶۸۲
۱۷۶۸-۱۷۶۹	۳۶۹۷۲۰	۶۹۱۴۷۱	۰	۳۲۱۷۵۱

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

سال	جملہ محاصل خالص	جملہ دیوانی و فوجی مصارف ذمہ کمپنی	بچت	کمی
مئی اپریل	پونڈ	پونڈ	پونڈ	پونڈ
۱۷۷۰-۱۷۶۹	۵۰۰۱۱۰	۴۶۷۴۹۲	۳۲۶۱۸	۰
۱۷۷۱-۱۷۷۰	۵۶۲۳۵۹	۴۳۴۳۹۳	۱۲۷۹۶۰	۰
۱۷۷۲-۱۷۷۱	۵۵۸۸۶۰	۴۰۷۴۴۶	۱۵۱۴۱۴	۰
۱۷۷۳-۱۷۷۲	۵۲۹۲۳۳	۳۰۹۱۳۸	۲۲۰۰۹۵	۰
۱۷۷۴-۱۷۷۳	۵۲۴۷۶۲	۴۰۷۱۴۴	۱۱۷۶۱۸	۰
۱۷۷۵-۱۷۷۴	۵۰۳۶۲۹	۴۵۴۵۸۹	۴۹۰۴۰	۰
۱۷۷۶-۱۷۷۵	۵۱۴۵۹۱	۳۴۵۸۶۷	۱۶۸۷۲۴	۰
۱۷۷۷-۱۷۷۶	۵۶۳۳۴۹	۵۳۳۱۸۲	۳۰۱۶۷	۰
۱۷۷۸-۱۷۷۷	۲۸۳۱۹۸	۴۸۵۸۳۰	۰	۲۰۲۶۳۲
۱۷۷۹-۱۷۷۸	۴۹۴۲۰۸	۸۰۳۹۲۴	۰	۳۰۹۷۱۶
میزان	۵۷۸۵۳۴۹	۵۸۲۹۴۸۸	۸۹۷۶۴۲	۹۴۱۷۸۱

محاصل میں بچت نکلی یا کمی ہو یورپ ارسال کرنے کے لئے سامان تجارت کا خرید تا کبھی بند نہ ہوا۔ اس زمانے میں سامانوں سے لدے ہوئے جہاز پر جہاز یورپ جاتے تھے جن کی ابتدائی لاگت (مصارف مقدم) بیس لاکھ پونڈ سے زائد ہوتی تھی۔

کمپنی کے ظالمانہ مطالبات کے مقابلے میں انگریز لیڈاروں کے ظالمانہ مطالبات جن کے نام محاصل بطور کفالت منتقل ہو چکے تھے کہیں زیادہ تھے اور جب آخر کار یہ معاملہ دار العوام میں تصفیے کے لئے پیش ہوا تو ان لینداروں کے پیدا کئے ہوئے اثرات اس قدر بڑھے ہوئے تھے کہ تمام جھوٹے سچے دعوے بلا تحقیقات

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

تسلیم کر لئے گئے۔

پال بنیفیلڈ ان لین داروں میں سب سے زیادہ کامیاب اور بڑا آدمی تھا اُس نے ہندوستان میں جو کثیر دولت پیدا کی تھی وہ انگلستان میں پارلیمنٹی اثرات پیدا کرنے کے کام میں صرف کردی آٹھ پارلیمنٹ کے ارکان بشمول خود انتخاب کرائے اور اس قدر صاحب اقتدار و اثر بن گیا تھا کہ وزارت تک اس کے خلاف کچھ کرنا پسند نہیں کرتی تھی۔ پارلیمنٹ کے کثیر التعداد صاحب اثر ارکان سے ناجائز فائدہ اُٹھانے کے لئے جو نواب ارکاٹ کے جھوٹے سچے دستنگروں اور قرضخواہوں کے بنائے ہوئے تھے .... ۱۷۸۴ء کی وزارت نے یہ تصفیہ کیا کہ جھوٹے ہوں یا سچے ان کے تمام مطالبات کی تکمیل ضروری ہے۔"

مورخ تاریخ برطانوی ہند نے جس کی تالیف سے ہم نے اوپر کا اقتباس درج کیا ہے اڈمینڈ برک کی اس دائمی یادگار تقریر سے آگے چل کر اور اقتباسات دیئے ہیں جس میں اڈمینڈ برک نے برطانوی پارلیمنٹ کے اس سب سے زیادہ رسواکن و معیوب واقعے کی نسبت نہایت ہی سخت لہجے میں لکھا ہے۔

"پال بنیفیلڈ ایک نہایت بزرگ مصلح پارلیمنٹ ہے شہنشاہی کا کونسا حصہ کونسا شہر کونسا قصبہ کونسا ضلع یا اس سلطنت کا کونسا محکمۂ عدالت ایسا ہے جو اس شخص کی جانفشانی و دردسری سے معمور نہیں آئندہ کے تمام اصلاحات کے لئے ایک مستحکم پشتہ باندھنے میں اس رفاہ عام کے روح رواں سودخوار نے ہندوستان کے امدادی کام میں اپنی خیرخواہانہ جانفشانیوں کے باوجود اپنی سرزمین کے خراب و خستہ دستور کو دل سے نہیں بھلا دیا۔ بلکہ اسی کی خاطر اُس نے اس دار العوام کے فراش خانے میں فرش فروش

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

مہیا کرنے کے لئے ادنیٰ تھوک فروش تجارت کے قبول کرنے پر حقارت و نفرت کا اظہار تک نہیں کیا - اور فرش فروش بھی کیسا قدیم بدرنگ زربفت و مشجر کا نہیں جیسا دوسرے کسی دار العوام میں آراستگی کا منہ چڑاتا ہو بلکہ جس میں زمانہ موجودہ کی حسن و خوبی کے اصلی اور زندہ ٹھوس نقش و نگار ہیں - یعنی پال نبیفیلڈ نے خود کو ملا کر ایک دو نہیں بلکہ آٹھ ارکان پارلیمنٹ میں انتخاب کرائے ہیں زمانہ حال کے رگ و پے میں کتنی بہتی نہریں اس نے اپنے صاف و شفاف خون کی نہ بہائی ہوں گی - ....

"آپ کے وزیر کے لئے اس سال خوردہ کار آزمودہ نبیفیلڈ کے مختار نے لندن کے اس جھگڑے بکھیڑے کے گرد آلود میدان تک میں آنا قبول کر لیا اور آپ کو یاد ہوگا کہ اسی نیک کام کے لئے اُس نے ایک عام کچہری یا حساب گھر کھولا تھا جہاں پچھلے عام انتخاب کے کاروبار کا جملہ انتظام ہوا کرتا تھا اس طرح تمام انتظام کھلے بندوں نبیفیلڈ کے براہ راست مختار اور کارپرداز کے ہاتھ میں تھا جو ہندوستانی اُصول پر اور ہندوستانی اغراض ہی کی خاطر قائم تھا - یہ افعال ناشائستہ کا وہ سنہری جام تھا جس کو اکثر لوگوں نے اور اس مُلک کے بعض امراء نے بھی تلچھٹ تک زیر حلق کر کے خالی کر دیا تھا - کیا آپ خیال فرماتے ہیں کہ اس قسم کے بدمست و شہوت پرست کا آخر کار کوئی حساب کتاب تھا ہی نہیں یا اس قومی بدکاری اور عام شراب خواری کے غل غپاڑے میں کسی قسم کا معاوضہ مطلوب ہی نہ تھا نہیں - یہاں آپ کے سامنے وہ موجود ہے انتخاب کے شاندار صدر منتظم کو ہرجانہ ملنا ضروری ہے اسی لئے نبیفیلڈ اور اُس کے شیطانی لشکر کے دعاوی کو تمام تحقیقات سے بالاتر رکھنا چاہیئے"

انگلستان کے عوام اور امراء نے تو اس "سنہری جام" کا تلچھٹ تک

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

نہ چھوڑا اگر ہرجانہ ہندوستان سے طلب کیا گیا انیفیلڈ کے دعاوی کی تحقیقات اس لئے نہیں کی گئی کہ جو کچھ دینا تھا وہ کرناٹک کے مزارعین اور کاشتکاروں کو دینا تھا ایسے دعاوی کے بلا تحقیقات تسلیم کر لینے سے خرابی اور بڑھ گئی انگریز ساہوکار و مہاجن جوق جوق کرناٹک میں اس طریقے سے جلد دولت پیدا کرنے کی خاطر آ جمع ہوئے۔ نواب کرناٹک پر نئے نئے رقمی دعوے دو کروڑ تین لاکھ نوے ہزار پانسو ستاون پونڈ کے پیش ہوئے اور ان دعاوی کے تصفیے کے لئے کمشنروں کا تقرر عمل میں آیا اس وقت تک لارڈ ویلزلی نے کرناٹک کا الحاق کر لیا تھا اور یہ انگریزوں کی عملداری میں داخل ہو چکا تھا۔ اب اگر یہ دعاوی قبول کر لئے جاتے تو نواب کے بجائے کمپنی کی حکومت پر انکی ادائی لازمی تھی اس لئے ان کی تحقیقات کی گئی جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ تیرہ لاکھ چھیالیس ہزار سات سو چھیانوے پونڈ کی رقم تو جائز تسلیم کر لی گئی اور مابقی ایک کروڑ تیس ہزار پونڈ سے زیادہ رقم ناجائز اور جھوٹے دعاوی کی بناء پر خارج کر دی گئی۔

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

ساتواں باب

صوبہ مدراس کے قدیم و جدید مقبوضات

(سنہ ۱۷۸۵ء - سنہ ۱۸۰۷ء)

جیسا پہلے بیان کیا جا چکا ہے پٹ کا مسودۂ قانون ہند سنہ ۱۷۸۴ء میں بشکل قانون نافذ ہوا۔ اس تاریخ تک صوبہ مدراس میں ایسٹ انڈیا کمپنی کے زیر حکومت براہ راست جو مقبوضات تھے وہ شہر مدراس کے ارد گرد کا ایک مختصر سا حصہ تھا اور دریا کا وہ ساحلی علاقہ تھا جو ایک لمبی دھجی کی طرح چلا گیا ہے اور جس کو شمالی سرکار کہتے ہیں۔ مدراس میں جو پہلا بند وبست عمل میں آیا وہ اسی سرکار میں ہوا تھا۔

سنہ ۱۷۶۵ء کے ابتدائی زمانے میں جب لارڈ کلائیو نے شہنشاہ مغلیہ سے کمپنی کیلئے بنگالے کا منصب دیوانی حاصل کیا تھا اسی وقت ان سرکاروں میں سے چار سرکار جن کے نام سیکاکول راج مندری ایلور اور کنڈاپلی ہیں کمپنی کو عطا ہوئے تھے۔ ہندوستانیوں کے زیر انتظام کچھ مدت تک رہنے کے بعد سنہ ۱۷۶۹ء میں یہ علاقے

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

صوبہ داروں اور اُن کی کونسلوں کے زیر نگرانی کر دئے گئے تھے اور یہ نظام مملکت بنگالے کے اضلاع کے نظم ونسق کے مماثل تھا۔

۱۷۷۵ء میں مجلس نظماء نے احکام صادر کئے کہ شمالی سرکار کے حالات دریافت کرنے کی غرض سے کہ وہاں آبادی کی تعداد کیا ہے کس قسم کی پیداوار ہوتی ہے صنعتوں کی حالت کیا ہے نیز اُن ریاستوں کے خام محاصل کیا ہوتے ہیں اور زمینداروں اور کاشتکاروں کے قدیم رواجی حقوق کیا ہیں ایک مجلس حلقہ قائم کی جائے۔ مجلس نظماء نے یہ خواہش بھی ظاہر کی کہ وہ زمینداروں کی سالانہ آمدنی کو حسب حال برقرار رکھنا چاہتی ہے اور کاشتکاروں کو ناجائز مطالبات سے بھی بچانا چاہتی ہے اور یہ معلوم کرنا چاہتی ہے کہ بنگالے میں جو قواعد نافذ تھے یہ ممکن ہے کہ وہی قواعد ان سرکاروں میں بھی رائج کئے جائیں یا نہیں۔ ایک مجلس اسی غرض سے قائم کی گئی تھی جو ۱۷۷۶ء میں جیسا کہ پچھلے باب میں بیان کیا گیا ہے سر ٹامس رمبولڈ کے حکم سے برخاست کردی گئی مگر ۱۷۸۳ء میں اس مجلس کا دوبارہ انعقاد ہوا اور ۱۷۸۹ء تک اس مجلس میں دریافت وتحقیقات کا سلسلہ جاری رہا۔

اس مجلس نے جو کیفیتیں لکھ کر پیش کیں اُن سے یہ ظاہر ہوتا تھا کہ شمالی سرکار کی زمینیں زیادہ تر زمینداروں ہی کے قبضے میں تھیں ملک کے پہاڑی حصے میں جو زمیندار تھے وہ اوڑیسہ کے راجاؤں کی اولاد تھے اور اپنی اپنی ریاستوں میں خودمختارانہ حکمرانی کرتے رہے تھے صرف ایک مقررہ خراج مسلمانوں کی حکومت کو ادا کرتے تھے اور کھلے میدانوں میں جو زمینداریاں تھیں وہاں کے زمیندار حکومت کے دباؤ میں تھے لیکن جب تک کہ حکومت کو ایک مقررہ محاصل ادا کرتے تھے انھیں اپنی اپنی جاگیروں کا زرلگان حسب خواہش اپنے اپنے تصرف میں لانے کی اجازت تھی۔

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

ان زمینداروں کی آراضی کے علاوہ حکومت کی چند ایسی زمینات "یا سیریاں" بھی تھیں جن کو "زمینات حویلی" کہا جاتا تھا۔ یہ "سیریاں" ان بلاد کے نواح میں تھیں جہاں مستقر حکومت ہوتا تھا اور مسلمان حکمرانوں کے افواج قلعے اور عملۂ دیوانی کی ضروریات کے لئے مختص کردی گئی تھیں۔ "انگریزوں کی حکومت کے ابتدائے قیام سے ان زمینات حویلی کے متعلق صحیح طور پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ عملداری کے یہ حصے زمینداروں کے قبضے سے باہر تھے اور حکومت ہی کی ملک تھے لہذا جہاں رعیت سے مالگزاری وصول کرنے کے طریقے کو ترجیح دی جائے وہ آزادی کے ساتھ اختیار کیا جا سکتا تھا" مگر جو نظام یہاں حقیقی طور پر اختیار کیا گیا وہ کچھ عاقلانہ نہ تھا حویلی کی زمینات گماشتوں کو یا بامید منافع زمینات کو لگان پر لینے والے بڑے بڑے سٹہ کھیلنے والوں کو مستاجری پر دے دی گئیں اور اس طرح "مظالم کے وسیع ذرائع" ان لوگوں کے ہاتھ لگ گئے۔

زمینداریوں اور حویلی کی عملداری کی زمینات میں قدیم زمانے ہی سے نظام ملت دیہی چلا آتا تھا یہ حکومت خود اختیاری کی ایک سیدھی سادی شکل تھی جو ہر گاؤں کے کاشتکاروں کو زمینداروں اور حکومت کے مظالم سے محفوظ رکھتی تھی یہ قدیم ادارہ جو مانو کے زمانے میں بھی قدیم کہلاتا تھا کئی راج دھانیوں کی تباہی اور کئی شاہنشہیوں کے زوال کے باوجود باقی رہ گیا تھا لڑائیوں کے وقت گاؤں میں امن و انتظام اسی سے قائم رہتا تھا اور اٹھارھویں صدی عیسوی میں ایسٹ انڈیا کمپنی کے عمال کو یہ ایک نہایت نادر اور خوبیوں سے بھرا ہوا ادارہ معلوم ہوتا تھا۔

" جغرافی نقطۂ نظر سے گاؤں کو دیکھیں تو وہ ایک خطہ نظر آتا ہے جو سینکڑوں ہزاروں بیگہ مزروعہ اور افتادہ آراضی پر مشتمل ہے اور سیاسی نقطۂ نظر سے دیکھیں تو وہ ایک شخصیہ یا بلدیہ

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

نظر آتا ہے، گانوں میں عہدہ داروں اور ملازموں کا جو عملہ رہتا ہے اُسکی تفصیل ذیل میں بیان کی جاتی ہے۔ پٹیل۔ گانوں کے رہنے والوں کا سردار ہوتا ہے جو گانوں کے معاملات پر عام نگرانی رکھتا ہے۔ لوگوں کے قضیے چکاتا ہے۔ کوتوالی کا کاروبار کرتا ہے اور جیسا پہلے بیان کیا جا چکا ہے قانون کے حدود میں مالگزاری جمع کرنے کے فرائض بجا لاتا ہے اور کیا بلحاظ اپنے ذاتی اثر کے اور کیا بلحاظ لوگوں کے تعلقات اور حالات سے تفصیلی واقفیت رکھنے کے اُس میں اس فریضے کی بجا آوری کی خاص اہمیت ہوتی ہے۔ کرنم جو کاشت کے حسابات رکھتا ہے اور کاشت سے متعلق ہر بات کو ایک کتابچے میں درج کرتا رہتا ہے۔ تالیر جس کا دائرۂ عمل وسیع اور کشادہ ہے اور جس کے فرائض میں داخل ہے کہ وہ جرائم خفیف و شدید دونوں کے متعلق معلومات حاصل کرتا رہے اور جب لوگ ایک گانوں سے دوسرے گانوں جائیں تو راستے میں اُن کی حفاظت و نگہبانی کرے۔ ٹوٹائی جس کی حد اختیار گانوں کے حدود تک ہی ہوتی ہے اور دوسرے فرائض کے ساتھ فصل کی نگہداشت و پیمائش اُس کے ذمے ہے سرحدی جو گانوں کے حدود کی حفاظت کرتا ہے اور حدود کے متعلق اگر نزاع ہو تو شہادت دیتا ہے۔ مہتمم آبپاشی جو زراعتی اغراض کے لئے تالابوں ندیوں نہروں وغیرہ سے پانی دیتا ہے۔ برہمن جو گانوں کا پوجا پاٹ کرتا ہے۔ مدرس جو ریت بچھا کر گانوں کے بچوں کو لکھنا پڑھنا سکھاتا ہے۔ جوتشی برہمن جو بیج بونے اور کھیت کاٹنے کے لئے نیک اور بد ساعت بتلاتا ہے۔ لوہار اور بڑھئی جو زراعتی آلات بناتے ہیں اور رعیت کے مکان تعمیر کرتے ہیں۔ کمہار دھوبی نائی چرواہا (گڈریا) جو مویشیوں کی خبر گیری اور نگہداشت کرتا ہے۔ طبیب۔ کنچن جو خوشی کے موقعوں پر رقص و سرود کے لئے حاضر رہتی ہے۔ گائن مغنی اور شاعر عام طور سے ان عہدہ داروں اور ملازمین

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

پرگانوں کا عملہ مشتمل تھا۔ لیکن بعض مقامات میں یہ عملہ اس قدر وسیع نہیں ہوتا تھا کیونکہ بعض فرائض اور کارہائے متعلقہ جو اوپر بیان ہوئے ایک ہی شخص کے سپرد کر دئے جاتے تھے اور بعض مقامات میں لوگوں کی تعداد مذکورہ بالا شمار سے بھی بڑھ جاتی ہے۔

"اس سادہ شکل کی حکومت بلدیہ کے زیر اطاعت اس ملک کے رہنے والے قدیم زمانے سے زندگی بسر کرتے رہے ہیں۔ گانوؤں کے مقررہ حدود میں کبھی تبدیلی نہیں ہوتی تھی گو بعض مرتبہ گانوؤں کے گانوؤں لڑائیوں یا خشک سالی اور عام امراض کی وجہ سے نقصان اٹھاتے یا بالکل ویران ہو جاتے تھے پھر بھی وہی نام وہی حدود وہی اغراض حتیٰ کہ وہی خاندان وہاں برسوں سے چلے آرہے تھے۔ گانوؤں کے رہنے والے سلطنتوں کے تتر بتر یا تقسیم ہونے پر ٹس سے مس نہ ہوتے تھے اور جب تک گانوؤں صحیح و سالم رہتا تھا اُن کو اس کی کچھ پروا نہ تھی کہ وہ کس کے راج میں منتقل ہو گیا یا کس بادشاہ کے زیر نگین ہے اُس کی اندرونی اقتصادی حالت میں تو تغیر ہوتا ہی نہ تھا وہی پٹیل ہر حالت میں گانوؤں کا سردار تھا۔ چھوٹا موٹا جج اور مجسٹریٹ بھی وہی تھا اور قریہ دار بھی وہی تھا اور گانوؤں کی مالگزاری بھی وہی جمع کرتا تھا۔"

اوپر کا اقتباس نہایت ہی اہمیت رکھتا ہے کیونکہ اس سے ہندوستان کی دیہی حکومت خود اختیاری کے دستور کا پتا چلتا ہے جو ہندوؤں کی قدیم حکمرانی کے دھندلکے میں نہیں بلکہ اٹھارھویں صدی عیسوی کے روز روشن میں موجود تھا اور جس کے حالات کو مانو کی سی سنسکرت کی پرانی کتابوں میں بیان نہیں کیا گیا ہے بلکہ سرکاری اسناد میں جن کو ایسٹ انڈیا کمپنی کے عاملوں نے حقیقی مشاہدے اور ذاتی تحقیقات کی بنا پر قلمبند کیا ہے اس کی شہادتیں

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

موجود ہیں۔ ایک ہی نظر میں ہمیں یہ دکھائی دیتا ہے کہ ہندوستان کی اتنی بڑی زراعت پیشہ آبادی اپنے اپنے مختصر مگر مکمل جمہوریہ میں سالہاسال سے کس طرح کاشت اور مختلف اشیاء کی ساخت کرتی تھی۔ کسی کو اس کی پرواہی نہ تھی کہ کب ایک شاہی خاندان دوسرے شاہی خاندان کا جانشین بن گیا۔ یا شاہنشاہیاں یکے بعد دیگرے کیوں عروج پر پہنچ کر زوال پذیر ہوئیں۔ کیا اچھی بات ہوتی کہ ہندوستان کے برطانوی منتظمین سلطنت بھی ان قدیم ادارات کی نگہداشت کرتے ان میں اصلاح کرتے اور ان کے نشوونما کو قائم رکھتے اور اسی طرح لوگوں کی اختراع کردہ مجالس کی وساطت سے لوگوں پر حکمرانی کرتے۔ انگریزوں کی حکمرانی کی ابتداء ہی سے دو اسباب ایسے پیدا ہو گئے تھے جن سے یہ ملل دیہی کمزور بن گئے ایک تو ان منتظمین ریاست کو مالگزاری کے حد درجے تک بڑھانے کی سخت فکر رہتی تھی جس کی بناء پر وہ فرداً فرداً ہر کاشتکار سے براہ راست معاملت کرنے کی طرف راغب تھے اور دوسرے یہ فکر بیجا کہ تمام عدالتی اور عملی اختیارات کو مرکزی بنا کر اپنے ہی ہاتھ میں رکھیں اور اسی وجہ سے ان جدید حکمرانوں نے ان دیہی کارکنوں کو جو اپنے اپنے گاؤں کے حدود کے اندر ان اختیارات کو ایک زمانے سے استعمال کرتے رہے تھے دراصل بالکل معطل کر دیا تھا۔ اپنے فرائض کی بجا آوری سے یہ دیہی ملل محروم جو ہوئے تو ان پر زوال آ گیا اور ہندوستان میں موجودہ زمانے کے نظم ونسق میں جو گزشتہ کے نظم ونسق کے مقابل زیادہ مرتب وباضابطہ تھے یہی نقص پایا جاتا ہے کہ یہ نظم ونسق زیادہ مطلق العنان ہے اور بہ نسبت سابق کے خود لوگوں کی امداد باہمی پر اس کا انحصار کم ہے۔

یہاں سے پھر ہم شمالی سرکار کی زمینداری اراضی کے بیان

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ ان زمینوں کی مالگزاری کا تعین ۱۷۸۰ء تک سال بسال زمینداروں کے ذریعے سے ہی کیا جاتا تھا لیکن اس سال جیسا کہ پچھلے باب میں بیان کیا گیا ہے سر تامس رمبولڈ نے پنج سالہ بندوبست کیا مگر ۱۷۸۳ء میں سالانہ بندوبست کا ظالمانہ طریقہ پھر شروع ہوا جو ۱۷۸۶ء تک جاری رہا۔ اور مجلس مالگزاری کے توفیر آمدنی کے مطالبے پر موخرالذکر سال میں سہ سالہ بندوبست کیا گیا اس کے بعد ۱۷۸۹ء میں بھی سہ سالہ بندوبست ہوا۔ جس کو آگے چل کر پنج سالہ کر دیا گیا اور جس میں زمینداروں پر اُن کی آمدنی خام کے دو ثلث حصے تک لگان لگایا گیا تھا چنانچہ سرکار گنتور میں بھی جو ۱۷۸۸ء میں کمپنی کے مقبوضات میں شامل ہوئی تھی اسی طریقے پر بندوبست عمل میں آیا۔

لارڈ ہوبرٹ ۱۷۹۴ء میں مدراس کا گورنر مقرر ہوا اُس نے بڑی اصلاح یہ کی کہ کمپنی کے اعلیٰ حکام اور مجالس کو برخاست کر کے انتظام مالگزاری کے لئے ہر ضلعے میں مجلس مالگزاری کی زیرنگرانی ایک ایک کلکٹر مقرر کیا مگر زمینداری زمینوں کا بندوبست اُسی پہلے اُصول پر ہوتا رہا۔ لارڈ کلائیو ثانی جو فاتح پلاسی کا فرزند تھا لارڈ ہوبرٹ کا جانشین مقرر ہوا۔ اور لارڈ کلائیو نے انتظام مملکت کے دوران میں دوامی بندوبست مالگزاری جیسا کہ ۱۷۹۳ء میں بنگالے میں کیا گیا تھا۔ ۱۸۰۲ء اور ۱۸۰۵ء کے درمیان عام طور پر شمالی سرکاروں میں بھی رائج کیا گیا مالگزاری کے سرکاری مطالبات کا عام معیار بظاہر رعایا کی آمدنی کا دو ثلث حصہ ہوتا تھا۔

شمالی سرکار کی حویلی زمینوں کا قصہ کسی قدر اس سے مختلف ہے ۱۷۹۴ء میں پہلی مرتبہ کلکٹروں کا تقرر عمل میں آیا انھوں نے حویلی زمینوں کی مالگزاری وصول کرنے کے دو مختلف طریقے اختیار کئے بعض مقامات میں براہ راست کاشتکاروں سے وہ اجناس

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

میں ہی مالگزاری قبول کر لیتے تھے یعنی پیداوار کا ایک حصہ بطور حق مالگزاری وصول کر لیتے تھے اور دوسرے مقامات میں ایک مقررہ رقم پر زمینیں مستاجری پر دے دیتے تھے بہر کیف عام طریقہ یہ تھا کہ گاؤں کے سردار یعنی چودھریوں سے کلکٹر تعین رقم کر لیتا تھا اور یہ لوگ ہر کاشتکار سے جدا جدا معاملہ کر لیتے تھے جب سنہ ۱۷۹۲ء میں کمپنی کے صدر حکام اور کونسلیں برخاست کر دی گئیں تو صرف کلکٹر ہی باقی رہ گئے جو مجلس مالگزاری کی زیر نگرانی بندوبست کے تنہا ذمہ دار تھے اور جب سنہ ۱۸۰۲ء اور سنہ ۱۸۰۴ء کے درمیان زمینداروں کا دوامی بندوبست ہو چکا تو اس وقت حویلی کی زمینوں کو موٹا س میں یعنی ایسے حصوں میں تقسیم کر دیا گیا جو باعث سہولت تھے۔ عام طور پر ہر حصے کی سالانہ آمدنی ایک ہزار سے پانچ ہزار اسٹار پگوڈا تک ہوتی تھی اور یہ حصے بطور دوامی زمینداری عام نیلام سے فروخت کر دئے جاتے تھے۔ شہر مدراس کے گرد و نواح میں جو جاگیری زمینیں تھیں ان کا بھی دوامی بندوبست عمل میں آیا۔

سنہ ۱۷۶۵ء سے سنہ ۱۸۰۵ء تک کمپنی کی عملداری کے قدیم ترین علاقوں کی جو مدراس میں واقع تھے اور جو شمالی سرکار اور شہر مدراس کے ارد گرد کے علاقوں پر مشتمل تھے سرگزشت انتظام مالگزاری اس طرح کی ہے جیسی کہ اوپر بیان ہوئی لیکن اسی دوران میں دوسرے علاقے بھی کمپنی کے مقبوضات میں داخل ہو چکے تھے اس لئے اب ان نو حاصل کردہ علاقوں کے متعلق کچھ کہنا ضروری ہے۔

جب سنہ ۱۷۹۲ء میں لارڈ کارنوالس اور ٹیپو سلطان کی جنگ صلح سرنگاپٹن کی رو سے اختتام پر پہنچی تو کمپنی کے مقبوضات میں سالم اور کرشناگری کا جو بڑے محل پر بھی مشتمل تھی اضافہ ہوا۔ لارڈ ولزلی کی آخری جنگ ٹیپو سلطان کے ساتھ ہوئی اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ سنہ ۱۷۹۹ء میں کنارا، کوئمبٹور، بالاگھاٹ اور چند دوسرے مقامات کمپنی کے

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

مقبوضات میں داخل ہوئے۔ ۱۷۹۹ء میں لارڈ ولزلی نے تنجور کا بھی الحاق کرلیا۔ ۱۸۰۰ء میں کرشنا اور تنبھدرا کا درمیانی تمام علاقہ نظام دکن سے لے لیا اور نواب ارکاٹ کو وظیفے پر سبکدوش کرکے سارے کرناٹک کو کمپنی کی عملداری میں داخل کرلیا۔ اس طرح دس سال کے اندر اندر یعنی ۱۷۹۲ء سے ۱۸۰۲ء تک ایسٹ انڈیا کمپنی نے اس نہایت زرخیز اور شاداب علاقے کو جو صوبۂ مدراس کا اب ایک وسیع حصہ کہلاتا ہے حاصل کرلیا تھا بندوبست کے نظام جدید کی ابتداء بھی اس نئی عملداری کے حصول کے ساتھ ساتھ ہوئی۔

جب ۱۷۹۲ء میں ایسٹ انڈیا کمپنی نے بڑے محل کے اضلاع حاصل کرلئے تو لارڈ کارنوالس نے اُن کا نظم و نسق کیپٹن ریڈ اور تین قومی افسروں کو تفویض کیا جو اُس زمانے کے ملازمین دیوانی کے مقابل لوگوں کے عادات و اطوار و زبان سے زیادہ واقف تھے۔ وہ اُصول جس پر کیپٹن ریڈ نے ہر کاشتکار سے فرداً فرداً تعین مالگزاری کیا تھا وہی اُصول تھا جو بعد میں بڑھتے بڑھتے کیپٹن ریڈ کے مددگار کے توسط سے (جس کا نام ٹامس منرو تھا اور جو بعد میں سر کے خطاب کے ساتھ ہی اس صوبے کا گورنر مقرر ہوا تھا) اس صوبے کے دوسرے حصوں میں بھی رائج کیا گیا تھا۔ سر ٹامس منرو کا نام مدراس کے رعیت واری بندوبست سے اسی طرح نسبت رکھتا ہے جیسے کہ لارڈ کارنوالس کا نام بنگالے کے زمینداری بندوبست کیساتھ۔

۱۷۸۰ء میں ٹامس منرو کا عنفوان شباب تھا اور اس کی عمر انیس سال کی ہو گی جب وہ مدراس پہنچا۔ اور حیدر علی اور ٹیپو سلطان کی لڑائیوں میں شریک رہا۔ کچھ عمر گزرنے کے بعد مرہٹوں کی لڑائیوں میں اُس نے نمایاں اعزاز حاصل کیا جس پر برطانوی

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

پارلیمنٹ نے اُس کی بہادری لیاقت اور کامیابی کی تعریف کی لیکن بحیثیت ایک کامیاب سپاہی کے منرو کا نام ہندوستان میں مشہور نہیں ہے بلکہ اُس کی شہرت اس بنا پر ہے کہ وہ کمپنی کے اُن چند عمال میں سے تھا جنھوں نے رفاہ عام کے لئے اپنی زندگی گویا وقف کردی تھی اور آج تک مدراس میں اُس کا نام اسی طرح تشکر کے ساتھ زبان زد خاص و عام ہے جیسا کہ کارنوالس کا نام بنگالے میں اور الفنسٹن کا بمبئی میں۔

جب ٹامس منرو کیپٹن ریڈ کے تحت بڑے محل کے اضلاع کے بندوبست کا کاروبار کررہا تھا اسوقت اُس کی تیز نظری نے کمپنی کے نظام مملکت کے نقائص خوب پہچان لئے تھے اور اس کی ہمدرانہ قوت فیصلہ نے ان کا صحیح علاج بھی اُسے بتادیا تھا۔

کرناٹک کے متعلق اُس نے یہ تحریر کیا کہ:۔ "نواب کے محاصل کا بڑا حصہ شہر مدراس میں جو گماشتے رہتے ہیں اُن کے ذریعے سے تین اور چار فی صدی سود پر ہر مہینے باہر ارسال کردیا جاتا ہے۔ کرناٹک کے بعض مقامات میں لگان فصل کے اختتام پر مقرر کیا جاتا ہے۔ جو مختلف اجناس پر مختلف ہوتا ہے اور بعض مقامات میں اجناس میں ہی وصول کیا جاتا ہے مگر سب جگہ سالانہ تعہدی کا طریقہ رائج ہے جہاں جہاں فصل کے اجناس پر لگان مقرر کیا جاتا ہے وہاں زمینوں کی ہر سال پیمائش کی جاتی ہے عہدہ داران پیمائش کنندہ (سرویر) اپنی اپنی رپورٹ پیش کرتے وقت جیسی جیسی رشوت لیتے ہیں ویسا ویسا لکھتے ہیں۔ کاشتکاروں اور حکومت کے ساتھ ہزاروں طرح کی دغا بازیاں کی جاتی ہیں اور جہاں جہاں لگان اجناس ہی میں وصول کیا جاتا ہے وہاں فصل کی کل پیداوار یا تو خود کاشتکار کو پیداوار کی اصلی قدر سے بڑھ کر قیمت پر دے دی جاتی ہے یا منڈی کے لئے ایک ایسا عام معیار قائم کردیا جاتا ہے جس سے کم

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

نرخ پر کوئی شخص اس وقت تک غلہ فروخت ہی نہیں کرسکتا تھا جبتک کہ سرکاری غلہ کل کا کل نہ بک جائے۔ ہر شخص یہ خیال کرسکتا ہے کہ اس طرح نامعقول انتظام سے ملک آناً فاناً تباہ و برباد نہو گا تو کیا ہوگا"

انگریزوں کی عملداری کے متعلق بھی منرو نے اسی طرح سے لکھا ہے کہ:- "مجلس مالگزاری نے چند روز قبل یہ درخواست کی تھی کہ کلکٹروں کی تنخواہوں میں اضافہ کیا جائے جس کو حکومت نے نہایت درجہ اظہار ناپسندیدگی کے ساتھ نامنظور کردیا لیکن اس طرح کرنے میں حکومت نے صحیح حکمت عملی یا فطرت انسانی کا کچھ لحاظ ہی نہیں کیا کیونکہ جہاں لوگوں کی یہ حالت ہو کہ اپنی محدود آمدنی میں کسی نہ کسی کے دست نگر بنے رہنے کے سوا اُن کو چارہ ہی نہ ہو بلکہ عوام کو لوٹ لوٹ کر بغیر رازکے طشت از بام ہوئے یکا یک دولتمند بن جانا سہل ہو تو ظاہر ہے کہ ایسی جگہ لوگوں کا رجحان کس طرف ہوگا اب رہے بچے کھچے ایسے بھی لوگ جو راستباز ہیں تو ان کی تعداد الشاذ کالمعدوم کی مصداق ہوگی۔ ہم روز دیکھتے ہیں کہ کلکٹر اپنی تنخواہ سے زیادہ خرچ کرتے ہیں اس کے باوجود چند ہی سال میں وافر دولت پیدا کرلیتے ہیں اور جس طریقے سے یہ کیا جاتا ہے وہ بالکل عام فہم ہے۔ جب لگان نقد رقم کی شکل میں ادا ہوتا ہے تو وہ حکومت کی تحقیقی جمعبندی سے کم بتلاتے ہیں اور جب اجناس میں ادائی ہوتی ہے تو اس وقت وہ زمینوں کی پیداوار یا ان کے اجناس کی فروخت گھٹا کر بتاتے ہیں۔ یہ کہنا بے سود ہے کہ کلکٹر اپنے علم و اخلاق کی وجہ سے ان ذلیل افعال کی طرف راغب نہ ہوں گے کیونکہ واقعات اس کلیہ مفروضہ کے خلاف ہیں"

سنہ ۱۷۹۸ء تک بڑے محل کے نو حاصل کردہ اضلاع میں رعیت واری بندوبست تکمیل کو پہنچ چکا تھا۔

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

"بڑے محل کی پوری پیمائش اب مکمل ہو چکی ہے اور لگان بھی مقرر کر دیئے گئے ہیں۔۔۔۔۔ بڑے محل میں کاشتکاروں کی اتنی بڑی تعداد ہے کہ انتظام مالگزاری میں تفصیلی اہتمام کی ضرورت ہے۔ لیکن اس میں کوئی مشکل حائل نہیں کیونکہ ہمیشہ اس پر توجہ رکھنے کے سوا کچھ اور کرنا نہیں ہے ملک کے لئے بھی یہی بہتر ہے اور کلکٹر کیلئے بھی یہی آسان ہے کہ دس بارہ زمینداروں یا مالکان اراضی کے توسط سے لگان کی رقم وصول کرنے کے بجائے ساٹھ ہزار کاشتکاروں سے ہی براہ راست یہ رقم وصول کی جائے۔ ملک کے اس حصے کا لگان جو میری نگرانی میں تھا گزشتہ سال ایک لاکھ پینسٹھ ہزار پگوڈا ہوا تھا جو بغیر ایک روپے کا بقایا چھوڑے اندرون سال ہی سہولت کے ساتھ بیس ہزار کاشتکاروں سے جمع کر لیا گیا۔"

اس مراسلے میں ہم دیکھتے ہیں کہ تامس منرو ان علاقوں میں رعیت واری بند وبست کا طرفدار تھا جہاں کوئی موروثی زمیندار موجود نہ تھا چنانچہ بنگالے اور شمالی سرکار کے ان مقامات میں جہاں کا مروجہ نظام یہ تھا کہ بڑے بڑے زمیندار مالک اراضی ہوتے تھے حکومت نے زمینداری بند وبست ہی قائم رکھا اور زمینداروں کیساتھ تعین رقم عمل میں آتا رہا۔ دوسرے مقامات میں جہاں کا مروجہ نظام یہ تھا کہ براہ راست رعیت ہی سرکار کو مالگزاری ادا کرتی تھی وہاں منرو نے یہی نظام برقرار رکھا اور رعیت سے براہ راست تعین رقم کرتا رہا۔ مگر دونوں صورتوں میں یہ ضروری اور اہم تھا کہ زراعت کی ترقی اور رعایا کی خوشحالی کے لئے ایک حد تک حکومت کے مطالبات کی شکل غیر متغیر اور دوامی رہے بنگالے میں تو لارڈ کارنوالس نے انتہا کر دیا لیکن ٹامس منرو نے اگرچہ اُس کی خواہش بھی ظاہر کی اور مدراس کے لئے اسی کی تجویز بھی کی مگر وہاں یہ ہونا تھا نہ ہوا اور یہی مہلک نقص جنوبی ہند کے بند وبست اراضی میں موجود ہے۔

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

بڑے محل سے منرو کی کنارا پر منتقلی عمل میں آئی جہاں اُس نے اپنی عادت کے مطابق قابلیت اور کامیابی کے ساتھ ایک سال کے اندر اندر بندوبست کا تمام کام مکمل کر دیا - یہاں بندوبست مالکان اراضی سے کیا گیا تھا -

سنہ ۱۸۰۰ء میں منرو نے یہ تحریر کیا کہ "میں یہاں اس لئے آیا کہ جب مجھ کو اہل سمجھ کر اس ملک کے حقیقی محاصل کو دریافت کرنے کے لئے نامزد کیا گیا تھا تو میں بغیر اپنے فرض سے بادی النظر میں دست بردار ہو جانے کے اس دشوار کام کو اپنے سر لینے سے انکار نہیں کر سکتا تھا اور اب چونکہ یہ کام ہو چکا ہے اور اس وقفے کے سوا جو کسی فوج کشی کی وجہ سے واقع ہوا ہو یہاں کی جمع بھی ویسی ہی برابر بلا ناغہ وصول ہو رہی ہے جیسے کہ بڑے محل کی بلکہ اس سے بھی زیادہ تسلسل کیساتھ تو میں یہ خیال کرتا ہوں کہ میرا کام اب ختم ہو چکا"

"میں نے ہر وقت رقم مالگزاری کا تعین تمام تر مالکان اراضی سے ہی کیا ہے اور جہاں مالک اراضی کوئی نہ تھا ان مقدمات میں موجودہ قابض اراضی سے بندوبست کر لینا پڑا ...... زمینوں کی پیداوار کو بخوبی معلوم کر لیا گیا تھا کیونکہ فریقین نے اپنے اپنے حسابات پیش کئے تھے ایک بھی مثال ایسی نہیں ملی جہاں سرکار کا حصہ ایک ثلث سے زیادہ کا ہو اور اکثر میں تو پیداوار خام کا ایک خمس یا چھٹا حصہ بھی نہ تھا اور بعض مقامات میں تو عشر عشیر بھی نہ تھا"

سنہ ۱۸۰۰ء میں کرشنا اور تمبھدرا کا درمیانی علاقہ حضور نظام دکن نے ایسٹ انڈیا کمپنی کے سپرد کر دیا اُس وقت ٹامس منرو کو جس نے بڑا محل اور کنارا کا بندوبست کیا تھا اس علاقے کا بندوبست کرنے کیلئے منتخب کیا گیا اس لئے ان اضلاع کی تفویض کو منرو کے انتظام دیوانی کا تیسرا میدان کارگزاری کہنا بجا ہوگا - یہاں بھی اپنی مسلمہ قابلیت اور

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri
CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

تفصیلی معلومات کے ساتھ منرو نے اس کام کو جس خوبی کے ساتھ انجام دیا ہے وہ اعتراض سے بالا ہے۔ البتہ خود منرو کو اس بات کا اعتراف ہے کہ حکام مال کے اشد ضروری مطالبات کی وجہ سے وہ رعایا کے ساتھ وہ سلوک نہ کر سکا جو اس کی قوت فیصلہ بتا رہی تھی اور یہ اعتراف منرو نے اس کشادہ دلی کے ساتھ کیا ہے کہ تنقید کا منہ بند ہو جاتا ہے۔

"اگر مجھ کو اس کا یقین ہو جائے کہ مجلس مالگزاری اور حکومت کے یکے بعد دیگرے جو ارکان منتخب ہوں گے وہ سب محاصل کے تدریجی اور رفتہ رفتہ اضافوں کی تائید کرتے رہیں گے جیسی کہ تجویز پیش کی جا چکی ہے تو میں بلاشک و شبہہ اسی پر قائم رہتا لیکن یہ قرین قیاس نہیں معلوم ہوتا کہ مجھ کو اس کی فرصت ملیگی عہدہ داران بااقتدار کی عام طور پر یہی خواہش ہوتی ہے کہ ملک یا کم از کم سرکاری محاصل اُن کی سرپرستی میں ترقی پذیر رہے یہی خواہش اس بات پر غالباً مجھ کو بھی مجبور کردے گی کہ میں بھی تیزی سے آگے قدم بڑھاؤں جتنی جتنی میری عمر زیادہ ہوتی جائے گی شاید میں دل کا کمزور بن جاؤں گا اور دوسروں کے اظہار نفرت کے خیال سے ڈرنے لگوں گا۔ اگر میں اپنے جانشین کے لئے محاصل میں کسی اضافے کی گنجائش چھوڑتا ہوں تو یہ کہا جائے گا کہ میں نے رعایا کو حکومت کے حقوق دبا بیٹھنے کا موقع دیا۔۔۔۔۔۔۔۔ سردست مجھ کو ان معاملات میں عجلت کرنے کا خیال نہیں ہے گو میں سرکاری ضرورت کی خاطر مالی امداد کے لئے رعیت پر ضرورت سے زیادہ دباؤ ڈالوں گا۔"

جس وقت منرو نے یہ لکھا تھا اس وقت اُس کے پیش نظر اُس کے دوست "ج" کا واقعہ تھا "ج" خدمت سے اس الزام پر برطرف ہونے کو تھا کہ اُس نے کرناٹک میں ایسا تعین محاصل

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

کیا تھا جس کو مجلس مالگزاری نہایت قلیل المقدار سمجھتی تھی۔ کمپنی کی حکومت اپنے مال کے عہدہ داروں پر اس طرح کے ناواجبی دباؤ سے اپنی نو حاصل کردہ عملداری میں مالگزاری اس قدر زیادہ مشخص کر رہی تھی کہ اس طرح کی زیادتی کاشتکاران اراضی کے حق میں نہایت سخت اور شدید تھی۔

"افواہ ہے کہ مجلس کی رائے میں کرناٹک کے بندوبست میں "ج" نے بہت عجلت کی اور رقم بھی جو مشخص کی وہ بھی نہایت ہی قلیل المقدار اور یہ بھی کہ اس نے اپنے قدیم دوست لچھمن راؤ پر ضرورت سے زیادہ اعتماد کیا۔ "ج" کہتا ہے کہ اس نے جان بوجھ کر رقم کو کم مشخص اس غرض سے کیا تھا کہ اس کے بعد وہ زیادہ سہولت کے ساتھ اس میں اضافہ کر سکے مجھ کو اسکی برطرفی پر سخت افسوس و رنج ہوگا۔ نہ صرف اس لئے کہ مجھ کو اس کے قدیم دوست ہونے کی وجہ سے اس سے انس ہے بلکہ اس لئے بھی کہ اس کی ایک عمر سررشتہ مالگزاری کی نوکری میں گزر چکی ہے اور مجھے ڈر اس بات کا ہے کہ اس کی شادی کے واقعے کی وجہ سے اس کیلئے اس دنیا میں اب کچھ نہیں رہا۔ میں یہ بھی سختی سمجھتا ہوں کہ کسی آدمی کو محض اس کی رائے کے غلط ہونے کی وجہ سے خدمت سے برطرف کر دیا جائے۔ میری رائے میں اظہار ناپسندیدگی ایسے مواقع پر کافی ہے اور آپ خود ملاحظہ فرما سکتے ہیں کہ یہ غلطی بھی ایک طرح درست تھی۔"

سات سال تک ان اضلاع مفوضہ کا انتظام کرنے کے بعد ٹامس منرو نے آخر کار اپنی انتھک کوششوں سے سستانے کے لئے کہ آرام کا وہ مستحق ضرور تھا ۱۸۰۷ء میں ہندوستان کو خیرباد کہا۔ حکام وقت نے محاصل کے ان تدریجی اضافہ جات پر جو سات سال کے اندر اندر (۴۰۲۶۳۷) پونڈ سے (۶۰۶۹۰۹) پونڈ یعنی پچاس

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

فی صدی پر پہنچ گئے تھے نہایت خوشنودی کا اظہار کیا اور یہی نتائج تھے جن سے کمپنی اپنے عہدہ داروں کی کارگزاری کو جانچتی تھی۔

باقی اضلاع میں دوسرے عہدہ داروں نے بندوبست کی تکمیل کی، ملیبار سنہ ۱۷۹۲ء میں کمپنی کے مقبوضات میں داخل ہوا اور تھوڑی مدت تک صوبۂ بمبئی میں شامل رہا۔ بمبئی کی حکومت نے راجاؤں اور ملیبار کے نائر سرداروں سے پہلے دو مرتبہ سالانہ اور اس کے بعد پنج سالہ بندوبست کیا۔ راجاؤں اور نائر سرداروں کے محاصل بروقت ادا نہ کرنے پر اُن کی زمینیں اُن سے چھین لی گئیں جس پر ان سب نے بغاوت شروع کر دی۔ بمبئی کی حکومت جب اس طرح اپنے انتظام مملکت میں ناکامیاب ثابت ہوئی تو ملیبار سنہ ۱۸۰۰ء میں صوبۂ مدراس میں منتقل کر دیا گیا۔ لارڈ کلائیو نے جو گورنر وقت تھا ایک صدر کلکٹر اور اُس کے تحت اور کلکٹروں کو اس علاقے کے انتظام کے لئے مقرر کیا۔ تعین مالگزاری کچھ تو مالکان اراضی سے کیا گیا اور کچھ کاشتکاروں سے لیکن انتظام مالگزاری کا جو نظام عام طور پر اختیار کیا گیا وہ رعیت واری نظام ہی تھا جو اب حکام کی نظروں پر چڑھ رہا تھا موروثی راجہ اور نائر سردار جو ملیبار میں انگریزی راج کے پہلے سے زمینوں کے مالک تھے آہستہ آہستہ اس طرح بے دخل کئے گئے کہ آخر کار اس منظر ہی سے غائب ہو گئے۔ صحیح تدبیر تو یہ ہوتی کہ قدیم طریقے برقرار رکھے جاتے راجاؤں اور نائر سرداروں کو انگریزی حکومت کی اطاعت سکھائی جاتی اور وہی قوم کے رہنما رہتے۔ لیکن اس خواہش کا اثر کہ کاشتکاروں سے تعین مالگزاری کا معاملہ براہ راست کیا جائے تاکہ جس قدر زمینوں سے وصول ہو سکے وصول کیا جائے کمپنی کی حکمت عملی پر جتنا جتنا زمانہ گزرتا گیا اتنا اتنا برابر اور مسلسل طور پر روز افزوں بڑھتا رہا۔

سنہ ۱۷۹۹ء میں لارڈ ویلزلی نے تنجور کا الحاق کر لیا۔ اس ریاست

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

کے کاشتکار اپنے راجاؤں کو زرلگان پٹلکداروں کے توسط سے ادا کرتے تھے جو بمنزلہ رعیت کے سرداروں کے تھے پٹلکداروں کے حلقۂ عمل میں ایک سے لے کر ایک سو اٹھائیس تک گانوٴں ہوتے تھے اور اکثر پٹلکدار اصل میں زمینداروں کی حیثیت رکھتے تھے انگریزی حکومت نے ان پٹلکداروں کا بالکل صفایا کردیا۔ اور سنہ ۱۸۰۱ء میں رعیت واری نظام کی ترویج کی۔ زمینوں کی پیمائش پر جو تعین قیمت کیا گیا اس کے موافق تعین محاصل کرنے کے بجائے چند سالہ پیداوار کے اوسط پر محاصل مقرر کردیا گیا۔

لارڈ کارنوالس اور نواب کے درمیان جو معاہدہ ہوا تھا پہلے پہل اُس کی رو سے اور سب سے آخر سنہ ۱۸۰۱ء میں لارڈ ولزلی نے کرناٹک کا جو الحاق کرلیا تھا اس کی بنا پر کرناٹک کا انتظام مملکت ایسٹ انڈیا کمپنی پر منتقل ہوا۔ اس عملداری کا ایک بڑا حصہ پشتہا پشت اور صدیوں سے مقامی فوجی سرداروں کے زیر حکومت تھا جن کو "پالی گار" کہا جاتا تھا۔

"پالی گار" گانوٴں کے سردار ہوتے تھے یا دوسرے قسم کے سرکاری ملازم تھے جن کی پہلی حقیقی حالت دکن کے انقلابی زمانے میں بدل گئی تھی اور اب یہ فوجی حکمران بن بیٹھے تھے کیونکہ اس انقلاب قوت کی وجہ سے اصلی حکام کی قوت غصب ہوچکی تھی بالخصوص جزیرہ نمائے ہند کے جنوبی حصے میں یہ بات سب مقامات سے زیادہ نمایاں تھی جہاں اسناد پیش ہوئے ان اسناد میں بھی خاص طور پر ان شرائط کا بیان نہیں تھا جن پر اُن کے "پالم" یعنی جاگیریں اُن کے زیر قبضہ تھیں بلکہ یہ اندرونی شہادت خود اس میں پائی جاتی تھی کہ وہ شہنشاہ کے دست نگر تھے اور کرناٹک کے صوبہ داروں کے ماتحت بھی تھے جن کو وہ خراج ادا کرتے تھے اور جب کبھی صوبہ داروں کی طرف سے وہ طلب کئے جاتے تھے

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

تو ان کا فرض تھا کہ وہ اپنے حد اختیار کی وسعت کے متناسب فوج لیکر فوراً حاضر ہو جائیں۔"

ان "پالی گاروں" کی حالت پر وارن ہیسٹنگز کے زمانے سے اب تک بہت کچھ خامہ فرسائی کی گئی تھی۔ نواب کرناٹک نے اپنے برطانوی حلیفوں سے اکثر امداد اس لئے چاہی تھی کہ اپنی قوت عام لوگوں پر پھیلانے کے لئے ان مقامی سرداروں کو نیست و نابود کردے لیکن مجلس نظماء کو یہ بات ناگوار تھی کہ پالی گاروں کے خلاف نواب کے لئے انگریزی فوج سے یہ ناخوش گوار خدمت لی جائے۔ چنانچہ انھوں نے صاف صاف یہ احکام صادر کئے تھے کہ "دیسی رؤسا کو جن کو پالی گار کہا جاتا ہے سرے سے میٹ نہیں دینا چاہئے"۔ انھوں نے اس بات کو انسانی ہمدردی کے خلاف سمجھا کہ ان پالی گاروں کو اس خوفناک انتہا پر پہنچا دیں جہاں ان کے لئے نہ جائے رفتن نہ پائے ماندن رہے۔ نظماء کو اس بات کا بھی ڈر لگا ہوا تھا کہ نواب کی حکومت کچھ نرم دلی میں مشہور نہ تھی اور جمع محاصل میں بے شمار ظلم و تعدی کرتی تھی۔ اگرچہ انہیں یہ خبر تھی کہ کرناٹک کے لوگ متعدد مصائب برداشت کرنے کے عادی ہو چلے تھے لیکن ان کے خیال میں نواب کرناٹک کا ظلم ان سب مصیبتوں سے بھی بڑھ کر تھا۔

سنہ ۱۷۹۲ء میں کارنوالس نے نواب کرناٹک سے جو معاہدہ کیا تھا اُس کے اتمام کے بعد نظماء نے اپنے مراسلے مرقومہ ۱۰ جون سنہ ۱۷۹۵ء میں اس معاہدے کے اصول پر جی کھول کر بحث کی اس کے بعد ہندوستان میں بھی اس پر بحث و مباحث ہوے اور سنہ ۱۷۹۶ء میں لارڈ ہیوبرٹ گورنر مدراس نے ایک یادداشت قلمبند کی جس میں پالی گاروں کو انگریزی حکومت کے مطیع و باجگزار اور کارآمد رعایا بنانے کے طریقے تجویز کئے۔ اس کے جواب میں

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

نظام نے ۵ رجون ۱۷۹۹ء کا مراسلہ بھیجا جس میں وہ پالی گاروں کی فوجی قوت کو قطعاً فرو کرنے پر مصر تھے اور اس تجویز پر بھی کہ پالی گار جتنی رقم بطور خراج پہلے ادا کرتے تھے اُس سے زیادہ اب ادا کریں۔ اس مراسلے کے زعم پر مدراس کے حکام عقل و انصاف کی حد سے بڑھ گئے۔ ۱۷۹۹ء اور ۱۸۰۰ء کے درمیان انھوں نے ایک ایسا بند و بست کیا جس کی رو سے پالی گاروں کی وہ تمام اراضی جو گانوؤں کے باہر واقع تھی انگریزوں ہی کے قبضے میں رہیں اور اتنی مالگزاری کا مطالبہ کیا جو پہلے سے ایک سو سترہ فی صد زیادہ تھی اس پر جنوبی پالی گار بغاوت کے لئے ہتھیار لے کر اٹھ کھڑے ہو گئے مگر یہ بلوہ جلدی سے فرو کر دیا گیا۔ باغیوں کی جاگیریں ضبط کر لی گئیں اور بعض کو تو سولی بھی دی گئی۔ محاصل کے متعلق اس بات کا اعلان کیا گیا کہ اسمیں کئی سال تک یوں ہی اضافہ ہوتا رہے گا مگر جمع خام کے دو ثلث حصے کے مساوی رقم ہونے پر محاصل غیر متغیر رہے گا۔ آخر میں ۱۸۰۳ء میں اُن چودہ جاگیروں کے لئے ایک دوامی بند و بست کیا گیا جو ابھی جنوبی پالی گاروں کے ہی قبضے میں تھیں اور رقم مالگزاری جو مشخص کی گئی وہ ۱۷۹۹ء اور ۱۸۰۰ء کے درمیانی بند و بست کے ظالمانہ مطالبات کے مقابل کسی قدر اعتدال پر مبنی تھی کیونکہ یہ رقم خام آمدنی کے اکتالیس سے لے کر اکاون فی صد تک معین کی گئی تھی۔ یہ جاگیریں ضلع ٹناولی میں واقع تھیں اور اسی طرح کے بند و بست پالی گاروں کے ساتھ شیوا گنگا اور رامناد میں بھی کئے گئے۔

۱۸۰۲ء میں مغربی پالی گاروں سے بھی دوامی بند و بست عمل میں آیا لیکن چیتور کے پالی گاروں کے لئے جو الحاق کرناٹک کیساتھ انگریزی عملداری میں آگئے تھے مشیت نے اس سے زیادہ خرابی اٹھا رکھی تھی انھوں نے انگریزوں کے دعاوی کی مزاحمت کی تو

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

اُن کو اپنے قلعوں کو چھوڑ کر جنگلوں میں پناہ لینی پڑی چند کے سوائے چتور کے پالی گاروں کی سب جاگیریں خالصہ کر لی گئیں اور پٹہ داروں سے براہ راست بندوبست عمل میں لایا گیا۔

ایک صدی کے گزر جانے کے بعد ان واقعات پر نظر ڈالنے سے افسوس ہوتا ہے کہ کرناٹک میں پالی گاروں کو جس حکمت عملی نے در اصل نیست و نابود کر دیا وہ ظالمانہ ضرور تھی اور قابل افسوس بھی۔ ایسٹ انڈیا کمپنی کے نظماء پالی گاروں کی فوجی قوت سلب کر لینے میں حق بجانب تھے کیونکہ موجودہ نظام مملکت میں ایسی قوت لازمی طور پر صرف سلطنت ہی کے ہاتھ میں رہنی چاہیئے۔ لیکن یہ حکمت عملی عقل و انصاف پر مبنی نہ تھی کہ گانوں سے باہر جو اُن کی جاگیریں تھیں اُن سب سے اُن کو بے دخل کر دیا جائے اور ان سے محاصل میں ناگہانی اور ظالمانہ اضافوں کے مطالبات کئے جائیں یا اُن کو بغاوت کی یہ سزا دی جائے کہ اُن کو سرے سے ٹھکرا کر نیست و نابود کر دیا جائے۔ سترہ اور اٹھارہ صدی عیسوی کے جنوبی ہند کی لڑائیوں کے پریشان کن اور پر مصائب دوران میں پالی گاروں نے ایک حد تک امن و قاعدہ اپنی اپنی جاگیروں میں قائم کر دیا تھا۔ اور ایسے زمانے میں جبکہ اس سرزمین میں اور کوئی باضابطہ حکومت تھی ہی نہیں انھوں نے جلاہوں اور دستکاروں کے جان و مال کی حفاظت کی تھی کاشتکاروں کو اپنی پناہ میں لیا تھا تمام جنوبی ہند میں آبپاشی کے لئے بڑی بڑی نہریں اور تالاب بنوائے تھے اور کرناٹک کی ابتدائی لڑائیوں میں جب مدراس کو فرانسیسیوں نے فتح کر لیا تھا اُس وقت خود انگریزوں کو اپنے یہاں پناہ دی تھی اگر پالی گاروں پر بلوہ اور لوگوں پر ظلم کرنے کا الزام تھا تو یہ نقص سترہ اور اٹھارہ صدی عیسوی میں ایشیا اور یورپ کے سرداروں اور امراء میں عام تھا اور عاقلانہ تدبر تو یہ ہوتا کہ پالیگاروں

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

کی بیخ کنی کے بجائے ایک ضابطہ اور قاعدے کے تحت ان کو لانے کی کوشش کی جاتی۔ کسی سرزمین کے قدیم ادارات کو تبدیل کرنا کسی حکومت کے لئے بھی عاقلانہ حکمت عملی نہیں ہے اور بدیسی حکومت کے لئے تو یہ حکمت عملی انسانی ہمدردی پر مبنی ہو ہی نہیں سکتی کہ وہ کسی جماعت کو بالکل میٹ دے اور اُس کے حقوق ملکیت اس لئے ضبط کر لے کہ کاشتکاروں سے براہ راست تعین مالگزاری کرنے میں وہ اپنی آمدنی میں حسب دلخواہ اضافہ کر سکتی ہے۔

مدراس میں لارڈ ولزلی کی حکومت کی حکمت عملی بنگالے میں لارڈ کارنوالس کی حکمت عملی کے مقابل تشدد آمیز اور قبیح نظر آتی ہے۔ لارڈ کارنوالس نے جب دیکھا کہ بنگالے کے مزارعین موروثی زمینداروں کے تحت ہیں تو اُس نے زمینداری ادارات کو مستحکم اور مدام بنا دیا مگر لارڈ ولزلی کی حکومت نے جب کرناٹک کے ایک بڑے حصے کو پالی گاروں کے دباؤ میں پایا تو اُس نے رعایا کو اپنی راست نگرانی میں لینے کے لئے پالی گاروں کی بیخ کنی ہی کر دی۔ لارڈ کارنوالس کے دل میں قدیم ادارات کا احترام تھا اور اس طرح اُس نے بنگالے میں ایک کثیر خوش حال اور قانع متوسط طبقہ محفوظ چھوڑ دیا۔ لارڈ ولزلی نے اسی طبقے کو مدراس سے ایسا نیست و نابود کر دیا کہ انگریزوں کے راج کے ایک صدی بعد بھی اس نقصان کی وہاں تلافی نہ ہو سکی۔ مدراس میں کوئی پر زور با اثر خوشحال متوسط طبقہ اب ایسا نہیں ہے جو کاشتکاروں اور بدیسی حکومت کے درمیان فطرتی تعلق کی ایک کڑی بن سکے۔

لارڈ ولزلی کی حکومت کی حکمت عملی مدراس میں فرانسیسی انقلاب کی حکمت عملی سے ایک گونہ مشابہت رکھتی تھی کیونکہ چند سال سے قبل فرانس میں بھی جاگیرداروں امراء کے حقوق ضبط کر لئے گئے تھے۔ اگرچہ فرانسیسی امراء نے اس طرح جو کچھ بھی کھویا

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

اس میں فرانسیسی قوم کا فائدہ ہوا لیکن جو کچھ "پالی گاروں" نے مدراس میں نقصان اُٹھایا اس سے محض ایک بدیسی تجارتی کمپنی کو ہی فائدہ پہنچا۔ پالی گار جو کچھ زرلگان اپنی رعایا سے وصول کرتے تھے وہ اُن ہی پر خرچ کرتے تھے اور مختلف ذرائع سے گویا یہ انھیں کی جیبوں میں واپس جاتا تھا اور اُن کی تجارت اور اُن کی صنعت وحرفت کو بارآور کرتا تھا مگر پالی گاروں کے نیست ونابود ہو جانے کے بعد جو رقم مالگزاری کمپنی کے ہاتھ میں آتی تھی اُس میں سے انتظام مملکت کے مصارف ادا کرنے کے بعد مابقی رقم تمام وکمال پردیسی تاجروں کے منافع کی صورت میں غیر ملکوں کو ارسال کردی جاتی تھی کمپنی کے ایک لائق ترین ناظم نے کہا تھا کہ "یہ بات نہ چھپائے چھپ سکتی ہے اور نہ انکار سے جھٹلائی جا سکتی ہے کہ رعیت واری نظام کا اصل مقصد یہی ہے کہ حکومت کے لئے اسی قدر لگان اراضی پر وصول کیا جائے جس قدر ممکن ہو"۔ پچھلے صفحات میں ہم نے مختصر مگر مسلسل طور پر مدراس کے بندوبست ۱۸۰۸ء تک کے حالات بیان کئے ہیں اور شمالی سرکار کے اُن انتظامات مالگزاری پر نظر ثانی بھی کی ہے جو ۱۸۰۲ء اور ۱۸۰۵ء کے دوامی بندوبست پر پہنچ کر ختم ہوئے۔ ٹامس منرو کے بڑے محل کنٹرا اور اضلاع مفوضہ کے بندوبست کا بھی حوالہ دیا ہے ملیبار اور تنجور میں جو کچھ عمل کیا گیا تھا اُس کو اور کرناٹک کے اُن سب معاملات کو بھی بیان کر دیا ہے جہاں چند پالی گاروں کے ساتھ جو باقی رہ گئے تھے دوامی بندوبست کیا گیا مگر اس صوبے کے زیادہ تر حصے میں کاشتکاروں سے ہی براہ راست بندوبست عمل میں آنے پر یہ قصہ ختم ہوا۔

ان تمام بندوبستوں کا نتیجہ منسلکہ فہرست سے بہترین طریقے

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri
CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

پر نظر آتا ہے وہو ہذا

جہاں دوامی بندوبست ہوا

نواح مدراس کے جاگیرات	سنہ ۱۸۰۱-۱۸۰۲ء
شمالی سرکار	سنہ ۱۸۰۲-۱۸۰۵ء
سالم	
مغربی اقطاع کے پالی گاروں کی جاگیرات	
چتور کے پالی گاروں کی جاگیرات	سنہ ۱۸۰۲-۱۸۰۳ء
جنوبی اقطاع کے پالی گاروں کی جاگیرات	
رامناد	سنہ ۱۸۰۳-۱۸۰۴ء
کرشناگیری	سنہ ۱۸۰۴-۱۸۰۵ء
ڈنڈیگل	سنہ ۱۸۰۴-۱۸۰۵ء
ٹریونڈاپورم	
مواضعات جاگیری	سنہ ۱۸۰۶-۱۸۰۷ء

جہاں دوامی بندوبست نہیں ہوا

میسور
- ملیبار
- کنارا
- کوئمبٹور
- اضلاع مفوضہ
- بالاگھاٹ

کرناٹک
- پالناد
- نلور اور انگول
- الہ کاٹ
- ستی داد
- ترچناپلی
- مدورہ
- ترنولی

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

اوپر کے بیان سے یہ واضح ہو گا کہ مدراس میں جیسے جیسے زمینداروں پالی گاروں اور دوسرے سرداروں کے ساتھ بندوبست کرنے کا طریقہ نامقبول ہوتا گیا ویسے ویسے کاشتکاروں اور رعیت کے ساتھ براہ راست بندوبست کرنے کا طریقہ پسندیدہ ہوتا گیا چنانچہ اس صوبے کے لئے رعیت واری نظام کو آخری مرتبہ کس طرح تسلیم کر لیا گیا اس کا بیان آٹھویں اور نویں باب میں آتا ہے۔

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

آٹھواں باب

مل دیہی یا شخصی اسامیاں؟ مدراس میں ایک مباحثہ

سنہ ۱۸۰۷ء تا سنہ ۱۸۲۰ء

پچھلے باب کے آخر میں جو فہرست درج ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سنہ ۱۸۰۷ء میں مدراس کے کن اضلاع میں دوامی بندوبست ہو چکا تھا اور کن میں نہیں۔ اس وقت اس مسئلے پر بحث مباحثے بھی ہوئے تھے کہ جہاں ایسا بندوبست نہیں ہوا ہے وہاں کس قسم کا مستقل انتظام ہونا چاہیئے۔

کیا وہی دوامی بندوبست زمینداری جس کو لارڈ کارنوالس نے بنگالے میں رائج کیا تھا یہاں بھی رائج کیا جائے؟

یا دوامی رعیت واری بندوبست جس کی تامس منرو نے تجویز کی تھی یہاں اختیار کیا جائے گا؟

یا دوامی موضع واری بندوبست یعنی ہر ملت دیہی سے اجمالی بندوبست پر آخر کار تصفیہ کر دیا جائے جیسی کہ مدراس کی مجلس مالگزاری

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

نے تجویز پیش کی تھی۔

ہندوستان کی تمام معاشی تاریخ میں اس اہم مسئلے پر جو مباحثے ہوئے ان سے زیادہ دلچسپ کوئی اور باب نہیں ہے۔

اضلاع مفوضہ میں ہفت سالہ محنت شاقہ کے بعد ۱۸۰۷ء میں یورپ کو مراجعت کرنے کے موقع پر تامس منرو نے اپنی مشہور و معروف کیفیت قلمبند کی جس میں اس نے ان اضلاع کے لئے دوامی رعیت واری بندوبست کی تجویز پیش کی۔ اس میں قرار محاصل کو بھی بیان کیا جو اس نے جمع کیا تھا اور جو خام پیداوار کا پینتالیس فی صد حصہ ہوتا تھا اس نے اس محاصل میں ایک چوتھائی کمی کی سفارش کے ساتھ یہ تجویز پیش کی کہ اس کمی کے بعد بھی محصول دوامًا مشخص کر دیا جائے۔

"چونکہ پیداوار کا ایک ثلث حصہ وہ انتہائی حد ہے جس پر مالکان اراضی کو تباہ و برباد کرنے کے بغیر عام طور پر محصول تشخیص کیا جا سکتا ہے اور چونکہ یہی وہ حد ہے جس پر کاشتکاروں کے سوا اور اشخاص کو بغیر نقصان کے سرکاری اراضی پر قابض ہونے کی ترغیب کے لئے محصول کو گھٹانا لازمی ہے تو یہ ظاہر ہے کہ جب تک محصول اس حد تک نہ گھٹایا جائے گا اس وقت تک مر طبقے کے اشخاص نہ تو اراضی پر قابض ہونا چاہیں گے نہ زمین خانگی ملک بن سکتی ہے اور نہ کوئی ایسا دوامی بندوبست ہی کیا جا سکتا ہے جس سے رعیت کو یا محاصل عامہ کو کوئی فائدہ پہنچے اس لئے میری رائے یہ ہے کہ اضلاع مفوضہ کے دوامی بندوبست میں سرکاری لگان خام پیداوار کا قریب قریب ایک ثلث حصہ ہونا چاہئے موجودہ محصول تقریبًا پینتالیس فی صدی ہوتا ہے اس کو مجوزہ معیار پر لانے کے لئے پچیس فی صد کی معافی ضروری ہوگی جیسا کہ ذیل کی مثال سے ملاحظہ کیا جا سکتا ہے۔"

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

جملہ خام پیداوار	۱۰۰
سرکاری حصہ موجودہ محصول کے مطابق	۴۵
پچیس فی صد منہائی	۱۱ ۱/۴
سرکار کا حصہ مجوزہ دوامی تشخیص کے مطابق	۳۳ ۳/۴

"اب میں وہ طریقۂ کار بیان کرتا ہوں جو اضلاع مفوضہ میں دوامی رعیت داری بندوبست کی ترویج کے لئے اختیار کیا جا سکتا ہے..........

(۱) بندوبست رعیت واری ہونا چاہئے۔

(۲) زیر کاشت زمینوں کی وسعت کی مناسبت سے بندوبست کی رقم سالانہ بڑھتی اور گھٹتی رہنا چاہئے۔

(۳) تمام زمینوں پر فی صد پچیس کی نئی پیمائش کے مجوزہ شرح محصول پر کی جانی چاہئے۔

(۴) اس کے علاوہ اُن تمام زمینوں پر آٹھ فی صد یا جملہ تینتیس فی صد محصول میں کمی کی اجازت دینی چاہئے جن کی آبپاشی باؤلیوں سے ہوتی ہے یا ندیوں اور نالوں سے آلات اور کل کے ذریعے پانی نکالنے سے ہوتی ہے بشرطیکہ کاشتکاران باؤلیوں اور کنوؤں کی بصرف خود مرمت کرتے ہوں۔

(۵) رعیت کے ہر فرد کو اختیار ہوگا کہ ہر سال کے ختم پر اپنی اپنی حسب حیثیت چاہے وہ اپنی اراضی کے کچھ حصے سے دست بردار ہو جائے یا چاہے اور اراضی پر قبضہ حاصل کرے لیکن خواہ وہ قدیم قبضہ چھوڑے یا جدید قبضہ حاصل کرے کسی کو اس بات کا اختیار نہ ہوگا کہ وہ اپنے لئے اچھی اچھی زمینوں کا انتخاب کرنے بلکہ اچھی اور بری دونوں طرح کی زمینوں کا ایک متناسب حصہ ہوگا جو چاہے وہ لے یا چاہے چھوڑ دے۔

(۶) رعیت کا ہر فرد جب تک کہ وہ اپنے زمینات کا لگان

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

ادا کرتا رہے گا ان زمینوں کا بالکل مالک متصور ہوگا اور وہ مختار ہوگا کہ اپنی زمینوں کے لگان کو گھٹا بڑھا کر کسی اور کے نام پٹہ کردے یا بیچ ڈالے۔

(۷) معمولی موقعوں پر خرابیٔ فصل یا اور حادثات کی بناء پر کوئی معافی نہیں ہوگی اگر کسی وجہ سے رقم ادا نہ ہوسکے اور نا دہندگان کی اراضی یا املاک سے بھی اس کی تلافی نہ کی جاسکے تو ایسی صورت میں جہاں یہ نادہندگان رہتے ہوں اُس گانوُں کی رعیت پر علاوہ اپنے اپنے زر لگان کے صرف دس فی صد اس نقصان کی پابجائی کی ذمہ داری عائد ہوگی اور اس سے زیادہ نہیں۔

(۸) وہ تمام اراضی جو کسی کے قبضے میں نہیں ہے حکومت کے ہاتھ میں رہے گی اور اُس کا لگان یا اس کے اُس حصے کا لگان جو اُس کے بعد زیر کاشت رہے گا محاصل سرکاری میں شامل ہوگا۔

(۹) مکانات دکانوں اور پیشہ وروں پر جو ٹکس ہے یا لگایا جائے گا اور تمام محصول اور رسوم اجازت نامہ جات وغیرہ بلاشرکت احدے سرکار کا حق ہوگا رعیت کو جن کی زمینوں پر مکانات یا دکانیں تعمیر کی جائیں گی یہ حق نہ ہوگا کہ وہ اس لگان سے زیادہ اس اراضی کے لئے وصول کریں جو ان زمینوں کا پیمائش کے بعد مقرر ہوچکا ہے۔

(۱۰) ان سب تالابوں کی ترمیم جو لگان میں مزید رعایت کی وجہ سے خانگی ملک نہیں بن گئے ہیں یا "دلسں وندم" انعام نہیں ہیں بمصارف سرکاری عمل میں آئیگی۔

(۱۱) تقاوی کا طریقہ رفتہ رفتہ بند کر دیا جائیگا۔

(۱۲) پٹیل کرنم اور گانوُں کے دوسرے اہل کار حسب حال کلکٹر ہی کے ماتحت رہیں گے۔

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

(۱۳) خانگی لینڈلارڈ اگر رعیت کی املاک کی قرقی کی درخواست کریں تو اُن پر لازم ہوگا کہ وہ رعیت کی طرف سے سرکار کو بقایائے مالگذاری ادا کریں اور اس قرقی سے پہلے رقم مالگذاری کی ادائی کے لیئے ضمانت داخل کریں۔

ہم نے اتنا طویل اقتباس اس لیئے کیا ہے کہ رعیت داری بندوبست کے اس منصوبے کو واضح طور پر سمجھنے کے لیئے جو اس کے حقیقی بانی کے پیش نظر تھا یہ ضروری تھا۔ ٹامس منرو کی خواہش تھی کہ رعیت کے ہر فرد بشر سے علیحدہ علیحدہ تعین رقم مالگذاری کیا جائے جو دوامی ہو اور جس میں کمی و زیادتی اراضی کے تناسب ہو یعنی جتنی زیادہ یا کم زمین زیر کاشت رہے اسی کے تناسب محاصل میں بھی کمی و زیادتی کی جائے۔

لارڈ ولیم بینٹنک کی بھی جو بحیثیت گورنر مدراس لارڈ کلائیو کا ۱۸۰۳ء میں جانشین مقرر ہوا بعینہ یہی رائے تھی۔ ۱۸۰۶ء میں بینٹنک نے جو یادداشت قلمبند کی اُس میں یہ بھی لکھا تھا کہ زمینداری بندوبست بنگالے کے لیئے موزوں تھا جہاں موروثی زمیندار موجود تھے لیکن مدراس کے ان علاقوں کے لیئے یہ ناموزوں تھا جہاں اس طرح کے مالکان اراضی نہ تھے۔

"مجھ کو یہ اطمینان ہے کہ زمینداروں کا وجود میں لانا حکومت کے اغراض اور ملت کے عام مقاصد کے خلاف ہے ..... میں دوامی بندوبست کے اصول کا ہرگز مخالف نہیں ہوں بلکہ اس کا ثناخواں ہوں اور مجھ کو یقین ہے کہ صرف اس حصہ دنیا کیلئے ہی نہیں بلکہ تمام دُنیا کے لئے یہ مناسب حال ہے۔"

اور اس کے بعد کی ایک اور یادداشت میں جو اسی سال قلمبند کی گئی گورنر مذکور نے لکھا ہے کہ:-

"جبکہ رعیت کے ساتھ سالانہ بندوبست ایک معینہ اصول

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

کرنے سے جس سے رعیت کو اپنی محنت کے ثمرے کا ایک سال تک تیقن ہو جائے فی الواقع ایسے ہی فوائد پیدا ہوتے ہیں تو ظاہر ہے کہ دوامی بندوبست سے بھی جو انھیں اُصول پر مبنی ہو مگر جس میں رعیت کو مزید فوائد حاصل کرنے کا وسیع موقع رہے اور اس کے مفاد کو وسعت دی گئی ہو ایسا ہی نتیجہ پیدا ہو گا جس میں رعیت کیلئے فوائد نسبتہً زیادہ ہوں گے۔"

ان اقتباسات سے ظاہر ہوتا ہے کہ ٹامس منرو اور لارڈ ولیم بینٹنک نے جب رعیت واری بندوبست کی حمایت کی تھی تو ان دونوں کے پیش نظر دوامی بندوبست ہی تھا۔ ہندوستان کو خیرباد کہنے کے چھ سال کے بعد ۱۸۱۳ء میں کمپنی کے منشور کی تجدید کے وقت مجلس دارالعوام کے سامنے ٹامس منرو کا بیان قلمبند کیا گیا تو اُس نے اس مجلس پر اپنے منصوبوں کا تفصیلی انکشاف جس قدر اُس سے ممکن تھا اُسی قدر پرزور واضح اور ناقابل ابہام الفاظ میں کیا۔

"کیا مالگزاری کا کوئی دوامی انتظام ان اضلاع مفوضہ میں رائج کیا گیا ہے جس کے آپ کلکٹر رہ چکے ہیں؟"

"میرے ہندوستان سے واپس ہونے تک تو کوئی دوامی بندوبست نہیں کیا گیا تھا لیکن رعیت اپنے املاک سے بلاخوف وخطر مستفید ہو رہی تھی حتیٰ کہ تمام زمینوں پر ایک معینہ لگان مشخص کر دیا گیا تھا اور رعیت کا ہر فرد بشر اپنی اپنی کھیتی باڑی پر دوامی قبضہ رکھنے کا مجاز تھا بشرطیکہ وہ لگان ادا کرتا رہے اور ان اراضی کے لگان پر کسی قسم کا اضافہ نہیں کیا جا سکتا تھا۔"

"رعیت واری نظام کا کیا مقصد ہے براہ کرم مجلس کے سامنے اُس کی توضیح فرمائیے۔"

رعیت واری نظام کا اُصول جو میری سمجھ میں آتا ہے اُس کو

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

میں بیان کر دیتا ہوں ورنہ اُس کی تفصیل غالباً بہت طول طویل ہو گی۔ رعیت واری نظام کا اصل اُصول یہ ہے کہ مُلک کی تمام اراضی پر ایک محصول مقرر کیا جاتا ہے اور یہ محصول دوامی ہوتا ہے رعیت کا ہر فرد بشر جو اپنی مقبوضہ اراضی کا کاشتکار بھی ہوتا ہے اور مالک بھی اس بات کا مجاز گردانا جاتا ہے کہ وہ جتنی مدت کے لئے چاہے اس مقررہ محصول پر اپنی زمینوں پر قابض رہے اور بغیر کوئی مزید محصول ادا کرنے کے وہ دواماً ان زمینوں پر قابض رہتا ہے اگر وہ بنجر زمینوں یا اُفتادہ اراضی پر قابض ہونا چاہتا ہے تو ان جدید زمینوں کا مقررہ محصول ادا کرتا ہے اور اس سے زیادہ کچھ نہیں۔ اس کے لگان میں کسی قسم کا تغیر ہوتا ہی نہیں۔"

"کیا اس مجلس کا یہ سمجھنا بجا ہے کہ مداومت کا لحاظ کرتے رعیت واری نظام اور دوامی بندوبست بنگالہ میں کوئی فرق و امتیاز نہیں ہے۔"

"مداومت کی حد تک تو ان دونوں طریقوں میں کوئی فرق نہیں ہے لیکن رعیت واری بندوبست میں سرکار کو افتادہ زمینوں کی کاشت کے متناسب زیادہ محاصل ملتا ہے۔"

اگر زبان کوئی معنی رکھتی ہے تو یہ صاف ظاہر ہے کہ منرو نے جس رعیت واری اُصول پر تعین مالگزاری کیا تھا اور جس کی ترویج مدراس کے اور حصوں میں بھی وہ کرنا چاہتا تھا اس شرط پر مبنی تھا کہ رعیت کا ہر فرد بشر اپنی اپنی زمینوں پر اضافہ لگان ادا کرنے کے بغیر دواماً قابض رہے اِلّا اس کے کہ افتادہ اراضی پر بھی جو زیر کاشت لائی جائیں لگان ادا کیا جائے۔ اگر الفاظ کوئی نہ کوئی معینہ مطلب رکھتے ہیں تو یہ بھی صاف ظاہر ہوتا ہے کہ مداومت کا لحاظ کرتے سکارنوالس کے زمینداری بندوبست اور منرو کے

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

رعیت واری بند و بست میں کچھ بھی فرق نہیں بجز اس کے کہ رعیت واری بند و بست کے تحت اُفتادہ اراضی جب زیر کاشت لائی جاتی ہیں تو ان پر بھی لگان ادا کیا جاتا ہے۔ اس بات کا اچھی طرح دلنشین کر لینا یہاں ضروری ہے کیونکہ مدراس میں انھیں زمینوں پر مقررہ غیر متغیر و ناقابل تبدیل محاصل کے حقوق کو جو رعیت کو حاصل تھے اُنھیں گزشتہ چند سالوں سے مدراس کی حکومت نے بالکل نظر انداز ہی کر دیا ہے اور منرو کے رعیت واری بند و بست کا اصول اولین پس پشت ڈال دیا گیا ہے۔

جس اثنا میں دوامی زمینداری بند و بست کا منصوبہ نامقبول ہونے لگا تھا اور منرو رعیت واری بند و بست کے منصوبے کو پسندیدگی کی نظر سے دیکھ رہا تھا ایک تیسرا انتظام جس کو دوامی موضع واری بند و بست کہا جاتا تھا مدراس کی مجلس مالگزاری نے تجویز کیا ۱۵ اگست ۱۸۰۸ء میں منرو نے اُس وقت کے پیش قرار لگان پر پچیس فی صد کی کمی کی جو تجویز پیش کی تھی اس کے حوالے سے مجلس مالگزاری نے یہ نئی تجویز پیش کی۔

۲۹۔ یہ کرنل منرو کے منصوبے کا خاکہ ہے جو اضلاع مفتوحہ کے سوائے ان تمام اضلاع کے لئے بھی موزوں و مناسب ہے جن میں ابھی کسی قسم کا بند و بست نہیں ہوا ہے۔ اگر حکومت کے ضروریات کے باوجود اتنا ایثار ممکن ہے کہ موجودہ مقررہ لگان پر پچیس فی صد یا کم از کم پندرہ فی صد ہی معافی کی جا سکے تو ہماری رائے میں یہ بہت ہی اچھا ہوگا اور آئندہ چل کر بہت مفید و فائدہ رساں ثابت ہوگا۔ درحقیقت اس بات پر کسی قسم کی بحث ہی فضول ہے کہ ہم کاشتکار سے اُس کی اپنی محنت کا ثمرہ جتنا کم چھین لیں گے اسیقدر وہ زیادہ مرفہ الحال ہوگا۔

۳۰۔ اگر حکومت کے ضروریات اس قدر ایثار کی اجازت

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

نہیں دیتے اور اگر حکومت کسی کو شخصی ملکیت کی برکتیں عطا نہیں کر سکتی ہے تو کم از کم اراضی میں شخصی مفاد کی ایک ایسی کارآمد صورت ہی پیدا کرنے پر قناعت کرنی چاہئے جیسی نظام مستاجری کے تحت ممکن ہے۔ اگر حکومت اپنے حقوق مالکانہ کے کچھ حصے سے دست بردار نہیں ہو سکتی ہے تو کم از کم نرم دل مالک اراضی تو بن سکتی ہے۔

"۳۷۔ ان حالات میں رعیت واری بندوبست کو موضع واری بندوبست میں تبدیل کر دینا جیسا کہ مسٹر ہاجسن نے تجویز کیا ہے ملک کی خوشحالی اور سرکاری محاصل کی بلا ناغہ وصولیابی دونوں کے لئے سب سے زیادہ مناسب ہوگا۔

"۳۸۔ ہر ایک موضع اور اس کے بارہ "اگاگندایاس" ملاکر ایک مختصر سا جمہوریہ ہے جہاں مقدم بھی ہے پٹیل بھی اپاڈبھی اور ریڈی بھی جو گانوں کا سردار یا چودھری ہوتا ہے۔ اور ہندوستان اسی طرح کی جمہوری حکومتوں کا مجموعہ ہے موضع کے باشندے ایام جنگ میں اپنے اپنے گانوں کے سردار کی سنتے ہیں اور اسی کی رہنمائی کے محتاج رہتے ہیں۔ جب تک اُن کا گانوں صحیح و سالم رہے ریاستوں کے زوال یا تقسیم سے اُن کو سروکار نہیں اور نہ اس کی پروا ہوتی ہے کہ اُن کا گانوں کس طاقت کے زیر نگین چلا گیا کیونکہ جس کسی کی بھی زیر حکومت ہو گانوں کے اندرونی انتظام میں تغیر تو ہوتا ہی نہیں گانوں کا سردار یا چودھری خواہ اس کو محاصل کا جمع کرنے والا کہئے یا مجسٹریٹ یا مستاجر مالگزاری ہر حالت میں وہاں موجود ہے۔

"۳۹۔ مانو کے زمانے سے آج تک یہاں کہیں بندوبست عمل میں آیا ہے وہ یا تو چودھریوں ہی سے کیا گیا ہے یا اُن کی وساطت سے۔ جب محاصل کی ایک معقول مقدار کا تعین ہو جاتا تھا اور چودھری بھی اس پر رضامندی ظاہر کرتے تھے تو چودھریوں پر

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

چھوڑ دیا جاتا تھا کہ وہ رعیت سے اپنے حسب منشا رتشخیص محاصل کرلیں۔ اگر محاصل کی رقم ضرورت سے کم ہوتی تھی اور چودھریوں کو اضافہ کرنے پر اختلاف ہوتا تھا تو عملدار چودھری ہی کے سامنے رعیت سے تعین مالگزاری کرتا تھا۔ یہ نظام ایک زمانے کا آزمودہ تھا اور چونکہ اس نظام کے تحت سارا صوبہ اکثر نہایت ہی سرسبز و شاداب رہتا تھا اس لئے یہ نتیجہ نکالا جا سکتا ہے کہ زراعت کو ترقی پر پہنچانے کا مقصد تنظیم اسی سے ضرور وابستہ تھا۔"

حکومت مدراس نے مجلس مالگزاری کے جواب میں اُس کو اکثر اضلاع میں جہاں کسی قسم کا بندوبست نہیں ہوا تھا سہ سالہ بندوبست کرنے کا مجاز بنایا جو دوامی موضع داری بندوبست کا پیش خیمہ متصور ہوتا تھا اور حکومت مدراس نے مجلس نظار کے موسومہ مراسلے میں یہ تجویز بھی پیش کی کہ اس سہ سالہ بندوبست کے اختتام پر دہ سالہ بندوبست ایسا کیا جائے جو نظار کی پسندیدگی پر دوامی کر دیا جائے۔

مگر نظار دوامی بندوبست کا نام سُن کر متوحش ہو گئے اور اُنھوں نے مجلس مالگزاری پر یہ الزام عائد کیا کہ اس نے احکام حاصل کئے بغیر دہ سالہ بندوبست کو جائز کیسے قرار دے دیا۔

• "ان تمام اضلاع میں جہاں اس مراسلے کے وصول ہونے تک بندوبست نہیں ہوا ہے رعیت واری نظام کے اصول پر کاربند ہونا چاہئے اور جہاں کہیں دوسرے اُصول پر موضع کا بندوبست ہو چکا ہے وہاں اس بات کا اعلان کر دیا جائے کہ ایسی پٹہ داریاں اپنی اپنی مدت کے اختتام پر ختم ہو جائیں گی۔"

مدراس کی حکومت نے نظار کے اس فیصلے پر یہ اعتراض کئے کہ

"زراعت ہی پر قومی تمول اور دولت کی بنیاد قائم ہے اور

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

زراعت کی توسیع و ترقی کے لئے یہ ضروری ہے کہ غیر منقولہ جائداد و املاک پر سرکاری مطالبات محدود و معین رہیں۔ یہ فرض نہیں کر لیا گیا تھا کہ ان قیود سے حکومت کو کسی قسم کا خسارہ یا نقصان برداشت کرنا پڑے گا۔ بلکہ ان قیود کے بغیر نہ تو زراعت کی توسیع ہی ممکن تھی اور نہ ترقی اور نہ ملک کے ذرائع آمدنی میں اضافہ ہو سکتا تھا..... اسلئے مذکورہ بالا رائے کے پیش کرنے میں ہم نے دوامی بندوبست کو محض مالی مسلک کا ایک مسئلہ تصور کیا ہے اور یہی سمجھ کر اس پر غور کیا ہے مگر یہاں اس بات کے ثابت کرنے کی ضرورت نہیں ہے کہ اس مسئلے میں ایک اور اہمیت یہ بھی ہے کہ عام لوگوں میں جو زراعت کرتے ہیں حکومت کے ابدی قیام میں ایک گہری دائمی دلچسپی پیدا کرنا بھی اس سے مقصود ہے۔"

اس کے ایک سال کے بعد مدراس کی حکومت نے دائمی موضع واری بندوبست کی حمایت میں اور دوامی رعیت واری بندوبست کے خلاف مجلس نظمار کی خدمت میں اس سے زیادہ پُرزور تحریک دوبارہ پیش کی۔

"اگر دوامی بندوبست کا اصل مقصد اپنے اپنے معاملات و کاروبار کا انتظام متعلقہ لوگوں ہی کے ہاتھ میں چھوڑ دینا ہے اس خیال سے کہ سرکاری ملازموں کے مقابل وہ خود اپنے معاملات کا انتظام کر سکتے ہیں تو ایسے رعیت واری نظام کے تحت کیا یہ مقصد حاصل ہو سکتا ہے؟ ہرگز نہیں بلکہ تمام تر انتظام پھر بھی انھیں لوگوں کے ہاتھوں میں رہنے گا جن سے چھین کر اسے دوسروں کے ہاتھوں میں منتقل کرنا مقصود تھا۔ یہ حیرت کی بات ہے کہ ایسے نظام کے تحت جو خاص طور پر مالکان اراضی کے حقوق و اغراض کی حفاظت کیلئے وضع کیا گیا ہو خود مالکان اراضی زمینوں کے حقوق ملکیت سے بطور جرمانہ یا تاوان دست بردار کر دئے جائیں جبکہ وہ عام یا خاص

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

آفت سے یا کاہلی سے یا بد انتظامی کی وجہ سے کسی ایک سال ان زمینوں کی کاشت نہ کر سکیں اور اُن کے حقوق مالکانہ ہر ایسے واقعے کے وقوع پر شریک خالصہ کر دئے جائیں اس سے زیادہ ملکیت اراضی پر کوئی اور مداخلت بیجا یا دست اندازی کسی دوسرے نظام میں خواہ وہ کہیں ہو کبھی بھی نہیں کی گئی ہوگی۔..........

کاشتکار جن زمینات سے دست بردار ہوتا ہے یا جن زمینات کو اپنے قبضے میں لیتا ہے اُن کی فریب آمیز پیمائش سے محفوظ نہیں ہے یہی نہیں بلکہ اس ظالمانہ طریقے سے بچنے کے لئے اگر وہ یہ ارادہ بھی کرلے کہ اس پر جو قیود عائد کئے گئے ہیں اُنھیں قائم رہنے دے تب بھی زراعت کے روزانہ کاروبار، ذرائع آبپاشی، تقاوی کی تقسیم یا کسی آفت کی وجہ سے لگان کی تخفیف یہ تمام امور اُن اشخاص کے ہاتھ میں ہیں جن کو کاشتکار کی املاک سے کوئی دلچسپی ہی نہیں اور نہ اس کے احساسات کے ساتھ اُن کو کچھ ہمدردی ہوتی ہے درحقیقت کیا اچھا ہوتا کہ وہاں بھروسہ اور اعتماد کیا جاتا جہاں ذاتی اغراض اعتماد ناجائز اور بے اعتباری کے مانع تھے۔ پھر سرکاری عہدہ داروں کے بے سود اور غلط امداد کی مشکلات بیچ میں حائل ہونے کے بغیر اور اُن کے مظالم و سخت گیری سے خائف ہونے کے بغیر لوگوں کو اپنے اپنے طریقوں سے ملک کو ترقی پر پہنچانے کا موقع ملتا۔ بہرحال ہم اس بات کے مُقر ہیں کہ رعیت واری نظام جس کے تجویز کرنے والے منرو ہیں ہماری رائے میں دوامی بندوبست مالگزاری کہلانے کا کسی حال میں بھی مستحق نہیں بلکہ برخلاف اس کے اُس سے مالگزاری اور املاک اراضی دونوں کی بالکل غیر بندوبست شدہ حالت ہی رہے گی اور لوگ عہدہ داران سرکاری کے تجسسانہ مداخلت بیجا کا شکار ہوں گے جس کی موجودگی میں کوئی خانگی کام نشو ونما نہیں پا سکتا۔..........

ہندوستان کی مالگزاری کے متعلق جو موجودہ نقطۂ نظر

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

انگلستان کا ہے اور ہندوستان میں ہمارا ہے۔ میری رائے میں ان دونوں میں بڑا فرق ہے۔ انگلستان کو یہ ڈر لگا ہوا ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ سرکاری مطالبات کی بیجائی ہندوستان کے ذرائع آمدنی کے ترقی نہ پانے کی وجہ سے نہ ہو سکے اور یہاں ہماری دانست میں بلا استثناء سب کا عام خیال یہی ہے کہ سرکاری مطالبات کی وجہ سے ملک کی خوشحالی اس درجہ متاثر ہو رہی ہے کہ نہایت فیاضانہ اور منصفانہ انتظام کے بغیر ملک کے ذرائع آمدنی میں فوری اضافہ ہونے کی توقع کے بجائے ان میں اور زیادہ انحطاط پیدا ہو جانے کا ڈر ہے۔ اس خیال کو ہم معزز مجلس کے سامنے پیش کرنے میں زوردار سے زوردار الفاظ استعمال کئے بغیر نہیں رہ سکتے۔ اس بارے میں ہم آپ کی دور اندیشی آپ کی انصاف پسندی اور آپ کی انسانی ہمدردی کو مخاطب کرتے ہیں یہ آپ کی حکومت کے انتظام مملکت کی کامیابی سے اسی قدر متعلق ہے جس قدر کہ ایک کثیر آبادی کی فلاح و بہبود و خوشحالی سے اور ایک وسیع سرزمین کی سرسبزی سے جس پر فطرت خود مہربان ہے اور جو اندرونی فتنہ و فساد اور بیرونی حملوں سے محفوظ ہے اور جس کو متمول اور سرسبز و شاداب بنانے کے لئے صرف اس کے ذرائع آمدنی پر سرکاری مطالبات کا محض باعتدال ہونا کافی ہے۔ ان عظیم مقاصد کے حصول کے مقابل یہ بھی ایثار اور قربانی کی جائے وہ کس قدر کم قدر معلوم ہوتی ہے!"

چونکہ انتظامی اور عدالتی اصلاحات اس وقت زیادہ محتاج توجہ تھے اس لئے رعیت واری اور موضع واری بندوبست کے مسئلے کے تصفیے میں تاخیر ہوئی۔ ٹامس منرو نے ہندوستان میں ستائیس سال کی محنت شاقہ کے بعد انگلستان میں سات سال آرام میں گزارے ہی تھے کہ اس کو عدالتی نظام پر نظر ثانی کرنے کے لئے جو کمیشن مقرر ہوا تھا

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

اس کا صدر نشین بنا کر دوبارہ ہندوستان بھیجا گیا اور وہ ۱۶ ستمبر ۱۸۱۴ء
میں مدراس پہنچا۔ عدالتی نظام کی اصلاح میں اور ہندوستانیوں
کو عدالتی ذمہ داری کی خدمات دینے میں اُس نے کیا کیا محنتیں
اور مشقتیں اٹھائی ہیں ان کا بیان کسی اور موقع پر کیا جائے گا۔ اور
کس طرح اُس نے آخر جنگ مرہٹہ میں یہ کار نمایاں انجام دیئے
کہ نہ صرف ہندوستانیوں پر ہی اُس نے اعتماد اور کامل اعتبار
کیا بلکہ میدان کارزار میں بہت بہادری دکھائی یہ مضمون بھی اس
کتاب کے موضوع سے باہر ہے۔ اس جنگ کے اختتام پر
جنوری ۱۸۱۹ء میں منرو نے دوبارہ انگلستان کو مراجعت
کی اُس وقت بندوبست اراضی کا مسئلہ تصفیہ کے لئے پیش ہوا۔
مدراس کی مجلس مالگزاری موضع واری بندوبست کی ترویج
کی اب بھی طرفدار تھی۔ اور ۱۸۱۸ء میں اس مجلس نے ایک یادداشت
قلمبند کی جو ہندوستان میں لکھی ہوئی تمام جامع اور قابل یادگار یادداشتوں
میں سے ایک ہے۔
زمینداری نظام کے بارے میں اراکین مجلس نے کہا کہ:۔
"اس آسانی اور سہولت اور قاعدے کے ساتھ یہ محاصل
جمع کیا گیا ہے کہ نہ تو اس دوران میں دیسی عمال مالگزاری سے کوئی
بیجا حرکتیں وسیع پیمانے پر وقوع پذیر ہوئیں اور نہ حکومت کو کلکٹروں
اور مجالس نگرانی کے ذریعے وہ تمام اہم فرائض اپنے سر لینے پڑے
جو سالانہ بندوبست میں لازمی ہوتے ہیں اور نہ تغلب و خیانت کے
الزامات کی تحقیقات کرنی پڑی جو سال بسال پیش آتے ہیں اس میں
اور پہلے کی حالت میں بڑا فرق نظر آتا ہے مثلاً پہلے حکومت کو سرکاروں
میں واجب الوصول رقوم کی وصولیابی کے لئے بے سود کوششیں
کرنی پڑی تھیں زمیندار اور مالگذار تھے کہ ان مطالبات سے بچنے
کے نئے حیلے حوالے لیت و لعل کرتے تھے اکثر تو زمینداری اور

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

پالم (جاگیر) کی اراضی سے محاصل وصول کرنے کے لئے فوج کے زور اور دباؤ سے کام لینا ضروری ہوتا تھا اور مختلف قسم کی بیجا حرکتیں جو پہلے دیسی عمالوں میں پھیلی ہوئی تھیں اُن سے سرزد ہوتی تھیں اور اب بھی یہی باتیں ان اضلاع میں شرمناک طور پر موجود ہیں جہاں عارضی بندوبست جاری ہے..........

"قدیم زمیندار اور پالیگار درحقیقت اُمرائے مُلک تھے اور اگرچہ ان میں چند کے بیٹے ایسے بھی تھے کہ جن کی تفصیلی تحقیقات اُن کے حق میں مضر ثابت ہوتی بر این ہم رعایار کے ساتھ اُن کے کچھ ایسے تعلقات قائم ہو چکے تھے کہ ان تعلقات کو توڑنے کے بجائے اُن کو اور مستحکم بنانا زیادہ دور اندیشی فیاض مندی اور انصاف پسندی کی بات تھی۔ اگر ان سرکاروں میں ہمارا اقتدار ان صوبہ جات کے حصول کے وقت بھی ایسا ہی مستحکم ہوتا جیساکہ اضلاع مفوضہ کی منتقلی کے وقت بن گیا تھا تو یہ قدیم زمیندار بھی اضلاع مفوضہ کے پالی گاروں کی طرح اراضی سے بے دخل کر دئے جاتے اور ان کی حالت ایسی گھٹ جاتی کہ یہ اب تک ہماری فیاضی کے خوشہ چیں ہمارے ہی وظیفہ خوار بنے رہتے۔ لیکن دیسی رؤساء سے رعایار کو جو ایک دلی تعلق ہے اُس کا لحاظ کرتے ہوئے اور اکثر زمینداریوں کے مخصوص موقع محل کے دیکھتے ہوئے اس میں بہت کچھ شک وشبہہ کی گنجائش ہے کہ آیا اس طرح کی حکمت عملی اس قدر غیر مدبرانہ نہ ہوتی جس قدر کہ وہ غیر فیاضانہ تھی۔"

رعیت واری نظام کے متعلق اراکین نے یہ لکھا کہ:۔

"رعیت واری نظام کی ابتدا ازبڑے محل اور سالم کے اضلاع سے ہوئی جو ۱۷۹۲ء میں کمپنی کو تفویض ہوئے تھے اور سب سے پہلے اس نظام کی تجویز کرنل ریڈ نے کی جو ان اضلاع کی تفویض پر انکی نگرانی کے لئے مقرر ہوا تھا اور جس کے کرنل منرو میکلاؤڈ اور کرنل گرہیم

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

جو اس وقت نیابت کی خدمات انجام دے رہے تھے یادگار تھے۔

"ارکاٹ کے شمالی علاقے میں میراث داروں کے خاص حقوق و رسوم بھی شریک خالصہ ہو کر داخل خزانہ سرکار کر لیے گئے تھے۔ قصہ مختصر پیمائش کے بعد جو محصول مقرر کیا گیا تھا وہ اس قدر زیادہ تھا کہ مالکان اراضی کو جو کچھ تھوڑا حصہ لگان کا بچ رہتا تھا وہ بھی سرکاری مالگزاری میں ضم ہو گیا تھا اور اصل کاشتکار اور سرکار کے درمیان کسی کا بھی توسط نہیں رکھا گیا تھا......

"دراصل تحصیلدار اور سررشتہ دار سال بسال رعیتواری بندوبست کرتے تھے جو عام طور پر فصل کے استادہ ہونے تک ختم نہیں ہوتا تھا اور طریقہ یہ تھا کہ اس وقت عملی طور پر اس فصل سے جتنا کچھ وصول ہو سکتا تھا اسی قدر رقم تشخیص کی جاتی تھی اگر فصل اچھی ہوتی تھی تو اتنا ہی زیادہ مطالبہ کیا جاتا تھا جتنا کہ پیمائش کی شرح کے اندر ہوا در رعیت کے مقدور میں بھی ہو اور اگر فصل خراب ہو جاتی تھی تو دمڑی دمڑی تک کا مطالبہ کیا جاتا تھا اور بجز اس کے کہ رعیت کے لئے لگان کی ادائی بالکل ہی ناممکن ہو تی معافی کی نہیں جاتی تھی اور اس بات کی بڑی تحقیقات کی جاتی تھی کلکٹر کا سارا عملہ ہی نہ صرف اس کی تفصیل دریافت کرتا تھا بلکہ نادہندہ کا ہر ایک ہمسایہ جاسوسی کرتا تھا ورنہ نادہندگی کی وجہ سے وہ خود اس رقم کی ادائی کا ذمہ دار تھا الا اس کے کہ وہ یہ ثابت کر دے کہ نادہندہ کے پاس اس مطالبے کی ادائی کے قابل ملک املاک یا جائداد موجود تھی۔............

"ہر کاشتکار ان تمام کھیتوں پر اپنا قبضہ قائم رکھنے پر مجبور رہتا جن کو عہدہ داران مالگزاری نے اس کے ذمے بطور اس کے حصے کے کیا تھا اور خواہ وہ ان کھیتوں کی کاشت کرے یا نہ کرے بقول مسٹر ٹھکری ان کھیتوں کا لگان تو اس کو ہر حال میں ادا کرتا

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

ضروری تھا۔ بلّاری کے کلکٹر مسٹر چیاپلن کے قول کے موافق جس کا شمار کرنل منرو کے لائق ترین سابقہ مددگاروں میں ہوتا تھا اور جو رعیت واری نظام کا اب بھی سب سے زیادہ پرزور حامی تھا رواج یہ تھا کہ اس بند وبست کے تحت "موجودہ قواعد کے خلاف انتہا درجے کا اقتدار اس غرض سے کام میں لایا جائے کہ رعیت اپنے اپنے مقدور کے موافق اراضی کی کاشت کرے" اس طرح مجبور کرنے کی تشریح وہ یوں کرتا ہے کہ کلکٹر اور اسکے دیسی عمال مالگزاری "قید کرنے اور سزا دینے کے اقتدار" کو اس کام میں لاتے ہیں۔ اور وہ خاص طور پر یہ بھی کہتا ہے کہ اگر رعیت ان مظالم کی وجہ سے اپنے کھیتوں اور کاشت کو چھوڑ کر بھاگ بھی جاتی ہے تو عملدرآمد یہ تھا کہ "مفرورین کا جہاں کہیں وہ جائیں تعاقب کیا جائے۔ اور اُن پر اپنے حسب منشا محصول لگا کر نقل مکان سے جن فوائد کی توقع ہو سکتی تھی اُن سے بھی محروم کر دیا جائے"

"نو مقبوضہ ممالک کے حقیقی ذرائع آمدنی وغیرہ سے ناواقف اور اپنی پٹہ داریوں کی صحیح نوعیت سے بے خبر ہونے کے باوجود بھی ہم دیکھتے ہیں کہ پردیسی فاتحین کا ایک مختصر سا گروہ جیسے ہی اس سرزمین کے ایک وسیع خطے پر قبضہ حاصل کرتا ہے جہاں مختلف اقوام آباد ہیں جن کی زبانیں جن کے رسوم اور جن کے عادات ایک دوسرے سے مختلف ہیں ویسے ہی وہ ایک ایسے کام پر کمر ہمت باندھتا ہے جو یورپ کے نہایت ہی متمدن ممالک میں بھی جہاں ہر قسم کے اعداد و شمار سے آگاہی ہوتی ہے اور جہاں کی حکومت اور رعایا میں کسی طرح کی غیریت نہیں ہوتی ہر کولیس کی ایک مہم سر کرنے کے برابر ہے یا بالفاظ دیگر ایک موہوم مقصود کی تلاش سے کم نہیں یعنی لگان کا مقرر کرنا اور وہ بھی نہ صرف ہر صوبے

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

یا ضلعے یا علاقے کی زمینوں پر نہ صرف ہر جاگیر یا بڑے بڑے مزرعوں پر بلکہ اپنی عملداری کے ایک ایک علیحدہ کھیت پر اس اصلاح کی جستجو میں ہماری آنکھوں کے سامنے یہ لوگ بے خیالی سے قدیمی تعلقات کو توڑ رہے ہیں یعنی ان قدیم رواجوں کو جن سے ایک موضع کا مقامی جمہوریہ دوسرے موضع کے مقامی جمہوریہ سے وابستہ تھا اور ایک طرح کے قانون تقسیم اراضی کی رو سے زمینوں پر نئے نئے لگان لگاتے ہیں اور اُن کے ٹکڑے ٹکڑے علیحدہ علیحدہ کر کے تقسیم کر رہے ہیں یہ وہی اراضی ہیں جو قدیم یادازرفتہ زمانے سے مِل وہی کے مشترکہ قبضے میں تھے۔ نہ صرف فرداً فرداً اُن اشخاص کے جو میراث دار اور قدیمار کے خاص حقوق رکھنے والے طبقے کے رکن تھے بلکہ اُن کی بھی جو نہایت ہی معمولی اسامی تھے جیسے کہ پہکاری۔ ہم دیکھ رہے ہیں کہ وہ خانگی ملکیت سے انکار کرتے ہیں اور اس انکار سے اراضی کی خانگی ملکیت کو کالعدم کر رہے ہیں۔ جو کچھ ایک عام شخصیہ یعنی "گراماتہیم" کے زیر قبضہ تھا اس کو خالصہ کر کے اپنے زیر تصرف لا رہے ہیں اور اس کے معاوضے میں کسی ایک شخص کو وظیفہ مقرر کر دیتے ہیں۔ بظاہر اس کا اقرار کرتے ہیں کہ مطالبات کو ہر کھیت کی حد تک محدود رکھیں گے مگر در اصل ایک ایسی انتہائی حد قائم کرتے ہیں جس کو کبھی پہنچ ہی نہ سکیں اور رعیت پر اپنی مرضی کے موافق محصول لگاتے ہیں یعنی پہلے کے مسلمانوں کی حکومت کی طرح رعیت کو گویا ہل میں جوت دیتے ہیں اور ایسی زمینوں کی کاشت پر مجبور کرتے ہیں جن پر جان بوجھ کر اُن کی مقدور سے زیادہ لگان مقرر کیا جاتا ہے۔ اگر کوئی شخص اپنی زمین چھوڑ کر فرار ہو جاتا ہے تو اُس کو کشاں کشاں پکڑ لاتے ہیں مطالبات کے تعین میں فصل کے تیار ہونے تک تاخیر کرتے ہیں پھر جس قدر ممکن ہو سب رعیت سے وصول کر لیتے ہیں اور بیلوں اور تخم کاشت کے سوا رعیت کے پاس کچھ نہیں چھوڑتے بلکہ

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

یہ بھی انھیں رعیت کو دینا پڑتا ہے تاکہ رعیت اپنے لئے نہیں بلکہ اُن کیلئے کاشت کا ناشاد و منحوس کام پھر سے شروع کر سکے۔"

رعیت داری نظام کے تحت دوامی اور مبنی بر اعتدال محصول کے بغیر جیسا کہ منرو نے تجویز کیا تھا افسوس ہے کہ کاشتکاروں کی حالت اس طرح کی تھی! "انسان نما بہائم کے گلوں" کی ناگفتہ بہ حالت کی تصویر اس سے بہتر کسی نے نہیں کھینچی ہے۔

آخری بات جو مجلس نے موضع واری نظام کے متعلق لکھی وہ یہ تھی کہ:-

"اگرچہ یہ نظام ہر ضلع میں مساوی طور پر کامیاب نہیں رہا براین ہم جہاں سب سے کم یہ کامیاب رہا ہے جیسے کہ بلاری ضلع میں وہاں بھی کلکٹروں کی متفقہ رائے یہی ہے کہ ملک کی زرعی آبادی کو اس سے بہت کچھ مادی فائدہ پہنچا مزید براں نہ صرف ان فریقوں نے جن سے معاہدہ کیا گیا بلکہ کثیر التعداد رعیت نے موضع واری بندوبست سے فائدہ اٹھایا۔ رعیت واری "تروے" قریب قریب سب جگہوں پر کم ہو گئے اور چودھریوں یا رعیت کے سرداروں کے اپنے سے کم رتبہ اشخاص کو دبانے اور ستانے کے بجائے خود کلکٹروں کو اپنے گھٹے ہوئے اقتدار کو سنبھالنے کے لئے تحصیلداروں سے مدد لینے کی ضرورت لاحق ہوئی بلا استثناء تمام کلکٹروں کی کیفیتوں کی عام زبان یہ ہے اور سب یہی کہانی دھراتے ہیں۔ یہ نتیجہ بطور ایک معتبر شہادت کے پیش کیا جا سکتا ہے کہ اس نظام سے اُس کے مخترعین کے سارے توقعات پورے ہوئے۔ لیکن جہاں یہ بندوبست بہترین طور پر کیا گیا تھا جیسے کہ کڑپہ اور آرکاٹ کے شمالی حلقہ جات میں وہاں کی سرسبزی و شادابی کی ایک ایسی تصویر کھینچی گئی ہے جس کی نظیر و مثال اس صوبے کے

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

اسناد و امسلۂ مالگزاری میں ڈھونڈھے سے بھی کہیں نہیں ملتی۔
یہ آخری استدعا بھی بے سود ہوگئی۔ رعیت واری نظام کا بڑا موجد جواب نائٹ کمانڈر آف باتھ کے خطاب سے سرفراز ہو چکا تھا تیسری اور آخری مرتبہ گورنر مدراس مقرر ہو کر ہندوستان آیا۔ اور زمینداروں اور پالی گاروں سے جو زمینداری بندوبست کیا گیا تھا اس کے سوائے باقی تمام صوبے کے لئے رعیت واری بندوبست کو ترویج دینا آخری مرتبہ تسلیم کر لیا گیا۔ اسی سال کے بعد ان یادگار مباحث پر تاریخ ہند کا متعلم ایک مغموم نظر ڈالتا ہے اور دردمندانہ غور کرتا ہے۔ سر تامس منرو کے اعلیٰ ذاتی خصائل کا مداح ہونے کے باوجود وہ اس بات کو محسوس کئے بغیر نہیں رہ سکتا کہ ان مباحث میں مجلس مالگزاری ہی حق پر تھی۔ ایک دانشمند اور دور اندیش حکومت اس بات کی ہر وقت کوشش کرتی ہے کہ ملک کے قدیم ادارات کا جو موجودہ ترقی میں حائل نہ ہوں بالکل صفایا کر دینے کے بجائے اُن کی نشوونما کی جائے اور ان میں بھی ترقی کی صورت نکالی جائے اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ مواضع کے اندرونی معاملات کا انتظام بمقابل تحصیلداروں سررشتہ داروں اور اہالیان کوتوالی کے خود گاؤں والوں ہی سے زیادہ اطمینان بخش اور کامیاب طور پر چل سکتا ہے اور جہاں کہیں ممکن ہو باشندوں کے بڑے بڑے طبقوں کو اپنے معاملات کا آپ انتظام کرنے دینا خود انسانیت پیدا کرتا ہے جو ایک عام فائدے کی بات ہے۔ اگر منرو نے اپنے ابتدائی زمانے میں ملت دیہی کو بڑے محل کنارا یا اضلاع مفوضہ میں کام کرتے دیکھا ہوتا تو وہ خود بھی اس نظام کا سب سے بڑا حامی بن جاتا۔
لیکن ان مقامات میں کاشتکاروں ہی سے براہ راست تعین رقم مالگزاری کرنے کے بعد نیز حکومت مدراس اور دارالعوام کے

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

سامنے اس نظام کی حمایت کرنے کے بعد اور نظمائے کمپنی سے تمام غیر بند وبست شدہ حصول کے لئے اس نظام کی منظوری لینے کے بعد آخری عمر میں منرو اپنی رائے بدل نہیں سکتا تھا۔ اور انتظام مالگزاری کے ان پسندیدہ اشکال کی قدر نہیں کر سکتا تھا جن میں ملت دیہی کا توسط ضروری تھا۔ اور جن کی سرپرستی سنہ ۱۸۱۲ء سے نے کر سنہ ۱۸۱۸ء تک مجلس مالگزاری نے کی تھی بحیثیت گورنر مدراس سر ٹامس منرو نے دیہی ادارت کی نشو و نما کے لئے جس قدر ہو سکا امداد دی۔ اس نے پنچایت کا جدید انتظام کیا اُن کو عدالتی اختیار عطا کئے اور کوشش کی کہ ہندوستان کی دیہی ملتیں جیسی سابق میں تھیں ویسی اب بھی زندہ و دیہی اعضائے ادارت بنی رہیں۔ لیکن یہ ساری کوششیں ناکام ثابت ہوئیں۔ جب قدیم ادارت سے تمام حقیقی اختیارات چھین لئے جائیں تو پھر اقتدار کے نمائشی اشکال ان کو زندہ و قائم نہیں رکھ سکتے جب گانوؤں کے رہنے والے ادنیٰ ادنیٰ ملازم مالگزاری اور بددیانت کوتوالی کے جوان کے ہاتھوں جان بلنگ ہیں تو پھر پہلے کی طرح ایک دوسرے کے ساتھ مل کر وہ شخصیہ کی طرح کوئی کام نہیں کر سکتے۔ انگریزی حکمرانی کی ابتدا سے کئی انقلابات و تغیرات ہندوستان میں رونما ہوئے جن میں اکثر ترقی کے معاون تھے مگر بعض افسوسناک بھی تھے مگر ان میں سب سے زیادہ افسوسناک تغیر حکومت خود اختیاری کی قدیم اشکال کا نیست و نابود ہو جانا اور اس قدیم ملت دیہی کا ناپید ہو جانا تھا جن کا سب سے پہلا ملجا و ماوا روئے زمین کے تمام ممالک میں ایک ہندوستان ہی تھا۔

موضع واری نظام کا آخری مرتبہ نامنظور ہونا جس کی حمایت پر مجلس مالگزاری نے کمر باندھی تھی موجودہ زمانے کے ناظرین کے لئے اب محض ایک علمی دلچسپی کی بات رہ گئی ہے مگر جو بات عملی اہمیت رکھتی تھی وہ یہ تھی کہ رعیت واری نظام کی اب وہ شکل ہی باقی نہیں رہی تھی

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

جس کی خود ٹامس منرو نے طرفداری کی تھی۔

سنہ ۱۸۰۷ء اور پھر سنہ ۱۸۱۳ء میں بھی ٹامس منرو نے نہایت پُرزور الفاظ میں جس قدر اُس سے ممکن تھا بالا علان کہا تھا کہ رعیت واری نظام کا اصل اصول لگان کی غیر متغیر مداومت تھی یعنی رعیت واری نظام ایسا ہی دوامی تھا جیسے کہ بنگالے کا زمینداری بند وبست الا زمینات افتادہ کے بندوبست کے۔ سنہ ۱۸۲۰ء میں رعیت واری نظام آخرکار مدراس کے تمام غیر بندوبست شدہ اقطاع میں رائج کر دیا گیا لیکن لگان کی غیر متغیر مداومت جس کو حکومت مدراس سنہ ۱۸۶۲ء تک مانتی اور تسلیم کرتی رہی تھی باقی نہیں رہی۔ سرکاری مطالبات کا عدم تعین اور ان مطالبات کا ہر نئے بندوبست کے وقت ایسے نئے نئے وجوہ پر بدلتا رہنا جن کو لوگ سمجھ ہی نہیں سکتے اب مدراس کی زراعتی آبادی کے حق میں اُن کے دائمی تذبذب اور قدیم ناداری کا باعث ہے۔

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

نواں باب

منرو اور مدراس کا رعیت واری بندوبست

سنہ ۱۸۲۰ء تا سنہ ۱۸۲۷ء

سر ٹامس منرو بحیثیت گورنر صوبہ بمبئی سنہ ۱۸۲۰ء میں فائز مدراس ہوا اور اسی مہینے میں رعیت واری نظام کی عام ترویج کا اعلان کر دیا گیا۔ جہاں جہاں رعیت واری نظام کی ترویج کرنی منظور تھی وہاں زمینداریوں، عطیات اور تمام دوسرے قسم کے حقوق اراضی کو بذریعۂ خرید یا بروقت انقضائے میعاد واپس لینے میں ہر ممکنہ موقع سے فائدہ اُٹھایا گیا اور اس طرح آناً فاناً ہر موضع کی اسامیوں اور پٹہ داریوں میں سے ایک بھی باقی نہیں چھوڑی گئی۔ جہاں کہیں مشترکہ حقوق اراضی تھے اُن کو توڑ کر پٹہ داروں سے علیٰحدہ علیٰحدہ شرائط کرنے کے لئے کلکٹروں کی ہمت افزائی کی گئی۔ بہت زیادہ شرح محصول کی وجہ سے سرکاری مطالبات کھیتوں کی پیداوار کے پینتالیس یا پچاس بلکہ پچپن فی صدی تک مشخص کئے جاتے تھے اور رعیت کے لئے نہایت انتہا مظالم کا سامنا تھا مگر سر ٹامس منرو کے نظم ونسق میں جہاں دوسروں کا لحاظ اور خیال ہوتا تھا وہاں یہ شرح محصول بھی عام طور پر

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

گھٹا دی گئی۔

اس باب میں مدراس کے ہر ضلع میں رعیت واری نظام کی ترویج کے سوانح و سرگزشت کا نقشہ کھینچنا ہمارا منشا نہیں ہے لیکن اُس عہد کے ضخیم سرکاری امسلہ سے چند اقتباسات پیش کئے جاتے ہیں جو اُس زمانے کے کاروبار پر اور مدراس کے باشندوں کے اقتصادی حالات پر بہت کچھ روشنی ڈالتے ہیں۔

نلّور

۱۸۱۸ء میں ہی چونکہ کوّور کی زمینوں کی پیمائش نوعیت واری تقسیم اور تعین محصول ہو چکا تھا اس لئے نلّور کے کلکٹر نے رعیت واری نظام وہاں تجربتاً رائج کرنے کے لئے کوّور کے موضع کا انتخاب کیا۔ مجلس مالگزاری کی روئداد سے ظاہر ہوتا ہے کہ کس طرح کوّور میں تعین محصول ابتداءً عمل میں لایا گیا تھا اور کس طرح بعد کو اُس میں ترمیم کی گئی۔

"زمینات تری:۔ غلے کا نرخ بیس روپے فی کھنڈی تھا اور یہ بیچنے کا اوسط بھاؤ تھا اس حساب سے جملہ [illegible] روپے ہوتے ہیں جس میں سے ۱/۴ ۱۰ فی صد یا [illegible] روپے حسب معمول کلوسم کی رقم منہا کرنے کے بعد سرکار اور کاشتکاروں کے درمیان تقسیم کرنے کے لئے [illegible] روپے بچتے ہیں۔

کاشتکاروں کا حصہ متناسبہ بیس میں نوٗ کے تناسب سے یعنی بحساب پینتالیس فی صد جملہ [illegible] روپے ہوتا ہے اور اس طرح سرکار کو [illegible] روپے واجب الادا رہتے ہیں۔

"زمینات خشکی:۔ خشکی اور باغ کی زمینوں کی پیداوار کی قیمت کا اندازہ اسی کے مماثل اصول پر کیا جاتا ہے جو اٹھائیس روپے فی کھنڈی ہوتا ہے اور باقی جو سرکار کے حصے میں آتا ہے وہ خشکی کی

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

زمینوں پر ۱۳ روپے ہوتا ہے اور باغ کی زمینوں پر (۱۳) روپے" کاشتکاروں نے کلکٹر کے حسابات اور غلے کے نرخ فروخت پر جو اُس نے مقرر کیا تھا اعتراض کیا۔ بعض منہائیوں کو تسلیم کرنے کے بعد مجلس نے یہ نتیجہ نکالا کہ "کوور گے سالانہ محاصل کی جملہ رقم تخمیناً ... روپے ہوگی"۔ بالفاظ دیگر نظام جدید میں موضع کی جملہ پیداوار کا جو اندازہ کیا گیا تھا اُس کا تقریباً نصف حصہ سرکاری مطالبات میں چلا گیا۔

ترچناپلی

کلکٹر ترچناپلی نے موضع ترتاپور کا انتخاب کیا اس کی اراضی کی پیمائش اور رعیت واری تقسیم کرائی اور اُن پر لگان مقرر کئے۔ معمولی منہائیوں کے بعد اُس کی خام پیداوار کا تخمینہ ... "کلم" ہوا۔

"موضع کے باشندوں اور سرکار میں حسب معمول "وارم" کے حساب سے یعنی پچاس فی صد کی شرح سے اگر اس کی تقسیم کی جائے تو سرکار کا حصہ ... "کلم" ہوتا ہے اور گزشتہ سہ سالہ اوسط قیمت کے لحاظ سے اگر اس کا حساب لگایا جائے جیسی کہ کلکٹر نے تجویز پیش کی ہے تو جملہ ... روپے اس کی قیمت ہوتی ہے اس میں بعض رقوم کی جمع اور منہائی کرنے کے بعد رقم مالگزاری ... روپے تشخیص کی گئی۔ زمینات کی پیداوار کا نصف حصہ بطور محصول اراضی مقرر کرنا لوگوں کو نادار و مفلس بنانے کے لئے کافی تھا طرفہ برآں مجلس مدراس ایک طرف تو اپنے تئیں بڑی اعتدال پسند بتاتی تھی اور دوسری طرف اپنے مطالبات کو گھٹا کر ایک ثلث کر دینے میں بھی تعویق کر رہی تھی اور یہ کہہ رہی تھی کہ " اگرچہ خام پیداوار کا ایک ثلث عام طور پر محصول لگانے کا معیار نہیں سمجھا جا سکتا جس کی قیمت کر کے زر نقد میں ادائی عمل میں آئے بر ایں ہم کلکٹروں کو اعتدال پر لانے میں

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

اس طرح کا عمل رہنمائی کے کام آسکتا ہے۔"

کوئمبتور

ضلع کوئمبتور میں حد سے زیادہ محصول تشخیص کرنے کی برائیاں تو موجود ہی تھیں اب بد دیانتی کی صریح برائیاں بھی اس میں شامل ہو گئیں جس سے خرابی اور بڑھ گئی - اس بدعملی کی تحقیقات کے لئے ایک کمیشن مقرر ہوا - جس نے کیفیت پیش کی کہ جب سے خزانچی کارنی حیثی اس منظر پر پہلی مرتبہ رونما ہوا ہے "اُس وقت سے اس نے اپنی ساری توجہ سخت تردد کے ساتھ محض اس بات پر صرف کر دی کہ ملک کے ہر شخص اور ہر شئے کو اپنی خانگی تجارت کے فائدے کے لئے کام میں لائے"

مسٹر گیبار ڈ پر بھی جو وہاں کا کلکٹر تھا بد دیانتی کا شبہ کیا جاتا تھا اور مجلس نظاء نے غصے میں آکر ۱۸۲۱ء میں سر ٹامس منرو کو جو اس وقت گورنر مدراس تھا یہ لکھا کہ :-

"اگرچہ یہ بدنظمی بطور خود نہایت سنگین ہے لیکن ہمارے ادارات کے نقائص کی وہ شہادت مبینہ ہے اور اگر اس بدنظمی پر اس نقطۂ نظر سے غور کیا جائے تو یہ ایک نہایت ہی افسوسناک حالت معلوم ہوتی ہے ہمیں یہ یقین کرنے کی کوئی وجہ نہیں معلوم ہوتی کہ جو آج کوئمبتور میں واقع ہوا ہے وہ کل کسی اور ضلع میں نہیں ہوگا - جب کلکٹر کے جیسا عہدہ دار مجلس مالگزاری کے اعتماد کے قابل نہ رہے اور اپنی سادہ لوحی سے ایک دغاباز و عیار دیسی آدمی کے فریب میں آجائے یا اُس کا شریک جرم بن جائے اور تمام صوبے میں بدنظمی پھیلا دے یعنی تمام صوبے کو ان چند آدمیوں کی خود غرضی کا شکار بنا دے جن کے ہاتھ میں اقتدار حکومت تھا تو پھر کسی اور سے کیا توقع ہو سکتی ہے اگر ایک کلکٹر کی کمزوری یا بد دیانتی ایسے مناظر پیدا کر سکتی ہے جیسے کوئمبتور میں نمودار ہوئے اور

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

جن کی وجہ سے سات سال تک وہاں کے باشندوں کے املاک اور سرکاری محاصل حکومت کے ادنیٰ ترین عامل کے رحم و کرم پر منحصر تھے اور جن کو ہم نے حکومت کی تفصیلی نگرانی اور بدنظمی کی دریافت اور روک تھام کے لیے مقرر کیا تھا انھیں اس کی خبر تک نہ ہوئی تو ناممکن ہے کہ ہمیں یہ ڈر نہ ہو کہ یہ خرابیاں ایک وسیع پیمانے پر موجود ہیں اور اب حفاظت و نگہداشت کے زیادہ موثر طریقے ضروری ہیں۔ مسٹر گیارو کی وفات کی وجہ سے ہمارے لئے اب یہ ضروری نہیں رہا کہ اس کے ملازمت میں برقرار رکھنے یا نہ رکھنے کی موزونیت و ناموزونیت کے متعلق فیصلہ کریں یا اس کے قصور کے درجہ و نوعیت کا تعین کریں جو پہلے مسئلے سے بھی کم اہمیت رکھتا ہے تاہم یہ یقینی بات ہے کہ ایک عہدہ دار سرکاری کے تحت زمانۂ دراز تک وسیع پیمانے پر ایسی بدنظمی کا موجود رہنا جن سے اس کے ماتحتین نے بڑا نفع کمایا حالانکہ معمولی بیداری سے اس کی روک تھام ممکن تھی ایک حد تک اس بات کی شہادت ہے کہ وہ بھی بددیانتی میں اُن کا شریک حال رہا ہے۔"

ایک دوسرے مراسلے میں جو اس کے بعد کے سال میں لکھا گیا ہے مجلس نظار نے بددیانتی کے مظالم سے قطع نظر کوئمبتور پر حد سے زیادہ محصول زمین لگا یا گیا تھا اس کی تفصیل دی ہے۔

"لگان جس کو لگان کامل کہا جاتا تھا حسب رواج قدیم باغات کے سوا کاشت کی سب زمینوں پر لگایا جاتا تھا یعنی اُن پر جو زیر کاشت نہ تھیں یا اُفتادہ تھیں اور اُن پر بھی جن پر فصل استادہ تھی۔ لگان کامل کا ایک ثلث یا ایک ربع حصہ بطور لگان رسینے کی اراضی پر اور لگان کامل سے بھی کچھ زیادہ باغات کی زمینوں پر لگایا جاتا تھا......

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

"کلکٹر مسٹر سکلیون نے ۲۷ ستمبر ۱۸۱۶ء کے مراسلے میں لکھا ہے کہ:-
اگر رعیت کے کسی فرد نے دو سال تک کسی زمین پر اپنا قبضہ رکھا اور اُس کا لگان ادا کرتا رہا ہو تو وہ اُس زمین کا مالک متصور ہوتا ہے اور جب تک وہ ادا کر سکتا ہے اُس زمین کے لگان کا وہی ذمہ دار کر دیا جاتا ہے۔
ظاہر ہے کہ ملکیت کی یہ شکل حکومت نے اُس کے مفاد کی خاطر نہیں بلکہ محض اپنے مفاد کی خاطر خواہ مخواہ اُس پر عائد کی ہے تاکہ ایک حد تک لگان کا وہ ذمہ دار رہے۔

"کلکٹر نے بنظر انصاف اس بات پر توجہ دلائی ہے کہ ایسی زمینوں پر جن کی آبپاشی باؤلیوں سے ہوتی ہے یا جن میں پھل پھول وغیرہ کی کاشت ہوتی ہے اضافہ محصول کرنا گویا کسی زمین کی درستگی واصلاح پر محصول لگانا ہے اور وہ بیان کرتا ہے کہ ہندوستان کے اس حصے میں باؤلیوں کا تعمیر کرنا ان زمینوں کو انتہائی ترقی پر پہنچانے کا سامان کرنا ہے کنویں اور باؤلیوں سے کافی پیمانے پر آبپاشی ہونے کی وجہ سے ان زمینوں کی فصل ان موسمی حادثات سے محفوظ رہتی ہے جو ہندوستان میں اس قدر مختلف و مہلک ثابت ہوتے ہیں۔ باؤلیوں کی تعمیر کے لئے لوگوں کی حوصلہ افزائی کرنے سے زیادہ کوئی اور بات کارآمد نہیں ہو سکتی۔ اور یہ تو ضروری ہے کہ اپنی محنت کا ثمرہ آپ پانے میں جتنا ممکن ہو لوگوں کی ہمت بڑھائی جائے۔ کیونکہ کلکٹر کا بیان ہے کہ لوگ باؤلیوں کو تعمیر کرنا تو چاہتے ہیں مگر محصول کی وجہ سے پیچھے ہٹ رہے ہیں۔"

اس زمانے کی ساری خط و کتابت میں زمینوں پر حد سے زیادہ محصول لگانے کی عام شکایت پائی جاتی ہے مگر وہی نظام تھے کہ متوفی مسٹر گیبارو پر اُس کے تقصیر گنہ کے مدنظر زور و شور سے لعن وتشنیع کرنے میں دریغ نہیں کرتے تھے اور اب وہی نظام تھے کہ اپنے قصور کا علاج کرنے کے لئے صاف گوئی اور عجلت کو کام میں

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

نہیں لاتے تھے۔ مذکور الصدر اقتباس جس مراسلے سے کیا گیا ہے اس مراسلے کے تحریر کرنے کے تین ہی ہفتے کے بعد نظارت نے اپنے مافی الضمیر کا یوں اظہار کیا ہے کہ :-

"کلکٹر ترچناپلی نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ مصیبت و مفلسی کے وہی اشکال جو حد سے زیادہ لگان وصول کرنے میں پائے جاتے ہیں۔ ترچناپلی میں بھی صاف صاف دکھائی دیتے ہیں اور زرعی اصلاحات کی بربادی املاک اراضی کی ناقدری اور ان کی قیمت گھٹ جانے سے ظاہر ہو رہی ہے۔ میراث دار جنکی زمینیں پہلے ہزاروں "کانیوں" تک ہوتی تھیں اب بمشکل سینکڑوں "کانیوں" تک رہ گئی ہیں اگر ان کے لگان میں تبدیلی نہیں کی جائے گی یا لقایا حسب حال باقی رکھا جائے گا تو یہ زمینیں بھی جو رہ ہی ہیں اس سال یا آئندہ سال بک جائیں گی لیکن میں جو بات خاص طور پر مجلس کے ذہن نشین کرنا چاہتا ہوں یہ ہے کہ موجودہ محصول اراضی کو جاری رکھنا اب بالکل ناممکن ہو گیا ہے ...."

"موجودہ مضرت رساں خرابیوں کی اصلاح کے لئے آپ نے (حکومت مدراس) یہ مناسب خیال فرمایا ہے کہ پٹہ داریوں کو فسخ کرنے کے بغیر ہر مقدمے میں علیحدہ علیحدہ جس قدر معافی رقم کی ضرورت کلکٹر سمجھتا ہے اس قدر معاف کر دی جائے در اصل یہ بھی سالانہ بندوبست کی ایک شکل ہے مگر سالانہ بندوبست کے مضر اثرات سے رعیت کو محفوظ رکھنے کے لئے آپ کو حقیقت میں کسی قدر زحمت ضرور اٹھانی پڑے گی۔ اس حالت میں مختلف کلکٹروں کی سرگرمی اور انسانی ہمدردی یا غفلت و تشدد کے مطابق بعض صورتوں میں پٹہ داروں پر بیجا سختی عائد ہوگی اور بعض میں سرکاری اغراض ضرورت سے زیادہ قربان کر دئے جائیں گے۔

دوسرے لفظوں میں محصول اراضی کی شرح ایسی ناممکنہ معیار پر

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

قائم رہے گی جو پہلے تھی اور کاشتکاروں سے بھی سال بسال اُن کے مقدور کی انتہا تک وصول کیا جائے گا اور طرفہ یہ کہ نظار نے اس انتظام کو لوگوں کی ترقیٔ ماحول و اصلاح حالات کے بالکل موافق سمجھا۔

تنجور

تنجور میں بھی جو کسی زمانے میں نہایت سرسبز و شاداب ریاست تھی یہی قصہ دُہرایا گیا۔

"تنجور کی پٹہ داریوں کی میعاد بندوبست ۱۲۲۹ف (۱۸۲۰ء) میں ختم ہو چکی تھی۔ پیداوار کی قیمت بھی بہت کچھ گر گئی تھی اور یہ نظر آرہا تھا کہ یہی گری ہوئی حالت آئندہ بھی باقی رہے گی۔ ان حالات میں جو محصول زمین زر نقد میں تشخیص کیا گیا تھا اُس کی مقدار توقع کے خلاف اب بہت زیادہ معلوم ہوتی تھی۔ چنانچہ اس میں کمی کرنے کے لئے کافی ثبوت فراہم ہو گیا تھا۔........

"پیداوار کی تقسیم کے قدیم طریقوں کی طرف لوگوں کا میلان طبع ہونے کے باوجود محصول مقررہ کے زر نقد میں ادائی کے اصول پر قائم رہنا بلاشک ضروری اور مناسب تھا جیسا کہ آپ نے (حکومت مدراس) کیا۔

ہمارے خیال میں جو اصول آپ نے ایسے اتفاقات کیلئے مقرر فرمایا ہے وہ درست ہے یعنی مقررہ محصول میں کوئی اضافہ اُس وقت تک نہ کیا جائے جب تک کہ غلے کی قیمت دس فی صدی نہ بڑھ جائے مگر جس وقت یہ قیمت پانچ فی صد گر جائے تو اس محصول میں سے بھی منہائی کی جائے، اور یہ اضافہ اور یہ منہائی قیمت کی تبدیلی کے متناسب ہو۔"

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

ارکاٹ

یہی غمگین قصہ ارکاٹ کا بھی ہے۔

" کلکٹر کے مشورے اور اصلاح کے موافق مجلس نے ایک اور تجویز پیش کی یا بقول آپ کے مستعدی کے ساتھ اور اصرار کے ساتھ محصول کم کر دینے کی تحریک پیش کی یہ وہ مضمون ہے جو خاص طور پر ہماری توجہ اپنی طرف معطوف کراتا ہے نہ کلکٹر اور نہ مجلس مالگزاری ہمارے تعین محصول اراضی کو تسلیم کرنا پسند کرتی ہے ان دونوں کا بیان ہے کہ یہ محصول اس انتہائی حد تک پہنچ گیا ہے کہ جس سے زیادہ ملک اپنی موجودہ تہی دستی میں برداشت نہیں کر سکتا۔ لیکن ان کو توقع اور اعتماد کلی ہے کہ یہ وصول ہو کر رہے گا تاہم وہ یہ ضرور کہتے ہیں کہ اس مقدار میں اس محصول کے ہوتے ملک ترقی نہیں کر سکتا۔ اور ترقی کے ذرائع ملک کے حسب مقدور پیدا کرنے کے لئے وہ سات سے لے کر دس فی صدی تک کمی کی تجویز پیش کرتے ہیں۔

" اس پر آپ (حکومت مدراس) زیادتی محصول کی خرابیوں کے متعلق نہایت شد و مد کی رائے کا اظہار فرماتے ہوئے اس پر یہ اضافہ بھی فرماتے ہیں کہ ارکاٹ کے شمالی طلقے میں بندوبست کی رقم میں کمی کرنے کے کوئی ایسے وجوہ آپ کی نظر میں نہیں ہیں جو دوسرے اضلاع میں بھی برابر اسی طرح موجود نہیں یعنی درحقیقت آپ یہ فرماتے ہیں کہ یہی ضرورت ملک کے ہر حصے میں موجود ہے پھر آپ اس محصول میں ایک عام تخفیف کی سفارش کے ساتھ یہ تجویز پیش کرتے ہیں کہ جس معیار پر یہ تخفیف عمل میں لائی جائے اسمیں حق سرکار خام پیداوار کا ایک ثلث حصہ رہے۔

" تاہم اس بارے میں ہم اپنے شکوک کا اظہار کئے بغیر

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

نہیں رہ سکتے کہ آیا پیداوار کا ایک ثلث حصہ یا کوئی اور حصہ متناسبہ کیوں نہ ہو تعین محصول اراضی کے لئے ایک غیر متغیر معیار فرض کر لیا جا سکتا ہے۔"

یہ اقتباسات کافی ہیں۔ ان کے پڑھنے سے ناظرین پر صاف طور پر ظاہر ہو جائے گا کہ انیسویں صدی عیسوی کے ربع اول میں مقامی عاملوں کے تشدد اور مجلس تنظما کی طمع کے ہاتھوں مفلسی کے علاوہ کیا کیا مصائب جنوبی ہند کے لوگوں نے نہ سہے ہوں گے یہ سر ٹامس منرو کی تعریف کی بات ہے کہ وہ اپنے ہفت سالہ نظم و نسق کے دوران میں ہر وقت محصول زمین کی تخفیف کے لئے کوشاں رہا اور صوبے کے اس سرے سے اُس سرے تک محصول کے گھٹانے میں اُس نے ضرور کامیابی حاصل کی۔ خود اُس نے اپنی صاف صاف پُر زور تحریر میں اپنے مقاصد اور کوششوں کی تفصیل اپنی یادداشت مورخہ ۳۱ دسمبر ۱۸۲۴ء میں درج کی ہے اور یہ یادداشت اُن تمام یادداشتوں میں جو ہندوستان میں لارڈ کارنوالس کے زمانے کے بعد سے آج تک قلمبند ہوئیں سب سے مدبرانہ اور پُر مغز ہے۔ یہ طویل دستاویز کامل تیس صفحات پر مشتمل ہے۔

ہماری محدود گنجائش کا لحاظ کرتے ہوئے اس قیمتی دستاویز کا خلاصہ دینا ہمارے لئے ناممکن ہے اس لئے ہم اس یادداشت کے انہیں حصوں کا خلاصہ پیش کرتے ہیں جن کا تعلق لوگوں کے اقتصادی حالات سے ہے۔

معینہ اور مبنی بر اعتدال تشخیص محصول اراضی

"زمینوں کو قابل فروخت بنانے اور ان کو ترقی دینے کے لئے رعیت کی ہمت بندھانے اور حوصلہ افزائی کی غرض سے اور اس

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

خیال سے بھی کہ زمینیں دوامی ملک سمجھی جائیں اس کی ضرورت ہے کہ محصول کی مقدار معینہ ہونے کے علاوہ موجودہ شرح کی یہ نسبت عام طور پر اعتدال پر مبنی رہے اور سب سے زیادہ اہم یہ ہے کہ محصول زمین کی تعریف بالکل صاف صاف الفاظ میں کر دی جائے تاکہ محض جہالت یا تلون سے اس میں اضافہ کرنے کا امکان باقی نہ رہے۔......

"رعیت حقیقی مالک ہے کیونکہ جو اراضی کہ وہاں کے فرماں روا کی ملک نہیں ہیں وہ رعیت ہی کی ملک ہیں مختلف اوقات پر مختلف مقامات میں سرکاری محاصل کی کمی وبیشی کے مدنظر جو سرکاری مطالبات کئے جاتے ہیں اُن سے رعیت کا حصہ متاثر ہوتا ہے لیکن ان مطالبات کی وجہ سے رعیت کے پاس خواہ اُن کے سرمائے کا محض منافع ہی بچ رہتا ہو خواہ اس کے علاوہ کچھ زائد منافع بھی بطور مالک زمین انکو مل جاتا ہو ہر حال میں رعیت ہی حقیقی مالک ہے اور جو کچھ بھی فرماں روائے مملکت اپنا حق مالگزاری نہیں تصور کرتا ہے وہ سب رعیت ہی کی ملک میں داخل ہے۔

"محصول اراضی کے دوامی تغیرات ایسے ہیں جن کی وجہ سے قابل قدر املاک میں اب تک اراضی کا شمار نہیں ہے اور اگر یہی تغیرات برقرار رہیں گے تو ہرگز کبھی نہ ہوگا۔ جہاں محصول کی مقدار نہایت ہی قلیل ہے وہاں بھی اراضی کی کچھ ایسی قدر نہیں کہ املاک فروختنی کی طرح یہ بھی قابل فروخت متصور ہو کیونکہ سبھی جانتے ہیں کہ اس محصول میں سرکار کی طرف سے ہر وقت اضافہ ممکن ہے جب تک کہ اراضی کے ہر ہر حصے پر محصول پہلے ہی سے تشخیص نہ کر دیا جائے نہ تو ہم زمین کو ایسا قابل قدر بنا سکتے ہیں جیسا کہ چاہیئے اور نہ ایسی خانگی ملک کہ آسانی کے ساتھ اس کو بیچا یا مکفول کر دیا جاسکے مگر جب محصول ایک دفعہ مقرر ہو چکا ہو تو پھر حالت تذبذب باقی نہیں رہتی اور وہ تمام زمین جس پر لاکلام حد سے زیادہ محصول نہیں لگایا گیا ہے خود بخود

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

قابل قدر بن جاتی ہے اور ان اصلاحات سے جو وقتاً فوقتاً اس توقع کے ساتھ کی جاتی ہیں کہ ان سے جو جو فوائد پیدا ہوں گے وہ بلاشک وشبہ اصلاح کنندہ کو ہی حاصل ہوں گے۔ اراضی کی قیمت میں بھی روز بروز افزونی ہوتی جاتی ہے۔"

انتظام مملکت کے کاروبار میں ہندوستانیوں کی شرکت

"اگر ہم ہر اہم خدمت سے ہندوستانیوں کو بے دخل کر دیں اور یہ کہیں جیسا کہ حال حال تک کہتے رہے ہیں کہ ایک ایسی مملکت میں جہاں ڈیڑھ کروڑ نفوس ہیں یورپی اشخاص کے سوا کسی اور کو ایک ضرب تازیانہ کی سزا دینے کا بھی اختیار نہیں دینا چاہئے تو ہم کس منہ سے اپنی حکومت کو حکومت پدری کہہ سکتے ہیں۔ اس طرح کا امتناع ایسا ہی ہے جیسے کہ ساری قوم پر ایک ذلت کا فتویٰ لگا دینا اور اس سے خواہ کتنا ہی فائدہ کیوں نہ ہو اس فیصلے کی تلافی نہیں ہو سکتی ساری دُنیا میں کسی قوم کے حق میں اس طرح کی آبروریزی کا فیصلہ صادر ہونے کی کہیں نظیر نہیں ہے اس فیصلے کی وجہ محرک ضعیف اور جھوٹی انسانی ہمدردی ہے اور ایسی ہمدردی جتا کر اپنے ہم وطنوں کے خفیف سے خفیف جرائم کا فیصلہ کرنے کے بھی قابل ہندوستانیوں کو نہ سمجھنا اور ان کی اس طرح اہانت کرنا ہندوستانیوں کی نگاہ میں کوئی منصفانہ عذر خواہی نہیں ہو سکتی۔ ہم اس بات کا اعتراف بھی کرتے ہیں کہ ہندوستانیوں کی اصلاح ہمارا مطمح نظر ہے مگر ساتھ ہی ساتھ اس کے لئے ایسے ذرائع تجویز کرتے ہیں جو کامیابی کے منافی ہیں۔ اصلاح کے حامی اس سنگ بنیاد سے ہی ناواقف ہیں جس پر اصلاح کا دارومدار ہے ان کی تجویز یہ ہے کہ دیسیوں پر اعتبار نہ کیا جائے اُن کو کسی قسم کا اقتدار نہ دیا جائے۔ اور جہاں تک ممکن ہو سکے تمام اہم خدمات سے اُن کو محروم کر دیا جائے

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

لیکن تعجب تو اس پر ہے کہ عام طور پر ضیا ئے علم پھیلا کر دیسیوں کو روشن دماغ بنانے میں نہایت دلسوزی اور سرگرمی سے خود حامیان اصلاح برابر حصہ بھی لیتے ہیں۔

"وہ تاریک سے تاریک ازمنہ میں بھی اس سے زیادہ وحشیانہ لغو اور بناوٹی بات کوئی نہیں ہوئی ہوگی کیونکہ ہر زمانے اور ہر ملک میں شہرت دولت اور قدرت حاصل کرنے کے توقعات کے سوا تحصیل علم کی تحریص دلانے کے اور کیا اسباب ہو سکتے ہیں اور بڑی سے بڑی لیاقت یا علم و ہنر حاصل کرنے سے فائدہ ہی کیا ہے جب ایسی لیاقت اور علم و ہنر اپنے اعلیٰ ترین مقصد یعنی خدمت ملت کے کام نہ آئے اور اصحاب علم و ہنر کو ان کے حسب لیاقت ملک کے انتظام عامہ کے مختلف فرائض تفویض نہ کئے جائیں۔

" محض کتابوں کے پڑھ لینے سے تو کچھ ہوتا نہیں۔ خشک وسادہ ادبیات کا مطالعہ ایک قوم کی سیرت و خصائل کی اصلاح نہیں کر سکتا اس نتیجے کے پیدا کرنے کے لئے دولت عزت اور خدمات عامہ کی شاہراہیں کھل جانی چاہئیں کیونکہ ایسا صلہ پانے کے توقعات کے بغیر اعلیٰ سے اعلیٰ تحصیل حکمت قوم کی سیرت کو ارفع و اعلیٰ نہیں بنا سکتی۔

جس طرح دوسرے اقوام پر یہ بات صادق آتی ہے اسی طرح ہندوستانیوں پر بھی یہی بات صادق آتی ہے برطانیہ ہی کو لیجئے اگر کل کو کوئی پردیسی طاقت اس کو مغلوب کر لے وہاں کے لوگوں کو حکومت میں کسی قسم کا حصہ لینے سے یا اعلیٰ اعتماد و دیانت کی ہر بڑی خدمت سے محروم کر دے یا عوام میں اعزاز حاصل کرنے کا موقع نہ دے اور ان کو ہر حیثیت سے ناقابل اعتماد سمجھنے لگے تو پھر ان کے تمام ادبیات مقدس ہوں کہ غیر مقدس دو ایک نسلوں کے اندر اندر ان کو ایک سفلہ کم ہمت دغا باز اور بد دیانت قوم بن جانے سے نہیں بچا سکتے

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

"اگر ہم یہ بھی فرض کر لیں کہ کسی دیسی آدمی کی امداد کے بغیر تلک کا سارا کاروبار چاہے اعلیٰ خدمات سے متعلق ہو یا ادنیٰ سے صرف یورپی اشخاص ہی کے ذریعے سے چلانا عملاً ممکن ہے تب بھی ہمیں اس طرح نہیں کرنا چاہئے کیونکہ یہ سیاسی اور اخلاقی نقطۂ نظر سے نادرست ہوگا ہماری حکومت کے ساتھ دیسیوں کو جو وفادارانہ عقیدت ہے اس کا سب سے زیادہ مستحکم باعث دیسیوں کا مختلف خدمات پر ایک کثیر تعداد میں برسر خدمت رہنا ہے جس تناسب کے ساتھ ہم دیسیوں کو ان خدمات سے بیدخل کریں گے اسی قدر ہماری گرفت سے وہ نکل جائینگے۔ اگر کامل طور پر اس طرح وہ بیدخل کر دئے جائیں گے تو وفاداری کے بجائے وہ ہم سے نفرت کرنے لگیں گے اس احساس کا اثر تمام آبادی پر پڑیگا اور فوج پر بھی اور ایسی بےچینی پھیل جائے گی جو نہ ہمارے تھامنے سے تھمیگی اور نہ روکنے سے رکے گی۔ برخلاف اس کے اگر اس بات کا امکان ہے کہ وہ لوگ بلا مخالفت خاموشی کے ساتھ اس فیصلے کو قبول کر لیں گے تو پھر یہ پہلے سے بھی بدتر ہوگا کیونکہ اس سے اُن کی سیرت اسفل ہو جائے گی اور خاص امتیاز و خدمات سرکاری حاصل کرنے کی توقعات کے ساتھ وہ اپنی ساری مستحسن حوصلہ مندی بھی کھو دیں گے ان کی حالت ایک ایسی آرام طلب نکمی اور ذلیل نسل انسانی کے مانند مبتذل ہو جائے گی جس میں سوا اپنی حیوانی خواہشات کے پورا کرنے کے کسی اعلیٰ کام کے کرنے کی صلاحیت ہی نہ ہو اس حالت سے تو یقیناً یہ کہیں زیادہ اچھا ہوگا کہ ہمارے نظام حکومت سے ایک قوم کی قوم مبتذل بن جانے کے بجائے خود ہمارا اس ملک سے بیک بینی و دو گوش اخراج کر دیا جائے۔

اجرائے محصولات اور وضع قوانین

ہر آزاد ملک میں رعایا پر اُن کی اپنی رضامندی کے بغیر کسی قسم کا

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

محصول نہیں لگایا جاتا اور یہ حق اُن کے سارے حقوق میں سب سے زیادہ اہم سمجھا جاتا ہے اس حق پر بہت سے لوگوں نے دماغ پاشی کی ہے اور حامیان حریت بھی اس حق پر اکثر مصر رہے ہیں ان ملکوں میں بھی جن کو مطلق آزادی نصیب نہیں ہے اجرائے محصولات کا حکومت کے اہم ترین کاموں میں شمار ہے کیونکہ اسی سے لوگوں کا آرام و آسایش اور خوش دلی عام طور پر متاثر ہوتی ہے اور جہاں کہیں اس حق میں دست اندازی کی گئی ہے وہاں اکثر مرتبہ لوگوں نے اس کی مزاحمت کی ہے اسی لئے نہایت ہی مطلق العنان حکومتوں میں بھی اجرائے محصولات کے افادات اور خطرات کے مدنظر اس کے انتظام میں ملک کے قابل ترین آدمیوں سے کام لینے کی ضرورت لاحق ہوئی ہے......

"دوسرے ممالک میں حکومت اور حکومت کے عہدہ دار جز و ملت ہوتے ہیں اور ہر سرکاری تجویز کے اثر سے اور اُسکے متعلق ملک کی رائے سے پورے پورے واقف رہتے ہیں لیکن یہاں حکومت اس مفید مطلب صورت سے محروم ہے اور ان لوگوں کے لئے قوانین وضع کرتی ہے جن کے حالات سے وہ مطلق واقف نہیں اور نہ ان لوگوں کو اس معاملے میں کچھ کہنے سننے کا موقع دیتی ہے۔ یہ ظاہر ہے کہ تاوقتیکہ ایسے مقامی صاحب عقل اور محنتی عمال سے صحیح صحیح معلومات اس بارے میں حکومت حاصل نہ کرلے جن کا کامل احتیاط کے ساتھ لوگوں کے حالات اور اُن کی رائے کی تحقیقات کرکے اطلاع دینا فرض ہے اس وقت تک لوگوں کے مناسب حال قوانین وہ وضع نہیں کر سکتی۔ ان افسروں کے لئے معلومات حاصل کرنے کا وسیلہ ایسے تجربہ کار دیسی ملازمین کے عملے کے سوا اور کوئی نہیں جن کے سرکاری فرائض کی نوعیت خود ایک ایسا ذریعہ ہے جس سے اور لوگوں سے زیادہ اُن کو اس قسم کے معلومات حاصل ہوتے رہتے ہیں۔"

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

انگریزی راج کے فوائد و نقصانات

"اگر ہم ان فوائد و نقصانات کا مقابلہ کریں جو دیسی لوگ ہماری حکومت میں اُٹھاتے رہے ہیں تو میں ڈرتا ہوں کہ حکومت کے حق میں اس مقابلے کا نتیجہ اتنا اچھا نہیں نکلے گا جتنا کہ نکلنا چاہیئے اب لوگ بیرونی حملے اور اندرونی بلوے وغیرہ کی آفتوں سے زیادہ محفوظ ہیں ان کا جان و مال بھی نقصان و ضرر سے بمقابل پہلے کے اب زیادہ محفوظ ہے۔ صاحب اقتدار نہ تو اُن کو ناحق سزا دے سکتے ہیں اور نہ اُن کی ملک و املاک اُن سے بلا وجہ چھین لے سکتے ہیں بمقابل پہلے کے اُن پر محصولوں کی مجموعی مقدار بھی کم ہے لیکن برخلاف اس کے نہ خود اپنے لئے قوانین وضع کرنے میں اُن کا کچھ حصہ ہے اور نہ ان قوانین کی تعمیل کرانے میں۔ بجز چند بہت ہی معمولی خدمتوں کے جو اُن کو ملی ہیں بڑے بڑے مدارج کو خواہ فوجی ہوں کہ دیوانی وہ ترقی کر کے نہیں پہنچ سکتے ہر جگہ اُن کو ایک کمتر درجے کی نسل تصور کیا جاتا ہے اور اُن کے ساتھ ملک کے قدیم قابض و مالک کی طرح نہیں بلکہ اکثر نوکروں اور غلاموں کا سا برتاؤ کیا جاتا ہے۔

"جب تک کہ دیسیوں کی سیرت و خصائل کو اعلیٰ کرنے کی کوشش نہ کی جائے اُس وقت تک محض منصفانہ قوانین اور مبنی بر اعتدال محصول کے فوائد اُن کو عطا کرنا کافی نہیں بلکہ پردیسی حکومت میں سیرت کو انحطاط پر پہنچانے والے اتنے اسباب پہلے ہی سے موجود ہوتے ہیں کہ اُن کی روک تھام اور سیرت کا بچانا کچھ آسان کام نہیں یہ ایک قدیم مقولہ ہے کہ جس نے اپنی آزادی کھو دی اس نے اپنی آدھی خوبیاں کھو دیں۔ یہ بات جس طرح افراد کے حق میں صادق آتی ہے اسی طرح اقوام پر بھی صادق آتی ہے اور کسی کا بھی صاحب املاک

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

نہ ہونا ایسا ہی بتنذل بنا دیتا ہے جیسے کہ املاک تو ہوں مگر پردیسی حکومت کی مرضی پر اُن کا انحصار رہے اور صاحب املاک کو اُن میں کچھ دخل ہی نہ ہو جو قوم حلقۂ غلامی میں آجاتی ہے وہ حقوق قومیت اسی طرح کھو دیتی ہے جس طرح کہ کوئی غلام مردِ آزاد کے حقوق کھو دیتا ہے یعنی وہ خود اپنے پر محصول لگانے یا اپنے لئے خود قوانین وضع کرنے کے اور ان قوانین کے متعلقہ انتظام میں یا ملک کی عام حکومت میں حصہ لینے کے تمام حقوق سے محروم ہو جاتا ہے۔ چنانچہ انگریزی راج کی رعایا کو اس طرح کا ایک بھی حق حاصل نہیں ہے......

"ہماری ہندوستان کی حکومت میں سب سے غیر مفید بات یہ ہے کہ وہ قوم کے اعلیٰ طبقوں کو یا تو نیست و نابود کر دیتی ہے یا سب کو مساوی الدرجہ بنا کر اور ملک کے اندرونی انتظام میں اُن کو کم کار آمد آلۂ انتظام بنانے کے لئے سابقہ اثر و وقعت سے اُن کو محروم کر کے اُن کی حالت نہایت بتنذل بنا دیتی ہے۔ دیسی حکومتوں میں جاگیرداروں انعام داروں اور اعلیٰ دیوانی و فوجی عہدہ داروں پر مشتمل شرفا کا ایک طبقہ ہوتا تھا اور ان کے علاوہ بڑے بڑے تجار اور رعیت کے ممتاز افراد بھی تھے یہ سب مل کر ایک بڑی جماعت ہوتی تھی جو متمول یا کم از کم خوش حال ضرور تھی اگرچہ ایک بادشاہ کے عطا کردہ جاگیروں اور انعاموں کو دوسرا بادشاہ آکر یک خالصہ کر لیتا تھا اور دیوانی یا فوجی عہدہ دار اکثر برطرف کر دیئے جاتے تھے مگر چونکہ اُن کے دوسرے قائم مقام بنا دیئے جاتے تھے اور نئے دعویدار و مستحقین کو نئی جاگیریں اور انعام عطا ہوتے رہتے تھے۔ تو ان تغیرات کا یہ نتیجہ ہوتا تھا کہ ملک میں متمول اشخاص کا ایک سلسلہ قائم رہتا تھا جن کی دولت اس سرزمین کی سرسبزی و شادابی اور لوگوں کو صنعت و حرفت کی طرف تحریص دلانے کے کام آتی تھی۔ ہماری حکومت میں یہ سارے فوائد سرے سے اُٹھ گئے۔ دیوانی اور فوجی

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

تمام خدمات پر جو کچھ بھی اہمیت رکھتے ہیں یورپی اشخاص مامور ہیں جنکی آمدنی کا سارا پس انداز حصہ اُنھیں کے ملک چلا جاتا ہے۔"

ہندوستان کا مستقبل

"ایک اہم مسئلہ ایسا ہے جس کو تمام انتظامات میں ہم کو پیش نظر رکھنا چاہیئے وہ یہ کہ ان انتظامات کا لوگوں کی سیرت پہ آخری نتیجہ کیا ہو گا؟ فلاں انتظام سے کیا ان کی سیرت اعلیٰ ہو گی۔ یا ادنیٰ؟ کیا ہم محض رعایا کی حفاظت جان و مال کے ساتھ اپنا اقتدار برقرار رکھنے پر مطمئن ہو بیٹھیں اور لوگوں کو اپنے حال پر چھوڑ دیں کہ چاہے اُن کی سیرت موجودہ شکل سے بھی زیادہ مبتذل ہو جائے اور بد سے بدتر بن جائے یا اُن کی سیرت کو ایسا ارفع و اعلیٰ بنانے کی کوشش کریں کہ وہ ملک کے انتظام میں اعلیٰ سے اعلیٰ خدمات پر مامور ہو سکیں۔ اور اس میں اصلاح کے منصوبے تجویز کرنے کے قابل بن جائیں۔ بلا شک و شبہہ یہی ہمارا نصب العین ہونا چاہیئے کہ دیسیوں کو اعلیٰ خیال بنا دیں اور اتنی احتیاط ضرور کریں کہ جب کبھی ہندوستان سے ہمارا تعلق منقطع ہو جائے تو یہ نہ کہا جائے کہ لوگوں کو ہمارے زیر عملداری رہنے کا یہ صلہ ملا کہ ان کی حالت مبتذل تر بن گئی اور اس سے بھی کم اپنے آپ پر حکومت کرنے کے قابل رہ گئے جیسے کہ وہ ہمارے ابتدائے حکومت کے وقت تھے۔ لوگوں کی اصلاح سیرت کے لئے مختلف منصوبے تجویز کئے جا سکتے ہیں مگر ان میں سے ایک بھی منصوبہ اُس وقت تک کامیاب ہو ہی نہیں سکتا جب تک کہ ہماری حکمت عملی کا اصل اصول یہ نہ بن جائے کہ کسی طرح اُن کی اصلاح ہوتی رہے۔

ایک دفعہ اس اُصول کے قائم ہو جانے کے بعد اس کے مقصد کو قوت سے فعل میں لانے کے لئے ہم کو استقلال سے کام لینا اور

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

وقت کا انتظار کرنا چاہئے۔ ہمیں نہ اس قدر تجربہ ہے اور نہ دیسیوں سے اتنی واقفیت ہے کہ بغیر کسی تجربے کے ہم ان میں بآسانی اصلاح کرنے کے کسی نہ کسی طریقے کا تعین کرلیں۔ مختلف طریقے تجویز کئے جاسکتے ہیں جن کا کم و بیش کارآمد ہونا اغلب ہے۔ مگر میری دانست میں ایک بھی طریقہ ان میں سے ایسا کامیاب ثابت نہیں ہوسکتا جیسا کہ ان پر زیادہ اعتبار کرکے اہم مواقع پر اُن سے کام لے کر، حتی الممکن ہو تو حکومت کے تحت اُن کو ہر خدمت کا اہل تسلیم کرکے، ان میں اپنے متعلق اعلیٰ رائے رکھنے کا مادہ پیدا کرنا مفید ہوسکتا ہے۔ بالفعل کس حد تک دیسیوں کی اہلیت کو تسلیم کرلیا جائے اس کے تعین کی چنداں ضرورت نہیں مگر کوئی وجہ معلوم نہیں ہوتی کہ ہماری سطوت کو کسی خطرے میں ڈالے بغیر دیسیوں کو کیوں ایسی خدمات سے بھی محروم کردیا جائے جس کی انجام دہی کی اُن میں قابلیت موجود ہے۔ ....

"اگر ہم اس پر غور کریں کہ کس درجہ اقوام کی سیرت حکومتوں کی سیرت سے ہمیشہ اثر پذیر ہوتی ہے مثلاً بعض اشخاص جو کبھی نہایت ہی شائستہ تھے کس طرح نہایت ہی ناشائستہ بن گئے اور بعض جو کبھی بالکل کندۂ ناتراش تھے کس طرح مہذب سے مہذب بن گئے اور اگر ہم بھی صحیح طریقوں پر کاربند رہیں تو تذبذب کی کوئی وجہ نہیں معلوم ہوتی کیونکہ امتداد زمانہ کے ساتھ ہم اپنی ہندوستانی رعایا کی سیرت کو اتنی ترقی دے سکتے ہیں کہ اس میں اپنے آپ پر حکومت کرنے اور اپنے آپ کی حفاظت کرنے کی قابلیت پیدا ہوجائے۔"

سر ٹامس منرو کی وفات سے تین ربع صدی گزر چکی اور ٹامس منرو کی قبیل کے منتظمین ریاست شاذ و نادر ہی ہوتے ہیں چنانچہ صوبہ مدراس کے ہر ایک ضلع میں ڈیڑھ لاکھ اسامیوں سے ایک مبنی بر انصاف

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

محصول اراضی وصول کرنے کا مشکل کام آج تک اطمینان بخش طور پر تکمیل نہیں پایا۔ منرو کی وفات سے پچیس سال کے بعد اسکاٹلینڈ کے ایک اور ممتاز باشندے نے جس نے ہندوستان کا منتظم ریاست رہ کر بڑی ناموری پیدا کی تھی مدراس کے نظام کے متعلق یہ لکھا ہے کہ:۔

"خیال کرنے کی بات ہے کہ ایک کلکٹر اور ڈیڑھ لاکھ اسامیوں سے سابقہ جن میں سے ایک کا بھی زمین پر پٹہ نہیں۔ لیکن ہر ایک اپنی اپنی کاشت اور فصل کے موافق اور بلحاظ اپنے مویشی۔ بھیڑ اور بچوں کی تعداد کے رقم مالگزاری ادا کرتا ہے اور تخفیف کے لئے کافی ثبوت پیش کرنے پر رقم مالگزاری میں کمی بھی حاصل کرتا ہے! ایسے نظام کے زیر اثر انگلستان ہو کہ کوئی اور ملک وہاں ایسی حالت میں زرعی تنگ دامانی اور کثرت اولاد کے متعلق کیا کچھ داویلا نہ ہوگا۔ کیا کوئی زراعت پیشہ کبھی اس بات کا اقرار کرے گا کہ اُس کے کھیت میں کچھ پیداوار ہوئی ہے یا اُس کے گلوں میں کچھ تعداد بڑھی ہے یا اُس کی بیوی کی کوئی اولاد نہیں ہوئی اگر کلکٹر پیمبروں میں کا ایک پیمبر بھی ہو اور عمر نوح تک اسی ایک ضلع میں رہا بھی ہو تو بھی وہ اپنے فریضے کی بجا آوری کے قابل نہ ہوگا مگر وہ تو ایک معمولی آدمی ہوتا ہے اور اس پر پردیسی جو ہمیشہ بدلتا رہتا ہے پھر یہ بڑی حیرت کی بات ہوگی کہ اس کے باوجود کلکٹر کے دیسی زیر دست من مانے جو چاہیں نہ کر سکیں اور اقتدار رکھ کر بھی اس کا بیجا استعمال نہ کر سکیں اسی سبب سے عام طور پر سب کو اتفاق ہے کہ تمام نظام کی بدعملیاں بالخصوص رقم مالگزاری کے معافیات کی تو نہایت ہی بھیانک ہیں اقسام کے ہیر پھیر اور ساز باز کی کوئی حد ہی نہیں اور اس پر طرّہ یہ ہے کہ کلکٹر مدراس مخبروں پر اعتماد کرتا ہے جس سے کسی طرح اصلاح نہیں ہوتی"

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

سر ٹامس منرو نے اپنی ساری عمر اسی کام میں صرف کی تھی کہ مدراس کے ہر کاشتکار کے لئے تعین محصول اراضی ہو جائے تاکہ جو اصلاح کاشتکار کرے اُس سے خود وہی نفع کمائے اور اگرچہ اس طرح کا تعین محصول اراضی کسی قانون یا شاہی اعلان کے ذریعے عمل میں نہیں آیا لیکن ٹامس منرو کی وفات سے چالیس سال کے بعد حکومت مدراس نے اس کو بحیثیت امر واقعہ تسلیم کر لیا۔ ۱۸۵۵ء و ۱۸۵۶ء کی نظم و نسق کی رپورٹ میں درج ہے کہ "جب تک رعیت سرکار کو ایک مقررہ محصول ادا کرتی رہے سرکار کو یہ حق نہ ہوگا کہ رعیت کو نکال دے .... اس نظام کے تحت رعیت ایک سادہ اور کامل استحقاق کی بناء پر معناً مالک زمین ہے اور دوامی پٹے کے تمام فوائد اس کو حاصل ہیں۔"

۱۸۵۸ء میں مجلس مالگزاری نے یہ کہا کہ "محصول اراضی میں کسی اضافے کے بغیر رعیت مدراس کو دواماً اپنی زمینات کو اپنے قبضے میں رکھنے کا حق حاصل ہے۔" ۱۸۶۲ء میں حکومت مدراس نے حکومت ہند پر اس بات کا اظہار کیا کہ "اس میں کسی سوال کی کچھ گنجائش ہی نہیں کہ رعیت واری نظام کا بنیادی اصول یہ ہے کہ زمینات پر مطالبہ سرکاری دواماً معین ہو چکا ہے۔"

اس طرح کے بہ تکرار اطمینان دلانے کے بعد اور اس زور و تاکید کے ساتھ جتنا کہ الفاظ سے ممکن تھا اب اس اصول کو نظر انداز اور بالکل رد کر دیا جاتا ہے۔ ۱۸۵۸ء کی پیمائش کے وقت سے ہر زمین مقبوضہ پر جو محصول اراضی عائد کیا گیا تھا اُس کو ہر مکرر بند و بست پر عہدہ دار مالگزاری کی مرضی پر تشخیص کیا جا سکتا ہے چنانچہ مدراس کی رعیت کیلئے محصول اراضی نہ اب کوئی تعین ضروری ہے اور نہ اس محصول میں ممکنہ اضافے سے

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

رعیت محفوظ ہے اور نہ اصلاحات کی ان کے پاس کوئی کافی وجہ تحریص رہی ہے۔ محصول اراضی کی غیر معینہ حالت ایسی ہے کہ گویا اُن کے سروں پر شمشیر ڈیما کیلنز بال سے آویزاں ہے۔

محصول اراضی کیا ہے؟ ۱۸۵۶ء میں مجلس نظار نے یہ بیان کیا کہ کاشت کی لاگت ادا کرنے اور زرعی سرمائے کے منافع کو منہا کرنے کے بعد پیداوار کی فاضلات جو باقی رہ جاتی ہے وہ حق سرکار نہیں ہے بلکہ حق سرکار محض مالگزاری ہی ہے اس کے دو سال کے بعد ایسٹ انڈیا کمپنی برخاست کر دی گئی اور سرکار برطانیہ کے پہلے وزیر ہند سر چارلس ووڈ نے جو بعد میں لارڈ ہیلیفاکس کے خطاب سے ممتاز ہوا یہ بیان کیا کہ وہ لگان کا محض ایک حصہ جو عام طور پر کرایۂ زمین کا نصف ہوتا تھا بطور محصول اراضی لینا چاہتا ہے۔ محصول کی یہ شرح بہت بڑی تھی مگر جو بھی حد مقرر کر دی گئی تھی وہ بالکل صاف تھی اور سمجھ میں بھی آسکتی تھی۔ بر ایں ہم اتنی بڑی مقررہ حد سے بھی عملاً و حقیقتاً تجاوز کیا جاتا تھا اور مدراس میں جس قدر بطور محصول اراضی وصول کیا جاتا تھا اکثر سارے کا سارا معاشی لگان اسی میں آجاتا تھا سرکار نے جو انتہائی حد اب تعین کی ہے وہ کھیت کی پیداوار کا ایک ثلث حصہ ہے اور یہ معاشی لگان کی کل مقدار کے مساوی ہے کیونکہ چھوٹے چھوٹے اور مختصر کھیتوں کی حد تک جنکی سالانہ پیداوار تقریباً بارہ پونڈ کی ہوتی ہے کاشت کی لاگت اور زرعی سرمائے کا منافع قریب قریب سات یا آٹھ پونڈ ہوتا ہے اور سرکار کا چار پونڈ تک کے محصول اراضی کا مطالبہ درحقیقت معاشی لگان کے پچاس فی صد نہیں بلکہ صد فی صد کا مطالبہ ہے۔

سرکاری غیر متیقن مطالبے کی خرابیاں جیسے جیسے زمانہ گزرتا گیا ویسے ویسے بڑھتی گئیں مدراس کے کاشتکاروں کا کوئی وسیلہ نہ تھا۔ اور ۱۸۷۷ء کے قحط نے تو

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

اس صوبے کے پچاس لاکھ نفوس کا صفایا ہی کر دیا اس کے تین سال کے بعد جب مارکوئیس رپن وائسرائے مقرر ہو کر قائز ہندوستان ہوا تو آخر کار مدراس کے مسئلۂ اراضی میں وہ گتھ ہی گیا۔ مدراس کے کاشتکاروں کے حق میں محصول زمین کے غیر مشروط تعین کو تسلیم کرنے کے بغیر جس کو خود حکومت مدراس نے ۱۸۵۶ء اور ۱۸۶۲ء میں قبول کر لیا تھا۔ لارڈ رپن نے قاعدہ نافذ کیا کہ اُن اضلاع میں جہاں ایک دفعہ پیمائش کے بعد بند وبست ہو چکا ہے عام قیمتوں میں اضافہ ہو جانے کی معقول وجہ کے سوا محصول اراضی میں اضافہ نہیں کیا جائے گا۔ مالگزاری میں اضافہ کرنے کی اس طرح سے گنجائش بھی نکل آئی۔ ساتھ ہی ساتھ کھیتوں کی پیداوار کی قیمتوں میں اضافہ ہونے کی معقول وجہ کے سوا کسی اور اضافے کے نہ ہونے کا کاشتکاروں کو اطمینان بھی ہو گیا۔ لگان کے بارے میں تعین غیر مشروط کے حق کو نظر انداز کر دینے کے بعد رفع داد باہمی کا یہ سب سے معقول طریقہ تھا جو ممکن تھا اور اس سے مدراس کی زراعت پیشہ آبادی کو حفاظت حقوق کا اطمینان و سکون قلب نصیب ہوا جس کے بغیر دنیا کے کسی حصے میں بھی زراعت سر سبز نہیں ہو سکتی۔

ڈسمبر ۱۸۸۴ء میں مارکوئیس رپن نے ہندوستان سے مراجعت کی اور جنوری ۱۸۸۵ء میں وزیر ہند نے مارکوئیس رپن کے قائم کردہ اس واجبی قاعدے کو منسوخ کر دیا اس طرح محکمۂ ہند نے سابقہ مجلس نظار کے برابر اپنے تئیں بھی ہندوستان کے کاشتکاروں کے حق میں غیر فیاض اور سخت گیر ثابت کر دکھایا۔ اور آج کی تاریخ تک (سنہ ۱۹۰۱ء) مدراس کے کاشتکاروں کے پاس سرکار کے غیر متیقن مطالبات اور غیر منصفانہ اضافہ جات سے محفوظ رہنے کا

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

کوئی موثر طریقہ نہیں ہے اسی لئے نہ کچھ پس انداز کرنے کا کوئی باعث ترغیب اُن کے لئے باقی ہے اور نہ اپنی حالت درست کرنے کی اُن کو مقدرت ہی رہی ہے۔

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

دسواں باب

لارڈ ویلزلی اور شمالی ہند میں فتوح (۱۷۹۵ تا ۱۸۱۵ء)

ہندوستان کے وہ صوبے جو اب "ممالک شمالی و مغربی و اودھ" کے نام سے مشہور ہیں ایک ایک کر کے مختلف تاریخوں میں انگریزوں کے زیرنگیں آئے۔ ۱۷۷۵ء میں نواب اودھ کی وفات پر اس کے جانشین سے جو معاہدہ کیا گیا تھا اسکی بنا پر بنارس اور اس کے ملحقہ اضلاع کا وارن ہسٹنگز نے الحاق کر لیا۔ ۱۸۰۱ء میں لارڈ ویلزلی کے دباؤ میں آکر نواب اودھ نے الہ آباد اور چند دوسرے اضلاع بھی انگریزوں کو تفویض کر دئیے۔ لارڈ لیک نے ۱۸۰۳ء کی جنگ مرہٹہ میں آگرہ اور گنگا و جمنا کے دوآبہ کو فتح کر لیا۔ اور ۱۸۵۶ء میں اودھ کے باقی حصہ کا بھی لارڈ ڈلہوزی نے الحاق کر لیا۔

کارنوالس اور شور کو بنارس میں بھی اسی دوامی زمینداری بندوبست کی ترویج کا تردد دامنگیر تھا جسکی تکمیل ۱۷۹۳ء میں بنگالہ میں ہوئی تھی۔ بنارس کے راجہ کے ساتھ ۱۷۸۷ء سے ۱۷۹۴ء تک گفت و شنید جاری تھی ۲۷ اکتوبر ۱۷۹۴ء میں معاہدہ بھی ہو گیا جس کے رو سے راجہ بنارس نے ایک مختصر سے قطعۂ زمین پر جو اسکے خاندان کی موروثی ملک تھا اپنے حقوق زمینداری

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

باقی رکھ کر ساری ریاست پر ابتک جو حقوق اسکو حاصل تھے ان سے انگریزوں کے حق میں دست بردار ہو گیا۔ اس معاہدہ کی تکمیل کے بعد گورنر جنرل وقت سرجان شور، نے ان اقطاع میں جو واگزاشت ہوئے تھے زمینداران موضع کے ساتھ بند وبست مالگزاری کر لیا۔ اور راجہ کے نظم ونسق میں قدیم زمینداروں نے جو اپنی جاگیریں کھو دی تھیں ان کو وہ سب جاگیریں واپس دلوادیں مالگزاری کے تعین کا ایک قاعدہ مقرر تھا جو تقسیم فصل پر مبنی تھا اور یہہ تقسیم سرکار اور کاشتکار کے درمیان ملک کے مختلف حصوں میں کسی قدر مختلف تناسب کے ساتھ عمل میں آتی تھی ۱۷۹۵ء میں بنارس کی ساری ریاست میں دوامی بند وبست مالگزاری کر دیا گیا۔ وہی مجموعہ ضوابط اور وہی قوانین دیوانی و فوجداری جو بنگالہ و بہار اور اڑیسہ کے لئے منضبط ہوئے تھے بلا تغیر بنارس میں بھی نافذ کر دئے گئے۔

اس سے چھ سال کے بعد نواب اودھ نے ضلع الہ آباد اور دوسرے اضلاع کو بھی جن کو مجموعی طور پر "اضلاع مفوضہ" کہا جاتا تھا ایسٹ انڈیا کمپنی کو تفویض کر دیا ان واقعات کے متعلق نواب اور لارڈ ویلزلی میں جو جو گفت و شنید ایک مدت تک ہوتی رہی اور جن دھمکیوں میں آکر مالی امداد کے معاوضہ میں ان اضلاع کی تفویض آخر کار عمل میں آئی جس کے بعد لارڈ ویلزلی پر سنگین جرائم اور بد اطواری کے الزامات عائد کئے گئے۔ یہہ سارے معاملات سیاسی تاریخ سے متعلق اور اس کتاب کے مقصد سے باہر ہیں۔

جس روز لارڈ ویلزلی نے اس معاہدہ کی توثیق کی جس کے رو سے کمپنی کو "اضلاع مفوضہ" ملے اسی روز ان اضلاع کے انتظام اور بند وبست کے لئے لارڈ ویلزلی نے ایک کمیشن قایم کیا اس مجلس کمشنران کے ارکان تین دیوانی کے ملازم بنائے گئے اور ہنری ویلزلی جو گورنر جنرل کا حقیقی بھائی تھا اس مجلس کا میر مجلس اور اس نئی عملداری کا لفٹنٹ گورنر نامزد ہوا۔ ہنری ویلزلی نے، زمینداروں اور مستاجروں سے سہ سالہ بند وبست مالگزاری کر لیا اور اس کی پہلی رپورٹ بند وبست مورخہ ۱۰ ارفبروری ۱۸۰۳ء سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہاں بھی اسی طرح حد سے زیادہ محصول آراضی لگایا گیا جیسا کہ عمال کمپنی

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

ہندوستان کی ہر نو حاصلہ عملداری میں کرتے رہے ہیں۔

۳۔ میرے بریلی پہنچنے کے قبل ہی کلکٹروں نے ان صوبوں کا بند و بست مالگزاری کر دیا تھا اور تفویض کے وقت نواب وزیر کی جانب سے جو جمع مقرر تھی اسی کے مساوی تعین رقم کر دیا گیا تھا۔ اگرچہ مجھ کو یہہ خوف تھا کہ ملک کے موجودہ اثاثہ کے غلط حساب اور غلط شمار پر یہہ بند و بست مبنی ہوگا کیونکہ اتنی بڑی رقم بہ مشکل وصول ہو سکتی تھی تاہم میں نے کلکٹروں کے حال ہی میں کئے ہوئے قرار داد کی تنسیخ نہ کرنے کا اس لئے تہیہ کر لیا کہ مجھ کو ڈر اس بات کا لگا ہوا تھا کہ میری کسی قسم کی فوری مداخلت کلکٹروں کے اقتدار کو کہیں کمزور نہ کر دے۔ اور ایسے نازک وقت میں ان کے اقتدار کی تائید کرنا مجھ کو ضروری معلوم ہوتا تھا۔

۴۔ مغلیہ حکومت میں ان صوبوں کا سالانہ محاصل کیا رہا ہے اس کے متعلق جو اسناد میں نے جمع کئے ہیں اُن سے یہہ ظاہر ہوتا ہے کہ یہہ تقریباً ڈھائی کرور روپے (ساڑھے بیس لاکھ پونڈ) ہوتا تھا...... انگریزی حکومت کے نرمی پسند اور منصفانہ نظام میں مجھ کو اپنی اس توقع کے اظہار میں پس و پیش نہیں ہے کہ جب ساری آراضی زیر کاشت ہو تو ان صوبہ جات کا محاصل ڈھائی کرور روپے (ساڑھے بیس لاکھ پونڈ) ہوگا......

۴۲۔ جدید قواعد کے تحت جس کا حال ہی میں نفاذ ہوا ہے محاصل آبکاری کم از کم فرد تخمینہ کے اعداد کے مساوی تو ضرور رہیں گے......

۵۳۔ میں اب اس انتظام کو عالیجناب کے سامنے پیش کرتا ہوں جو میں نے کمپنی کے ہاتھ میں نمک کی خرید و فروخت کا اجارہ آجانے کی غرض سے اختیار کیا ہے"

اس رپورٹ کی ضمیمہ فرد حساب میں حسب ذیل اعداد مندرج ہیں۔

نواب کی جمع مالگزاری کی جملہ رقم	یک کرور [illegible] علے الحساب للمحمد ررر

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

انگریزی حکومت کے سال اول کی رقم جمع	ایک کروڑ [illegible]
انگریزی حکومت کے سال دوم کی رقم جمع	ایک کروڑ [illegible]
انگریزی حکومت کے سال سوم کی رقم جمع	ایک کروڑ [illegible]

ان اعداد سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہی فاش غلطی جو مدراس اور بنگال میں ان ممالک کے حصول کے وقت کی گئی تھی شمالی ہند میں بھی کی گئی۔ ملک کے وسیع اقطاع جو پے در پے لڑائیوں کے مصائب اٹھا چکے تھے اور طرح طرح کے شدید مطالبات بیجا کی وجہ سے مفلسی و ناداری میں گرفتار تھے اب ایک متمدن اور عظیم طاقت کے زیر نگین آ گئے تھے اور ان صلح پسند محنت کش لوگوں کے کاندھوں سے بوجھ ہلکا کرنے کا اور اس طرح کی امداد سے ان کے ذرائع آمدنی کو بہتر بنانے کا بہی موقع تھا۔ لیکن ہنری ولزلی، کے انتظام مملکت کے پہلے ہی سال ان اضلاع مفوضہ سے کمپنی کے مطالبات نواب کے سابقہ مطالبات سے بھی بیس لاکھ روپے یعنے دو لاکھ پونڈ زیادہ ہی ہوئے اور تیسرے سال کے اختتام سے بھی پہلے ان مطالبات میں اور دس لاکھ روپے کا اضافہ ہوا۔ مزید بر اں نواب کے مطالبات کی رقم تو محض برائے نام اتنی ہوتی تھی کیونکہ جمع تو فصل کی حالت کے موافق وصول کی جاتی تھی مگر کمپنی کے مطالبات کی رقم اس تشدد کے ساتھ وصول کی گئی تھی کہ ایسا تشدد ہندوستان کے لوگوں نے تو نہ کبھی دیکھا نہ سنا تھا۔ مسٹر ڈمیلٹن نامی ایک کلکٹر نے یہ شکایت کی کہ سنہ ۱۸۰۲ء کا بندوبست "ایک واجبی مطالبہ سے بھی متجاوز تھا" اور انگریزی حکومت نے بھی وہی بڑی شرح محصول برقرار رکھی جو نواب کی حکومت میں تھی مگر وصول میں "وہ تساہل نہیں ہوتی تھی" جو

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

نواب کے عہد میں روا تھی۔"

البتہ دوسری باتوں میں اس نو حاصلہ عملداری کو ایک باقاعدہ حکومت کے تحت لانے کی ہر طرح کوشش کی گئی۔ ۲۴ مئی ۱۸۰۳ء میں دستور العمل بنگالہ یہاں بھی نافذ کیا گیا اور ملک کو سات اضلاع میں تقسیم کر دیا گیا۔ سررشتہ دیوانی کے ملازموں سے ایک ایک بہ حیثیت مجسٹریٹ و جج ہر ضلع میں مقرر ہوا۔ ایک اور ملازم دیوانی کلکٹر کے فرائض بجا لاتا تھا۔ عدالت ہائے حلقہ و استغاثہ بریلی میں قایم کی گئیں اور جیسا کہ بنارس میں تھا، یہاں بھی تحصیلدار و مالکان اراضی ڈاکوؤں کی گرفتاری اور اپنے اپنے حلقۂ اختیار میں امن قایم رکھنے کے مجاز کئے گئے۔

ایک اہم قاعدہ بھی نافذ کیا گیا جس کے رو سے سہ سالہ بندوبست مالگزاری ہو چکا تھا اس کو تسلیم کرتے ہوئے یہ اعلان کیا گیا کہ اس میعاد کے اختتام پر دوسرا سہ سالہ بندوبست کیا جائے گا اور اس کے بعد چہار سالہ جس کے اختتام پر دوامی بندوبست کر دیا جائے گا۔

دارالعوام کی مجلس منتخبہ نے لکھا ہے کہ "ہنری ویلزلی کے پہلے بندوبست سے دس سال کی مجموعی میعاد گذر جانے کے بعد انھیں شرائط کے ساتھ دوامی بندوبست کی ترویج کا حتمی وعدہ حکومت اعلیٰ نے مالکان اراضی سے کر لیا تھا۔"

۱۸۰۳ء میں جنرل ویلزلی نے جو گورنر جنرل کا دوسرا حقیقی بھائی تھا اور جو ڈیوک ولنگٹن کے خطاب سے بعد کو ممتاز ہوا، مشہور جنگ اسائی کے بعد جنوبی ہند میں اور لارڈ لیک نے لاسواری کی جنگ کے بعد شمالی ہند میں مرہٹوں کے زور کو توڑ دیا۔ گنگا اور جمنا کے دوآبہ کا الحاق کر کے ممالک مفتوحہ سے اس کو نامزد کیا تاکہ دو سال قبل نواب اودھ سے جو اضلاع "مفوضہ" ملے تھے ان میں اور ان میں امتیاز رہے۔ ۱۸۰۳ء میں بندھیلکھنڈ کا بھی الحاق کر لیا گیا۔

پہلے پہل ممالک مفتوحہ لارڈ لیک کے زیر انتظام دئے گئے مگر

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

سنہ ۱۸۰۵ء میں ان کو پانچ اضلاع میں تقسیم کر کے ان صوبوں کے عدالت اور مالگزاری کے نظم و نسق کے لئے علیحدہ علیحدہ عہدہ دار مقرر کیئے گئے اور اضلاع مفوضہ کیطرح کلکتہ کے حکام اعلیٰ کے زیر نگرانی ان کو بھی کر دیا گیا۔ "اضلاع مفوضہ" میں جو قواعد حال حال میں نافذ کیئے گئے تھے وہی قواعد "ممالک مفتوحہ" میں بھی رائج کیئے گئے اور اول الذکر میں جو عہد و پیمان مالکان اراضی کے ساتھ کیئے گئے تھے موخر الذکر میں بھی وہی عہد و پیمان کیئے گئے یعنے یکے بعد دیگرے یک سالہ سہ سالہ اور چھ سالہ بند و بست کے بعد اگر مالکان اراضی رضامند ہوں تو آخر بند و بست جو ہو وہ دوامی کر دیا جائے۔ اس کے دو سال کے بعد ان عہد و پیمان کا اعادہ بھی کیا گیا مگر اس شرط کیساتھ کہ دوامی بند و بست کا انحصار مجلس نظماء کی توثیق پر رہے گا۔

سنہ ۱۸۰۳ء کی جنگ مرہٹہ میں شمالی ہند تاخت و تاراج ہو گیا اور عمال کمپنی نے تشدد کے ساتھ جمع کی تھی جس کی وجہ سے رعایا کو اپنی حالت درست کرنے کا موقع نہیں ملا اور اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ سنہ ۱۸۰۴ء میں ملک کے اس سرے سے اس سرے تک قحط پھیل گیا۔ اس وقت سرکار مالگزاری میں بڑی بڑی معافیات کرنے پر مجبور ہو گئی۔ قابضان اراضی کو پیشگی رقوم یا قرضہ دینا پڑا، اور بنارس، الہ آباد، کانپور اور فتح گڈھ میں غلہ کی برآمد قایم رکھنے کے لیئے امداد بھی دینی پڑی۔ سنہ ۱۸۰۷ء میں ایک کمیشن خاص چہار سالہ بند و بست کی نگرانی کیلئے مقرر ہوا، اور یہ بند و بست قواعد نافذہ کے رو سے آیندہ چلکر دوامی ہونے والا تھا۔

اب ہم شمالی ہند میں دوامی بند و بست کے مسئلہ پر جو مشہور بحث ہوئی تھی اس کو شروع کرتے ہیں۔

کمشنران خاص۔ آر، ڈبلیو، کاکس اور ہنری سینٹ جارج ٹکر نے اپنی کیفیت پیش کی جس میں انھوں نے دوامی بند و بست کے قواعد کو تسلیم کر لیا مگر "ممالک مفتوحہ" اور "اضلاع مفوضہ" میں اس طرح کا بند و بست فوری کرانے کے وہ خلاف تھے۔

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

۲۳۰ - ہم ان فوائد کو اچھی طرح محسوس کرتے ہیں جو اراضی پر سرکاری مطالبات محدود کرانے سے پیدا ہو سکتے ہیں اور اس کو بھی جانتے ہیں کہ عارضی بند و بست رعایا کے لئے بڑی زحمت کا باعث ہیں۔ دغا بازی اور بد عملی کا ان میں موقع زیادہ رہتا ہے۔ یہ خود تحقیق طلب ہے کہ آیا کوئی ملک اپنی اصلاح حالی بڑے پیمانہ پر کچھ ترقی کر سکتا ہے جبکہ سرکاری محصول میں بھی ہر ترقی کے ساتھ اضافہ متناسبہ ہوتا رہے اور اس طرح اپنی پیشانی سے پسینہ ٹپکانے کے بعد بھی کسی انسان کو اپنی محنت کشی کا ثمرہ نہ ملے۔ لیکن دوامی بند و بست کے اصول کے ہر حالت میں پہلے سے طرفدار رہنے کے باوجود ہم عالیجناب کی خدمت میں باجلاس کونسل نہایت غور و خوض کے بعد بلا شرط یہ رائے پیش کرتے ہیں کہ فی الوقت "ممالک مفتوحہ" اور "اضلاع مفوضہ کیلئے" یہ تحریک بے محل ہے اور اس کی ترویج کے لئے اگر بے موقع کوشش اب کیجائیگی تو اس سے نہ صرف ذرائع آمدنی کو مادی نقصان پہنچے گا بلکہ خاص طور پر خود ان اشخاص کو بھی ضرر پہنچے گا جن کی خوشحالی کو ایک مستحکم بنیاد پر قایم کرنا اس تحریک کی اصل غرض و غایت ہے۔

دوامی بند و بست کے خلاف شمالی ہند میں پہلی دفعہ جو غوغا برپا ہوا وہ یہی تھا اور "محاصل سرکاری کو مادی نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہی" اسکا باعث تھا گو گمشنران خاص کے دلائل کا قطعی جواب ایچ۔ کولبروک نے خوب دیا۔

"۲۳۱ - ۱۴ جولائی ۱۸۰۲ء اور ۱۱ جولائی ۱۸۰۵ء کے اعلانات کے ذریعہ سرکار نے مالکان اراضی سے یہ عہد کر لیا ہے کہ ان اعلانات کی مندرجہ میعاد کے اختتام پر ان زمینوں کا دوامی بند و بست کر دیا جائے گا جہاں کاشت کی حالت اس درجہ ترقی پذیر رہی ہے کہ انصاف و حق کی نظر سے وہاں دوامی بند و بست مناسب و جائز ہوگا اس مضمون پر کامل غور و خوض کرنے سے اور بیان کردہ حالات سے پوری واقفیت پیدا کرنے کے بعد اس میعاد کا پیش از پیش تعین ضروری متصور کیا گیا۔ چنانچہ جون ۱۸۰۷ء میں بذریعہ دستور العمل منضبطہ ۱۸۰۷ء گورنر جنرل نے باجلاس کونسل زمینداروں اور دیگر مالکان

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

اراضی کو یہ اطلاع دیدی تھی کہ سال گذشتہ کے بند و بست میں جو جمع معین ہوئی ہے وہی ہمیشہ قایم رہے گی بشرطیکہ سب اس پر راضی ہوں اس نظام کی مجلس نظماء سے بھی منظوری حاصل کرلی جائے گی"۔

"۴۔ اس طرح حتمی وعدہ و اقرار کرنے کے بعد اس کی خلاف ورزی کرنا ایک ایسی نمایاں عہد شکنی ہو گی جس سے ہم تمام لوگوں میں اپنا اعتبار کھو دینے کے مستحق ہوں گے۔

"۹۔ اگر میں غلطی نہیں کر رہا ہوں تو جس استدلال پر سابقہ کمشنر زیادہ تلے ہوئے ہیں وہ یہ ہے کہ آیندہ ترقی اور اصلاحات ممکنہ میں حق شراکت و حصہ داری سے سرکار دست بردار نہ ہو جائے اس لئے کہ خود سرکار ایک طرح اس وسیع سرزمین کی مالک و قابض ہے"........

"۲۶۔ بنگالہ اور بہار اور اُن کے علاوہ ساحل کارو منڈل پر جو علاداریاں واقع ہیں اُن سب کے لئے جب دوامی بند و بست ہوا تو اس اہم موقع پر نہایت پختہ غور و خوض کے بعد وہاں کی افتادہ زمینوں کی آیندہ ترقی و اصلاحات کے فوائد میں شرکت اور حصہ داری سے سرکار نے خود دست برداری اختیار کرلی تھی وہ بمقابل ان ممکنہ فوائد کے جو سابقہ کمشنروں نے اضلاع مفوضہ اور ممالک مفتوحہ کے متعلق گنائے ہیں بہت بڑھی ہوئی تھی۔

"۲۷۔ اس تجربہ کے خوشگوار نتائج بنگالہ میں اب دکھائی دے رہے ہیں۔ ملک کی خوشحالی میں جو نئی روح پڑ گئی ہے دولت از دیاد پر ہے اور ترقی و اصلاحات کی تیز رفتاری نمایاں ہو رہی ہے یہ سب کچھ دوامی بند و بست کے طفیل ہو رہا ہے جس کا اصول اس درجہ مدبرانہ ہے کہ تکمیل منصوبہ میں بڑی اہم غلطیوں کے باوجود اس کے مقاصد میں ناکامی آخر کار رونما نہو سکی........

"۳۲۔ اس تجربہ کو میں محض قیاسی دلائل پر ترجیح دیتا ہوں ... یہ توقع کیجاتی تھی کہ افتادہ اراضی کی کاشت سے جاگیر ترقی پائے گی اور قابض اراضی کی مقررہ آمدنی میں اگر اس سے اضافہ ہو گا تو اسکا تمول بھی

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

بڑھے گا۔ ہنگام کے اختلافات اور خشک سالی یا کثرت باراں کے سیلاب کی عارضی آفتوں سے بلا معافی مالگزاری وہ نبیڑ بھی لے گا۔

"۳۳۔ یہ سارے توقعات پورے ہو گئے . . . .

"۳۸۔ عام رائے یہ ظاہر ہوتی ہے کہ انگریزوں کا نظام نظم ونسق ہماری دیسی رعایا کے پسند خاطر نہیں۔ اگر ہم اس رائے کو بے بنیاد نہ سمجھیں تو یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ مالکان اراضی نے اس نظام کی بدمزگی کے سوا اور کوئی مزہ چکھا ہی نہیں اور جو ایک مبارک عطیہ ان کو پسند ہے اسی سے وہ محروم ہیں اس لئے یہ لوگ اور ان کے ساتھ ساری رعایا اسی قدر سرکار سے برگشتہ خاطر ہے جس قدر کہ انہیں سرکار سے اپنی توقعات میں مایوسی نصیب ہوئی . . . . . .

"۶۳۔ میں ختم سخن پر کمشنروں کی تجاویز پر اظہار اتفاق کرتا ہوں یعنے مستقل مزاجی، اعتدال پسندی اور انصاف سرکار کے نظم ونسق کے نمایاں خط وخال ہونے چاہئیں۔ لیکن ایک ایسی تحریک سے دست بردار ہو کر جس کا ہم نے بالاتفاق ارادہ کر لیا تھا اور جو ہماری رعایا کے لئے مفید بھی ہے ہم اپنے تئیں ثابت قدم نہیں ثابت کر سکتے۔ بڑے بڑے محاصل کو اپنی گرفت میں کر کے اور زیادہ سے زیادہ لگان کے لئے اپنے کاشتکاروں کو نچوڑ کر ہم اپنے اعتدال کا تو اظہار کر سکتے نہیں اور نہ ہمارے معمولی معمولی قابضان اراضی کے ورثاء اور اولاد کو حقوق آبائی سے محروم کر کے اپنی منصف مزاجی کا ثبوت دے سکتے ہیں۔"

لارڈ منٹو، گورنر جنرل وقت نے اس یادداشت کو رگمن کونسل (مسٹر لمسڈن) کی ایک اور ایسی ہی یادداشت کے ساتھ مجلس نظماء کی خدمت میں بھیجدیا اور اپنی رائے بھی نہایت صریح وصاف بیان کر دی۔

"بنگالہ، بہار، اوڑیسہ اور بنارس کے صوبوں اور صوبہ قلعہ سنٹ جارج کی متعلقہ عملداریوں میں دوامی بندوبست کے قیام سے متعلق جو اسناد تھے اور اضلاع مفوضہ اور ممالک مفتوحہ میں دوامی بندوبست کی

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

تجویز سے متعلق جتنی رپورٹیں اور یادداشتیں تھیں ان سب پر کامل غور و خوض کرنے کے بعد لارڈ منٹو کو اس حکمت عملی کے جواز اور معقولیت پر کامل اطمینان تھا بلکہ وہ اس تحریک کی شدید ضرورت محسوس کرتا تھا!!

لیکن نظماء نے اپنے دل میں کچھ اور ٹھیرا لیا تھا پہلے تو وہ ماحول سے متاثر ہو کر قوم کی بھلائی کے لئے اپنے منافعہ میں آیندہ اضافہ کی توقعات کا بھی نقصان برداشت کرنے پر آمادہ تھے مگر لارڈ کارنوالس، اس وقت تک مر چکا تھا اور نظماء پھر کبھی اس طرح کی فیاضی دکھانے کے جرم کے مرتکب نہیں ہوئے "بڑے سے بڑے محاصل کو اپنی مٹھی میں کرنا اور زیادہ سے زیادہ لگان کے لئے اپنے کاشتکاروں کو نچوڑ لینا" یہی اب انکی حکمت عملی کا لب لباب تھا۔

نظماء نے جواب میں لکھا کہ "کتنا ہی ضروری ہو کہ ہمارا کوئی اور صوبہ وہاں کسی بندوبست کے دوامی ہونے کا اس وقت تک اعلان نہیں کیا جانا چاہیئے جب تک کہ اس کی تمام ابتدائی روئیداد ہمارے سامنے پیش نہ ہوئے اور اس روئداد پر آپ کے متفقہ پیش نہاد پر ہم بھی اپنے اتفاق اور منظوری کا اظہار نہ کر دیں۔ اس کے نو مہینے کے بعد نظماء نے پھر یہ لکھا کہ "اس مراسلہ کا منشاء یہ ہے کہ ہماری نو حاصلہ عملداریوں میں بنگالہ کے معینہ محصول اراضی کے طریقہ کی ترویج کا وعدہ و اقرار کرنیکے خلاف ہم آپ کو نہایت ہی صریح و صاف طور پر متنبہ کرتے ہیں"۔

ان مراسلات کو دیکھ کر گورنر جنرل ہکا بکا رہ گیا۔ نظماء نے نہ صرف اس تجویز ہی سے دست کش ہو جانے کی ہدایت کی تھی جو ہندوستان کی رعایا کی فلاح و بہبود کے لئے ضروری تھی بلکہ اس حتمی وعدہ و اقرار کے عدم ایفاء کی بھی جو رعایا کے ساتھ نہ صرف بلا شرط کیا گیا تھا بلکہ وہ ۱۸۰۳ء و ۱۸۰۵ء کے "دستور العمل" "اضلاع مفوضہ" کے دفعہ ۲۵ ضمن (۲۹) کا جزو تھا یہ فقرہ بھی درج تھا کہ:

"اس دہ سالہ میعاد کے اختتام پر جو ۱۲۲۲ فصلی کے اختتام پر

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

ختم ہوتی ہے۔ انہی لوگوں کے ساتھ (بشرطیکہ یہہ شرائط قبول کرنے پر آمادہ ہوں اور اُن کے حقوق سے بہتر حقوق رکھنے والا جب تک کوئی اور پیش نہ ہو) ایسی اراضی کے لیے جن کی کاشت کی حالت کافی ترقی یافتہ ہونے کی وجہ سے اس تجویز کی تائید کرتی ہو ان شرائط پر دوامی بندوبست کر دیا جائے گا جن کو سرکار واجبی اور منصفانہ سمجھتی ہے"

ان وعدوں کی پابندی جو کمپنی کے عاملوں اور گماشتوں نے ہندوستانی رعایا سے بلا شرط کئے تھے کمپنی پر لازم تھی۔ ۱۸۰۵ء میں پھر اس وعدہ کا اعادہ اضلاع مفوضہ اور ممالک مفتوحہ کے لئے ۱۸۰۵ء میں جو دستور العمل نافذ ہوا تھا اس کے دفعہ (۱۰) میں سہ بارہ کیا گیا مگر پہلی مرتبہ اس میں یہہ شرط لگا دی گئی کہ "دوامی بندوبست جبھی کیا جائے گا جبکہ اس انتظام پر معزز مجلس نظمار کی منظوری صادر ہوئے"

نظمار کے ۱۸۱۱ء کے مصدرہ احکام سے کس طرح ان سابقہ وعدوں کی خلاف ورزی ممکن تھی؟ حکومت ہند نے ۱۸۱۲ء میں یہ لکھا کہ "۱۸۰۳ء اور ۱۸۰۵ء کے قایم کردہ انتظامات پر اگر معزز نظمار نے اپنا اختلاف رائے اُسی وقت ظاہر کر دیا ہوتا جبکہ یہ قواعد نافذ ہوئے تھے تو، باوجود اس کے کہ مجلس نظماء کی منظوری کا اس دستور العمل میں کہیں ذکر نہ تھا تاہم نظمار کے والسۃ ذات اختیارات نگرانی اس اختلاف رائے کی تائید میں پیش کئے جا سکتے تھے جو ایک بات بھی تھی۔ لیکن اب اضلاع مفوضہ میں تو میعاد مقررہ پوری ختم ہو چکی اور ممالک مفتوحہ میں بھی دو ثلث پھر ہمیں اس بات کا ڈر ہے کہ اتنے عرصہ کے بعد اس وعدہ کی تنسیخ (جیسا کہ ہم آپ کو اس سے پہلے آگاہ کر چکے ہیں) حکمت عملی اور انصاف دونوں کے منشاء اور اصول کے خلاف ہوگی"

لارڈ منٹو نے اپنے ہاتھ کی لکھی ہوئی یادداشت میں نظمار کے ان جالیہ احکام میں ایک محدود معنی پیدا کرنے کی کوشش کی کیونکہ ان احکام کے لفظی مطلب میں اور سرکار کے ایفاء عہد میں جو اس قدر بالا علان اور

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

نہایت ہی حتمی طور پر مالکان اراضی کے ساتھ کیا گیا تھا جو تضاد تھا اُسکو وہ دور نہیں کر سکتا تھا۔

۱۸۱۳ء میں ہندوستان سے مراجعت سے پہلے لارڈ منٹو نے نظماء کے احکام پر مکرر اعتراض کیا۔ اس نے یہ بتلایا کہ دوامی بندوبست سے مالگزاری کا کوئی نقصان نہیں ہوتا اور جیسا کہ آدم اسمتھ نے اپنی کتاب "دولت اقوام" (ویلتھ اوف نیشنز) میں ثابت کر دیا ہے، تغیر پذیر محصول زمین اراضی کی ترقی کے مانع بھی ہے اس کے علاوہ افتادہ اراضی کو شامل کرنے کے بغیر ان جاگیروں میں دوامی بندوبست ہو سکتا ہے جو شمالی ہند میں مالکان اراضی کے فی الواقع زیر قبضہ ہیں۔ حاصل کلام اگر اچھی حکومت کا مطمح نظر یہ تھا کہ "دیسیوں کے عام حالات درست اور بہتر بن جائیں تو یہ ہمارا راسخ عقیدہ ہے کہ ان اہم مقاصد کی تکمیل کے لئے دوامی بندوبست کے قیام سے زیادہ کوئی اور انتظام یا طریقہ مؤثر اور جلد نتیجہ خیز نہیں ہو سکتا۔"

لیکن نظمائے کمپنی اپنی بات پر اڑے ہوئے تھے۔ ہندوستان کی رعایا کی رفاہ کی مسلمہ خواہش رکھنے کے باوجود اپنے نفع سے دست بردار ہونے پر آمادہ نہ تھے ۱۸۰۳ء اور ۱۸۰۵ء کے عہد و پیمان سے نجات حاصل کرنے کا انھوں نے ایک منصوبہ ٹھہرا لیا تھا اور ایک ایسا حیلہ بھی تجویز کر لیا تھا جو کسی عدالت میں تو قابل قبول یا جائز متصور نہیں ہو سکتا تھا اور ایک شہنشاہی کے حکمرانوں کے تو کیا معمولی دیانت دار تاجروں کے بھی سزاوار شان نہ تھا۔

"بلا فصل قبضہ رکھنا اور سہ سالہ تعہد میں سرکاری مطالبات کی بروقت ادائی کر دینا اس عہد و پیمان کی محض ایک شرط تھی جس کی رو سے قابضان اراضی کے ساتھ سرکار نے دوامی بندوبست کرنے کا وعدہ کیا تھا۔ اس کے علاوہ اور بھی ایک اہم شرط یہ بھی تھی کہ اسی اثناء میں زمینوں کی کاشت کافی ترقی پر پہنچ جائے جس پر

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

ہم اپنے مطالبات کی ایک دوامی حد مقرر کر سکیں۔ ۱۸۰۳ء اور ۱۸۰۵ء کے نافذہ دستور العمل میں صحیح حد ترقی کا تعین نہیں کیا گیا تھا جس پر کاشت کے پہنچنے پر اس طریقہ کو رائج کرنا ضروری یا کم از کم جائز ہو سکتا تھا اور نہ کسی دستور العمل میں پیش از پیش یہ ممکن ہی تھا۔ یہ مسئلہ سرکار کے آیندہ تصفیہ کیلئے بالکل کھلا چھوڑ دیا گیا تھا اور دستور العمل میں کوئی ایسی بات ہی مندرج نہیں تھی کہ جس کی پابندی فیصلہ کے وقت مناسب یا ضروری تھی"!

اگر یہہ اسناد لال دیانت اور ایمانداری کے ساتھ پیش کیا جاتا تو بعض ترقی و اصلاح یافتہ جاگیروں میں دوامی بندوبست فوری کیا جاتا اور بعض میں ملتوی رہتا۔ لیکن وعدہ خلافی کی غرض سے یہ چال چلی گئی تھی اور وعدہ خلافی میں اصل مقصد یہی تھا۔ ۱۸۱۳ء میں کسی جاگیر میں دوامی بندوبست نہیں کیا گیا اور نہ جب سے ابتک کہیں بھی کیا گیا ہے۔

لارڈ موئرا، جو بعد کو مارکوئیس ہیسٹنگز کے خطاب سے ممتاز ہوا۔ بہ حیثیت گورنر جنرل ہند لارڈ منٹو کا قایم مقام مقرر ہوا۔ اسکا نظم و نسق جنگ نیپال اور پنڈاریوں کی لڑائیوں اور آخر جنگ مرہٹہ کیوجہ سے موخر الذکر کے وقوع کے بعد ۱۸۱۷ء میں صوبہ بمبئی کا الحاق بھی کر لیا گیا تاریخ ہند میں مشہور ہے۔ ان فتنہ و فساد میں پڑنے کے بعد لارڈ ہیسٹنگز کے پاس شمالی ہند کے بندوبست پر اپنی ساری توجہ صرف کرنے کے لئے نہ تو کافی وقت تھا اور نہ اسے فرصت ہی ملی"!

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

گیارھواں باب

لارڈ ہیسٹنگز اور شمالی ہند میں محل داری بندوبست (۱۸۱۵ تا ۱۸۲۲)

آخری جنگ مرہٹہ ختم ہوچکی تھی اور ۱۸۱۸ء میں آخری پیشوا بھی گرفتار ہو گیا تھا ہندوستان میں اراضی کا ایک مناسب انتظام کرنے کا ایک ناگزیر مسئلہ لارڈ ہیسٹنگز کے درپیش تھا جس کا تدارک پنڈاریوں کے جتھوں اور مرہٹوں کے افواج سے نسبتاً مشکل تھا ایک باقاعدہ فوج کا بے قاعدہ جرگوں کے ساتھ میدان کارزار میں مقابلہ کرکے فتوح اور الحاق کرنا کوئی مشکل کام نہ تھا لیکن ان فتوح کا قصہ ہندوستان کی تاریخ نہیں ہے بلکہ اس نئی حکمرانی میں لوگوں کے حالات اور انتظام مملکت کی سرگزشت ہی ملک کی صحیح تاریخ کہی جانے کی مستحق ہے۔

شمالی ہند کے اضلاع مفوضہ اور ممالک مفتوصہ میں جو مجالس کمشنران قایم ہوئی تھی اسکے، سر ایڈورڈ کولبروک، اور مسٹر ٹرنٹ، ارکان تھے۔ اُنھوں نے مختلف اضلاع مثلاً، مراد آباد، بریلی، شاہجہاں پور، اور روہیلکھنڈ میں بندوبست اراضی کے اپنی کیفیت پیش کی جس میں اس بات پر زور دیا کہ جو محصول اراضی مقرر ہے وہی دوامی کردیا جائے "سرکار نے اپنی نوازش سے جو رتبہ ہمیں عطا فرمایا ہے اسکے فرایض منصبی کی بجا آوری میں ہم قصوروار ٹھہریں گے اگر ہم اپنی اس قطعی رائے کے اظہار سے احتراز کریں کہ اضلاع مفوضہ اور ممالک مفتوحہ کی ایک کثیر آبادی کے ایک زمانہ سے جو

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

تردد و توقعات ہیں اگر ان کے خلاف سرکار نے ان کو دوامی بند وبست کے فوائد سے ابھی اور محروم رکھا تو انگریزی مقبوضات کے اس حصہ میں سرکار انگریزی کے اغراض کو سخت نقصان پہنچنے کے سوا گزیر نہیں ہے۔

"مالی نقطۂ نظر سے اس تحریک کے فوائد سے ہمیں بحث نہیں اگرچہ ان کا بھی ہم نے اطمینان کر لیا ہے کیونکہ دو نوں مذکورۃ الصدر دستور العملوں کا اعلان کر کے سرکار نے ایک طرح کا وعدہ کر لیا ہے اور ہم سمجھتے ہیں کہ دوامی بند وبست کے مسئلہ پر معزز مجلس نظماء سے کامل بحث و مباحثہ کے بعد ہی چونکہ دستور العملوں کا نفاذ عمل میں آیا ہے اسلئے اس ملک میں بھی حکام اعلیٰ کا یہ ایک قطعی اور آخری فیصلہ متصور ہونا چاہیے تھا۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

"انفرادی اور اجتماعی طور پر ہم دوبارہ اس عقیدہ کے اظہار کی اجازت چاہتے ہیں کہ ان سب صوبوں کے بند وبست کو دوامی کرنے کے سوائے کوئی اور طریقہ قابضان اراضی کے اُن توقعات کو پورا کرنے کا نہ تھا جو سرکار کے وعدہ پر مبنی تھے اور یہ وعدہ اُنکی نظر میں نہایت ہی گراں پایہ تھا!" کے

مسٹر ڈ انیوڈ زدل نے ایک مدت تک ممتاز خدمات انجام دینے کے بعد ہندوستان سے رخصت ہونے سے کچھ پہلے ۱۸۱۹ء میں اسی مضمون پر ایک یادداشت قلم بند کی تھی جس میں کوئی بات مبہم نہیں رکھی۔

"اس وقت میرے پیش نظر یہ ہے کہ ایک جگہ تفویض سے اور دوسرے مقام میں اسکی فتح سے دس سال کی میعاد گزرنے کے بعد مذکو الصدر محدود استثناء سے قطع نظر عام طور پر رعایا کیساتھ دوامی بند وبست کے فوائد ان تک پہنچانے کا قطعی وعدہ سرکار نے کر لیا تھا۔"

"مجھکو افسوس ہوتا ہے کہ میں جان بوجھ کر بھی ایسے آرا و امور واقعہ کو بیان کرنے پر مجبور رہوں جنکو میں جانتا ہوں کہ ان اشخاص کی پسند خاطر نہیں ہو سکتے جن کے خاص غور و خوض کے لئے ان کو پیش کرنیکا میرا منشا ہے لیکن مجھ کو باور کرایا گیا ہے کہ معزز مجلس نظماء میری وجہ محرک پر نظر کرتے ہوئے میرے حق میں انصاف کریگی۔ اگر میں اپنی مرضی اور پسند کا مختار ہوتا تو اس کام کے قبول

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

کرنے سے صاف انکار کر دیتا جو میں اب کر رہا ہوں۔ اب محض اس وجہ سے میں اپنے خیالات کو قلم بند کرنے پر آمادہ ہوں کہ میں اظہار خیال کو ایک ایسا فریضہ سمجھتا ہوں جسکی فی الوقت غیر معمولی ضرورت داعی ہے . . . . .

"اگر میں یہ ثابت کرنے میں مدد دے سکوں کہ اس تحریک سے ملک کی زرعی اصلاح ہو جائے گی جس سے سرکار کے اغراض بھی وابستہ ہیں اور بالخصوص ذرائع عامہ کو کوئی بہت زیادہ نقصان پہنچنے کے بغیر انگریزوں کی نیک نامی اور اقتدار کے ساتھ ساتھ رعایا کو جو دل بستگی اور محبت ہو چکی ہے وہ اور مستحکم ہو جائیگی تو میرے دلکی ساری مراد بر آئیگی کچھ شک نہیں کہ قابضان اراضی کیلئے یہ بالکلیہ باعث اطمینان ہوگا کہ وہ رفتہ رفتہ ان مختصر حصص اراضی کو قابل کاشت بنا کر (جو ان کی کاشت کی زمینوں میں شامل ہیں مگر افتادہ ہیں یا بہ الفاظ دیگر پرگنہ و موضع یا جاگیر کے کسی اور حصے کے اندرون حدود واقع ہیں جہاں بند و بست کیا جا سکتا ہے) اپنے ذرائع معیشت میں اضافہ کریں لیکن جیسا کہ پچھلے فقرہ میں بتایا گیا ہے از روئے قانون مالقی زمین تو سرکار ہی کی ملک ہوگی۔ . . . . .

برخلاف اسکے میں اس بات کو دانشمندی، انصاف اور مصلحت نہیں سمجھتا کہ سرکار اراضی سے انتہائی محاصل حاصل کرنے کیلئے رفتہ رفتہ محصول میں اتنا اضافہ کر دے جس قدر کہ زمین پر ممکنہ طور پر ادا کیا جا سکتا ہے میرا تو یقین یہ ہے کہ عام طور پر زمین کا محصول زراعتی طبقے کی فلاح و بہبود اور ملک کی تدریجی ترقی و اصلاح کی گنجائش چھوڑ کر اب اتنا ہی زیادہ کر دیا گیا ہے جتنا کیا جا سکتا ہے۔

"میں اب اس مضمون کو یہیں ختم کرتا ہوں اور اغلب ہے کہ پھر کبھی اسکے متعلق مجھکو کچھ کہنے کا موقع نہیں ملے گا۔ یہ خیال کر کے مجھکو اطمینان ہوتا ہے اور فخر بھی کہ میں نے بھی ملک میں امن و امان اور ضابطۂ انتظام قائم رکھنے میں کچھ نہ کچھ مدد دی ہے اور حسب حیثیت عدالت دیوانی و فوجداری کے نظم و نسق میں اصلاح کرنے کی محنت و مشقت اٹھائی ہے۔ عام انتظام

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri
CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

میں میری شرکت سے ذرائع آمدنی کو کوئی نقصان نہیں پہنچا مختلف النوع توقعات کی تکمیل کے باوجود اگر اس ملک سے میرے رخصت ہونے سے پہلے ممالک مغربی میں دوامی بندوبست کا قیام بھی میں دیکھ لیتا تو پھر یہ نہیں کہہ سکتا کہ میری ایک خواہش بھی بمشکل ناتمام رہ گئی۔

سر ایڈورڈ کولبروک، جو اس سے زیادہ سربرآوردہ عہدہ دار تھا بیالیس سال تک ملک میں مفید و ممتاز خدمات انجام دینے کے بعد ہندوستان سے مراجعت کرنیکو تھا اس نے بھی اپنی خدمت سے سبکدوشی کے موقع پر ایک اور سعی کی کہ اس ملک کی رعایا کے تمول اور آیندہ منفعت کے توقعات جو زمینوں سے وابستہ تھے وہ مجلس نظار کے روز افزوں افلاس آفریں مطالبات سے کسی طرح محفوظ ہو جائیں۔ اپنی ۱۸۱۲ء کی یادداشت کے ساتھ اس نے ایک فرد حساب پیش کیا جسمیں اس نے ۱۸۰۷ء سے ۱۸۱۸ء تک یعنے اس بارہ سال کے اثنا میں اضلاع مفوضہ اور ممالک مفتوحہ کی مالگزاری میں کس طرح مسلسل اضافہ ہوتا رہا ہے وہ سب کچھ ظاہر کر دیا اور جیسا کہ وعدہ کیا گیا تھا اسکے موافق مطالبات مالگزاری ایک حد مقرر کر دینے کی سفارش کی جس سے قابضان اراضی کو انکی محنت اور اصلاح کا ثمرہ ملنے میں کسیطرح کی دست اندازی نہ ہونے پائے"

ذیل کے اعداد سر ایڈورڈ کولبروک، کی منسلکہ فرد حساب سے لئے گئے ہیں جس میں دس روپے ایک پونڈ کے مساوی شمار کئے گئے ہیں۔

اضلاع مفوضہ و ممالک مفتوحہ شمالی ہند

سال	رقم مالگزاری	محاصل خام
۱۸۰۷	۲۰۰۸۹۵۵.	
۱۸۰۸	۲۰۴۲۳۴۷	۲۶۵۳۹۶
۱۸۰۹	۲۲۵۴۷۹۱	۲۳۰۴۰۰۴

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

۱۸۱۰	۲۲۹۲۸۵۲	۳۵۷۹۹۴۹
۱۸۱۱	۲۴۱۴۷۳۷	۳۷۸۲۶۴۳
۱۸۱۲	۲۲۷۴۷۰۹	۳۷۳۱۷۲۸
۱۸۱۳	۲۵۰۸۶۸۱	۳۹۳۱۹۰۶
۱۸۱۴	۲۵۰۲۲۲۳	۳۸۱۵۵۷۹
۱۸۱۵	۲۴۸۳۱۳۳	۳۸۹۱۰۴۵
۱۸۱۶	۲۶۶۵۶۶۷	۳۱۳۰۸۵۳
۱۸۱۷	۲۶۴۶۷۶۱	۳۹۲۶۹۲۳
۱۸۱۸	۲۸۹۲۷۸۹	۳۱۶۲۳۶۶

اسکے بعد ایک اور یادداشت میں جو اسی سال قلمبند کی گئی تھی سر ایڈورڈ کولبرک نے ہندوستان کی رعایا کی خوشحالی کے لئے جن کے ساتھ اس نے اپنی ایک عمر گزاری تھی یہ آخری تجویز پیش کی۔

"اس ملک سے آخری دفعہ رخصت ہوتے ہوئے جہاں میں نے بیالیس سال گزارے ہیں اور اس خدمت سے سبکدوش ہوتے ہوئے جس پر وارن ہیسٹنگز متوفی نے اپنی ابتدائی جانب داری سے ۱۷۸۰ء کے ابتدا ہی میں بحیثیت معتمد فارسی کے میرا انتخاب کیا تھا اور جس پر میں اٹھارہ سال کی عمر سے ذمہ داری کے ساتھ کارگزار ہوں، مجھے حقیقی اطمینان حاصل ہوگا اگر میں اپنی سرکاری زندگی میں یہ آخری خدمت کرسکوں کہ انگریزی عملداری کے اس حصے میں جہاں میں نے اپنی زندگی کے آخری بارہ سال سرگرمی میں گزارے ہیں اور جس کا مجھے بجا طور پر فخر ہے محصول مالگزاری کے تعین کی برکتیں پیدا ہو جائیں۔ .... میں اس کو دل سے کبھی بھلا نہیں سکتا کہ ان ممالک کے قابضان اراضی کے عام کردار ہی میری کامیابی کا باعث اور میرے شکریہ کے مستحق ہیں اگر اس تحریک کے متعلق میرا اعتقاد کمزور بھی ہو جائے تو تشکر کا معمولی احساس خود مجھکو احسان کا بدلہ احسان کرنا سکھلا دے گا۔

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

یہ ایک اعلیٰ خیال ضرور تھا مگر محض بے سود۔ ہندوستانیوں کے وفادارانہ اور صلح پسند کردار کی وجہ سے سرکار کو اپنے مالی مطالبات کی تخفیف کی ترغیب ہی نہیں ہوئی بلکہ اسکے برخلاف نتیجہ یہی نکلا کہ سرکاری مطالبات اور زیادہ ہوتے گئے۔ حتیٰ کہ انگریزوں کے راج میں امن و امان جان و مال کی حفاظت قایم ہونے کے باوجود رعایا کی کفایت شعاری و محنت اور زمین کی زرخیزی اور شادابی کے ہوتے ہوئے رعایا نادار اور بے وسیلہ بنتی چلی گئی۔

ارکان مجلس کمشنران مسٹر ڈائیوڈ زول، سر ایڈورڈ کولبروک مسٹر اسٹوارٹ، مسٹر آدم، مسٹر فنیڈل کی مرتبہ ریورلوٹن اور یادداشتوں سے مسلح ہو کر گورنر جنرل لارڈ ہیسٹنگز نے ایک حد تک دوامی بندوبست کیلئے جس کا وعدہ انگریزی سرکار نے کر لیا تھا۔ اور رعایا کی خوشحالی کے لئے ضروری تھا۔ مجلس نظما کی خدمت میں آخری دفعہ درخواست کی۔

"یہ ہماری متفقہ رائے ہے کہ یا تو ایک مقررہ جمع کے اصول پر یا زمین کے محصول کے ایک ایسے اصول پر کہ جس کا تعین ایک مقررہ اور غیر متزلزل شرح پر ہوا کرے دوامی بندوبست کا نظام مبنی رہے اور اضلاع مفوضہ و ممالک مفتوحہ میں بھی یہی رائج کیا جانا چاہیئے۔"

ایک تجارتی کمپنی کے نظما نے جب کہ وہ ایک شاہنشہی کے بھی مالک ہو گئے تھے۔ لارڈ ہیسٹنگز کی تجاویز کو ایسے روکھے سوکھے طور سے رد کر دیا جس سے صاف ظاہر ہوتا تھا کہ اپنے مالی اغراض کے مقابلہ میں ان کو حقیقتاً رعایا کی خوشدلی کا کسقدر کم خیال تھا۔

"ہم آپ کو صاف طور سے دوبارہ اس بات سے آگاہ کرنے پر مجبور ہیں کہ ہم اس رائے کے قبول کرنے کے لئے تیار نہیں جس پر آپ کے بیان کے موافق سب نے اتفاق کیا ہے یعنے یا تو ایک مقررہ جمع کے اصول پر یا محصول اراضی کے ایک ایسے اصول پر جس کا تعین ایک مقررہ اور غیر متغیر شرح پر ہو دوامی بندوبست کا نظام مبنی رہے اور اضلاع مفوضہ و ممالک مفتوحہ

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

میں بھی وہی رائج کیا جانا چاہیئے۔" اور ہم اس سررشتے کے مراسلہ مورخہ ۱۵ ار جنوری ۱۸۱۹ء کے فقرۂ نمبر ستاسی میں جو تاکیدی حکم مالگزاری کے دوامی بندوبست کے خلاف مندرج ہے اس کا صریح طور پہ بھی اعادہ کرتے ہیں اور ہماری خواہش ہے کہ آپ نہ صرف اس طرح کا بندوبست کرنے سے احتراز کریں بلکہ ہر ایسے طریقے کے اختیار کرنے سے بھی روگردانی فرمائیں جس سے یہ توقع نہ بندھ جائے کہ بعد میں دوامی بندوبست کیا جائیگا۔ اسکے بعد اس مباحثے کا دروازہ چالیس سال تک یونہی بند رہا۔"

اسی دوران میں مجلس کے معتمد وقت ہوسٹ میکنزی نے ۱۸۱۹ء کی مشہور ومعروف یادداشت قلم بند کی جس سے اس بات کا انکشاف ہوتا تھا کہ شمالی ہند میں بھی ملت دیہی کا وجود تھا اور اس نے یہ بھی تجویز پیش کی تھی کہ باقاعدہ پیمائش و تحقیقات کے بعد جہاں کہیں ایسی ملتیں موجود تھیں وہاں ان کے ساتھ بندوبست کر لیا جائے۔ اسی یادداشت میں اس نے مختلف اضلاع کی تحقیقات کی تفصیل کے ساتھ یہ رائے دی تھی کہ مواضعات کی پیمائش کیجائے۔ سارے حقوق قلم بند کئے جائیں اور ملت دیہی کی نمایندگی کے لئے چودھری مقرر ہوں جن کو اس لئے نمبردار کہا جائے کہ کلکٹر کے سرکار کو مالگزاری ادا کرنے والوں کے ناموں کی کتاب میں ان کا نمبر درج رہے۔ یہ بھی تجویز پیش کی گئی تھی کہ محصول اراضی کی شرح میں اضافہ کرنے کے بجائے اس کو سب زمینوں کے لئے مساوی کر دیا جائے۔ اور مالگزاری ادا کرنے والوں کے جو کچھ بھی حقوق ہوں وہ ان کے لئے محفوظ کر دیئے جائیں۔

۱۸۲۱ء میں دوامی بندوبست کے سارے منصوبے ترک کر دیئے گئے تھے۔ اسلئے ہوسٹ میکنزی کی یادداشت کو بندوبست کے اساسی اصول کے طور پر تسلیم کر لیا گیا۔ مطمح نظر اس وقت یہ تھا کہ جہاں مالکان اراضی موجود ہیں ان سے اور جہاں دیہی ملتیں مشترکہ اسامیاں رکھتی ہیں وہاں ان سے بندوبست کر لیا جائے۔ اور خاص طور پر یہ خواہش ظاہر

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

کی گئی تھی کہ مالگزاری کا تعین حد اعتدال پر کیا جائے۔ حکومت کے ۱۸۲۲ء کے رزولیوشن میں اس بات پر خاص طور سے اصرار بھی کیا گیا تھا۔

"۸۷۔ درحقیقت یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ہندوؤں کے قدیم قوانین کی رو سے فرمانرواکو ایک معینہ اور متوسط حصہ پیداوار کا ملتا تھا اگر ہم موجودہ ہندو ریاستوں کے طریقۂ عمل کو دیکھکر قدیم زمانے کے طریقۂ عمل کو معلوم کرنا چاہیں تو ہم یہ ظاہر یہ اخذ کر سکتے ہیں کہ حقیقتاً جو رقوم کاشتکاروں سے وصول کیجاتی تھیں وہ کسی حال میں بھی برائے نام مقررہ شرح کی حد تک محدود نہیں رہتی تھیں . . . . . .

"۸۸۔ یہی مغلیہ نظام میں بھی ہوتا تھا جیسا کہ مسٹر گرانٹ نے بیان کیا ہے یعنے زر نقد میں شرح کا تعین پیداوار کے ایک ربع حصے کی اوسط قیمت پر کر دیا جاتا تھا . . . .

"۹۳۔ فی الجملہ عالیجناب بہ اجلاس کونسل اس نتیجے پر پہنچنے کی طرف مائل ہیں کہ گو دیسی حکومتوں نے جن کے ہم قایم مقام ہوئے، مالی مطالبات میں بھی قدیم رواج کی وقعت برقرار رکھی تھی اور اگرچہ بالخصوص آخری زمانے میں ان حقوق کو منوانے کی بھی ان میں طاقت نہ رہی تھی جن کو وہ جائز سمجھتے تھے۔ پھر بھی رعیت کے حالات پر لحاظ کرنے کی ایک عام قید کے سوا کسی برسر حکومت طاقت کے حق تعین شرح مطالبات پر کبھی کوئی سوال اٹھایا ہی نہیں گیا تھا۔

"۱۰۱۔ حکومت کی حد تک بیجا مطالبات سے احتراز کے لئے خاص احتیاط ضروری ہے۔ کیونکہ ہمیشہ یہ خطرہ لگا ہوا ہے کہ ہم تو اسی خیال میں رہیں کہ ہم (لگان) خالص کا محض ایک حصہ لے رہے ہیں مگر حقیقت یہ ہو کہ محنت کی واجبی اُجرت اور سرمایہ کے منافع میں بھی دست انداز ہو رہے ہیں۔

"۱۲۹۔ کاشتکاروں سے واجب الوصول لگان کی شرح مقرر ہونے کے بعد بھی ان فوائد کی نوعیت اور وسعت کا تعین کرنا باقی رہے گا جو درمیانی کار پرداز وں اور زمینداروں کو ملیں گے اور اس خالص (لگان)، اور منافعہ کے طریقہ و تناسب تقسیم کا بھی جو سرکاری مطالبات کے محدود ہو جانے کے بعد نکلے گا۔

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

"۳۷۳۔ عالیجناب کو یہ اجلاس کونسل مختلف موقعوں پر اس بات کے ثبوت ملنے سے اطمینان ہوگا کہ سررشتہ مالگزاری کے دیسی عہدہ دار عطائے امتیاز اعزازی کا روح پرور احساس رکھتے ہیں۔ اس احساس کی نشو و نما نہایت ہی اہم ہے اور سرکاری عمال کا کوئی طبقہ کیوں نہ ہو حکومت کی کبھی یہ خواہش نہ ہوگی کہ اس طرح کی باطل کفایت شعاری پر عمل پیرا ہو جس سے ان عہدہ داروں کے لیے جن پر اس قدر وسیع اعتماد کیا جاتا ہے مفلسی اور بے عزتی کے سوا کوئی دوسرا دروازہ کھلا ہی نہ رہے۔"

اس متفقہ تجویز کی تاریخ سے ایک ہفتہ کے بعد ۱۸۲۲ء کا دستور العمل نافذ کیا گیا جس میں اس اصول کو بھی بیان کر دیا گیا تھا جس کی رو سے اضلاع مفوضہ اور ممالک مفتوحہ بشمول کٹک تپاس پور اور اسکے دوسرے علاقہ جات میں اسکے بعد سے بندوبست مالگزاری عمل میں لایا جائے گا۔

یہ بندوبست موضع بہ موضع محل بہ محل از سر نو ہونے والا تھا اور ہندستان میں "محل" بڑے موضع کو کہتے ہیں۔ اسی لئے شمالی ہند میں جو بندوبست عمل میں آیا تھا وہ محل واری بندوبست کہلاتا تھا۔ کسی محل میں بھی مطالبہ مالگزاری میں اس وقت تک اضافہ نہیں کیا جاتا تھا جب تک کہ یہ صاف طور پر معلوم نہ ہو جائے کہ زمینداروں کا منافع اس مطالبہ کے ایک خمس حصے سے بھی زیادہ ہے ایسی صورتوں میں "محصول اراضی اس طرح لگایا جائے گا کہ اسکے بعد ہی زمینداروں اور رندکور الصدر دوسرے اشخاص کے لئے جمع کا بیس فی صد حصہ خالص منافع کی شکل میں بچے گا۔" اس طرح ایک ایسے محل میں جس کا زر لگان ۱۲۰۰ پونڈ ہوتا تھا سرکاری مطالبہ ۱۰۰۰ پونڈ تک کر دیا جائے والا تھا جس سے زمین کو ۲۰۰ پونڈ یعنے مطالبہ سرکاری کا ایک خمس بچتا تھا۔ اس طرح محل کے لگان میں تراسی فیصد سے کچھ زیادہ حق سرکار ہوتا تھا۔

مالگزاری کے کلکٹر کاشتکاروں کو ان کے واجب الادا لگان کا تعین کرکے زمینیں پٹے پر دینے کے مجاز کئے گئے۔ ان حالات میں جہاں محل کسی زمیندار کے قبضہ میں ہونے کے بجائے کاشتکاروں کے مشترکہ قبضہ میں ہوتا تھا وہاں

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

لگان کے پچانوے فیصد حصہ تک سرکاری مطالبہ میں اضافہ ممکن تھا۔ یعنے "پانچ فیصدی حق مالکانہ یا کسی اور رسوم نذرانہ و پیشکش وغیرہ کی منہائی کے بعد جو پانچ فیصد سے کم نہ ہو اور جس کا سرکار تعین کرے گی"۔ تمام و کمال مقدار لگان کی حد تک اضافہ ممکن تھا۔ ان حالات میں کلکٹر مالگزاری مقتدر و مجاز تھا کہ چاہے وہ موضع کی زمینوں کو جدید طور پر تقسیم کر دے یا ہر کاشتکار سے جو جمع سرکار واجب الادا ٹھہرتی تھی اس کا از سر نو تعین کرے۔

کلکٹر مالگزاری کو یہہ اختیار بھی دیا جا سکتا ہے کہ وہ زمینداروں اور پٹہ داروں کے درمیان جو کچھ قرارداد ہوں اور جو کچھ معاملات اراضی لگان یا پٹہ وغیرہ سے متعلق ہوں اُن کا تصفیہ کرے۔ کلکٹر کے فیصلے سے عدم اعتماد کی حالت میں مجلس مالگزاری میں استغاثہ پیش کرنے کی اجازت تھی۔ اور آخر کار عدالت ہائے دیوانی میں باضابطہ طور پر مقدمہ پیش کیا جا سکتا تھا۔

یہ تھا سب سے پہلا شمالی ہند کا قانون اراضی جو شمالی ہند کی تفویض اور فتح کے بیس سال بعد نافذ ہوا۔ اور اس کے دفعات کے گہرے امتحان سے اسکے نقائص ظاہر ہوتے ہیں۔ کلکٹر مالگزاری کی قوت فیصلہ کے سوا اسی قانون میں کاشتکاروں کے لگان کی ادائی کے لئے کوئی واجبی اور قرین انصاف معیار نہ تھا۔ اور نہ زمینداروں کے لئے لگان کے فقط سترہ فیصد حصے کے سوا واجبی منافعہ کی کوئی گنجائش ہی رکھی گئی تھی۔

متعدد بار اس بات کا اقبال کرنے کے بعد بھی کہ ہم بیجا مطالبات سے احتراز کریں گے اور خالص لگان کا صرف ایک حصہ ہی لیں گے۔ یہ عجیب و غریب بات اسکے خلاف کی گئی کہ سارا لگان ہی دراصل چٹ کر لیا گیا جس سے زمیندار اور کاشتکار دونوں بیک وقت مفلوک الحال بن گئے۔ دولت کا جمع کرنا اور لوگوں کی مادی حالت کی اصلاح ناممکن ہوگئی اور پہلے بند و بست کی مختصر معیاد کے اختتام پر بعد کے بند و بست کے وقت آیندہ سرکاری مطالبات کیلئے کوئی حد ہی مقرر نہیں کی گئی۔

یہ نظام اسکی اپنی مُضمرہ سختی اور تشدد کی وجہ سے آخر چلکر ٹوٹا اور

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

"بعد از خرابی بسیار" ۱۸۳۳ء میں کمپنی کے بہترین اور قابل ترین گورنر جنرل لارڈ ولیم بینٹنگ نے شمالی ہند کے لوگوں کا کچھ بوجھ ہلکا کیا۔ کسی آیندہ باب میں ہم ۱۸۳۳ء کے بندوبست اراضی کے بیان کی طرف پھر متوجہ ہونگے۔

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

بارھواں باب

جنوبی ہند کی معاشی تاریخ ۱۸۰۰ء

پچھلے باب میں ہم نے، بنگالہ، مدراس اور شمالی ہند کے بند وبست ہائے اراضی کی ساری سرگزشت بیان کردی اور ہم نے یہ بھی دیکھ لیا کہ ہر جگہ مقامی حکام دوامی بند وبست مالگزاری کے لئے متقاضی تھے۔ بنگالہ میں دوامی زمینداری بند وبست ۱۷۹۳ء میں کر دیا گیا اور یہی ۱۷۹۵ء میں بنارس میں بھی رائج کیا گیا۔ مدراس میں بھی ۱۸۰۲ء اور ۱۸۰۵ء کے درمیان شمالی سرکار اور دوسرے مقامات میں دوامی زمینداری بند وبست کر دیا گیا مگر اس کے بعد نظمار کی حکمت عملی میں ایک تغیر واقع ہوا۔ ایک طرف تو ٹامس منرو نے دوامی رعیت داری بند و بست کی تجویز پیش کی مگر دوسری طرف مجلس مالگزاری نے دوامی موضع واری بند و بست کی سفارش کی، رعیت واری بند و بست تو کیا گیا لیکن اسکے دوامی ہونے کا اعلان نہیں کیا گیا۔ شمالی ہند میں لارڈ ولزلی نے ۱۸۰۳ء میں اور پھر ۱۸۰۵ء میں برطانوی حکومت کی جانب سے دوامی زمینداری بند وبست کا حتمی وعدہ و اقرار کیا۔ اور لارڈ منٹو اور لارڈ ہیسٹنگز نے نظمار سے ایفائے عہد کے لئے تقاضا بھی کیا، مگر نظمار نے

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

شکست عہد کر کے محل واری بند و بست کا حکم دیا۔ اور وہ بھی دوامی نہیں۔

ہندوستان میں انگریزی راج کے دوسرے دور میں جو بند و بست ہوئے اُن کی سرگزشت اس طرح کی ہے کہ انگریزی حکمرانوں نے عہد اولیٰ میں یعنے کلائیو اور وارن ہیسٹنگز کے دور میں کہیں بھی بند و بست نہیں کیا۔ اراضی کے مسئلے نے ان کو بالکل پراگندہ خاطر کر دیا تھا۔ اور ان کے تشدد آمیز اور ہمیشہ بدلنے والے انتظامات کا نتیجہ ظلم اور زیاں اور ناکامی کے سوا اور کچھ نہ نکلا۔ عہد ثانی یعنے کارنوالس، ویلزلی اور لارڈ ہیسٹنگز کے دور میں بنگالہ، بنارس اور شمالی سرکاروں میں دوامی زمینداری بند و بست ہوا۔ مدراس کے نو حاصلہ مقبوضات میں رعیت واری بند و بست عمل میں آیا، جو دوامی نہ تھا اور شمالی ہند کے "اضلاع مفوضہ" اور "ممالک مفتوحہ" میں غیر دوامی محل واری بند و بست ہوا۔

اس قصے کے اثناء میں اب ہم کچھ توقف اسلئے کریں گے کہ اُنیسویں صدی عیسوی کی ابتدا میں ہندوستان کے لوگوں کی اقتصادی حالت کیا تھی اسکی بھی چھان بین کرلیں۔ ہندوستان کے لوگ کس طرح زندگی گزارتے ہیں، کھیتوں کی کاشت کرتے ہیں۔ کاریگری اور دستکاری کرتے ہیں اور کیا پیدا کرتے ہیں عورتوں کا کیا شغل و پیشہ ہے ان سب چیزوں کی کسی قدر تفصیلی تحقیقات، ضروری ہے۔ لوگوں کی عہد بعہد مادی حالت کا بغور مطالعہ کرنے سے زیادہ کوئی اور مطالعہ اقوام کی تاریخ میں دلچسپ اور آگاہی بخش نہیں اور خوش قسمتی سے ڈاکٹر فرانسیس بکانن کے (جس کو انگریزی سرکار نے پہلی دفعہ اعداد و شمار کی تحقیقات کے لئے مقرر کیا تھا) تصانیف وغیرہ میں ہندوستان کے لوگوں کی صنعتوں اور پیشوں وغیرہ کے متعلق تفصیلی معلومات درج ہیں۔

۲۴۔ فروری سنہ ۱۸۰۰ء میں لارڈ ویلزلی ہندوستان کے گورنر جنرل وقت نے ڈاکٹر فرانسیس بکانن کو جو ایسٹ انڈیا کمپنی کا بہ حیثیت طبیب ملازم تھا جنوبی ہند میں اس گوشے سے اُس گوشے تک اسی غرض سے سیاحت کرنے بھیجا کہ وہ پھر کر لوگوں کی عام حالت زراعت اور صنعتوں کی معاشی تحقیقات کرے۔ مدراس کی عملداری سے چلکر ڈاکٹر بکانن نے کرناٹک، میسور، کوئمبتور، ملیبار اور کنڑا کی

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

سیاحت کی اور اس کا سفرنامہ اور نتائج تفتیش بہ شکل روزنامچہ ۱۸۰۷ء میں لندن میں تین جلدوں میں شائع کیا۔ اس باب میں یہی تصنیف جس میں جنوبی، ہند کے لوگوں کے ۱۸۰۰ء کے حالات درج ہیں۔ ہماری رہنمائی ہوگی۔ ڈاکٹر بکانن نے شمالی ہند میں بعد کو جو تحقیقات کی ہے اس کا بیان اسکے بعد کے باب میں آئے گا۔

جاگیر مدراس

۲۳ - اپریل ۱۸۰۰ء کو ڈاکٹر بکانن اعداد و شمار کی تحقیقات کیلئے مدراس سے دورہ پر روانہ ہوا۔ مدراس کے قرب و نواح میں افتادہ زمین نہیں تھی اگر بارش اچھی ہوتی تھی تو وہاں کی فصل بھی اچھی ہوتی تھی۔ بعض مقامات میں قدیم تالابوں اور خزانے آب سے ہی کھیتوں کی آبپاشی ہوتی تھی۔ اور یہ کھیت دھان سے گویا ڈھکے رہتے تھے۔ مخیر لوگوں نے راستوں پر مسافروں کے مفت قیام کے لئے "چولتریاں" یعنے مسافر خانے تعمیر کئے تھے۔

اس سے آگے مغرب کی طرف جو سڑک جاتی تھی وہ ایک ایسے مقام سے گزرتی تھی۔ "جو اس وقت بالکل عریاں" نظر آتا تھا مگر کہیں کہیں ناریل کے نخلستان کی شکل میں آثار ترقی نمایاں تھے۔ کنداترو کے مقام کا منظر بدلا ہوا تھا اور بہت خوش نما تھا۔ یہاں ڈاکٹر بکانن نے ہندوؤں کا قدیم انتظام آبپاشی دیکھا جسکے لئے ہمیشہ سے جنوبی ہند مشہور رہا ہے۔ ایک بہت بڑا پانی کا خزانہ تھا۔ جو دو قدرتی پہاڑیوں کے درمیانی شگاف پر پشتہ باندھ کر بنایا گیا تھا۔ اس کا طول آٹھ میل کا تھا اور عرض تین میل کا۔ اس سے بے شمار چھوٹی چھوٹی نہریں نکلی تھیں جن سے موسم گرما میں کھیتوں کی آبپاشی ہوتی تھی۔ بارش میں چیر ندی کے پانی سے یہ خزانہ بھر جاتا تھا۔ تھوڑی تھوڑی دور پر اس میں نالیاں بنی ہوئی تھیں جو بیس تیس گز عریض تھیں اور ان نالیوں کی پتھروں سے پشتہ بندی کی گئی تھی۔ جو غیر ضروری پانی کو بہا کر نکال دینے کے لئے ڈھلوان

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

نصب کئے گئے تھے۔ اس خزانے سے بتیس مواضعات کی زمینوں کی آبپاشی اٹھارہ مہینے کی خشک سالی رہنے تک ہو سکتی تھی۔ ڈاکٹر بکانن نے لکھا ہے کہ "ایک ایسے ملک میں جہاں بارش کی قلت سے قحط ہوتا تھا ایسا پانی کا خزانہ جیسا کہ یہ ہے بے اندازہ قدر و قیمت رکھتا ہے"۔ اس سے بھی آگے مغرب کیجانب بڑھیں تو کندا تروا اور سری پرماترو کے درمیانی ملک میں بنجر زمینوں اور خار دار جھاڑیوں کے سوا کچھ نہ تھا۔ کاشت بالکل نہ تھی اور اگر جگہ اگر فصل بھی بوئی جاتی تو اس سے تخم کی تلافی بھی نہیں ہو سکتی تھی۔ بریں ہمہ تاڑ اور جنگلی کھجور کے درخت قدرتی طور پر اس زمین میں اگتے تھے اور اول الذکر سے مشروبات مثلاً تاڑی اور "جاگیرۃ" کی شکل میں پیدا ہوتے تھے۔

سری پرماترا میں ایک اور قدیم خزانۂ آب تھا جس سے موضع کے اراضی کی جہاں دو ہزار سے زیادہ ایکڑ دھان کے کھیتوں کے لئے مخصوص تھے آبپاشی ہوتی تھی۔ اس مقام سے اور آگے بڑھکر قدیم ہند و راج دھانی یعنے کانچی تک جو اب کنجیورم کہلاتا ہے زمین بالکل بنجر اور خالی پڑی ہوئی تھی اور یہاں بہت تھوڑی کاشت تھی۔

کنجیورم میں ایک قابل فخر بہت بڑا قدیم خزانۂ آب تھا جس سے متعدد کھیتوں کی آبپاشی ہوتی تھی جن میں دھان لہلہاتی تھی۔ نواب محمد علی کے دیوان نے بھی ایک نہایت عمدہ تالاب تعمیر کرایا تھا جس میں پتھر جڑا ہوا تھا اور نیچے تک سیڑھیاں بنی ہوئی تھیں۔ اس مقام پر "چولتریان" یعنے سنگ بستہ سرائیں مسافروں کے آرام و پناہ کے لئے بنائی گئی تھیں جن کے ستونوں پر نہایت عرق ریزی سے نقش و نگار بنائے گئے تھے۔

کنجیورم ایک بڑا شہر تھا جو ایک قاعدے سے پر تعمیر کیا گیا تھا لیکن یہاں کوئی بڑی آبادی نہ تھی۔ متعدد عمارتیں خالی پڑی ہوئی تھیں اور مکانات ایک منزلہ تھے، ان کی دیواریں مٹی کی تھیں۔ اور چھتیں کھپریل کی۔ انکی وضع مربع ہوتی تھی اور بیچ میں ایک صحن ہوتا تھا، گلی کوچے وسیع اور پاک و صاف تھے اور ایک دوسرے کے زاویۂ مستقیم پر تھے جنکے دونوں جانب

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

ناریل کے درختوں کی دو قطاریں تھیں۔ یہاں کے اکثر برہمن یا تو شنکر چاری کے پیرو تھے یا رامنجو چاری کے۔ اول الذکر نویں صدی عیسوی میں زندہ تھے اور وید کے سخت پابند تھے۔ ان کا اعتقاد تھا کہ ساری کائنات کی ایک ہی روح اولیں ہے۔ موخر الذکر گیارہ صدی عیسوی میں زندہ تھے وید کی پیروی میں عام خیالات کے پابند تھے اور شخصی خدا پر ایمان رکھنے کی تبلیغ کرتے تھے۔ موجودہ زمانہ میں شنکر چاری کے عقائد اکثر سیوا کے کی پرستش سے ملے جلے ہوئے ہیں اور رامنجو کے وشنو کے کی پرستش میں مخلوط ہو گئے ہیں۔

کنجیورم سے روانہ ہو کر ڈاکٹر بکانن نے ڈمر لوتک جو جاگیر مدراس کا آخری موضع تھا سوائے ویرانہ کے کچھ نہ پایا۔ پلار کی ندی سے ایک نہر بہتی تھی جو ڈمر لوا اور راؤ کور کے درمیان قیمتی اراضی کی جن میں دھان کی کاشت ہوتی تھی آبپاشی کرتی تھی۔ اولور کی زمین اچھی تو تھی مگر تابی کے فصل کے کام کی تھی۔ اور کھیتوں کے بیچ میں درخت اور جھاڑی بھی آگئی تھی۔

فی الجملہ جاگیر مدراس ایسٹ انڈیا کمپنی کے مقبوضات میں نصف صدی سے زیادہ زمانہ گزرا کہ آچکی تھی مگر سرسبز و شاداب حالت میں نہ تھی۔ متعدد لڑائیوں کی وجہ سے محصول اراضی کے بار سنگین سے اور محاصل کو مقامی اصلاحات میں لگانیکی بجائے کمپنی کے منافع پر رقم لگانیکے لئے اشیاء کی خرید میں صرف کر دینے سے ملک افلاس زدہ ہو گیا تھا اور آبادی نہایت ہی قلیل و منتشر رہ گئی تھی۔ کنداترو میں مسٹر پلیس کلکٹر وقت نے اپنے نظم و نسق کے دوران میں قدیم خزانۂ آب کی مرمت کی تھی اور محصول اراضی میں بھی بہت کچھ اضافہ کر دیا تھا۔ لیکن زمین کے لمبے لمبے خطے ایسے بھی تھے جن کی نہ آبپاشی ہوتی تھی اور نہ کاشت اور آبادی نہایت ہی مختصر و منتشر رہ گئی تھی۔ ڈاکٹر بکانن نے ان کا نام "لق و دق ویرانہ" رکھا تھا اور بعینہٖ یہی حالت وہاں کی تھی۔

کرناٹک

جس زمانہ میں ڈاکٹر بکانن کرناٹک سے دوران سفر میں گزرا ہے اس

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

وقت تک لارڈ ولزلی نے کرناٹک کا الحاق نہیں کیا تھا اور یہ مقام اگرچہ اصل میں عمال کمپنی ہی کے نظم و نسق میں تھا مگر برائے نام نواب ارکاٹ کے زیر نگیں کہلاتا تھا۔

ارکاٹ کو جاتے ہوئے ڈاکٹر بکانن نے ایک اور قدیم پانی کا خزانہ دیکھا جو کیوری پاک کہلاتا تھا۔ یہ خزانہ آب آٹھ میل طویل اور تین میل عریض تھا اور اس سے ملک کا بہت بڑا حصہ قابل زراعت بن گیا تھا۔ تعمیرات عامہ کا کوئی اور کام اس سے زیادہ اطمینان بخش میری نظر میں نہیں جچا جیسا کہ یہ انتظام جس سے ایک کثیر آبادی کو اپنی اخلاقی حالت کے موافق ہر طرح کی آسودگی سے مستفید ہونیکا موقع ملتا ہے

کیوری پاک سے ارکاٹ کو جو سڑک جاتی تھی وہ نہایت ہی خراب تھی اور بمشکل گاڑیاں چلنے کے لایق تھی۔ بہر یں ہم لوگ بیلوں کی گاڑیوں میں سفر کرتے تھے اور بعض وقت مسلمان عورتیں برقعوں میں لپٹی لپٹائی بیلوں پر سوار راستہ طے کرتی تھیں۔ شہر ارکاٹ وسیع تھا اور یہاں موٹا سوتی پارچہ بنتا تھا۔ مکانات بھی اُتنے ہی اچھے تھے جیسے جاگیر مدراس کے اکمنہ تھے۔ قُرب و نواح کی پہاڑیوں پر کچھ اُگتا نہ تھا۔ اور یہ سب پہاڑیاں بھر بھرے پتھر کی تھیں جو فرسودہ ہو کر مٹی ہو رہے تھے۔ ارکاٹ اور مغربی پہاڑوں کی درمیانی زمینیں اچھی تھیں جس میں باغ بھی تھے۔ اور تاریکی فصل بھی ہوتی تھی۔ مگر دوسری سب زمینیں بنجر تھیں۔

مغرب کی طرف جو سڑک ارکاٹ سے ویلور کو اور ویلور سے پالی گنڈہ کو جاتی تھی وہ پلار ندی کی وادی سے ہو کر گزرتی تھی۔ یہ زمین سرسبز و شاداب تھی۔ قلعۂ ویلور بڑا بھی تھا۔ اور خوشنما بھی۔ شہر بھی بڑا تھا اور رہند د وضع کا بنا ہوا تھا۔ مگر سڑک پر جو گاؤں تھے، وہ نہایت ہی خراب و خستہ پڑے ہوئے تھے اور اکثر تو بے چراغ تھے۔ پالی گنڈہ کے لوگ نہروں کے ذریعہ جو ریت میں چھ یا سات فٹ گہری کھودی جاتی تھیں پلار ندی سے پانی لیتے تھے۔ اور دوسری نہروں سے کھیتوں کو سیراب کرنے کے لئے اس پانی کو لیجاتے تھے۔ اس طرح ویلور کی وادی کرناٹک میں سب سے بہتر خطۂ زمین بن گئی تھی۔

بڑا محل

ڈاکٹر بکانن پھر مشرقی گھاٹیوں پر چڑھ کر ونکٹا گری کو جو بڑے محل کے

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

حدود میں واقع ہے ۴ مئی کو پہنچ گیا۔ چند سال قبل ٹامس منرو نے اس ملک کا بندوبست کر دیا تھا اس خطے کے نشیب و فراز نے ڈاکٹر بکانن کے دل میں انگلستان کی یاد تازہ کر دی جہاں تک ڈاکٹر بکانن کو جانچنے کا موقعہ ملا اُسے معلوم ہوا کہ اس ملک کے نصف حصہ کی کاشت ہوتی تھی۔ اور باقی حصہ میں جھاڑی تھی۔ یہ حصہ رمنے کے کام میں لایا جاتا تھا۔ یہاں فلنز (خام دھات) اور سیاہ ریت کو پگھلا کر اس سے لوہا سودھا جاتا تھا اور ملک کے اکثر حصوں میں معمولی نمک ملتا تھا۔ زینات سُرخ چکنی مٹی کی زرنگاری تھیں جس میں گارا اور بھربھرے پتھر ملے ہوئے تھے۔ گاؤں میں اور شہروں میں جھونپڑیوں کی دیواریں کیچڑ سے بنائی جاتی تھیں اور اُن کی سطح ہموار کرنے کے بعد ان پر سیدھی موٹی موٹی لکیریں ایک لال ایک سفید رنگ کی کھینچی جاتی تھیں۔ بعض مقامات میں مسطح چھتوں پر اسی مٹی کے بالاخانے بھی بنائے گئے تھے۔

مشرقی میسور

ڈاکٹر بکانن میسور کے راجہ کی عملداری میں اب داخل ہوا۔ اس راجہ کو ویلزلی نے سال ماقبل میں ٹیپو سلطان کے زوال کے بعد تخت نشین کیا تھا۔ ڈاکٹر بکانن نے دیکھا کہ وآلرد ایک بڑا شہر تھا جہاں ہر ہفتہ منڈی لگتی تھی۔ اور کپڑا بھی بنا جاتا تھا جس کی بیرون ملک بڑی فروخت تھی۔ قرب و نواح کے مواضعات میں موٹے موٹے کمبل بھی بکثرت بُنتے تھے۔ زراعتی زمینیں تمام زمینوں کا ساتواں حصہ تھیں اور اُن کے شاید بیسویں حصے کی آبپاشی ہوتی تھی۔ ندیا ندی کے کنارے پر دھان کی کاشت ہوتی تھی۔ عورتیں ٹوکریوں میں کھاد لا لا کر کھیتوں میں دیتی تھیں بھینسوں اور بیلوں سے ان میں ہل چلایا جاتا تھا۔

مئی کی ۱۰ تاریخ کو ڈاکٹر بکانن بنگلور پہنچا، یہاں حیدر علی نے مسلمانوں کی جنگی وضع کا بہترین سرحدی قلعہ تعمیر کیا تھا جسے حیدر علی کے بیٹے ٹیپو سلطان نے انگریزی فوج کی بہادری و جوانمردی کے مقابل ناکارہ پاکر مسمار کر دیا۔ یہاں کے باغ وسیع اور مربع روشوں میں منقسم تھے۔ سرو کے درخت اور انگور کی بیلیں اس آب و ہوا

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

میں کثرت سے نشو و نما پاتی تھیں، سیب اور شفتالو کے درخت بھی پھلتے پھولتے تھے صنوبر اور بلوط کے چند پودے راس امید (کیپ اوف گڈ ہوپ) سے لائے گئے تھے اور یہ ترو تازہ تھے۔ بنگلور کے نواح کی زراعتی زمینیں ملک کی تمام اراضی کے چار عشر سے زیادہ نہ تھی اور جن زمینوں کو پہلے پانی ملتا تھا ان کا وہ مختصر حصہ بھی جو پہلے زیر کاشت تھا۔ حال کی لڑائیوں میں پانی کے خزانوں کی نگہداشت نہ ہونیکی وجہ سے اب زیادہ تر افتادہ تھا۔ حیدر علی کے بعد جب ٹیپو سلطان سریر آرائے سلطنت ہوا تو ملک سرسبز و شاداب تھا اور ڈاکٹر بکانن نے ہر شخص کو حیدر علی کا بڑا مداح و ثنا خواں پایا۔ لیکن ٹیپو کے مظالم یا لڑائیوں کی وجہ سے لوگوں کو بڑی بڑی مصیبتیں اٹھانی پڑیں۔ اور چار عشر کاشتکاروں کو اپنا دیس اور گھر بار تک چھوڑنا پڑا تھا۔

۸ امئی کو ڈاکٹر بکانن نے سرنگاپٹن میں جو اس وقت میسور کے راجہ کا پایہ تخت تھا اپنا خریطۂ وکالت پیش کیا، اس کے دوسرے روز پورنیا سے ملاقات کی۔ پورنیا وہی مشہور دیوان تھا جس کے نظم و نسق کی جنرل ولزلی نے (جو بعد کو ڈیوک ولنگٹن ہوا) اور ہندوستان میں ہر انگریز نے جس کو اس سے ملنے کا اتفاق ہوا بڑی تعریف کی۔ پورنیا کو ٹیپو سلطان کے عہد میں بھی بڑا اقتدار حاصل تھا اور اگر ٹیپو سلطان اپنے دیوان کے مشورہ پر چلتا ہوتا تو پورنیا ٹیپو سلطان کو بچا لیتا۔ ٹیپو کے زوال کے بعد نئے راجہ کے عہد میں تو پورنیا ہی دراصل میسور کا حکمراں بن گیا تھا۔

سرنگاپٹن کی آبادی ٹیپو سلطان کے عہد حکومت میں ڈیڑھ لاکھ کی تھی لیکن اب لڑائیوں کی وجہ سے وہاں کی اس قدر خراب حالت ہو گئی تھی کہ آبادی کم ہوتے ہوتے بمشکل تیس ہزار رہ گئی تھی۔ کاویری ندی کے شمالی کنارے کی آبادی پٹانا اشٹاگرم کہلاتی تھی اور جنوبی کنارے کی مہا شورہ اشٹاگرم" کے نام سے مشہور تھی۔ ندی کے دونوں کناروں سے جیسا جیسا فاصلہ بڑھتا جاتا تھا سطح زمین بلند اور قدرتی طور پر زرخیز نظر آتی تھی۔ نہروں کا ایک اعلیٰ نظام قائم تھا جس سے یہ اراضی سیراب ہوتی تھی۔ اور ان نہروں کی شاخ سے زمین کے درمیانی حصوں کو بھی پانی پہنچتا تھا۔ کاویری ندی کا پانی ان نہروں کے منبع میں انی کٹ یا پشتہ

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

باندھکر لایا گیا تھا جس کو بھر بھرے پتھر کی بڑی بڑی چٹانیں لگا کر ایک کثیر مصارف پر بنایا گیا تھا۔ ڈاکٹر بکانن ہمیں یہ نہیں بتاتا کہ یہ اعلیٰ اور کار آمد تعمیر حیدر علی کی کی ہوئی تھی۔ یا اس کے پیشرو ہندوؤں کی۔ لیکن ٹیپو سلطان کی لڑائیوں میں بہت بڑا نقصان ہوا تھا۔ مندر، گاؤں اور ندیوں اور تالابوں کے بند سب ٹوٹ گئے تھے۔ نہریں بند پڑی تھیں۔ برایں ہم پورنیا کے نظم ونسق میں صنعت و حرفت اور زراعت میں نئی جان پڑ رہی تھی" ہر چیز میں پہلی سی حالت نمایاں ہو رہی ہے۔ گاؤں کی از سر نو تعمیر جاری ہے۔ نہریں صاف کی جا رہی ہیں جہاں مرگ اور جنگلات کے پہرہ دار بستے تھے وہاں پھر اب غریب بیل اپنی کار آمد محنت میں لگے ہوئے ہیں۔

اس کتاب میں میسور میں دھان کاٹنے اور اس کو حفاظت سے رکھنے کے طریقہ کو تفصیل کیساتھ بیان کیا گیا ہے۔ دھان کے کھیتوں کا پانی ان کو کاٹنے سے ایک ہفتہ پہلے بند کر دیا جاتا تھا اس کے بعد زمین سے چار انچ چھوڑ کر دھان کاٹ لیا جاتا تھا اور گٹھوں کو اندر کی طرف رکھ کر ایک ڈھیر لگا دیا جاتا تھا اس سے ایک ہفتہ گزرنے کے بعد کھلیاں میں اناج پھیلا کر اس پر بیلوں کو چلایا جاتا تھا۔ پھر اس کے ڈھیر لگائے جاتے تھے۔ اور ہر ڈھیر میں سات کنڈکان یعنے (۲۳۴) بُشل (بیس سیر کا پیمانہ) ہوتے تھے۔ ہر ایک ڈھیر پر چکنی مٹی سے ایک نشان کر دیا جاتا تھا اور رنگوں سے ڈھانک کر سرکار اور کاشتکار کے دھیان ان کی تقسیم عمل میں آنے تک بیس تیس دن کے لئے اس کو یوں ہی چھوڑ دیا جاتا تھا اپنے حصے کے اناج کو محفوظ رکھنے کے لئے کاشتکار مختلف طریقے اختیار کرتے تھے۔ بعض سخت پتھریلی زمین میں ایک چھوٹا گڑھا کھود کر جس کی گہرائی ۲۴۔ فیٹ کی ہوتی تھی اور جس کے فرش اور چھت اور دیواروں پر بھونسا بچھا دیا جاتا تھا، اپنا اناج اس میں رکھتے تھے جن کی مقدار ہر گڑھے میں (۱۶۸) بُشل تک ہوتی تھی۔ بعض گوداموں میں جن کے فرش پر مضبوط تختے جڑ دیئے جاتے تھے۔ بعض مٹی کی بنی ہوئی گولیوں میں بھر کر رکھتے تھے جن کے منہ الٹی ہانڈیوں سے ڈھانک دیئے جاتے تھے۔ اور ان کے پیندے کے سوراخ سے حسب ضرورت اناج

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

نکال لیتے تھے اور بعض بوریہ کے تھیلوں میں چاول رکھتے تھے۔ چاول کے علاوہ سرنگاپٹن میں مونگ، تل اور گنے بھی ہوتے تھے۔ خشکی کی زمین میں راگی بھی بہت بوئی جاتی تھی۔ اور ادنیٰ طبقہ کی یہی غذا تھی۔ خشکی کے غلہ میں جوار اور باجرہ درجہ دوم پر تھے۔

سرنگاپٹن کے نواح کے ہر ایک کھیت میں عموماً دو یا تین جوت کے برابر زمین ہوتی تھی۔ کسی کے پاس صرف ایک ہل کا ہونا گویا مفلسی کی علامت تھی۔ اور جس کے پاس چار یا پانچ ہل ہوتے تھے وہ بڑا کاشتکار کہلاتا تھا۔ کسی شخص کے پاس پانچ ہل اگر ہوں تو وہ تقریباً ۱۲½ ایکڑ تری کی زمین اور ۲۵ ایکڑ خشکی کی زمین کی کاشت کرتا تھا۔ کاشتکار یا کسان اپنے قبضہ سے اس وقت تک بے دخل نہیں کیا جاتا تھا جب تک وہ واجبی لگان ادا کرتا تھا۔ چنانچہ خود ٹیپو کے عہد میں بھی اس طرح کا کوئی واقعہ ایک عجوبہ شکایت سمجھا جاتا تھا بلکہ برخلاف اس کے سرکار جب لگان لیتی تھی تو سرکار پر یہ بھی لازم تھا کہ نہروں اور تالابوں کی مرمت کرائے اور ان کو اچھی حالت میں رکھے۔ کھیتوں میں کام کرنے والے مزدوروں کی تنخواہ سرنگاپٹن کے نواح میں ۶ شلنگ ۸½ پنس اور شہر سے دور مقامات میں ۵ شلنگ ۴ پنس ماہوار ہوتی تھی۔ کھیتوں میں اکثر عورتیں بھی کام کرتی تھیں اور کھاد ٹوکروں میں بھر بھر کر، سروں پر ڈھوتی تھیں۔ عورتیں عموماً خوش پوشاک سڈول اور سجیلی ہوتی تھیں۔ ڈاکٹر بکانن کہتا ہے کہ اس ملک کی اکثر مزدور پیشہ عورتیں جس قدر خوش وضع اور رنگیلی ہوتی تھیں ان سے زیادہ اچھی شکل و وضع کی میں نے کہیں نہیں دیکھی خصوصاً ان کی گردنیں اور بازو تو نمایاں طور پر خوبصورت اور سڈول ہوتے ہیں۔"

۶ جون کو ڈاکٹر بکانن بنگلور واپس جانے کے لئے سرنگاپٹن سے روانہ ہوا۔ منڈیم میں اس نے یہ دیکھا کہ دھان کے کھیت تمام تر تالابوں اور پانی کے خزانوں سے ہی سیراب ہوتے ہیں۔ اور مدور و کے مقام میں ڈاکٹر بکانن نے پانی کا ایک خزانہ دیکھا جس کے متعلق کہا جاتا تھا کہ سات سو سال کے پہلے اس کو وشنو اور دھانا رایا نے تعمیر کیا تھا۔ قرب و نواح کی ندیوں سے اس میں پانی پشتہ

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

باندھکر ایک نہر کے ذریعہ سے لایا گیا تھا۔ اور جب اس خزانہ کی مرمت اچھی ہوئی تھی تو اس کے پانی سے آس پاس کے کھیت جن کی سطح اس خزانہ سے نیچی ہوتی تھی۔ سال بھر تک سیراب ہو سکتے تھے۔ چیناپٹن میں جو پہلے سے۔ جادیور رایا نامی ایک پالی گار خاندان کی قیام گاہ رہ چکا تھا۔ مینا کی، زیبائشی چھلے اور انگشتریاں، موسیقی کے آلات کے لئے فولاد کے تار سفید اور صاف شکر اور مختلف اشیاء بنائی جاتی تھیں۔ دوسرا اہم مقام رآماگری تھا جو رستے ہی میں پڑتا تھا لیکن ۱۷۹۲ء میں لارڈ کارنواس کی میسور پر فوج کشی نے اس کو سخت نقصان پہنچایا تھا۔ چنانچہ آبادی کا ایک بڑا حصہ بھوکوں مر مر کر فنا ہو چکا تھا۔ مگادی کو پہنچکر سڑک ایک عجیب وغریب غیر آباد مقام سے گزرتی تھی۔ جہاں چھوٹی چھوٹی پہاڑیوں اور وادیوں کے سوا کچھ نہ تھا جن میں خریف کے اجناس کی کاشت ہوتی تھی۔ سوآنادرگا کے قریب قیمتی چوبینہ اور ربانس کے درخت تھے۔ اس مقام کو لارڈ کارنواس نے یلغار کر کے فتح کر لیا تھا اور اسوقت سے اب تک یہ غیر آباد تھا۔ قریب کی پہاڑیوں میں لوہا بنایا جاتا تھا۔ اور زراعت کے آلات بنانے کے لئے اس کو بھٹی میں متعدد بار پکا کر صاف کیا جاتا تھا۔ اسلحہ اور ہتھیار کے لئے فولاد بھی بنایا جاتا تھا۔ چوبینہ اور صندل کی لکڑی اس نواح میں ہوتی تھی۔ لاکھ کے کیڑوں کی پرورش کیجاتی تھی جن سے وہ مشہور رنگ بنایا جاتا تھا جس کے لئے قدیم زمانہ سے ہندوستان مشہور تھا۔ ۲۱ جون کو ڈاکٹر بکانن بنگلور کو پہنچ گیا۔

حیدر علی کے عہد حکومت میں بنگلور کی بڑی تجارت تھی اور صنعت و حرفت بھی وسیع پیمانہ پر تھی۔ ناعاقبت اندیشی سے ٹیپو سلطان نے کرناٹک اور ممالک محروسہ سرکار عالی سے تجارت کی ممانعت کر دی جس کی وجہ سے بنگلور کی تجارت پر زوال آگیا۔ لیکن ہندو شاہی خاندان کو گدی واپس ملنے کے بعد سے بنگلور کی اہمیت بڑھ رہی تھی۔ پونا کے تجار شال اور مشک و زعفران کشمیر سے اور موتی سورت سے یہاں لانے لگے۔ بُرہان پور کے تاجر چھینٹ اور سنہری لیس، تاگا اور کپڑے درآمد کرتے تھے۔ لال سوتی

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

کپڑا جس میں سنہری رُوپہلی گل بُوٹے ہوتے تھے ممالک محروسہ سرکار عالی سے آتا تھا نمک، ٹین، کتھل، تانبا اور یورپی سامان تجارت کرناٹک سے بنگلور سے زیادہ تر جو برآمد ہوتی تھی وہ سپیاری، صندل کی لکڑی، سیاہ مرچ، الائچی اور املی کی تھی۔ کمبل اور روئی بڑی مقدار میں درآمد ہوتی تھی۔

سامان تجارت کی باربرداری کا کام مویشی سے لیا جاتا تھا۔ ایک سال میں ڈیڑھ ہزار بیلوں کے بوجھ کے برابر روئی پچاس بیلوں کے بوجھ کے مساوی بدیسی سامان درآمد ہوتا تھا اور چار ہزار بیلوں کے بوجھ کے مساوی سپاری اور چار سو بیلوں کے بوجھ کے برابر گول مرچ برآمد ہوتی تھی۔ سوتی کپڑا بننے والے جولاہے گھر کے استعمال کے لئے کپڑا بنتے تھے۔ اور ریشمی پارچہ باف زرق برق مضبوط پارچہ بناتے تھے۔ ریشم کو لال لاکھی رنگ کیا جاتا تھا اور زعفرانی رنگ سے اور ہلدی سے پیلا رنگا جاتا تھا۔ جولاہے جو ریشمی قور کا سوتی کپڑا مزدوری سے بناتے تھے۔ وہ آٹھ پنس روزانہ کماتے تھے۔ اور جو ریشمی پارچہ بناتے تھے وہ چھ پنس پیدا کرتے تھے۔ بطور خود کام کرنے والے جولاہے تاجروں سے پیشگی رقوم لیتے تھے۔ اور کپڑا کسی عام منڈی میں نہیں بیچتے تھے بلکہ تاجروں کو یا خانگی گاہکوں کو فروخت کر دیتے تھے۔ اقسام کی سادہ ململ بنائی جاتی تھیں جن کی بڑی فروخت تھی۔ برہمنوں کے سوائے ہر ذات اور ہر قوم کی عورت ہفتہ وار منڈیوں میں روئی خریدتی تھی۔ اور گھر ہی میں کات کر جولاہوں کو بیچتی تھی۔ اس طرح ہر طبقہ کے مرد و عورت کے لئے کاتنا اور بُننا ایک نفع بخش مشغلہ تھا۔

نیل رنگنے کے بہت کام آتا تھا، چمڑے کی قماش ایک منفعت بخش حرفت تھی۔ ارنڈی، ناریل، تل اور اقسام کے تیل اُتارے اور بیچے جاتے تھے۔

بنگلور کے ایک قریبی گاؤں میں ڈاکٹر بکانن کو کسی نے اطلاع دی کہ تاجر اکثر کاشتکاروں کو لگان ادا کرنے کے لئے پیشگی رقوم دیتے تھے اور اسکے بعد آدھی فصل اصل و سود کی ادائی میں لینے پر قانع تھے۔ ملت دیہی میں تقسیم فصل کا نظام جیسا کہ ڈاکٹر بکانن نے بیان کیا ہے بہت دلچسپ ہے۔ اناج کا ایک ڈھیر جسمیں اوسط بیس کندکان یا (۲۴۰۰) سیر تقریباً (۴۸۰۰) پونڈ ہوتے تھے اس طرح

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

تقسیم کیا جاتا تھا:-

گانوں کے پوجاری کو۔	۵	سیر
گانوں کی طرف سے خیرات میں۔	۵	"
گانوں کے جوتشی کو۔	۱	"
گانوں کے برہمن کو۔	۱	"
گانوں کے نائی کو۔	۲	"
گانوں کے کمھار کو۔	۲	"
گانوں کے لوہار کو۔	۲	"
گانوں کے دھوبی کو۔	۲	"
گانوں کے جریب کش کو۔	۴	"
گانوں کے ہرکارہ کو۔	۷	"
گانوں کے چودھری کو۔	۸	"
گانوں کے محاسب کو۔	۱۰	"
گانوں کے چوکیدار کو۔	۱۰	"
گانوں کے محاسب کو۔	۴۵	"
گانوں کے چودھری کو۔	۴۵	"
داروغۂ آبپاشی کو۔	۲۰	"
	۱۶۹	

اس طرح کھیتوں کی پیداوار کے ۲/۱ ۵ فی صد تقسیم سے گانوں والوں کے لئے حجام کمھار، لوہار، پجاری اور جوتشی اہل پیشہ کی خدمات حاصل ہوتی تھیں۔ باقی پیداوار سے دیسکھ یا زمیندار کا دس فی صد حق ہوتا تھا۔ اور اس کے بعد جو کچھ بچتا تھا اسکی سرکار اور کاشتکار کے درمیان علی التسویہ تقسیم ہوتی تھی۔ جب حیدر علی نے سکھوں کو برخاست کر دیا تو اس نے ان کے حصہ کو بحق سرکار بحق کر لیا۔

شمالی میسور

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

۳ر جولائی کو بنگلور سے روانہ ہو کر ڈاکٹر بکانن نے میسور کے شمالی اقطاع کا ایک لمبا اور چکر کا دورہ کیا۔ کولار کے اطراف کی ساری زمینیں صرف پانی کے خزانوں سے سیراب ہوتی تھیں جن میں سے اکثر خزانے تو خانگی لوگوں نے بنوائے تھے۔ لیکن بڑے بڑے خزانوں کو خود سرکار نے اپنے مصارف سے کھدوایا تھا۔ مالگزاری کا قدیم نرخ جو ہندوؤں کی، قدیم کتب قوانین میں درج تھا وہ پیداوار کا ۱/۶ یا ۱/۸ یا ۱/۱۲ حصہ ہوتا تھا۔ اور جب ہند کے والیان ریاست اور سرداروں نے پیداوار کے اتنے بڑے حصے یعنے نصف کا مطالبہ کیا تو یہ اس لئے تھا کہ مصارف ذاتی سے بڑے بڑے ذرایع آبپاشی حاصل کر کے اور انھیں برقرار رکھ کر انھوں نے کاشت کا سامان کیا تھا۔ اور وہ اپنا حصہ زر نقد میں وصول کرنے کے بجائے جنس میں لیتے تھے۔

کولار میں دھان، گنا، سپیاری اور ترکاریاں تری کی زمینوں میں ہوتی تھیں۔ اور دھان کی پیداوار راگی کی خشک فصل کی پیداوار کے تقریباً مساوی تھی۔ کثرت سے خشخاش کی کاشت اس لئے ہوتی تھی کہ اس سے افیون بنتی تھی۔ اور یہ مٹھائیوں وغیرہ کے بھی کام آتی تھی۔ گیہوں کی کاشت چاول کے تقریباً نصف ہوتی تھی۔ کھیت کے ملازموں کو اناج کے ۲۹ ۱/۴ بشل اور ۱۳ شلنگ ۵ پنس سالانہ ملتے تھے۔ روزانہ کے مزدوروں کا نرخ اُجرت مردوں کے لئے ۳ پنس اور عورتوں کے لئے ۲ پنس تھا۔

کولار اور سلاگٹہ ان دونوں مقامات کو ٹیپو سلطان کی مطلق العنان حکمرانی اور متعدد لڑائیوں میں بہت کچھ نقصان پہنچا تھا۔ لیکن ٹیپو کے زوال کے بعد ان میں از سر نو جان پڑ رہی تھی۔ یہاں کی نہایت اہم صنعت مختلف قسم کے سوتی کپڑے بُننا تھی۔ مغرب کی جانب سفر کرتے ہوئے ڈاکٹر بکانن، ننڈی دوگا پہنچا جس کے نواح سے شمالی پنار پلار اور جنوبی پنار ندیاں نکلتی تھیں۔ پہاڑیوں کے اس طرف کا ملک بالکل ویران تھا زمانۂ سابق میں جو زراعت وہاں تھی اس کا ایک ثلث رقبہ افتادہ تھا۔ اور لارڈ کارنوالس کی فوج کشی کے وقت سے گاؤں کے گاؤں بے چراغ پڑے تھے۔ لوگوں کا بیان تھا کہ پانچ آفتیں ان پر نازل ہوئی تھیں، یعنے خشک سالی اور تین مرتبہ غنیم کی ان پر فوج کشی اور دشمن کی مدافعت کرنے والی خود میسور کی فوج۔

۱۸ر جولائی کو ڈاکٹر بکانن بالاپورہ کو پہنچا۔ سولھویں صدی عیسوی میں سلطنت

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

وجیانگر کے زوال پر پالی گار نارائن سوامی کے زیر نگیں یہہ ایک خود مختار ریاست بن گئی تھی مگر زمانۂ مابعد میں باری باری سے شاہان مغلیہ اور مرہٹوں کا نظام حیدرآباد اور حیدر علی کا اس ریاست پر تسلط رہا تھا۔ آخر کار ہندو شاہی خاندان کو اس ریاست کی گدی واپس مل گئی۔ اس ریاست میں چھینٹ اور ململ کی درآمد تھی۔ اور یہاں سے شکر برآمد ہوتی تھی۔

مغرب کی جانب اور آگے بادیوگری پڑتی تھی۔ یہہ ریاست بھی سلطنت وجیانگر کے زوال پر ایک خود مختار پالی گار کا مستقر حکومت بن گئی تھی۔ لیکن اس کے بعد سے میسور کی حکمرانی میں آگئی تھی۔ حیدر علی نے یہاں کے پہاڑ کے قلعہ کا استحکام مکمل کر دیا تھا۔ اور جولاہوں کے سو خاندانوں کو وہاں بسا کر وہاں ایک بڑی منڈی بنا دی تھی ٹیپو سلطان کے عہد حکومت میں اس مقام میں بھی زوال کے آثار رونما ہو گئے تھے۔ مرہٹوں اور لارڈ کارنوالس کے ساتھ میسور کی جنگ و جدال میں یہہ مقام بالکل تباہ و تاراج ہو گیا جس زمانہ سے ڈاکٹر بکانن یہاں آیا ہے اس وقت چاول، راگی، گنّا گیہوں، روئی، دال، تل اور مختلف ترکاریوں کی یہاں کاشت ہوتی تھی خشکی کی زمینوں پر جوار اگی کیلئے موزوں تھیں فی ایکر ایک شلنگ ایک پنس سے لیکر تین شلنگ چار پنس تک اور اگر زیر آب ہوں تو فی ایکر ۹ شلنگ سے گیارہ شلنگ تک لگان دیا جاتا تھا۔ کاشتکار اپنی اراضی کا حقدار تھا اور تین سال تک مفقود رہنے کے بعد بھی ان زمینوں پر دعویٰ کر سکتا تھا۔ اگر اس اثنا میں کسی عارضی پٹہ دار نے ان زمینوں میں کوئی اصلاح یا ترقی پیدا کر لی تو اصل کاشتکار کو اس کا معاوضہ دینا ضروری تھا۔ مزدور اگر مرد ہو تو ۴ شلنگ ماہوار کما لیتا تھا۔ اور اگر عورت ہو تو ۳ شلنگ ۴ پنس ملک کے اس حصے میں بارش نہ ہونیکی وجہ سے اکثر اجناس کی قلت رہتی تھی مگر ایسا قحط نہیں پڑتا تھا جس میں جانوں کا نقصان ہو۔ جس وقت قلت اور جنگ ساتھ ساتھ ہوتے تھے۔ اور اجناس کی حمل و نقل میں رکاوٹوں کا سامنا ہوتا تھا تو البتہ اس وقت قحط سے یہ سارے خوفناک اشکال پیدا ہو جاتے تھے۔ مگر یہ بھی کبھی اس تشدد کے ساتھ یہاں محسوس نہیں ہوئے تھے جیسے کہ لارڈ کارنوالس کی فوج کشی کے دوران میں ہوا یا جب ملک پر سب طرف سے حملے ہونے لگے اور دشمن کی فوج ہر جانب سے گھس

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

آئی یا غنیم کی مدافعت کرنے والی فوج خود کچھ کم باعث تباہی نہ ہوئی۔ ان مصائب میں کم سے کم آبادی کا نصف حصہ ذرائع معیشت کی عدم دستیابی سے جانبر نہ ہو سکا۔"

۳۱ جولائی کو ڈاکٹر بکانن سیرا کو پہنچا جو مغلیہ سلاطین کے عہد حکومت میں ایک بڑا متمول شہر تھا، اس شہر میں پچاس ہزار مکانات تھے اور اس بنا پر وہاں کی آبادی ڈھائی لاکھ ہو گی۔ اس کے بعد یہ شہر حیدر علی کے زیر حکمرانی آیا۔ اور مرہٹوں کی فوج کشی اور ٹیپو سلطان کے مظالم سے تاراج ہو گیا۔ چاول، راگی، گیہوں، گنا، دال اور روئی یہاں کی اہم پیداوار تھی۔ لگان کبھی تو زر نقد میں اور کبھی فصل کے ایک حصہ کی شکل میں ادا کیا جاتا تھا۔ سپاری، کالی مرچ، صندل کی لکڑی اور مصالحہ سیرا میں درآمد ہوتے تھے۔ اور کمبل، کپڑے، تیل، گھی اور رک اور ناریل یہاں سے برآمد کئے جاتے تھے۔ اہم صنعت و حرفت میں ایک موٹے تاگے کی ململ اور خاص قسم کے موٹے کپڑے قابل ذکر ہیں۔

مادیوگری کو واپس آکر ڈاکٹر بکانن نے دریافت کیا کہ یہاں کے مشہور مویشی کہاں ہیں معلوم ہوا کہ اس پہاڑی ملک کے ہر شہر و قصبہ میں نسل پیدا کرنے والے مویشیوں کے گلے موجود ہیں۔ گوالے جنگل کے پائین میں گانوں میں رہتے تھے۔ کچھ زمین کی کاشت کر لیتے تھے۔ اور شہروں میں دودھ، مکھن وغیرہ بیچ لیتے تھے۔ ہر خاندان سالانہ چار شلنگ معمولی محصول سرکار کو نہیں بلکہ "بینی جوڑ وڑی" (مکھن کے داروغہ کو) ادا کرتا، اور داروغہ سالانہ محاصل سرکار کو ادا کرتا تھا۔ مادیوگری میں اور دوسرے قرب و نواح کے اضلاع میں لوہا سو دھا جاتا اور فولاد بنایا جاتا تھا۔

جنوب کی طرف سفر کرتے ہوئے ڈاکٹر بکانن نے ٹونیا کرے میں کاشت کی حالت اچھی پائی لیکن تمکرو میں بہت ساری زمین افتادہ دیکھی۔ تمام قصبات میں قلعہ بندی تھی۔ راگی کی کاشت یہاں بھی کثرت سے ہوتی تھی لیکن دھان کے متعدد کھیت بھی تھے اور آگے جنوب کی طرف گوبی کسی قدر اہم منڈی تھی جس میں سو دکانیں تھیں اور ہر ہفتہ بازار بھی بھرتا تھا، سادہ اور رنگین موٹا سوتی کپڑا، کمبل، ٹاٹ سپاری، ناریل، املی، غلہ، لاکھ، لوہا اور فولاد تمام اطراف کے قصبوں سے اسی منڈی میں آکر بکتا تھا۔

دوراگوڑہ میں لوہے کی دکانیں تھیں اور ٹونیا کرے ایک اہم مقام تھا جہاں

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

دو قلعے تھے ایک اندر اور ایک باہر اور اس کے کشادہ مضافات میں (۷۰۰) مکانات تھے یہ مقام زمانۂ سابق میں پالی گاروں کے ایک بڑے ذی اثر خاندان کے قبضے میں تھا اور ان میں ایک نے چار مندر اور چار بڑے پانی کے خزانے آبپاشی کے لئے یہاں تعمیر کرائے تھے۔ کسی زمانہ میں اس حلقہ کی ساری زمین زیر کاشت تھی لیکن پراسورم بھاؤ کے تحت علم مرہٹوں نے جب سے فوج کشی کی یہ اراضی یوں ہی ویران پڑی رہی اور آگے جنوب کی جانب بلور و واقع تھا جہاں بہت ساری زمین دھان کی کاشت کے قابل تھی۔ اور ایک نفیس خزانۂ آب بھی تھا۔ وہ تمام نواح جس کے شمال میں بلور و اور جنوب میں سرنگاپٹن تھا۔ یعنے ناک کی سیدھ سے چالیس میل کے فاصلہ تک ۱۷۹۲ء میں کارنوالس کے حملوں کے وقت تاخت و تاراج کردی گئی تھی ٹیپو سلطان نے لوگوں کو اس بات پر مجبور کر دیا تھا کہ وہ کھلے مقامات کو چھوڑ کر جنگلوں میں پناہ لیں جہاں وہ جھونپڑیوں میں بسر کرتے تھے اور اشیاء خورد و نوش جیسے بھی ممکن ہو قوت بسری کے لئے حاصل کرتے تھے۔ ان لوگوں کا ایک بڑا حصہ بھوکوں جان دے چکا تھا اور ۱۸۰۰ء میں بھی جب ڈاکٹر بکانن یہاں آیا ہے یہ مقام صرف آدھا آباد تھا۔

بلورو کے قریب ہی ناگا منگالہ کا ضلع تھا جہاں ہر ایک گوڈا یعنے موضع کا سردار اپنے قصبے کے کچھ حصے کو تو لگان پر چھوڑتا تھا اور کچھ حصہ پر مالگزاری وصول کرتا تھا۔ کاشتکاروں کو زمینوں پر ایک معینہ ملکیت حاصل تھی۔ اور جب تک وہ قدیم معینہ مقدار کے موافق لگان ادا کرتے رہتے تھے۔ اس وقت تک ان کو بے دخل نہیں کیا جاسکتا تھا۔ دھان کی زمینوں کا لگان تقسیم فصل کی شکل میں اور خشکی کی زمینو لکا زر نقد میں ادا ہوتا تھا۔

بالکوٹہ، سرنگاپٹن کے شمال میں پندرہ میل کے فاصلے پر ایک اونچے پہاڑ پر واقع تھا، جہاں سے جنوب کی طرف کاویری کی وادی اور میسور کے پہاڑ اور مغربی جانب گھاٹیاں اور مشرق کی سوانا دہ گا اور سیو گنگا ان سب کا ایک نہایت ہی شاندار منظر دکھائی دیتا تھا۔ ہندوؤں کا یہ ایک مشہور معبد عام تھا۔ یہاں ایک بہت بڑا مندر بھی تھا جس کے اطراف ستونوں کی قطاریں استادہ تھیں اور ایک بڑا نفیس تالاب بھی تھا جس کے اردگرد متعدد عمارتیں مسافروں کے

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

قیام کے لئے بنی ہوئی تھیں۔ یہ کہا جاتا ہے کہ ٹیپو سلطان بھی اس مندر کے جواہرات لینے سے ڈرتا تھا۔ یہ جواہرات سرنگاپٹن کے خزانہ شاہی میں رکھے جاتے تھے۔ اور انگریزوں کی فوج نے بھی جس وقت پایہ تخت فتح کیا ہے ان جواہرات کو ہاتھ نہیں لگایا۔

مالکوٹہ، کے جنوب میں تیز وگیرے مقام پر ڈاکٹر بکانن نے یادآور ندی کا شاندار خزانہ آب دیکھا جس کا تعمیر کرنے والا گیارھویں صدی عیسوی کا شہرہ آفاق مصلح مذہب رآمانوجا مشہور تھا۔ "دو پہاڑی ریلے مل کر یہاں ایک ندی بنگئی تھی۔ جس کے بہاؤ کے زور سے دو پہاڑوں کے بیچ کے شگاف سے پانی نے اپنے لئے راستہ کاٹ لیا تھا۔ رآمانوجا نے اس شگاف کو ایک بڑے پتھر سے بند کر دیا تھا۔ جس کے متعلق کہا جاتا تھا کہ وہ (۷۸) ہاتھ بلند ۱۵۰ طویل اور پائین میں (۲۵۰) ہاتھ عریض تھا۔ غیر ضروری پانی کے پہنچانیکے لئے بڑی محنت سے ایک نہر اتنی لانبی پہاڑمیں سے کاٹی گئی تھی۔ کہ اس سے ملحقہ میدان کے ایک بڑے حصہ کی جس کا تین یا چار میل تک پھیلاؤ تھا آبپاشی ہوتی تھی۔ جب یہ پانی کا خزانہ بالکل بھر جاتا تھا تو اس میں اتنا پانی رہتا تھا جو دو سال تک کاشتکاروں کے لئے کافی تھا۔

پہلی ستمبر کو ڈاکٹر بکانن سرنگاپٹن واپس آگیا۔

جنوبی میسور

۵ ستمبر کو سرنگاپٹن سے روانہ ہو کر ڈاکٹر بکانن نے میسور کے جنوبی اقطاع کا دورہ کیا۔ پل ہلی مقام کے قریب جس کو حال کی جنگ میں بالکل تاخت و تاراج کر دیا گیا تھا۔ اس نے کاویری ندی کی دو نہریں دیکھیں جس سے مہاسوراہ اشٹاگرم کے خطے کی آبپاشی ہوتی تھی۔ ان میں کی ایک نہر میں ایک ندی ملتی تھی۔ جو کبھی خشک ہی نہیں ہوتی تھی اور جس کے پانی سے گرمی کے موسم میں بھی کاشتکار دھان کی فصل حاصل کر سکتے تھے۔

لکشمن ترتھا ندی جو کاویری کی معاون ہے کرگ کے پہاڑوں سے نکلتی ہے اس سے چھ نہریں اطراف و اکناف کی اراضی کی آبپاشی کے لئے بنائی گئی تھیں۔ اور عمدہ پشتے تعمیر کئے گئے تھے جن سے ان نہروں میں پانی آتا تھا اور خوشنما آبشار اور چادریں بہتی تھیں، سابق میں ان نہروں سے جو زمین سیراب ہوتی تھی وہ (۱۸۰۰)

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

ایکڑ کے قریب تھی۔

ان اقطاع میں کوئی موروثی گوڈا یعنے گانوں کا سردار نہ تھا۔ قریہ داری، مالگزاری جمع کرتے تھے۔ مگر جو کچھ میسور کے قدیم راجاؤں کے مقررہ رواج کے موافق تشخیص ہو چکا تھا اس سے زیادہ کاشتکار وصول نہیں کر سکتے تھے۔ حیدر علی نے "ہرکاروں" یعنے مہتمان مالگزاری کا تقرر کیا تھا۔ جو قریہ داروں کا تعرض اور رعایا کی شکایتوں کی سماعت کرتے تھے۔ ٹیپو سلطان نے ہرکاروں کو برخاست کر دیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ایک طرف رعایا پر مظالم دوسری طرف سرکار کے حقوق کا اتلاف بھی ہونے لگا۔

۱۷۶۱ء میں باجی راؤ اور مرہٹوں کی فوج کشی سے اور اس کے بعد ۱۷۹۲ء میں کارنوالس کی فوج کشی سے مغرب کی جانب اور آگے جو دیہات تھے وہ سب بے چراغ ہو گئے تھے۔ پریاپٹن جس کا انگریزی نقشوں میں پریاپٹم نام ہے، قدیم زمانہ میں بڑا اہم مقام تھا۔ اور ایک نندی راج نامی پالی گار خاندان کی ملک تھا۔ اس خاندان کی مقبوضہ عملداری کے شمالی حدود میں دریائے کاویری اور مغرب میں کرگ کی سرحد ملی ہوئی تھی۔ اس عملداری سے کرگ کے راجاؤں کو سالانہ (۹۳۶۱) پونڈ آمدنی تھی۔ یہ کہا جاتا ہے کہ اس پالی گار خاندان کے ایک راج کمار نے تقریباً ۱۶۴۴ء میں میسور کے مقابلہ میں داد شجاعت دی تھی۔ اور جب آگے مزاحمت اس نے ناممکن دیکھی تو اپنی عورتوں اور بچوں کو قتل کر کے شمشیر بدست غنیم کے بیچ میں جان پر کھیل گیا۔ اس کے بعد سے میسور اور کرگ کے درمیان جو سرحدی لڑائیاں ہوتی رہیں پریاپٹن ان کی رزمگاہ بن گیا تھا۔ جب ٹیپو سلطان نے کرگ کو فتح کر لیا اس وقت مضرت سے یہ بھی بچ سکا۔ اور انگریزوں کے ساتھ ٹیپو نے جو جنگ و جدال کئے تو ان میں پریاپٹن بالکل تاخت و تاراج ہو گیا۔

ڈاکٹر بکانن کا بیان ہے کہ "شیر اس ویرانہ پر پورا قبضہ جمائے ہوئے ہیں چند روز کے پہلے رات میں ایک گھوڑا راستہ بھولے وہاں کہیں پھر رہا تھا شیروں نے اس کو چیر پھاڑ ڈالا۔ دن کے بارہ بجے بھی کسی آدمی کا تنہا وہاں جانا خطرہ سے خالی نہ تھا۔ میرے لئے بھی جس کے پیچھے پیچھے مخلوق کا ایک اژدحام تھا یہ ناعاقبت اندیشانہ بات سمجھی جاتی تھی۔ کہ میں کسی ایک مندر میں بھی قدم رکھوں کیونکہ دن کی حدت سے بچنے کے لئے بھی شیروں کے پناہ کی جگہ تھی۔"

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

پریاپٹن کے قرب و نواح کی تری کی آراضی ایک خزانہ کے پانی سے سیراب ہوتی تھی لیکن جنوبی اقطاع میں لکشمن ترتھا دریا سے جو نہریں بہتی تھیں ان سے کاشتکاروں کو پانی ملتا تھا۔ مہینو یعنے تری کا دھان کارو یعنے خشکی کا دھان، گنا، راگی، چنا اقسام کی دال، تل اور دوسری فصلیں اس خطے میں ہوتی تھیں کھیتوں کے مزدوروں کو سالانہ ایک پونڈ سے لیکر ایک پونڈ سات شلنگ تک روزآنہ ایک وقت کی خوراک کے ماسوا ملتا تھا۔ اور مزدور پیشہ عورتوں کو دن میں دو وقت کے کھانے کے علاوہ چھ شلنگ سالانہ ملتے تھے۔ آخری جنگ میسور سے پہلے غریب سے غریب کاشتکار کے پاس دو ہل اور زیادہ سے زیادہ دولتمند کے پاس پندرہ ہل ہوتے تھے۔ جس شخص کے پاس دو ہل ہوتے تھے۔ اکثر اس کے پاس چالیس بیل پچاس گائیں چھ یا سات بھینسیں اور ایک سو بھیڑ یا بکرے بھی ہوتے تھے۔ تری کی زمینوں کی پیداوار گائوں کے جملہ مطالبات کی ادائی کے بعد علی التسویہ سرکار اور کاشتکار کے درمیان تقسیم ہوتی تھی۔ جنگ سے پہلے یہاں ناریل کے نہایت وسیع نخلستان اور باغ تھے۔ رمنہ بھی اچھا ہوتا تھا صندل کے درخت جنگل کے پائین میں اگتے تھے۔

پریاپٹن سے جنوب مشرق رُخ ہناگڑھ کے قریب ڈاکٹر بکانن نے لکشمن ترتھا دریا کی ایک پُشتہ بندی دیکھی "پہاڑوں کے ایک قدرتی طور پر آگے نکلے ہوئے حصہ سے جو نہر کے اس طرف سے اُس طرف تک چلا گیا تھا کام لیا گیا تھا اور اسمیں جہاں جہاں دراڑیں تھیں وہ پتھروں سے بند کر دی گئی تھیں۔ اور اس طرح ایک اچھا خاصہ پُشتہ بن گیا ہے۔ اس پر سے ایک سو گز طویل اور چودہ فیٹ بلند چادر بہتی ہے۔۔۔۔ اس سے (۲۶۷۸) ایکڑ زمین سیراب ہوتی ہے"

ہناگڑھ سے جنوب مشرق کی جانب ہیگود دیوا کی قدیم ریاست تھی اس راجہ کے متعلق یہ کہا جاتا تھا کہ اس نے اس سرزمین کو جنگل سے صاف کیا اور پندرھویں صدی عیسوی کی تقریباً ابتداء میں اس کو آباد کیا حیدر علی کے زمانہ تک بھی اس شہر میں ایک ہزار مکان تھے۔ لیکن ڈاکٹر بکانن کے دورہ کے وقت صرف اسی رہ گئے تھے۔ اس مقام کی لکڑی مشہور تھی۔ اور اس سے آگے

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

مشرق کیجانب موٹا بیٹیا واقع تھا۔ جہاں خام لوہا افراط سے پیدا ہوتا تھا۔

اکتوبر کی پہلی کو ڈاکٹر بکانن تیرورو پہنچا۔ یہ مقام دریائے کابتی کے لب ساحل واقع ہے جو کاویری کی معاون ہے۔ اس خطہ کے بعض قصبوں میں گوڈے یعنے میران دہ موروثی ہوتے تھے اور سرکار اور رعایا دونوں ان لوگوں کو قریہ داروں پر جن کا لقب بھی یہی تھا ترجیح دیتے تھے۔ کاشتکاروں سے ان موروثی "گوڈونگی" زیادہ واقفیت تھی۔ ان کے احکام کی خوشی خوشی تعمیل کی جاتی تھی اور ادائی کی مقررہ میعاد پر اگر لگان کی رقم میں کمی پڑے تو اس کو پورا کرنے کے لئے لینداروں سے ان کا زیادہ ساکھ بندھا ہوا تھا۔ کیونکہ عدم ادائی پر محاسب سرکار ساری فصل قرق کر لیتا تھا۔ اور سرکار کے حصہ کو جو لگان کے طور پر وصول کیا جاتا تھا فروخت کرنا بھی محاسب کے فریضے میں داخل تھا۔ تیرو اور نرسنگھ پور دونوں مقامات نہایت خوش منظر تھے۔ ہر کھیت کے اطراف کانٹے دار باڑ لگی ہوئی تھی اور کاشت بھی اچھی ہوئی تھی۔ تمام سطح زمین مرتفع تھی اور دھان کے قابل نہ تھی۔

نرسنگھ پور دریائے کاویری کے کنارے واقع تھا اور یہاں دو مندر اور تقریباً دو سو گھر تھے اس کے قریب کی زمینیں نہایت سیاہ مٹی کی تھیں جہاں وسیع پیمانہ پر روئی کی کاشت ہوتی تھی۔ گیہوں اور دمن کی پیداوار مساوی تھی۔ اور راگی سرخ مٹی میں بوئی جاتی تھی جو اس کاشت کیلئے موزوں تھی۔

کوئمبتور

اکتوبر کی ابتداء میں ڈاکٹر بکانن میسور سے روانہ ہو کر کوئمبتور جاتے ہوئے انگریزوں کی عملداری میں داخل ہوا۔ ضلع کولی گلا میں کاشت اچھی ہوئی تھی یہاں آبپاشی کے لئے چالیس خزانے تھے جن کی مرمت اسی سال کے قبل ٹیپو کے حکام نے کی تھی۔ اور کمپنی کے مقبوضات میں اس ضلع کے داخل ہونے کے بعد کمپنی کے عاملوں نے بھی ان کی مرمت کی تھی۔ پانی کے شکستہ خزانوں کی طرف سے گزرتے ہوئے جن کی مرمت نہیں ہوئی تھی ان کے اطراف کی زمینوں کو ڈاکٹر بکانن نے دیکھا کہ بالکل افتادہ تھیں کیونکہ اس ملک میں کاشتکار کا انحصار ذرائع آبپاشی

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

ہی پر بالکلیہ تھا۔ کلکٹر وقت میجر میکلائیوڈ نے "گوڈوں" یعنے میران دہ کا سارا اقتدار چھین لیا تھا۔ اور ان کی تنخواہیں مقرر کر کے کاشتکاروں سے مالگزاری جمع کرنیکا کام ان لوگوں سے متعلق کر دیا تھا۔ اس حکمت عملی سے بیشک مالگزاری میں اضافہ تو ہوا لیکن ہندوستان کا نظام دیہی اس سے کمزور بن گیا۔

گنگا ناچوکی، اور جزیرہ سیوانا سمدرا، کی شاندار آبشاروں کو دیکھ کر ڈاکٹر بکانن تعجب کرنے لگا۔ بڑا چوکی کی جنوبی آبشار تو ان سے بھی زیادہ خوشنما اور آنکھوں میں طراوت پیدا کرتی تھی۔ ڈاکٹر بکانن سے یہ کہا گیا تھا کہ گنگا راجہ نے سیوانا سمدرا کی ریاست کو تقریباً ۱۲۰۰ء میں قایم کیا ہے۔ مگر خود ڈاکٹر نے ۱۵۲۳ء کو ریاست کے قیام کا زیادہ قرین قیاس سال بتلایا ہے۔ تین راجاؤں کی فرمانروائی کے بعد یہ ریاست قرب و نواح کی طاقتوں کے متفقہ حملوں سے مغلوب ہو گئی۔

کولی گلا، اور ستی گلا کے دیہات مغرب کی سمت واقع تھے جن کی بالاترین سطح سے بھی مشرقی گھاٹیاں دو ہزار فٹ بلند تھیں۔ ملیا تک تو کاشت اچھی ہوتی تھی مگر اس مقام سے آگے اس طرف کی زمینیں بے کاشت پڑی ہوئی تھیں اور تالاب بھی خراب شکستہ تھے۔ مشرق کی سمت چلتے چلتے ڈاکٹر بکانن مقتلی کی گھاٹیوں میں داخل ہوا۔ اور دشوار گزار رستوں سے پہاڑوں کو عبور کر کے، کاویری پورہ پہنچ گیا جو دریائے کاویری پر واقع تھا۔ اور جہاں درہ کوہ کی حفاظت کے لئے ایک سرحدی پالی گار نے قلعہ تعمیر کیا تھا۔

کاویری پورہ میں ایک خزانہ آب تھا جس سے پانسو سے زیادہ ایکڑ زمین سیراب ہوتی تھی۔ مگر یہ خزانہ پچاس سال کے پہلے شکستہ ہو گیا تھا اور اب تک اسکی مرمت ہی نہیں ہوئی تھی۔ بالائی اور زیریں اقطاع کو کثیر سامان تجارت کا کاویری پورہ سے ہو کر جاتا تھا اور مال سے لائے ہوئے چالیس پچاس اونٹ ڈاکٹر بکانن کو ہر روز رستے میں ملتے تھے۔ تمبیولا ندی کے بہاؤ پر جو دریائے کاویری کی معاون ہے پانی کے پانچ قدیم خزانے تھے۔ جن کے پچاس سال قبل ٹوٹ پھوٹ جانے پر بھی ان کی کبھی مرمت نہیں ہوئی تھی۔

جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ہے، میران دہ کمپنی کی حکمرانی میں سب برطرف

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

کر دیئے گئے تھے اور سپرنٹنڈنٹ میکلائیوڈ کی زیر نگرانی اس علاقہ سے ۱۰۲۹۳ پونڈ سے لیکر ۱۶۵۴۵ پونڈ تک سالانہ مالگزاری تحصیلداروں کے توسط سے وصول ہوتی تھی، ان تحصیلداروں کی تنخواہیں مقرر تھیں اور اُن کو کلکٹر مالگزاری مجسٹریٹ دیوانی اور کوتوالی کے مجموعی اختیارات بھی حاصل تھے۔ کھیتوں کے مزدوروں کو کاشتکار ۵ شلنگ سے ۶ شلنگ ۸ پنس تک سالانہ تنخواہ، ایک گھر رہنے کے لئے اور ۱½ بشل اناج ماہانہ دیتے تھے۔ اور ان کی عورتوں کو جو کام کرنے کے قابل ہوتی تھیں روزانہ مزدوری بھی ملتی تھی۔ چٹیل زمینوں میں جو زرعی آلات تھے وہ بمقابل ان آلات کی تعداد کے جو بالائی گھاٹیوں میں زراعت کے کام میں لائے جاتے تھے معدودے چند تھے۔ اور نہایت ہی خراب ہوتے تھے۔

اس مقام سے گزر کر جس کی تین ربع زمین افتادہ نظر آتی تھی ۱۹ اکتوبر کو ڈاکٹر بکانن، ناآلہ رتیا پہنچا جو دریائے بھوانی کے کنارے واقع تھا۔ دریائے بھوانی کی پشتہ بندی سے دو نہریں دو جانب بہتی تھیں اور جو اراضی ان سے سیراب ہوتی تھی اُس میں سال میں ایک فصل تو ضرور ہوتی تھی۔ ایک مختصر زمین میں جو خزانہ کے پانی سے سیراب ہوتی تھی دو فصلیں ہوتی تھیں لیکن پانی کی رسد غیر معین تھی۔ کمپنی کی حکمرانی میں کاشتکاروں کو بلا لحاظ پیداوار اپنی کاشت کی زمینوں پر پورا لگان ادا کرنا ضروری تھا مگر یہ ان کو سختی معلوم ہوتی تھی اور وہ اپنی قدیم حیثیت پر قایم رہنا چاہتے تھے۔

انا کوداوری، میں ان زمینوں میں دھان کی کاشت ہوتی جو دریائے بھوانی کی نہروں کے پانی سے سیراب ہوتی تھیں۔ ایک سو بیس سال قبل، ننجے راجہ نے اس دریا پر یہ پشتہ بنایا تھا۔ ان زمینوں کا جو ان نہروں کے پانی سے سیراب نہیں ہوتی تھیں ۱/۶ حصہ بھی زیر کاشت نہ تھا۔ یہاں کی مٹی اچھی تھی۔ لیکن جنرل میڈوز کی فوج کشی سے کاشت موقوف ہوگئی تھی۔ یہاں کے باشندے بھاگ کر پہاڑوں میں پناہ گزیں ہوئے تھے اور بہت سے ہلاک ہوگئے تھے۔

کمپنی کا تجارتی رزیڈنٹ جو سالم میں مقیم تھا ڈاکٹر بکانن کے آنے سے

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri
CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

چند مہینے پہلے ان اقطاع میں آیا تھا۔ کمپنی کے رقوم کو منافع پر لگانے کی غرض سے اس نے یہاں کے جولاہوں کے ساتھ معاملہ کیا تھا اور جس کپڑے کی فرمائش کی تھی وہ، "شالمیرو" کہلاتا تھا جو بنگالے کے بافتہ کی وضع کا اور ۳۶ فیٹ طول اور ۱/۲ ۲ عرض میں ہوتا تھا۔

جنوبی سمت کی غیر مزروعہ اراضی سے گزر کر ڈاکٹر بکانن ۲۸۔ اکتوبر کو کوئمبتور کے اہم شہر کو پہنچ گیا۔ یہاں کا والی بانی شہر کی اولاد میں بیسواں سردار تھا۔ ابتداءً یہ خاندان راجہ "مدیورا" کا باجگزار تھا مگر بعد میں میسور کے زیر حکمرانی آگیا تھا۔ میسور کی لڑائیوں میں اس شہر کو بھی ضرر پہنچا تھا۔ لیکن اب پہلی سی رونق آرہی تھی۔ یہاں دو ہزار مکانات تھے۔

نواح شہر میں دھان کی زمینیں بہت تھیں اور دریائے "نوئل" کی نہروں سے یہاں کے خزانوں میں پانی آتا تھا جس سے زمین سیراب ہوتی تھی راگی اور دوسرے اجناس کی فصل خشکی کی زمینوں میں ہوتی تھی۔ روئی اور تمباکو بعض مقامات میں ہوتا تھا۔ متمول کاشتکاروں کی زمینوں میں سپیاری اور ناریل بھی ہوتے تھے۔ کوئمبتور سے پانچ میل کے فاصلے پر، اٹوبن ہٹیا کے مقام پر لوہا بنایا جاتا تھا۔ ۹۵۴ کارگے اس خطے میں چلتے تھے۔ ادنیٰ کاشتکاروں کی بیویاں بڑی کاتنے والی ہوتی تھیں۔ اور دھاگے کو لال یا نیلا جیسی ضرورت ہوتی رنگ لیا جاتا تھا۔ سالم کے تجارتی رزیڈنٹ نے دو مرتبہ کوئمبتور کے جولاہوں کے ساتھ معاملہ کیا تھا۔ سابق میں جولاہے ہر کارگے پر تقریباً ۴ شلنگ سالانہ محصول ادا کرتے تھے۔ مگر کمپنی کے زیر حکمرانی اس محصول کو رسوم اسٹیمپ سے بدل دیا گیا تھا۔ جولاہوں نے اس خیال سے کہ یہ رسوم سابقہ محصول کے بہ نسبت زیادہ موجب سختی تھا اس کو مسدود کر کے سابقہ محصول دوبارہ رائج کرنے کی درخواست کی جس میں انھیں کامیابی نہیں ہوئی۔

کوئمبتور کے مشرق میں تیری پورہ ایک کشادہ قصبہ تھا جس میں (۳۰۰) مکان تھے اور ہفتہ وار منڈی بھی لگتی تھی۔ اس نواح کی دھان کی زمینوں میں صرف ایک ہی فصل ہوتی تھی یہ اراضی کچھ تو خزانہ کے پانی سے سیراب ہوتی

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

تھی اور کچھ ان نہروں سے جس کو دریائے نوئل سے لایا گیا تھا۔ مگر ان کی مرمت نہ ہونے کی وجہ سے پہلے جتنی آراضی کی کاشت ہوتی تھی انمیں سے ایک ثلث سے زیادہ اب غیر مزروعہ پڑی ہوئی تھیں۔ سب سے خراب کھیت رمنے کے لئے چھوڑ دئے گئے تھے۔ اور ان میں بہت تھوڑا لگان ادا کیا جاتا تھا۔ اس سے آگے مشرق کی طرف، چنیاملی، تھا جہاں لوہا بنایا جاتا تھا اور اس محصول کے علاوہ جو جلانے کی لکڑی کاٹنے کے لئے دینا پڑتا تھا لوہے کا ۱/۴ حصہ بھی سرکار کو بطور محصول ادا کرنا پڑتا تھا۔ چنیاملی، میں صرف ۱۲۵ مکانات تھے اور یہاں چیچک پھیلی ہوئی تھی۔ دریائے کیپلی، سے اس خطے کی اراضی سیراب ہوتی تھی۔ لیکن یہاں دھان کی کاشت نہیں ہوتی تھی۔

چنیاملی، کے شمال میں، پرنمر، تھا جہاں ۱۱۸ گھر تھے اور اس کے نواح میں ۱۸۰۰ کار گے تھے۔ ارادو، دریائے کاویری پر واقع تھا اور یہاں حیدر علی کے زمانہ میں (۳۰۰۰) مکانات تھے۔ لیکن ٹیپو سلطان کے عہد حکومت میں یہاں بھی انحطاط پیدا ہو گیا۔ جنرل میڈوز کی فوج کشی کے دوران میں یہ مقام بالکل تاخت و تاراج ہو گیا تھا۔ لیکن صلح ہونے کے بعد سے یہاں پہلی سی رونق آرہی تھی۔ ارادو، سے ہو کر جو نہر گزرتی تھی وہ نہایت شاندار بنائی گئی تھی۔ اور کہا جاتا ہے کہ چار سو سال کے قبل کالنگ راجا نے اس کو تعمیر کیا تھا۔ اس نہر سے اب بھی (۳۲۷۵۹) ایکڑ اراضی سیراب ہوتی تھی۔

دریائے کاویری کے بہاؤ پر کوڈاموڈی کا اہم قصبہ تھا جہاں ایک قدیم مندر اور ۱۱۸۰ مکانات تھے۔ کاویری سے ایک نہر نکال کر دریائے نوئل میں سے لنگاپور قصبہ کو لائی گئی تھی جس سے زمین کا ایک بہت بڑا خطہ سیراب ہوتا تھا۔ ان اقطاع میں ٹیپو سلطان نے جو لگان مقرر کیا تھا وہ پیداوار کا چار عشر تھا۔ لیکن انگریزی سرکار نے ۱۷۹۹ء میں اس کو (۳) شلنگ ۵ ۳/۴ پنس فی ایکڑ کے حساب سے زر نقد میں تبدیل کر دیا تھا اور سنہ ۱۸۰۰ء کا لگان ابھی تشخیص نہیں ہوا تھا۔

کوئمبٹور کے شمالی ضلع کے کلکٹر میجر میکلاؤڈ نے ڈاکٹر بکانن کو یہ

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

اطلاع دی تھی کہ رواج ملک کے موافق پٹہ دار کے لگان ادا کرتے رہنے پر اسکو اسکے مقبوضہ اراضی سے بے دخل نہیں کیا جا سکتا تھا۔ میجر میکلاوڈ کا خیال تھا کہ بے اندازہ تغلب و تصرف کا دروازہ کھلا چھوڑنے کے بغیر مالگزاری کا جنس کی شکل میں وصول کرنا انگریزی سرکار کے لیئے ناقابل عمل تھا۔ سالم کے علاقہ پر کمپنی کے قبضہ حاصل کرنے کے زمانے میں دھان کی زمینوں پر جو کاویری کی پاکیزہ نہروں سے سیراب ہوتی تھیں، جنس ہی میں لگان وصول ہوتا تھا۔ کمپنی کے عاملوں نے رعایا کے دبی زبان سے شکایت کرنے کے باوجود اس لگان کو زر نقد میں مبدّل کر دیا تھا۔ کاشت میں توسیع کی تھی اور مالگزاری کی مجموعی رقم میں اضافہ کیا تھا۔ رعیت واری نظام کو زمینداری نظام پر ترجیح اس لیئے دیجاتی تھی کہ اول الذکر میں محاصل زیادہ ملتا تھا۔

"جمع مالگزاری کے لیئے کرنل ریڈ نے جن قواعد کی ترویج کی ہے وہ زمیندار و رویے زیادہ سے زیادہ جو وصول کیا جا سکتا ہے اس کی باقاعدہ وصول یابی کے لیئے میری رائے میں کافی معلوم ہوتے ہیں۔ اور مجھکو یہ باور کرایا گیا ہے کہ اسکے بعد جو کچھ بھی نقص نکلے گا وہ یا تو کلکٹروں کے فریضے سے غفلت کرنے کی وجہ سے ہوگا یا ان کی بد دیانتی سے۔ میں نے اس مقام پر موروثی زمینداروں کی طرف جو اشارہ کیا ہے وہ صرف اس حد تک ہے کہ ان سے مالگزاری اور ملک کی سیاسی حالت متاثر ہوتی ہے مگر ان پر اس نقطۂ نظر سے بھی غور کرنا چاہیئے کہ یہ زراعت کی ترقی کے لیئے کار آمد ہیں یا نہیں"۔

کرود، دریائے امراوتی پر جو کاویری کی معاون تھی ایک بڑا قصبہ تھا جس میں (۱۰۰۰) گھر تھے لیکن یہاں کے تاجر چھوٹے چھوٹے بیوپاری تھے اور جولاہوں کی بھی کوئی بڑی تعداد نہ تھی۔ کاویری کی دو نہریں اور امراوتی کی متعدد نہریں اس خطے کی آبپاشی کرتی تھیں۔ گنا، چاول اور تمباکو کی فصل یہاں ہوتی تھی۔

نو مبر کو ڈاکٹر بکانن، درابورم (دھرما پورم) پہنچا جو مسٹر ہرڈس، کو ئمبتور کے جنوبی سمت کے کلکٹر کا مستقر تھا۔ یہ کلکٹر مستعد، سمجھدار، اور ہمدرد نوجوان عہدہ دار تھا جو لوگوں سے رابطہ رکھتا تھا۔ ان کے ذات پات کے جھگڑوں کا

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

تصفیہ کرتا تھا۔ اور ان سے خوب واقف تھا۔ مسٹر ہرٹوس، کا خیال ہے کہ موجودہ لگان بہت زیادہ ہے اور اس میں تو شک نہیں کہ یہاں کی اور ہندوستان کے ہر خطّہ کی رعیت نہایت ہی مفلس و نادار ہے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ زراعت پیشہ لوگوں کا افلاس اور اسکے باعث فصل کی قلت پیداوار ہندوستان کے اکثر اقطاع میں ہے اس کا ایک بڑا سبب یقیناً یہی ہے کہ اُن لوگوں کو مجبور کرکے زمینیں دیدی جاتی ہیں جن کو کاشت کرنے کی مقدرت تک نہیں۔ اس طرح دیکھنے کو سب زمین کسی نہ کسی کے زیر کاشت ضرور ہے۔ لیکن اس صورت پر کہ اس کے آدھے حصے کے بالکل افتادہ رہنے سے بھی موجودہ حالت بدتر ہے"۔ اس کی وجہ کسی اور جگہ بیان کردی گئی ہے۔ کمپنی کا یہ منشا تھا کہ زراعت کے قابل زمین پر خواہ اسکی معقول کاشت کی جائے یا نہ کی جائے مالگزاری برابر وصول ہوتی ہے۔ لگان سر سے اونچے تھے۔ بن باڑی پر فی ایکر ۳ پونڈ ۱۶ شلنگ ۹ پنس اور دھان کی زمینوں پر فی ایکر ایک پونڈ ۵ شلنگ ۲ پنس سے لیکر ایک پونڈ ۱۵ شلنگ $9\frac{1}{2}$ پنس تک محصول لگایا گیا تھا۔

مغرب کی سمت چلتے چلتے ڈاکٹر بکانن ۲۴ نومبر کو پلاچی پہنچا۔ اس جگہ رُوما کے سکوں کا ایک دفینہ نکلا تھا جس سے معلوم ہوتا تھا کہ آگسٹس اور ٹائی بیریس کے عہد میں رُوما، اور اس قدیم پانڈیا ملک کے درمیان تجارت تھی۔ اس خطّے میں سب سے خراب جو زمین تھی وہ رمنے کے لئے چھوڑ دی گئی تھی۔ اور اُس پر لگان نہیں تھا۔ مگر ہر موضع کی مقبوضہ باقی اراضی کو زراعت کے قابل فرض کرکے ان پر فی ایکر اوسط لگان ۲ شلنگ $\frac{3}{4}$ ۱۰ پنس سے لیکر ۷ شلنگ ۳ پنس تک مقرر تھا۔ زراعت پیشہ لوگ شاکی ہیں کہ زمین ان کے گلے باندھی جارہی ہے۔ اور کاشت کے لئے ان کے پاس جس قدر سرمایہ ہے اس سے بھی زیادہ زمین لگان پر لینے کے لئے ان کو مجبور کیا جارہا ہے۔ اگر کوئی سترہ بلے (ایک بلہ $\frac{1}{3}$۱ سے لیکر ۲ ایکر کے مساوی ہوتا تھا) زمین لگان پر لیتا ہے تو وہ اُن میں سے صرف (۹) بلوں کی کاشت کرتا اور ایک ثلث حصہ افتادہ چھوڑ دیتا تھا۔ بعض مواضعات میں ایک خمس لگان اور بعض میں ایک ثلث اس لئے کم کردیا گیا تھا کہ جہاں کاشت

کے لئے معقول سرمایہ نہ تھا۔ وہاں جو نقصان اراضی کو اس طرح لگان پر دینے سے رعیت کے عائد ہوتا تھا اس تخفیف سے اس کی تلافی ہو جائے۔ اس قسم کی پٹہ داری ایک آفت کے مشابہ ہے۔"

ملیبار

۲۹۔ نومبر کو ڈاکٹر بکانن، ملیبار کے حدود میں داخل ہوا۔ یہ علاقہ چند ہی مہینے قبل سرکار بمبئی سے سرکار مدراس میں منتقل ہو چکا تھا۔ ڈاکٹر بکانن تمورا، راجہ کی عملداری میں داخل ہوا۔ اس راجہ کا لقب یورپی مصنفین کے پاس "زمورن" ہے۔ جنوب کی سمت اونچے اونچے پہاڑوں کی بلندی سے آبشاریں زور شور سے بہتی تھیں۔ کشت زار کے ساتھ ساتھ شاندار جنگل اور میوہ دار درختوں کے باغ و نخلستان بھی تھے۔ مگر خشکی کی زمینیں کس مپرسی میں پڑی ہوئی تھیں۔ اور دھان کی زمین بھی کچھ بہت نہ تھی۔ کولنگوڑ کے شہر میں ایک ہزار مکان تھے جن میں سے اکثر جولاہوں کے تھے۔ کوئمبتور سے روئی درآمد کرتے تھے۔ بالاگھاٹ ان اقطاع میں جن کو ڈاکٹر بکانن نے اب تک دیکھا تھا سب سے زیادہ خوش منظر تھا اور بنگالے کے خوشنما ترین اقطاع سے مشابہت رکھتا تھا۔ لیکن مرتفع زمینوں کی کاشت مطلق نہیں کی گئی تھی۔ ملیبار کی فتح کے بعد حیدر علی نے یہاں ایک قلعہ تعمیر کیا تھا۔ قدیم راجاؤں کی حکومت میں یہاں زمینوں پر کوئی محصول تھا ہی نہیں لیکن حیدر علی نے اونچی زمینوں کو مستثنیٰ کر کے نیچی زمینوں پر جو زرخیز تھیں محصول لگا دیا۔ جس کو "ناگری" کہتے تھے۔ ٹیپو سلطان کے مظالم سے اکثر آئیندار تنگ آ کر، ٹراونکور (جو جنوب میں تھا) بھاگ گئے تھے۔

جس زمانہ میں ڈاکٹر بکانن، پالاگھاٹ، آیا ہے وہاں چاول کی اوسط پیداوار ۷½، سیر ہوتی تھی۔ اور لگان ۴½ سیر یعنے ساٹھ فی صدی پیداوار سے زیادہ تھا۔ مسٹر اسمی کے تخمینہ سے زمینداروں پر محصول اراضی کی کثیر شرح لگان پر ۴۸ فیصدی تھی۔ سالانہ بارش کی مقدار دھان کی صرف ایک فصل تیار ہونے کے لئے کافی تھی۔ مگر زمینداروں نے اپنے مصارف سے پانی کے خزانے تعمیر جاری کئے تھے۔ ان سے ایک اور فصل بھی ہوتی تھی مویشی نہایت ہی کم جسامت کے اور ملک کی

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

ضروریات کے لئے ناکافی تھے۔ لوہے کا ایک کارخانہ "کالنگڑ" میں قایم تھا۔

۶۔ دسمبر کو ڈاکٹر بکانن، راجہ کوچین کی عملداری میں داخل ہوا۔ یہ راجہ ایسٹ انڈیا کمپنی کو سالانہ خراج ادا کرتا تھا۔ لیکن اس نے اپنی ریاست سے اندرون حدود اپنا دیوانی اور فوجی کامل اختیار ہاتھ سے جانے نہیں دیا تھا۔

"اس راجہ کے ملک کا انتظام اس ملک کے انتظام سے کہیں بہتر ہے جو کمپنی کے بالکلیہ زیر اقتدار ہے اور نہ پائلموں کو اور نہ نائروں کو یہاں کسی قسم کی ہلچل پیدا کرنے کی کبھی جرائت ہوتی ہے" "ککاڈو" کی اکثر پہاڑیوں پر کاشت نہ تھی لیکن رمنہ برا نہ تھا۔ اور مویشی بھی اچھی حالت میں تھے، وادیاں لہلہاتے دھان سے ڈھکی ہوئی تھیں جن کے پائین لوگوں کے مکانات تھے اور میوے کے درختوں کے جھنڈ ان مکانوں پر سایہ کئے ہوئے تھے۔ اس کے قریب ہی ایک عیسائی قصبہ تھا ڈاکٹر بکانن سے وہاں کے راہب نے یہ کہا کہ یہاں نصرانیت کی تبلیغ سب سے پہلے سینٹ ٹامس نے کی تھی۔ جو مدراس کو ۶۰ء میں آئے تھے۔

ملیبار، کے ماپلے اٹھارہویں صدی عیسوی کے تقریباً وسط میں متمول تاجر رہ چکے تھے۔ اور ان کے جہاز، سورت، موکا، اور مدراس تک چلتے تھے۔ اُن ماپلوں کو جو ساحل دریا پر بستے تھے ڈاکٹر بکانن نے مسکین اور محنتی پایا۔ مگر اندرون ملک رہنے والوں کو "آتش مزاج و خون آشام، متعصب و جلّاد" پایا۔ انکا مذہبی پیشوا فاطمی سید ہونے کا دعوٰی کرتا تھا۔

ڈاکٹر بکانن، کوچین سے، ملیبار واپس آیا۔ اور وہاں سے شمالی سمت سیاحت کرتے ہوئے ۲۲۔ دسمبر کو "ونکٹا گوٹے" پہنچا۔ یہاں کی وادیاں نہایت خوش منظر تھیں، پہاڑیوں کی نشیبی سطح کاشت کے لئے چبوترے کی سی بنی ہوئی تھی۔ لیکن پہاڑیوں کی چوٹیوں کی زمین افتادہ تھی۔ سب کاشتکار محصول اراضی سے شاکی تھے۔ اور اس کو ملیبار کی ہر خرابی کی جڑ بتاتے تھے۔ تردانا، اور پروپاناڈا، کے درمیانی خطے کی زراعت کس مپرسی میں پڑی ہوئی تھی۔ اور اسکی وجہ ایک طرف آبادی کی قلت تھی۔ اور دوسری طرف ان لوگوں کا افلاس تھا جو اس خطے میں بود و باش رکھتے تھے۔ برین ہم پر وپاناڈا، کے قریب کے

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

ساحل دریا پر ناریل کے متعدد نخلستان تھے۔ جن میں ناریل افراط سے پیدا ہوتے تھے۔ کرسمس کے دن ڈاکٹر کالیکٹ پہنچ گیا جو ملیبار کا قدیم پایۂ تخت تھا۔

اس مقام کا، ٹورن، نامی تجارتی رزیڈنٹ لٹھے کی صنعت یہاں قایم کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اس کپڑے کا ہر تھان طول میں ۷۲ ہاتھ کا ہوتا تھا۔ فی تھان ۱۶ شلنگ ½ ۴ پنس سے لیکر ۱۸ شلنگ ¾ ۶ پنس تک جولاہوں کو قیمتیں دیجاتی تھیں۔ ٹراونکور اور کوچین سے ۴۴۳ جولاہے بلوائے گئے تھے جو ۲۳۷ کارگہوں پر کام کرتے تھے۔ اور ہر مہینے ۶۸۴ کپڑے کے تھان بنتے تھے۔ مسٹر ٹورن نے پالی گھاٹ میں اور ایک کارخانہ قایم کیا تھا جو اس سے بھی زیادہ اچھا اور کم خرچ تھا۔

ڈاکٹر بکانن نے اس نواح کی پیداوار اور لگان اور محصول اراضی کا ایک تخمینہ کیا ہے جو حسب ذیل ہے:-

ایک ادنیٰ درجہ کے کھیت کیلئے

	پونڈ	شلنگ	پنس
محصول اراضی۔	.	۱۲	½ ۹
مصارف جمع۔	.	۱	¼ ۳
بیج۔	.	۹	½ ۴
مصارف کاشت۔	.	۹	½ ۴
زمیندار۔	.	۱	۱۱
زرپیشگی پر سود۔	.	۱	¾
کاشتکار۔	.	۷	۸
پونڈ	۲ .	۳ .	½ ۵

یعنے خام محصول اراضی تقریباً (۰۴۱) شلنگ تھا۔ مصارف کاشت (۱۹) شلنگ ہوتے تھے۔ اور زمیندار کے لئے صرف (۱۰) شلنگ بچتے تھے۔

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

بہترین کھیت کیلئے

	پونڈ	شلنگ	پنس
محصول اراضی اور مصارف جمع .	.	۱۶	۱۰
تخم .	.	۹	۴½
مصارف کاشت .	.	۹	۴½
سود .	.	۱	¾
زمیندار .	.	۸	۶¼
کاشتکار .	۱	۵	۶¾
	پونڈ ۳	۱۰	۸¾

یعنے محصول اراضی تقریباً (۱۷) شلنگ تھا۔ مصارف کاشت (۱۹) شلنگ ہوتے تھے۔ اور زمیندار کے لئے (۱) پونڈ (۱۴) شلنگ بچتے تھے۔

پہلی جنوری ۱۸۰۱ء کو ڈاکٹر بکانن، تاراچری پہنچا۔ یہاں کی سب اراضی ماپلے، گرویداروں کے ہاتھ میں چلی گئی تھی۔ ہندوؤں کو ٹیپو سلطان کی ایذارسانی سے اور ماپلوں، کی لڑائیوں میں "کرم باٹرا" کی ایک چوتھائی دھان کی زمینیں افتادہ ہو گئی تھیں۔ جن پر اب ایک جنگل سا کھڑا ہوا تھا۔ بڑے بڑے زراعت پیشہ اشخاص کے پاس دس ہل، بیس بیل، بیس غلام اور لونڈیاں دس نوکر اور پچیس دودھ دینے والی گائیں ہوتی تھیں لیکن ایسے اشخاص کی تعداد کم تھی۔ غلام (۲۸) شلنگ (۸) پنس سے لیکر (۹) شلنگ ½۶ پنس کی قلیل قیمت پر بکتے تھے۔ اور لونڈیاں اس کی آدھی قیمت پر۔

ڈاکٹر بکانن جب کلکٹر مسٹر گورڈہ کے ضلع سے گزرا ہے اس وقت وہ ڈاکٹر بکانن کی ہمراہی میں تھا اور اس کی رائے تھی کہ اس موضع کا ایک ربع حصہ آبپاشی کے بعد دھان کی کاشت کے قابل تھا۔ اور تقریباً نصف حصہ اونچی سطح کا ہونیکی وجہ سے خشکی کی فصل اور نخلستان کے لایق تھا۔ باقی حصہ تو پتھریلا اور ڈھلوان تھا مسٹر

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

کورڈ، کا خیال ہے کہ محصول آراضی اس قدر زیادہ ہے کہ اس سے زراعت میں رکاوٹیں پیدا ہوتی ہیں۔

۵۔ جنوری کو مسٹر کورڈ سے رخصت ہو کر ڈاکٹر بکانن، کپتان اوزبرن کے ساتھ، کوٹی پورم، روانہ ہوا۔ جو وہاں کے راجہ کی قیام گاہ تھا۔ یہ راجہ کمپنی کو خراج ادا کرتا تھا۔ لیکن اپنی عملداری میں اس کو اقتدار مطلق حاصل تھا یہاں محصول اراضی پیداوار کا ۴۰ فی صد تھا۔ زمیندار ۲۷ فی صد لیتا تھا اور کاشتکار ۳۳ فی صد اپنے لئے رکھ لیتا تھا۔ اس معزز سیاح کے ساتھ کپتان اوزبرن کے رہنے کے باوجود ملک کی عورتوں نے اس کا "تلطف آمیز خیر مقدم نہیں کیا۔ "چونکہ نائر، یورپی لوگوں سے مخاصمت رکھتے تھے۔ اس لئے انہوں نے اپنی عورتوں کو یہ باور کرایا تھا کہ ہم ایک طرح کے بھوت ہیں جن کی لانبی لانبی دُمیں ہوتی ہیں"۔ اور ان کی آمد پر عورتیں فطرتاً ڈر کر بھاگ جاتی تھیں۔

تلیچری، ماہی اور ردرہاپٹن کا حلقہ مسٹر اسٹراخی، کے زیر انتظام تھا جو ایک نہایت ہی ہونہار نوجوان شریف آدمی تھا"۔ مسٹر اسٹراخی کا خیال تھا کہ اس تمام حلقہ کی کاشت کرنا یا یہاں میوہ کے درختوں کا لگانا ممکن تھا۔ لیکن اس کا بہت سا حصہ افتادہ تھا۔ دھان کی زمینوں پر محصول لگان کا (۲۵) فی صد تھا۔ اس حلقہ کی تجارت خارجہ بڑی اہمیت رکھتی تھی۔ اور اہم اشیاء تجارت، سیاہ مرچ، صندل کی لکڑی اور الائچی تھے۔

ملیبار، کے شمالی ضلع کے کلکٹر مسٹر ہاجسن نے، کتانور، پر ڈاکٹر بکانن کا خیر مقدم کیا۔ ایک مالیہ خاتون نے جس کا لقب "بی بی" تھا۔ اور جس کے آباؤ اجداد نے، ڈچ، سے کتانور، کو ابتداً خریدا تھا، ڈاکٹر بکانن کی تزک و احتشام کے ساتھ ضیافت کی۔ یہ خاتون (۱۴۰۰۰) روپیہ بطور مالگزاری کمپنی کو ادا کرتی تھی۔ اور کتانور کے علاوہ لکادیو جزائر میں سے اکثر کی مالک بھی تھی۔ جیسا کہ نائروں میں رواج تھا۔ اسی طرح یہاں بھی وراثت عورتوں ہی سے منتقل ہوتی تھی۔

چریکل پہاڑی مقام تھا۔ اور یہاں کاشت بالکل کم تھی۔ کتانور،

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

اور پچھریکل میں مکانات کی تعداد (۱۰۳۸۶) تھی، جنوری کے تقریباً وسط میں ملیبار سے روانہ ہوکر ڈاکٹر بکانن نے شمال کی سمت کنڑا کی راہ لی۔

کنڑا

جیساکہ ہم نے پچھلے کسی باب میں لکھا ہے "ٹامس منرو"، کو جو اپنے وقت کا سب سے زیادہ ممتاز اور کامیاب منتظم ریاست گزرا ہے بڑے محل کا بند وبست کرنے کے بعد ۱۷۹۹ء میں "کنڑا" کا بند وبست کرنے کے لئے بھیجا گیا تھا۔ اس وقت کنڑا کا راجہ بیمار تھا۔ لیکن اس کا بھانجا اور ولیعہد، "منرو" کی خدمت میں حاضر ہوا تھا۔ "منرو" نے اس کو بمقتضائے احتیاط آگاہ کر دیا تھا کہ اس کے حقوق ریاست کمپنی کے سامنے پیش کر دیئے جائیں گے۔ اسی زمانہ میں، "کنڑا" کو تحصیلداروں کے زیر انتظام کر کے راجہ کو سب اختیارات سے محروم کر دیا گیا تھا۔ اور اسکی بسر اوقات کے لئے اسکی خانگی جائداد پر زمین کا محصول معاف کر دیا گیا تھا۔ ناآئروں نے ان انتظامات کو دیکھکر انگریز عہدہ داروں کی بدعہدی کی شکایت کی۔ منرو نے (۲۴۰۰۰) روپیہ محصول اراضی بمقابل (۳۲۰۰۰) روپے کے جس کا ٹیپو سلطان کے عہد حکومت میں برائے نام مطالبہ کیا جاتا تھا، مقرر کر دیا لیکن اس کمی کے بعد بھی یہہ محصول اس انتہائی مقدار کا تھا جس سے بڑھ کر ملک ادا نہیں کر سکتا تھا۔ اور زمینوں کا مجموعی لگان اس میں صرف ہو جاتا تھا۔ ٹرمیولارڈ تحصیلدار کی رائے تھی کہ بہ نسبت ارکاٹ کے یہہ محصول یہاں زیادہ بار معلوم ہوتا ہے۔

ڈاکٹر بکانن، "منگلور" میں ایک ہفتے تک مقیم رہا۔ منگلور، لب تالاب واقع تھا اور اس تالاب و دریا کے بیچ میں، ساحل کار تیار تھا کسی زمانہ میں یہاں بندرگاہ تھی۔ لیکن اس کے مدخل کا عمق آب کم ہو گیا تھا جسکی وجہ سے بکانن کے یہاں آنے کے زمانے میں وہ جہاز جن کو دس فیٹ سے زیادہ گہرائی درکار ہوتی تھی اس بندرگاہ میں داخل نہیں ہو سکتے تھے۔ ٹیپو سلطان نے منگلور کے قلعے کو زمین دوز کر دیا تھا۔ انعامی زمینیں جو مندروں کے لئے بطور امداد

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

دی گئی تھیں ان سب کو ٹیپو نے واپس لے لیا تھا۔ مگر ان میں سے بعض مخفی کر دی گئی تھیں۔ ٹامس منرو، اور اسکے قایم مقام ریونٹا نے انھیں انکی حالت پر چھوڑ دیا اور ہندوؤں کے سب سے اہم مندر کی سالانہ آمدنی ۱۹۳ پونڈ ۸ شلنگ ۳ پنس ہوتی تھی۔ منرو، کا محصول اراضی یہاں بھی ایک بار معلوم ہوتا تھا اور اسکے متعلق بہت سی شکایتیں پیدا ہو چلی تھیں۔ مالکان اراضی کی یہ شکایت ہے کہ یہ محصول لگان سے بھی بہت زیادہ ہے اور وہ اس پر مجبور رہیں کہ سرکاری مطالبات کی تکمیل کے لئے یا تو کہیں سے قرض لیں یا خود اپنے سرمائے سے کاشت کر کے جو منافع پیدا کرتے ہیں اس کا ایک حصہ اس کی ادائی میں دے دیں۔ ... تاہم ہندوستان کے ہر حصے میں افلاس کی جو ایک عام شکایت پائی جاتی ہے اور زمانے بھر کے مظالم دیکھ کر ہر چیز کے اخفا میں جو احتیاط برتی جاتی ہے اس کی بناء پر کاشتکاروں کے حالات کا معلوم کرنا نہایت ہی مشکل ہے۔ پھر بھی، کنڑا میں ہر قسم کی غیر منقولہ جائداد کے لئے جو شدید جد و جہد جاری ہے اس سے بلا خدشہ ہم یہ نتیجہ نکال سکتے ہیں کہ اس محنتانے کے علاوہ جو اپنے حسب مقدور سرمائے سے تھوڑی بہت کاشت کرنے پر ہر ایک کو ملتا ہے اراضی کے ساتھ ہر قابض زمین کے بہت سے اغراض ابھی وابستہ ہیں۔ نہایت صدق دل سے یہ تمنا کی جاتی ہے کہ خدا کرے ملکیت کی یہ شکل زمانہ دراز تک بلا مزاحمت غیر سے یونہی باقی رہے کیونکہ جہاں حق ملکیت زمین بالکلیہ ریاست ہی کے ہاتھ میں رہے گا تو وہ ملک کبھی سرسبز نہیں رہ سکتا۔ ڈاکٹر بکانن اس سے واقف نہ تھا کہ ہندوستان میں اراضی پر حیثیت سے زیادہ محصول ہونے کے باوجود حصول آراضی کی جد و جہد اس وجہ سے تھی کہ قوم کی کسب معاش کا اصلی ذریعہ محض زمین ہی ہے شرائط خواہ کچھ کیوں نہوں، کاشتکار تو اس پر مجبور رہے کہ یا وہ زمینوں کو پٹہ پر لیں یا بھوکوں مرے۔

دھان کے کھیت ان نہروں سے جو پست وادیوں میں بہتی

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

دریاؤں سے نکالی گئیں تھیں اور خزانوں کے پانی سے جو اونچی سطح پر واقع تھے سیراب ہوتے تھے اور بلند سطح پر فصل کا انحصار بارش پر تھا۔ گنے کی کاشت زیادہ تر عیسائی لوگ کرتے تھے۔ پان اور کالی مرچ نخلستان میں ہوتی تھی۔ یہاں بھی لوگ نمک بنا لیا کرتے تھے۔ جیسا کہ ملیبار میں تھا لیکن پیداوار کی مقدار ناکافی تھی، چاول، پان اور سیاہ مرچ برآمد کے اہم اشیاء تھے۔ ریشمی اور سوتی کپڑے، شکر اور نمک درآمد کیے جاتے تھے۔

منگلور سے دس میل پر، آرکولہ، تھا جہاں پہلے زمانے میں کالکان کے عیسائی رہتے تھے۔ اسی لئے یہ مقام فرنگی پیٹھ بھی کہلاتا تھا یہ سارا خطہ ملیبار، کے مشابہ تھا اور پہاڑیوں کے دامن کاشت کیلئے چھوٹر ونکی وضع کے بنے ہوئے تھے جس پر ملیبار، کے بہ نسبت کم مشقت صرف ہوئی تھی، ٹیپو سلطان اور راجہ کُرگ، نے پچھلے دنوں کی لڑائیوں میں اس نواح کو سخت نقصان پہنچایا تھا راستوں پر ڈاکٹر بکانن نے بہت سی توپیں پڑی ہوئی دیکھیں جن کو ٹیپو نے منگلور سے سرنگاپٹن لیجانا نیکا حکم دیا تھا۔ دریائے بالا پر پشتہ تعمیر کیا گیا تھا اور کاشت کیلئے ایک بڑا پانی کا خزانہ بنایا گیا تھا۔

۵۔ فروری کو ڈاکٹر بکانن، ابنیرو، کے شہر کو پہنچا جہاں اس نے جین مت، کے آٹھ مندر اور جین مت کا ایک بہت بڑا بت دیکھا جس کو ایک ہی پتھر میں تراشا گیا تھا۔ اور زیر سما کھڑا کر دیا گیا تھا۔ حیدر علی، کے عہد میں جین مندروں کے قبضے میں جو اراضی تھی ٹیپو سلطان نے اُس میں کمی کی تھی۔ ٹامس منرو، نے ان سب زمینوں کو واپس دیدیا جو لیلی گئی تھیں۔ مگر اس کے قایم مقام، ریون شا نے انمیں پھر تخفیف کر دی۔ گوتم راجہ (بدھ) کا بت جو کارکلا، میں تھا ۳۸ فٹ اونچا اور ایک ہی پتھر میں تراشا ہوا تھا اسکے کتبے سے معلوم ہوتا تھا کہ یہ بت بکانن کے ورود سے ۳۶۹ سال پہلے یعنے تقریباً ۱۴۳۲ء میں بنایا گیا تھا۔

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

ہریا دیکا، میں جو مغرب کی سمت کچھ فاصلے پر واقع تھا اور جہاں ڈاکٹر بکانن ۱۰۔ فروری کو پہنچا تا دیہ محصول آراضی کے متعلق دریافت کرنے پر اُسے معلوم ہوا کہ یہ لگان کا نصف ہوتا تھا۔ لیکن "ان لوگوں کا کہنا یہ ہے کہ جب، چاول سستا ہو جاتا ہے تو پورا لگان بھی اس محصول اراضی کے مساوی نہیں ہوتا"

اس کے دوسرے روز، اُدیپو کے مقام سے پھر ڈاکٹر بکانن کی آنکھوں کے سامنے بحیرۂ عرب لہریں مار رہا تھا۔ یہاں مہادیو اچاریا کے نام کا جو چودھویں صدی عیسوی میں ہندوؤں کے بہت بڑے عالم اور مصلح گزرے ہیں بہت احترام کیا جاتا تھا اور ان کا فرقہ ترقی پر تھا۔ یہاں تین مندر اور چودہ مٹھ سناسیوں کے ملک تھے جو ہندو مت کے گرو تھے۔ اودے پو سے دریا تک دھان کی کاشت ہوتی تھی "اس نواح کے پانچ قصبوں کے تخمینہ سے مجھکو یہ معلوم ہوا کہ ۲۰۴۸ پگوڈا یعنے پیداوار کی خام قیمت میں سے کاشتکاروں کو ۱۲۹۵ پگوڈا ملتے ہیں سرکار کا حصہ عموماً خام پیداوار کا ایک ربع ہوتا ہے اور ان مواضعات کا محاصل ۶۷۱ پگوڈا ہے جن میں سے ۳۷ پگوڈا، آراضی انعام کی شکل میں خارج از جمع ہیں اس کے بعد مالکان آراضی کو جو بچتا ہے وہ صرف (۸۲) پگوڈے ہیں"

شمال کی طرف سیاحت کرتے ہوئے ڈاکٹر بکانن، کنداپورہ، پہنچا اور ندی کو عبور کر کے، کنڑا، کے صوبۂ شمالی کے حدود میں داخل ہوا۔ یہ علاقہ اس وقت، مسٹر ریڈ، کے زیر انتظام تھا۔ مسٹر ریڈ "طبقۂ شرفا کا ایک نوجوان شخص تھا جس نے مسٹر ایون شا کے ساتھ ایک ہی مدرسہ میں تعلیم پائی تھی"۔ اور آگے شمال میں بیلہ رو تھا جہاں شیوا، کا مندر تھا۔ اور ہنیو کلا، ایک اس سے بھی بڑا قصبہ تھا جہاں پانسو مکانات تھے ان قصبات سے اور آگے شمال کی جانب سیاحت کرتے ہوئے ڈاکٹر بکانن کو دریا اور چھوٹی پہاڑیوں کے درمیان

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

ایک میدان نظر آیا جو صرف آدھے میل سے لیکر ڈیڑھ میل تک چوڑا تھا اور جہاں دھان کی کاشت ہوتی تھی۔ مورو دیسوارا، کا مندر ایک بلند راس زمین پر استادہ تھا جس پر قلعہ بندی کی گئی تھی۔ اس سے قریب ہی جزیرہ کبوتران تھا جہاں جنگلی کبوتروں کی کثرت تھی اور مرجان کے لئے جس کی یہاں کثرت تھی کشتیوں کی بھی آمد و رفت رہتی تھی۔ ۲۱ فروری کو ڈاکٹر بکانن، ادنور، کے تالاب کے پاس ادنور کے بڑے شہر کو پہنچا۔

ادنور، پہلے ایک بڑا شہر اور تجارت خارجہ کا مرکز تھا۔ حیدر علی نے جنگی جہاز بنانے کے لئے یہاں ایک بندرگاہ بنائی تھی۔ مگر حیدر علی کے مطلق العنان اور ناعاقبت اندیش فرزند نے صلح منگلور کی رو سے اس شہر کے واپس ملنے پر اس بڑی تجارتی منڈی کو مسمار کر دیا اور جس زمانے میں ڈاکٹر بکانن یہاں آیا ہے یہ شہر ایک ویرانہ تھا۔ گووا، سے تجارت کے لئے جہاز آتے تھے۔ تاجر تالاب کے کنارے کچھ یہاں کچھ وہاں بود و باش رکھتے تھے اور چاول، کالی مرچ، ناریل، سپاری اور سوکھی مچھلی برآمد کرنے کے لئے خرید لیا کرتے تھے۔ کاشت کی ہوئی اراضی کا بڑا حصہ خانگی ملک تھا لیکن پہاڑ اور جنگل سرکار کی ملک تھے۔ ہر شخص اپنی تمام اراضی پر محصول ادا کرتا تھا اور اپنی مرضی کے موافق اس کی کاشت کر لیتا تھا۔ متوسط الحال کاشتکاروں کے پاس ہل تعداد میں چار سے لیکر چھ تک رہتے تھے۔ لیکن ان میں سے اکثر مفلوک الحال تھے جن کے پاس صرف ایک ہی ہل ہوتا تھا۔ کاشتکار چار سے لیکر دس سال تک کے لئے پٹہ حاصل کرتے تھے۔ اور زمینداروں کو لگان ادا کرتے تھے۔ اور زمیندار سرکار کو محصول اراضی ادا کرتے تھے۔

"ہر زمیندار پر لازم ہے کہ وہ محصول اراضی کی ادائی کے لئے ضمانت فراہم کرے۔ اگر وہ ضمانت فراہم نہیں کرتا ہے تو مالگزاری کا عہدہ دار فصل کی نگرانی کے لئے بھیجا جاتا ہے جو پیداوار کو فروخت کر کے اس کی قیمت میں سے رقم مالگزاری مجرا لے لیتا ہے۔ یہ ایک

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

بہت ہی برا انتظام ہے اور ہندوستانی طبع کی خاص ایجاد ہے کیونکہ جو شخص فصل کو جمع کرنے کے لئے بھیجا جاتا ہے اس کو کاشتکار سے مختانہ ملتا ہے اور اس طرح کسی لڑے آدمی کے جو شور مچانے والے حواشیوں میں سے کوئی ایک نکما گذر رہا کچھ دنوں اپنی خواہشات نفسانی کو پورا کر لیتا ہے اگر کسی نے ضمانت داخل کرنے پر میعاد مقررہ کے تیسرے دن ادائی نہ کی تو ضامن کو طلب کر کے رقم مالگزاری کی ادائی تک اسکو حراست میں رکھا جاتا ہے"!

ایک جائداد جس پر بیس پگوڈا محصول اراضی تھا، سو پگوڈا پر بکتی تھی اور پچاس پگوڈا پر مکفول ہو سکتی تھی باپ کی جائداد بیٹے علی التسویہ آپس میں تقسیم کر لیتے تھے۔ لیکن فرزند کلاں ہی ساری جائداد کا انتظام کرتا تھا اور سب ملکر ایک ساتھ رہتے تھے۔ جب جائداد متعدد رشتہ کے بھائیوں میں تقسیم ہوتی تھی تو عام طور پر جائداد کو کرائے پر دیدیا جاتا تھا۔ اور کرایہ تقسیم کر لیا جاتا تھا اچھے کھیت میں فی ایکڑ بیس سے لیکر ۳۲ بشل چاول ہوتے تھے۔ اور خراب کھیت میں ۶ سے ۱۶ بشل۔ گنا، کالی مرچ، صندل کی لکڑی، الائچی، سپاری اور ناریل کا یہاں بیوپار تھا۔

ادنور، کے شمال میں گوکارنا شیوا، کی مشہور مورت کی وجہ سے جس کو مہابلیشور کہا جاتا تھا اور جس کی پوجا یہاں ہوتی تھی ایک مشہور مقام تھا کہا جاتا ہے کہ لنکا کا راجہ راون، اس مورت کو شمالی پہاڑوں سے اٹھا کر لیجا رہا تھا ستانے کے لئے یہاں کندھے سے نیچے اتارا مگر پھر اُس کو اُٹھا نہ سکا۔ اس قصبہ میں پانسو مکان تھے۔ جن میں سے آدھے مکانات میں برہمن رہتے تھے۔ یہاں ایک بڑا تالاب تھا جس کے پاس ہی ایک مٹھ بھی تھا اور شنکر نارائن کی مورت ایک مندر میں رکھی ہوئی تھی۔ ابتداء ہی میں اس عقیدے کے پھیلنے کا یہ بین ثبوت ہے کہ شیو، اور وشنو، ایک ہی خدا کے مختلف نام ہیں"!

انکولہ، کا سالانہ محاصل ۲۹۰۰۰ پگوڈا تھا۔ ادنور کا ۱۵۰۰۰ اور کنڈاپورہ، کا ۵۰۰۰ پگوڈا تھا۔ اچھی زمینوں کا ایک ثلث حصہ

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

افتادہ تھا۔ انکولہ کے بازار کو ڈاکوؤں نے کئی مرتبہ آگ لگا دی تھی لیکن انگریزوں کی حکمرانی میں یہاں پھر چہل پہل پیدا ہو رہی تھی۔ ٹامس منرو کا محصول ٹیپو سلطان کے محصول اراضی سے کم تھا۔ مگر برائے نام، کیونکہ اس کی مقدار جمع درحقیقت بہت زیادہ تھی" عمال مالگزاری کے بیان کے موافق میجر منرو نے محصول اراضی کی شرح بہت گھٹا تو دی تھی لیکن احتیاط اور سختی کر کے جس قدر محاصل اس نے جمع کیا وہ پہلے کے سب محاصل سے درحقیقت زیادہ تھا۔" بعینہٖ یہی ہندوستان کے اکثر اضلاع میں وقوع پذیر ہوا۔ عمال کمپنی کبھی وہی قدیم محاصل برقرار رکھتے تھے۔ یا کبھی اس میں کمی وبیشی بھی کرتے تھے۔ لیکن جمع میں ایسا تشدد کرتے تھے کہ ہندوستان کے لوگوں نے اس سے پہلے کبھی نہیں دیکھا۔

تینوں شمالی اضلاع یعنے کنڈہ پورہ، اونور، اور انکولہ کا بہت سا حصہ پہاڑی اور بنجر اور ناقابل کاشت تھا۔ مسٹر ریڈ نے مختلف قسم کی زمینوں کا اس طرح اندازہ لگایا ہے۔

	اراضی مزروعہ	قابل زراعت	بنجر
کنڈہ پورہ	۰٫۳۲	۰٫۰۸	۰٫۶۰
اونور	۰٫۲۶	۰٫۱۲	۰٫۶۲
انکولہ	۰٫۲۰	۰٫۲۰	۰٫۵۹

"اس قدر زمین افتادہ رہنے کے باوجود کہا جاتا ہے کہ میجر منرو کے انتظام کے پہلے سال محاصل جس قدر زیادہ تھا اس سے پہلے کبھی نہیں ہوا تھا۔ مسٹر ریڈ نے اس اضافۂ لگان کی طرف اس کو منسوب کیا ہے جو فی الواقع زیر کاشت زمینوں پر کیا گیا تھا لیکن اسمیں مجھ کو بہت کچھ شک ہے۔"

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

ڈاکٹر بکانن میسور سے ہوکر مدراس کی طرف واپس ہوا۔ اور ۲۶ جولائی ۱۸۰۱ء کو مدراس پہنچا۔ اس سفر واپسی کا حال بیان کرنا ہمارے لئے غیر ضروری ہے۔ جنوبی ہند میں مشرقی دریا سے مغربی دریا تک ڈاکٹر بکانن کی سیاحت کی کیفیت جس کا ہم نے اس باب میں اختصاراً پیش کیا ہے دور قدیم اور ایسٹ انڈیا کمپنی کے دور جدید کی ملکی اقتصادی حالت کا ایک بیش قیمت دفتر ہے جہاں جہاں کمپنی کی حکمرانی پھیلی وہاں جنگ و جدال، فتنہ و فساد کا انسداد اور دوبارہ قیام امن کا انتظام ہو گیا۔ ان تمام برکتوں کے عطا کرنے کے ساتھ ساتھ کمپنی کے نظم و نسق میں یہہ مہلک غلطی سرزد ہوئی کہ اراضی پر حیثیت سے زیادہ محصول لگا دیا گیا۔ اسی لئے کمپنی کی زیر حکمرانی رعایا مایوس کن افلاس میں پڑی ہوئی تھی اور یہہ حالت اس سے بھی بدتر تھی جو دیسی وزیر، پورنیا کے عہد وزارت میں میسور کی دیسی ریاست میں اس رعایا کی تھی۔

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

تیرھواں باب

شمالی ہند کے اقتصادی حالات

۱۸۰۷ء تا ۱۸۱۵ء

مجلس نظما نے ڈاکٹر بکانن کی جنوبی ہند کی معاشی تحقیقات کی قدر و قیمت کا اعتراف کیا اور خواہش ظاہر کی کہ اسی ممتاز و مستند شخص سے شمالی ہند میں بھی اسی طرح کی ایک تحقیقات کرائی جائے۔ چنانچہ ۱۸۰۷ء میں بنگالے اور شمالی ہند کے بعض اضلاع کے متعلق اعداد و شمار فراہم کرنے کے لیئے ڈاکٹر بکانن کو حکم دیا گیا۔ یہہ تحقیقات نہایت احتیاط کے ساتھ سات سال تک جاری رہی اور اس پر (۳۰۰۰۰) پونڈ مصارف ہوئے۔

سارا قیمتی مواد جو اس طرح جمع کیا گیا تھا، حکومت ہند نے انگلستان بھیجدیا جہاں ایک زمانہ تک وہ بیکار پڑا رہا۔ ڈاکٹر بکانن کو اسکاٹ لینڈ میں کثیر جائداد مل گئی۔ اس جائداد کو حاصل کرنے پر اس نے اپنا نام ہملٹن رکھ لیا اور اپنی دماغ سوزی کے نتائج شائع ہونے سے قبل عزلت ہی میں اس نے رحلت کی۔

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

اس وقت برطانوی نوآبادیات کے مورخ منٹگمری مارٹن نے جس نے ہندوستان پر بھی سنجیدہ اور پر مغز مضامین لکھے ہیں ڈاکٹر بکانن کے باقی مسوّدات کے معائنہ و مطالعہ کی اجازت چاہی جو اس کو مل گئی اس قدر محنت و دماغ پاشی سے جو معلومات فراہم کئے گئے تھے۔ ان کا دانشمندانہ انتخاب ۱۸۳۸ء میں تین جلدوں میں شائع کر دیا گیا اور انیسویں صدی عیسوی کے قرون اولی کی شمالی ہند کی اقتصادی حالت کا بہترین اور معتبر ترین تفصیلی بیان انہی جلدوں میں مندرج ہے۔ موجودہ تصنیف کے منشاء و مقصد کا لحاظ کرتے ہوئے ہم ان جلدوں کے اعداد و شمار والے حصوں کا خلاصہ اس باب میں پیش کرتے ہیں۔

شہر پٹنہ و ضلع بہار

(رقبہ ۵۳۵۸ مربع میل۔ آبادی ۳۳۶۴۴۲۰ نفوس)

اس سارے ضلع میں دھان کی فصل ہی سب سے زیادہ اہم تھی دھان کا اوسط نرخ فی روپیہ ۷۰ سیر تھا یعنے ایک شلنگ کو تقریباً ۷۰ پونڈ کے حساب سے یہاں بکتا تھا گیہوں اور جو کی فصل دھان کے بعد دوسرے درجے پر اہم تھی اور بعض وقت ان دونوں اناجوں کو مخلوط بویا جاتا تھا "مڑوا" بالکلیہ تابی کی فصل تھی، جوار اور جنار، زیادہ تر گنگا کے کناروں پر ہوتی تھی۔

کیسری، بہٹ، مٹر، دال، ارہر، مونگ اور خوش ذائقہ ترکاریاں بھی کھانے کے لئے یہاں بوئی جاتی تھیں۔ تل اور اقسام کے پودے جن سے تیل نکالا جاتا تھا یہاں ہوتے تھے۔ یورپ سے آلو بھی لائے گئے تھے۔ کپاس (۸۰۰۰) ایکڑ زمین میں بوئی جاتی تھی جس کے تین ثلث حصہ میں کوئی اور فصل نہیں ہوتی تھی اور (۷۰۰۰) ایکڑ زمین پر گنا پیدا ہوتا تھا۔ مضافات کی نواح میں باغ کی اراضی تھی جس میں خشخاش بوئی جاتی تھی۔ اور تمباکو (۱۶۰) ایکڑ زمین میں ہوتا تھا۔ بہار کے پان اور سب بنگالہ کے پان سے اچھے سمجھے

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

جاتے تھے۔ اور کلکتے، بنارس اور لکھنؤ بھیجے جاتے تھے۔ نیل کی کاشت انحطاط پر تھی کیونکہ زمینداروں کو اس سے نفرت سی ہو گئی تھی۔ لیکن کسم کثرت سے بویا جاتا تھا۔

زمینداروں کو جو لگان کاشتکاروں سے ملتا تھا وہ مصارف فصل کی منہائی کے بعد فصل کی پیداوار کا نصف ہوتا تھا مگر زمینوں کی آبپاشی کے لئے زمیندار اپنے خرچ سے نہریں اور پانی کے خزانے بناتے بھی تھے۔ اور ان کی وقتاً فوقتاً مرمت بھی کرتے رہتے تھے۔

پانی کے بڑے بڑے خزانوں کی کھدائی جو ایک میل یا اس سے بھی زیادہ لانبے ہوتے تھے تقریباً (۵۰۰) روپے یا (۵۰) پونڈ ہوتی تھی۔ لیکن چھوٹے چھوٹے پانی کے خزانوں کی کھدائی جو بے شمار تھے ۲۵ روپے سے (۱۰۰) روپے تک ہوتی تھی متعدد نہریں کئی میل لانبی تھیں اور ان میں سے پانی بہہ کر جو جاتا تھا اس کی مقدار بہ نسبت اس پانی کے جو موسم گرما میں دریا کے نالے میں رہتا تھا اکثر بہت زیادہ ہوتی تھی۔ ربیع کی فصل اور ترکاریوں اور رنگنے کے زیادہ تر حصہ کو باؤلیوں سے ہی پانی دیا جاتا تھا۔ رہنے کے لئے (۲۷) مربع میل غیر قابل زمین مختص تھی۔ ۳۸۴ میل جنگل اور جھاڑیاں تھیں۔ ۶۴۰ میل نخلستان تھے ۲۰۵ میل مرتفع زمینیں تھیں اور (۴۱۷) میل جابجا شکستہ کنج و زاویہ اور بنجر زمین تھی۔ پٹنہ، اور گیا کے شہروں کے کاشتکار اپنے مکانات کی زمین کے لئے کچھ نہیں دیتے تھے "جو کوئی بھی کھیت لگان پر لیتا ہے اپنے گھر کے لئے کچھ نہیں دیتا"۔ دستکار اور نجار اور مزدور پیشہ زر نقد یا اپنے کسی کام کی شکل میں کرایہ زمین ادا کرتے تھے۔

اس طرح یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ مصارف فصل کی منہائی کے بعد پیداوار کا آدھا حصہ کاشتکار کا لگان ہوتا تھا جس میں اس کے مکان کی زمین کا کرایہ مصارف آبپاشی اور مفت کی ہرائی بھی شامل

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

تھی۔ نصف پیداوار بطور لگان پابندی کے ساتھ ہر جگہ وصول نہیں کی جاتی تھی وہ یہ تقسیم اس قدر تکلیف دہ ہے کہ مالک اور پٹہ دار فصل تیار ہونے پر اپنا حصہ لینے کے بجائے عموماً غلہ کا ایک مقررہ حصہ یا اسکی قیمت زر نقد میں لینے اور دینے پر راضی ہو جاتے ہیں" ایک جاگیر کے سوا جہاں زمیندار رعایا کو کثیر رقم پیشگی دینے کا عادی تھا دوسرے مقامات میں پٹہ داروں پر زمینداروں کو واجب الادا بقایا بہت معمولی سا تھا"۔ ..... زمینداروں اور پٹہ داروں کے درمیان تقاوی کا طریقہ کاشت کے لئے یہاں بہت عام نہیں ہے اگرچہ ایک حد تک موجود ہے"۔ ڈاکٹر بکانن کے زمانہ تحقیقات میں ایک عام تغیر یہ ہو رہا تھا کہ لگان کی ادائی اجناس کے بجائے زر نقد میں ہو رہی تھی۔

ہل جوتنے والے ملازم کی سالانہ اجرت ۱۶ روپیے سے ۲۲ روپے تک یعنے ماہوار تین یا چار شلنگ ہوتی تھی۔ روز کے مزدوروں کو جن سے کھودنے کا یا دھان کے پودوں کو ایک جگہ سے نکال کر دوسری جگہ لگانے کا یا ربیع کی فصل کو پانی دینے کا کام لیا جاتا تھا روزانہ تین یا چار پیسے (دو پنس) مزدوری دی جاتی تھی اور عورتوں کو بھی جن سے دھان کے پودوں کو ایک جگہ سے نکال کر دوسری جگہ لگانے اور گھانس پھونس کھیتوں سے چن کر صاف کرنے کا کام لیا جاتا تھا مردوں کے برابر مزدوری ملتی تھی اور یہ فصل کے کاموں میں بھی مدد دیتی تھیں۔

کاتنا اور بننا زراعت کے بعد ہندوستان کی بڑی قومی حرفت تھی۔ صرف عورتیں ہی چرخے کاتتی تھیں اور اس ضلع میں ڈاکٹر بکانن نے ان کی تعداد کا اندازہ ۳۳۰۴۲۶ کیا ہے۔ "ان عورتوں میں سے اکثر تو دوپہر میں صرف چند گھنٹے چرخہ کاتتی ہیں اور ایک اوسط تخمینے کے طور پر سال بھر میں ایک عورت

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

جتنا دھاگا کاتتی ہے اس کی قیمت تقریباً ۷ روپے ۲ر۸ ہر اور اسطرح تمام سال میں جملہ ۲۳۶۷۲۷۷ روپے ہوتی ہے اسی حساب سے خام سوت کی قیمت خردہ فروشی نرخ پر ۱۲۸۶۲۷۲ روپے ہوگی جس میں چرخہ کاتنے والیوں کو ۱۰۸۱۰۰۵ روپے منافع یعنے ۳-۱ روپے (۶ شلنگ ۶ پنس) سال میں ہر ایک کو ملتا تھا۔ ...... مہین کپڑوں کی مانگ میں چند سال سے متواتر کمی نمایاں ہے اسلئے عورتوں کو بہت تکالیف اٹھانی پڑیں۔"

جولاہوں کی یہاں ایک کثیر تعداد تھی اور جملہ ۷۵۰ کارگے تھے کہ جن سے سوتی چادر اور دسترخوان بُننے کا کام لیا جاتا تھا۔ سال بھر کی بافت کی قیمت ۵۴۰۰۰۰ روپے ہوتی تھی جس میں سے دھاگے کی قیمت منہا کرنے کے بعد ۸۱۴۰۰ روپے منافع ہوتا تھا اس طرح فی کارگہ ۱۰۸ روپے منافع ملتا تھا اور ہر کارگہ پر تین آدمی کام کرتے تھے یعنے دوسرے الفاظ فی کس ۳۶ روپے (۷۲) شلنگ سالانہ آمدنی ہوتی تھی۔ لیکن اکثر سوتی پارچہ باف دیہات میں پہننے کا موٹا کپڑا بنتے تھے جس کی قیمت سال میں ۲۴۳۸۶۲۱ روپے ہوتی تھی جس میں سے دھاگے کی قیمت منہا کردینے کے بعد ۶۶۷۲۴۲ روپے منافع کے بچ جاتے تھے۔ اس طرح فی کارگہ ۲۸ روپے (۵۶ شلنگ) منافع ملتا تھا۔

ایسٹ انڈیا کمپنی نے جس نظام کو اختیار کیا اس کو اسی طرح بیان کیا گیا ہے :- "ہر شخص کو کمپنی کا اسامی بننے پر دو روپے ملتے تھے اور اقرار کرنا پڑتا تھا کہ کمپنی کی ضرورتوں کی تکمیل تک وہ کسی اور کا کام نہیں کریگا اس کے علاوہ تجارتی ریزیڈنٹ نے کبھی کسی کو کوئی پیشگی رقم دی ہی نہیں۔ کمپنی کا گماشتہ ہر شخص سے فلاں فلاں کپڑے کے اتنے اتنے تھان بُننے کی فرمائش کرتا ہے اور ہر شخص کو جیسے جیسے وہ تھان بُنکر لاتا ہے فہرست کے موافق اسکی مقررہ قیمت ادا کردی جاتی ہے۔"

وہ پارچہ باف جو کلاّ یا جزاً اٹسر کے ریشم کا پارچہ بُنتے تھے

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

اکثر پھولہ، گیا، اور نوادہ میں ہی رہتے تھے۔ سال بھر کی پیداوار کی قیمت ۱۰۷۱۲۴ روپے ہوتی تھی اور فی کارگہ جس پر ایک مرد اور ایک عورت یعنے دو نفوس کام کرتے تھے سال میں ۳۲ روپے سے ۹۰ روپے تک فائدہ ہوتا تھا۔

کاغذ سازی، دباغت اور چرمی سامان وعطر سازی، لوہے کے آلات وغیرہ سونے چاندی کا سامان، سنگتراشی، مٹی کے ظروف، راجگری، آہک سازی۔ انگریزی کمبل بننا۔ سنہری اور روپہلی مقیش اور تاش و زربفت یہاں کی دوسری اہم صنعتیں تھیں۔ یہاں کی اندرونی تجارت زیادہ تر بلد یہ بیوپاریوں کے ہاتھ میں تھی۔ جن کے پاس باربرداری کے بیل تھے ایک بیل اور ۵ روپے کے اصل سے بیوپاری تجارت کرنے کے قابل بنجاتا تھا۔ ماہانہ ۵۰ روپے کا سامان فروخت کرتا تھا جس پر ۶ آنہ ۱۲ فی صدی منافع کماتا تھا اور اس طرح ۳۲ روپے (۶۴ شلنگ) سالانہ اس کی آمدنی ہوتی تھی۔ تجارتی سامان کشتیوں پر پٹنے سے کلکتے جاتا تھا اور ۱۰۰ من (۸۰۰۰ پونڈ) غلے کی حمل ونقل کا کرایہ ۱۲ سے ۱۵ روپے یعنے ۲۴ سے ۳۰ شلنگ ہوتا تھا۔ چھکڑے یا بیلوں کی گاڑیوں پر سامان لاد کر ایسے مقامات پر بھیجا جاتا تھا جن کا فاصلہ کم ہوتا تھا مثلاً پٹنہ سے گیا (۷۲) میل تک، ۱۲ سے ۱۵ من (۹۶۰ سے ۱۲۰۰ پونڈ) کی باربرداری کے لئے چھکڑے یا بیلوں کی گاڑی کا کرایہ تین روپے یا چھ شلنگ ہوتا تھا۔

سو سال کے قبل ہندوستان میں کیا کیا اہم کاروبار تجارت اور پیشے تھے ان کی فہرست پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس ضلع میں کس قدر ذرائع آمدنی کم رہ گئے تھے۔ چرخہ کاتنا اور کپڑا بننا تو تقریباً معدوم ہو چکا تھا۔ کیونکہ دھاگے اور کپڑے کا کثیر حصہ جو لوگوں کے کام میں لایا جاتا ہے وہ لنکاشائر سے آتا ہے۔ کاغذ سازی بھی انحطاط پر ہے بہتر قسم کا چرمی سامان بنانے کے لئے چمڑے اب یورپ بھیجدئے جاتے

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

ہیں۔ دیسی رنگ کے بجائے نیل کے مصنوعی ولایتی رنگ استعمال ہوتے ہیں۔ بیوپاری اور ان کی بیلوں کی گاڑیاں اگلے زمانہ کی بات ہو گئی اور بار برداری کا منافع کشتیبان نہیں بلکہ ریلوے کمپنیاں کمانے لگیں جو پردیسی اصلداروں کی ملک ہیں۔ اقسام کی تجارت اور صنعت و حرفت کی تباہی کے بعد درحقیقت زراعت ہی لوگوں کے کسب معاش کا ذریعہ رہ گئی ہے۔

ضلع شاہ آباد

(رقبہ ۴۰۸۷ مربع میل۔ آبادی ۱۴۱۹۵۲۰ النفوس)

یہاں دھان کی فصل سب سے زیادہ ہوتی تھی گرچند زمینداروں کی غفلت سے جنہوں نے اپنی اپنی جاگیروں میں پانی کے خزانوں کی مرمت نہیں کی تھی غلّہ کی کاشت میں کمی واقع ہو رہی تھی اس ضلع کا آدھا حصہ دھان کے زیر کاشت تھا۔ ذرائع آبپاشی کی توسیع سے شاہ آباد بھی پٹنہ اور بہار کی طرح ہو سکتا تھا۔ لیکن شاہ آباد کا چاول اس قدر عمدہ اور باریک نہیں ہوتا تھا۔

روز کے مزدور کو صرف کھیت کاٹنے کے لئے کم سے کم جو مزدوری دیجاتی تھی وہ خام پیداوار کا تقریباً ۳½، اور زیادہ سے زیادہ ۸¾ فیصد تھی اوسطاً ۱۹۵ پونڈ غلہ ایک آدمی دن بھر میں کاٹ سکتا تھا جسکے معاوضہ میں اگر وہ روزانہ کا مزدور ہوتا تھا تو اس کو ۶ فیصد سے کسیقدر زیادہ اور اگر کھیت کا نوکر ہوتا تھا تو اس کو ۷½ فیصد سے کسیقدر کم دیا جاتا تھا۔ بیج کے لئے جو غلہ ہوتا تھا وہ مٹی کی گولیوں میں محفوظ رکھا جاتا تھا اکثر عام طور پر اناج کے انبار کے لئے ایک طرح کے ٹوکرے شہد کے چھتے کی شکل کے ہوتے تھے جیسے کہ اسکاٹلینڈ میں عام طور پر پائے جاتے ہیں اور ان پر گھانس کی بٹی ہوئی رسی پیچ در پیچ بٹی ہوئی ہوتی تھی۔ ان انبار میں

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

چاول کے ۲۹۳۶۰ پونڈ ہوتے تھے بڑے بڑے انبار کھیت کے بیچ میں اتادہ تھے اور ان کے چھپروں کو چکنی مٹی لپیٹ کر ڈھانک دیا جاتا تھا۔ چھوٹے انبار جھونپڑیوں کے سرے پر جمائے جاتے تھے۔

وہ اس ضلع کے اکثر زمیندار جن کی جاگیروں پر محصول لگایا گیا ہے شاکی ہیں کہ کمپنی کی سرکار نے جو محصول لگایا ہے وہ بہت زیادہ ہے جس سے ان کے لئے بہت ہی تھوڑا یا کچھ بھی نفع نہیں بچتا بلکہ اکثر صورتوں میں تو یہ محصول اراضی کی قیمت سے بڑھ کر ہوتا ہے۔ اس کے ثبوت میں وہ یہ پیش کرتے ہیں کہ کئی جاگیریں نیلام پر چڑھ گئی تھیں مگر کوئی بولی بولنے والا نہیں ملا اور سرکار کو ان جاگیروں پر جو بقایا تھا اسکا نقصان بھی اٹھانا پڑا اور قیمت گھٹا کر ان زمینوں کا پٹہ بھی کر دینا پڑا۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ یہ بھی بیان کرتے ہیں کہ محاصل اس قدر زیادہ ہوتا ہے کہ زمینداروں کے لئے کچھ نہیں بچتا۔ اور اسی لئے پانی کے خزانوں کی درستی اور مرمت کے مصارف بھی وہ ادا نہیں کر سکتے چنانچہ روز بروز ملک کی حالت ایسی ہو رہی ہے کہ محاصل ادا کرنے کا مقدور بھی گھٹا جا رہا ہے "مرتفع اور مستوی سطح کی اراضی کے باستثناء سرکاری مالگزاری کی رقم شاہ آباد میں ۳۱۵۱ مربع میل قابل زراعت اراضی پر ۱۱۳۲۶۷۷ روپے ہوتی تھی۔ حالانکہ پٹنہ اور بہار میں ۵۰۵۱ مربع میل قابل زراعت زمین پر مالگزاری ۱۴۱۲۲۶۹ روپے تھی۔

کاتنا اور بننا، شاہ آباد کی اہم حرفت تھی۔ ۱۵۹۵۰۰ عورتیں کاتنے کا کام کرتی تھیں اور سال میں (۱۲۵۰۰۰) روپے کا دھاگا کاتتی تھیں۔ سوت کی قیمت منہا کرنے کے بعد ہر عورت صرف ۱½ روپے یا ۳ شلنگ سالانہ کماتی تھی، یہ بالکل تھوڑا تھا۔ مگر تھوڑا تھوڑا ہی سہی اُن کے خاندان کی آمدنی میں اس سے اضافہ تو ہوتا تھا۔

جولاہے صرف سوتی کپڑا بنتے تھے کیونکہ شاہ آباد میں ریشمی پارچہ باف شاذ تھے۔ سوتی کپڑا بننے والے جولاہے اس ضلع میں ۷۰۲۵ تھے

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

اور ان کے پاس ۷۹۵۰ کارگے تھے۔ فی کارگہ ۲۰¾ روپے یا ۴۱ شلنگ ۶ پنس سالانہ آمدنی ہوتی تھی اور ہر کارگہ پر، بیوی خاوند اور ایک لڑکا یا لڑکی کا کام کرنا ضروری تھا۔ لیکن ایک خاندان کی پرورش ۴۸ روپے یا ۴ پونڈ ۱۶ شلنگ سالانہ سے کم میں نہیں ہو سکتی تھی اس لئے ڈاکٹر بکانن کو شبہ یہ ہے کہ فی کارگہ جو آمدنی اوپر بیان کی گئی ہے وہ حقیقی آمدنی سے کم ظاہر کی گئی ہے۔

کاغذ، عطر، تیل، نمک، اور شراب، یہ چیزیں شاہ آباد میں بنتی تھیں۔ چاول کی درآمد و برآمد دونوں اہم تھی جو بنارس کو برآمد کیجاتی تھی اور ارہر کی دال مرشد آباد کو۔ تمباکو، چھپرے سے درآمد ہوتا تھا شکر مرزا پور سے رام گڈھ سے لوہا، اور پٹنہ سے جست، تانبا، سیسہ اور ٹین درآمد ہوتے تھے۔ خام ریشم، کپڑا، نمک، رنگ برنگ کا سامان مرہٹوں کے ملک رتن پور کو برآمد کیا جاتا تھا۔

ہفتہ وار منڈیاں بہار کی بہ نسبت یہاں تعداد میں کم تھیں لیکن زیادہ تر خرید و فروخت انہی منڈیوں میں ہوتی تھی۔ بنک کے نوٹ کا رواج ابھی عام نہیں ہوا تھا اور اسی وجہ سے جو بہار میں موجود تھے طلا سرے سے مفقود ہی ہو گیا تھا۔ کمپنی کے ڈھالے ہوئے تانبے کے سکے صرف شہر آرہ میں چلتے تھے۔ اور اندرون ملک گورکھپور کے بدنما اور بھدے تانبے کے سکے اور مادہو ساہی اور شیر گوجی پیسے مستعمل تھے کوڑیاں بھی تانبے کے سکوں سے مبادلے کے کام میں آتی تھیں۔

بہار کی بہ نسبت یہاں کشتیاں تعداد میں کم تھیں۔ ۱۰۰ من (۸۰۰۰ پونڈ) وزن سامان کا کرایہ، بند صولیا سے بنارس تک جو ۱۴۰ میل کا فاصلہ تھا ۱۲ روپے یا ۲۴ شلنگ ہوتا تھا۔ دو شاہراہیں اس ضلع سے گزرتی تھیں ایک تو وہ فوجی سڑک تھی جو کلکتہ سے بنارس تک گئی تھی اور جس کی نگہداشت کے مصارف خزانہ عامرہ سے ادا ہوتے تھے اور دوسری وہ جو سابق میں گنگا کے کنارے جاتی تھی اور جس کے

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri
CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

مصارف نگہداشت کے لئے اس ضلع کی تمام اراضی پر جو مالگزاری ادا ہوتی تھی ایک فی صدی محصول لگایا گیا تھا۔ یہہ دونوں سڑکیں بارش کے موسم میں ناقابل گزر رہتیں۔

ہر دار سنگھ، بھوج پور کا کایستھ راجہ عبد النصر نامی ایک مسلمان زمیندار، اور بی بی عصمت نامی ایک مسلمان خاتون، لالہ راجراپ اور لالہ گنگا جو دونوں کایستھ تھے غریبوں اور فقیروں کیلئے جو استمداد کے لئے ان کے پاس آتے تھے سدابرت اور لنگر تقسیم کرنے میں سب سے زیادہ مشہور تھے۔ ہندوؤں میں غریبوں کی خاطر مدارات اور مہمان نوازی کی قدیم رسم "سدابرت" کو پرماتما کی لگاتار عبادت سمجھا جاتا تھا۔

ضلع بھاگلپور

(رقبہ ۸۲۲۵ مربع میل۔ آبادی ۲۰۱۹۹۰۰ نفوس)

چاول کی فصل یہاں سب سے زیادہ اہم تھی اور ۶۰ سیر دھان سے ۳۷½ سیر صاف چاول جس میں بھوسی یا ٹوٹا اتھو نکلتے تھے۔ چاول کے بعد اہم فصل گیہوں کی تھی جو موٹھ کے ساتھ ملا کر کھیتوں میں اکثر بوئی جاتی تھی مرتفع زمینوں پر جوار کی کاشت ہوتی تھی اور اس کے بعد مڑوا، کھیری، کدو، چینا، جنیرا، اور باجرا، کی بھی کاشت ہوتی تھی۔

لیکٹی، ارہر، کیسری، نہایت اہم پھلیاں ہوتی تھیں۔ تل اور اقسام کے پودے جن سے تیل نکالا جاتا تھا وسیع پیمانہ پر ہوتے تھے۔ ادرک، سبزی ترکاری، ساگ اور مصالحہ ضلع میں رہنے والوں کے استعمال کے لئے بوئے جاتے تھے۔

کوہی اقوام، اپنے دیس کی پہاڑیوں پر کثیر مقدار میں کپاس، بوتے تھے۔ اسکے علاوہ ۴۰۰۰ ایکڑ زمین میں بھی اس کی کاشت ہوتی

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

تھی۔ صرف دریا کے کنارے گنّا ہوتا تھا جہاں نہروں سے اسکو پانی ملتا تھا، یہاں تمباکو پیدا ہوتا تھا مگر وہ تمام ضلع کی ضرورتوں کے لئے کافی نہ تھا۔ خام پیداوار کا نصف حصہ کاشت کے مصارف میں جاتا تھا اور زمینداروں کو جو لگان ادا کیا جاتا تھا وہ باقی نصف حصہ کے لگ بھگ ہوتا تھا۔ اس کے باوجود پیشگی رقم دینے کے طریقے سے یہاں کے لوگ ناواقف تھے اس لئے رعایا کچھ زیادہ قرضے میں پھنسی ہوئی نہ تھی زرنقد میں جو لگان ادا ہوتا تھا وہ تو بالاقساط ہوتا تھا اور جنس میں جو ادا ہوتا تھا وہ فصل پر ہی یکمشت ادا کر دیا جاتا تھا۔ تقسیم فصل سے پہلے پیداوار میں سے مختلف منہائیاں کیجاتی ہیں۔ بالخصوص فصل کے تمام لاحقہ مصارف اور منہائیوں کے بعد بعض مقامات میں زمینداروں کو نصف اور بعض میں ۵/۱۲ حصہ ملتا ہے لیکن جیسا کہ میں نے کہا ہے زمینداروں ہی پر نہروں کے اور آبپاشی کے خزانہ ہائے آب کے جملہ مصارف عائد ہوتے ہیں اور فصل کے مصارف جو سب سے زیادہ ہوتے ہیں ان کی منہائی پٹہ دار کے حق میں ہوتی ہے۔"

شمالی اقطاع میں ہل جوتنے والوں کو جنھیں فصل بہ فصل نوکر رکھا جاتا تھا ۵ روپے سے ۲۰ روپے تک پیشگی رقم دی جاتی تھی اور وہ اس رقم کے بے باق ہونے تک اپنے مالکوں کی خدمت بجالاتے تھے۔ جنوبی اقطاع میں عجیب طریقے سے فصل کی تقسیم عمل میں آتی تھی۔ زمیندار سب سے پہلے بیج کی دو چند مقدار اور اسکے بعد باقی حصہ میں سے دو تہائی خود لیتا تھا اور مزدور کو مابقی ایک ثلث ملتا تھا۔

پہاڑی اقوام بہ نسبت ہندو کاشتکاروں کے کاشت میں کم محتاط اور کم محنتی مگر زیادہ شراب خوار تھے اور ان پہاڑی قوموں میں بھی شمالی اقوام باوجود یکہ اُن کی عورتیں اور مرد اکثر دونوں پی پی کر نہایت مخمور و مدہوش بن جاتے تھے۔ تاہم جنوبی اقوام کے بہ مقابل زیادہ محنتی اور مسکرات سے محتاط رہتے تھے۔ پہاڑی اقوام میں کاشت کا

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

طریقہ بھی عجیب تھا۔ چھوٹے چھوٹے سوراخ دو تین انگل گہرے پہاڑ و نیچے سب سے ڈھلوان نشیب میں پتھروں کے بیچوں بیچ کئے جاتے تھے اور ہر سوراخ میں اقسام کے مخلوط بیجوں سے کوئی دس بارہ بیج یوں ہی لیکر ڈالدئے جاتے تھے۔ اور ماہ بماہ جیسے جیسے یہہ بیج اُگتے تھے ان کو کاٹ لیا جاتا تھا۔ شمالی اقوام کپاس کی بھی کاشت کرتے تھے مگر جنوبی نہیں تمام ذات کے لوگوں کو کاتنے کی عام اجازت تھی کہا جاتا ہے کہ ۱۶۰۰۰ عورتیں کاتتی تھیں۔ سوت کی لاگت منہا کرنے کے بعد ہر عورت سالانہ ۴½ روپے یا ۹ شلنگ کمالیتی تھی۔ اور اتنا اضافہ اس کے خاندان کی مجملہ آمدنی میں ہو جاتا تھا۔

چند ہی ایسے پارچہ باف تھے جو صرف ریشم کا پارچہ بُنتے تھے مگر شہر بھاگلپور کی نواح میں اکثر ایسے تھے جو ریشم اور سوت ملے ہوئے لٹر کے پارچہ جات بُنتے تھے۔ اور ۳۲۷۵ کارگر اس کام میں لگے ہوئے تھے۔ کمپنی کا تجارتی رزیڈنٹ سالانہ ۱۰۰۰۰ روپے یہاں کی پارچہ جات کے لئے جو "بافتہ" اور "نمونہ" کہلاتے تھے پیشگی دیتا تھا کہا جاتا ہے کہ ہر پارچہ باف کا منافع جو اس ریشم اور سوت ملی ہوئی حرفت کا کام کرتا تھا، ماسوا اس کے جو اس کی عورتیں کماتی تھیں سالانہ ۴۶ روپے یا ۹۲ شلنگ ہوتا تھا۔

سوتی کپڑا بُننے کے ۹۲۷ کارگر تھے اور فی کارگر ۲۰ روپے یا ۴۰ شلنگ سالانہ آمدنی ہوتی تھی ایک اور حساب سے یہہ معلوم ہوتا ہے کہ اس حرفت میں جو بیوی خاوند کام کرتے ہیں اُنکا سالانہ منافع ۳۲ روپے یا ۶۴ شلنگ ہوتا تھا سوتی دریاں، فیتے، نواڑ، خیمے کی طنابیں، چھینٹ اور کمبل بھی اس ضلع میں تیار ہوتے تھے۔

اس ضلع کی دوسری اہم صنعتوں میں شیشہ کی موٹی موٹی چوڑیاں بنانا، چرم کی دباغت، لوہے کے کارخانے، نجاری، ظروف سازی، سنگتراشی، سونے، چاندی کے سامان اور جست کے کارخانے بھی

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

شامل تھے۔ نیل کی کاشت یورپی نخل بند کے ہاتھ میں تھی اور جو شورہ پیدا ہوتا تھا کمپنی خرید لیتی تھی۔

یہاں کے رہنے والے بنگالیوں کی بہ نسبت منڈیوں میں خرید و فروخت کرنے کے کم عادی تھے۔ اور زیادہ تر دکانداروں اور تاجروں سے ہی معاملہ کرتے تھے۔ طلاء بالکل مفقود ہو گیا تھا۔ عام طور پر لین دین میں کلکتے کا کلدار روپیہ ہی زیادہ چلتا تھا۔ اور مختلف قسم کے تانبے کے سکے بھی رائج تھے۔" اس ضلع کے جنوب مغربی حصہ میں شاذ و نادر ہی کوئی سکہ نظر آتا ہے اور اکثر تجارتی کاروبار اشیاء کے مبادلے پر چلتے ہیں۔" اس ضلع میں دریا کی راہ سے سامان تجارت کی آمد و رفت کچھ زیادہ نہ تھی۔ مونگیر سے کلکتہ کو ۳۰۰ میل ۱۰۰۰ من (۸۰۰۰۰ پونڈ) لیجانیکا کرایہ کشتی ۱۰ سے ۱۴ روپے یعنے ۲۰ سے ۲۸ شلنگ ہوتا تھا۔ ملک کی اندرونی تجارت کے زیادہ حصہ کی حمل و نقل بیلوں یا چھکڑوں پر ہوتی تھی ایک ہی اہم شاہراہ اس ضلع سے ہو کر گزرتی تھی جو کلکتہ سے پٹنہ اور بنارس کو جاتی تھی، لیکن بارش کے موسم میں باربرداری کے بیلوں کے لئے بھی یہ ناقابل گزر تھی۔ بلکہ یہ بیوپاری یعنے وہ تاجر جن کے پاس لدو بیل ہوتے تھے بے شمار تھے۔ سیاح اور مسافر عام طور پر پیدل ہی سفر کرتے تھے اور راتیں مودیوں یعنے حلوائیوں کی دکانوں میں پیسہ دو پیسے دیکر کچھ وہیں پکوا بھی لیتے تھے۔ اور رات بھی گزار دیتے تھے مگر کھانے کے سامان کی قیمت الگ ادا کرنی پڑتی تھی۔ مسلمان مسافر حجرے اور پکوان کے لئے اس کا دو چند دیتے تھے کیونکہ وہ بھٹیاروں سے خاص خاص کھانے پکواتے تھے۔

ضلع گورکھپور

(رقبہ ۷۴۲۳ مربع میل۔ آبادی ۱۳۸۵۴۹۵ النفوس)

اگرچہ چند قطعات میں دھان کی کاشت نہیں ہوتی تھی تاہم بحیثیت مجموعی

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

دھان کی فصل نہایت ہی اہم تھی۔ اور وہاں ہوتی تھی جہاں اراضی کو ذرائع آبپاشی مہیا کرکے پانی پہنچانے کی ضرورت نہ تھی گیہوں کی فصل بھی بہت اہم تھی۔ اور اس ضلع کے اکثر اقطاع میں گیہوں کی مقدار چاول سے زیادہ ہوتی تھی۔ گیہوں اور جو کو تقریباً عام طور پر مخلوط کرکے کام میں لایا جاتا تھا۔ گیہوں کو تلوں میں بھی ملاکر بوتے تھے اور جو کو مٹر میں۔

پھلیوں میں، ارہر، چنا، ماش، مسور، بھرنگی اور مٹر عام طور پر ہوتے تھے۔ طرح طرح کی جڑی بوٹیاں اور پودے بھی ہوتے تھے، جن کا آٹا وغیرہ پکانے کے کام میں لایا جاتا تھا۔ تسی، تل اور رائی کی کاشت تیل کے لئے ہوتی تھی۔ کپاس، کی بہت تھوڑی کاشت تھی۔ کھجور کے درخت اور مہوہ میٹھے رس کے لئے بوئے جاتے تھے اور ۶۰۰ ایکڑ زمین میں گنے کی کاشت ہوتی تھی۔ تمباکو، اور پان، بھی زیادہ بوئے جاتے تھے۔ مگر کمپنی نے خشخاش، کے کاشت کی ممانعت کر دی تھی۔

دریاؤں، نہروں، تالابوں اور دلدل کا پانی ایک خاص طرح سے ٹوکروں میں رسی باندھکر جھولا دینے سے کھیتوں میں پہنچایا جاتا تھا اور اسطرح دس آدمی روزانہ تین سے پانچہزار مربع فٹ رقبے کو سیراب کرسکتے تھے بعض کھیتوں میں ڈولوں سے باؤلیوں کا پانی دیا جاتا تھا۔ اور یہہ عمل مویشیوں کے ذریعہ سے ہوتا تھا۔ لگان کا زیادہ حصہ تو زر نقد میں ادا ہوتا تھا اگرچہ بعض مقامات میں تقسیم فصل کی شکل میں بھی اس کی ادائی کیجاتی تھی اور جہاں یہہ موخر الذکر نظام رائج تھا وہاں زمیندار کو ہل چلانے، بونے اور کاٹنے کے مصارف اور دیگر اخراجات منہا کرنیکے بعد فصل کا ایک ربع حصہ ملتا تھا۔

گورکھپور کا شمار ان اضلاع میں تھا جو پیشتر شجاع الدولہ نواب اودھ کے عہد حکومت میں خوب شاداب تھے مگر جب سے آصف الدولہ کے عہد میں کرنل ہینی، کے نام اس حق مالگزاری منتقل ہوا تھا ایک طرف استحصال ناجائز اور دوسری طرف فتنہ و فساد سے یہاں کی رعایا کو سخت نقصان

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

پہنچا تھا اور مقام غیر آباد سا ہو گیا تھا۔ پھر، مارکوئیس ولزلی، کے انتظامات میں یہہ ضلع بھی ۱۸۰۱ء میں کمپنی کے تفویض کر دیا گیا۔ ہم نے یہہ سب واقعات پچھلے ابواب میں بیان کر دیئے ہیں اور اس کا بھی اظہار کر دیا ہے کہ ۱۸۰۳ء اور ۱۸۰۵ء میں لارڈ ویلزلی، نے ممالک مفوضہ و مفتوحہ میں دوامی بند و بست کر دینے کا حتمی وعدہ تو کر لیا تھا مگر اس کو کبھی ایفا ہی نہیں کیا۔ گورکھپور بھی انہی اضلاع مفوضہ کا ایک ضلع تھا جسکی تفویض سے قریب دس سال کے بعد ڈاکٹر بکانن وہاں آیا ہے۔ اس لئے ڈاکٹر بکانن نے اس ضلع کے اُس وقت کے جو حالات لکھے ہیں اُن کا پڑھنا دلچسپی سے خالی نہیں۔

"درحقیقت کہا یہہ جاتا ہے کہ شجاع الدولہ کے عہد حکومت میں موجودہ حالت سے اس ضلع کی حالت کہیں اچھی تھی مگر کرنل ہینی کو مالگزاری کی مستاجری ملنے سے اس نے جمع کے ایسے ظالمانہ طریقے اختیار کئے کہ سارا ملک بے چراغ ہو گیا اور جہاں اس وقت جنگل اور افتادہ زمین کے سوا کچھ ہے ہی نہیں، وہاں بھی میں یقیناً سابقہ کاشت کے آثار پاتا ہوں۔ جب یہہ ضلع انگریزوں کے تفویض ہوا ہے اسوقت میجر رڈلج، اس کے انتظام پر مقرر ہوا تھا اور اس نے بہت مستعدی اور احتیاط و عاقبت بینی سے کام کیا۔ ہمارے شہرہ آفاق حُسن انتظام کے برتے پر اس نے سارے قلعے فی الفور مسمار کر دئے اور اس طرح قانون کا ایک ناقابل مزاحمت، اقتدار قایم کر دیا جس سے ادنی طبقوں کی حفاظت جان و مال ایسی ہونے لگی کہ پہلے کبھی نہیں ہوئی تھی۔ جگہہ جگہہ سے خوش باش یہاں کھنچ آئے۔ ابتدا میں میجر رڈلج کے مطالبات اعتدال پر مبنی تھے۔ لیکن بڑی غلطی یہہ ہوئی کہ بند و بست کی میعاد اس نے بہت ہی کم رکھی۔" میں یہہ ضرور کہونگا کہ بہ حیثیت مجموعی اس ضلع کے زمینداروں کے ساتھ ابتک نہایت سختی کا برتاؤ ظاہر ہوتا ہے جہاں کہیں تمام اراضی زیر قبضہ ہے جیسا کہ دریائے گھگرا کے داہنی طرف کی ساری زمین ہے وہاں بھی

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

بنگالہ، بہار اور بنارس، کی طرح دوامی بندوبست کر دینے کی میں رائے دونگا۔"

یہاں بھی ہم دیکھتے ہیں کہ وہی پرانا قصہ دُہرایا گیا ہے، جہاں جہاں کمپنی کا راج پھیلا فتنہ و فساد کی جگہ امن و امان نے لی اور انتشار و ابتری کی بجائے قانون کا تسلط ہوا۔ لیکن اراضی پر سنگین محصول تھا جسمیں وقتاً فوقتاً اضافہ بھی ہوتا رہتا تھا اور شمالی ہند پر کئی قرون تک محصول دار کاریوں ہاتھ پھیرتے رہنا بمقابل سابقہ زمانہ کی حملہ آوری اور قزاقوں کی گاہے ماہے کی غارتگری کہیں زیادہ نقصان رساں تھا۔ ۵۶۰۰۰ عورتیں سوت کاتا کرتی تھیں اور ڈھائی روپے یا ۵ شلنگ ہر عورت کی سالانہ آمدنی ہوتی تھی۔ یہاں جولاہوں کے ۴۴۳۵ خاندان رہتے تھے جن کے پاس ۶۱۱۴ کارگے تھے اور فی کارگہ ۲۳½ روپے یا ۴۷ شلنگ سالانہ آمدنی ہوتی تھی۔ ڈاکٹر بکانن کا خیال تھا کہ یہ تخمینہ حقیقی مقدار سے کم تھا اور در اصل فی کارگہ ۳۶ روپے یا ۷۲ شلنگ سالانہ آمدنی تھی چھینٹ نواب گنج میں بنتی تھی اور مقامی استعمال کے لئے کمبل بھی بنے جاتے تھے۔

یہاں کے بڑھئی لوہے کا سامان، دروازے، دریچے، چھکڑے گاڑیاں، زرعی آلات، میانے، صندوق اور بعض وقت کشتیاں بھی بناتے تھے۔ ہر سال ۲۰۰ سے ۴۰۰ کی تعداد میں کشتیاں بنائی جاتی تھیں۔ کانسیا کار، کانسی کے ظروف بناتے تھے۔ چھ آدمی تین مہینوں میں ۲۴۰ روپے کا سامان بنا لیتے تھے جس میں سے ۵۶ روپے منافع ان کو بچتا تھا۔ اسکے یہ معنے ہوئے کہ فی کس ۳ روپے (۶ شلنگ) سے کسی قدر زیادہ ماہانہ کمائی ہوتی تھی۔ کئی قسم کے پیتلی زیورات اور زیبائش کی چیزیں بھی یہاں بنتی تھیں۔ شکر، اور نمک دیہات میں بنتے تھے۔

نواب اودھ کے پاس جو سلطنت باقی رہ گئی تھی وہاں سے بہت سا غلہ یہاں آتا تھا۔ نیز اسی متصلہ علاقہ سے جو نیپال کے قبضہ میں تھا شکر، اور

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

تمباکو کی درآمد، ضلع سارن اور دوسرے مقامات سے ہوتی تھی، ہاتھی اور تانبے کے ظروف، نیپال سے آتے تھے۔ کانسے کے اشیاء اور پیتلی سامان پٹنہ سے۔

تجارتی سامان کی حمل و نقل مقررہ تاجروں کے ذریعہ سے ہوتی تھی یا ان تاجروں کے ذریعہ سے جن کے پاس باربرداری کے بیل ہوتے تھے یا ان ستاجروں کے ذریعہ سے جن کے پاس چھکڑے یا بیلوں کی گاڑیاں تھیں۔ کپڑا یا دبزاز کپڑے درآمد کرتے تھے۔ بنجارے، بیوپاری نمک لاتے تھے اور نونیا، بیوپاری اس کی خردہ فروشی کرتے تھے، بنیئے غلہ و اجناس کی خردہ فروشی کرتے تھے۔ روئی کا بیوپار کرنے والے روئی درآمد کرتے تھے۔ اور مہاجن کاشتکاروں کو لگان کی ادائی کیلئے اور زمینداروں کو سرکاری مالگزاری ادا کرنے کے لئے روپیہ قرض دیتے تھے۔

یہاں بھی شاہ آباد، لکھنؤ اور بنارس، کی طرح ہر ہفتہ منڈی لگتی تھی۔ عام طور پر روپیہ رائج تو تھا مگر کلکتہ کا روپیہ شاذ و نادر ہی دکھائی دیتا تھا۔ تانبے کے مقامی سکوں کا مسکوک ہونا بند ہو گیا تھا۔ نیپال کے تانبے کے سکے ہی عام طور پر رائج تھے اور کوڑیاں بھی زر کی طرح چلتی تھیں۔

گورکھپور کے کسی سادھو نے اپنے ہم شہریوں کی رفاہ کے لئے چند بہت خوشنما پل تعمیر کروائے تھے۔ اور چار سدابرت گورکھپور میں دو بیواپور میں، ایک لال گنج، اور ایک گھار، میں تھا۔

ضلع دیناجپور

(رقبہ ۵۳۷۴ مربع میل، آبادی ...... ۳۰ نفوس)

دھان اس ضلع کی سب سے اہم فصل تھی اور بعض اراضی میں دو فصلیں ہوتی تھیں۔ ایک خریف دوسری ربیع۔ ایک تیسری قسم،

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

بورو، کہلاتی تھی جس کی کاشت کم مقدار میں کی جاتی تھی۔ اور یہ بھی ربیع کی فصل تھی۔

مرتفع زمینوں کو جن میں خریف کے دھان اُگتے تھے کچھ کھاد بھی دی جاتی تھی اور ان میں ربیع کی فصل بھی مثلاً، رائی، ہوتی تھی۔ نشیبی زمینوں کو جہاں ربیع کے دھان ہوتے تھے، کھاد کی ضرورت ہی نہ تھی اور ان میں صرف ایک ہی فصل ہوتی تھی۔ عورتیں چھ فیٹ لانبے موسل سے جو دھنکی کہلاتا تھا چاول چھڑتی تھیں اور ۴۰ سیر دھان میں ۲۸ سیر سے کچھ زیادہ چاول نکلتے تھے۔

گیہوں اور جو کی فصل، دیناجپور میں قلیل المقدار ہوتی تھی اور مسٹر داکم زرخیز زمینوں میں بویا جاتا تھا۔ پھلیوں میں، کلائی، کیسری اور مسور، عام طور پر ہوتی تھی "فیلڈ پی" (Field pea) سب سے زیادہ عام اِل تھی۔ رائی اور السی تیل کے لئے بوئی جاتی تھی۔

تقریباً ۲۷۰۰۰ ایکر نخلستان پھیلا ہوا تھا جس میں آم، کھجور، املی وغیرہ کے درخت تھے اور ۸۳۰۰۰ ایکر سبزی ترکاری کیلئے مخصوص تھے۔ کرپاس ۱۳۰۰۰ ایکر زمین میں ہوتا تھا، اور کپاس ۸۰۰۰ ایکر میں۔ ۵۰۰۰ ایکر سن کے لئے مخصوص تھے اور ۸۰۰۰ ایکر گنے کے لئے۔ ۵۰۰۰ ایکر زمین میں تمباکو ہوتا تھا اور ۲۰۰ ایکر میں پان کی کاشت تھی۔

نیل اور کسم کی کاشت رنگ کے لئے کیجاتی تھی اور اول الذکر ۵۰۰۰ ایکر میں ہوتا تھا۔ ڈاکٹر بکانن کے زمانہ میں جو دستور تھا وہی اب بھی بنگالہ کے بعض اقطاع میں رائج ہے۔ پوربی نخلبند نے ہر کاشتکار پر یہ لازم کیا تھا کہ وہ اپنی زمین کے کچھ حصہ میں نیل کی بھی کاشت کرتا رہے۔

بہت اچھی تیرہ سو ایکر زمین میں جو سب کی سب دریائے مہانندا سے میل بھر کے اندر ہی اندر تھی اور جہاں آموں کے

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

درختوں کے علاوہ بڑ، اور پیپل کے شاندار جھنڈ بھی تھے شہتوت کے درخت ریشم کے کیڑوں کی پرورش کے لئے بوئے جاتے تھے کمپنی کا تجارتی رزیڈنٹ، کو یہ ابریشم کے بڑے حصے کیلئے پیشگی رقوم دیتا تھا عموماً کھیتوں کو ذرائع آبپاشی سے پانی پہنچایا جاتا تھا لیکن یہہ اس قدر عام نہ تھا جیسا کہ ہونا چاہیئے۔ اس ضلع میں مصنوعی تالاب بیشمار تھے؛ اور اکثر میں جھرنے بھی تھے۔ جن سے عموماً کافی مقدار میں پانی ان تالابوں میں آتا رہتا تھا۔ جب کبھی بارش نہیں ہوتی تھی تو ان تالابوں سے کام نکالا جاتا تھا۔

اس ضلع میں ۴۸۰۰۰ ہل تھے جس کے یہہ معنے ہوئے کہ ۹۶۰۰۰ ہل کے بیل اور گائیں بھی علاوہ ۳۳۶۰۰۰ گایوں کے جو نسل پیدا کرنے کے لئے تھیں وہاں ہونگی۔ رمنے کی آراضی میں ۲۶۱ مربع میل زیر آب زمین شامل تھی جن میں گھنی گھانس گرما میں خوب ہوتی تھی اور ۲۲۱ میل جنگل اور جھاڑیاں تقریباً ۲۰۰ میل بنجر زمین اور قریب قریب ۶۵۰ میل ایسی اراضی بھی جس میں کبھی کبھی کاشت بھی ہوتی تھی مگر جسکا چارخمس حصہ ہمیشہ افتادہ ہی رہتا تھا۔ مویشیوں کی چرائی کے لئے کچھ دینا نہیں پڑتا تھا۔ اور نہ مویشیوں کو کسی کھیت میں جانے سے جو زیر فصل نہ تھا کبھی روکا نہ جاتا تھا۔

یہاں ۵۵ ایکڑ کی پٹی بڑی سمجھی جاتی تھی ۱۵ سے ۲۰ ایکڑ کی بس ٹھیک تھی اور آبادی کا بڑا حصہ غریب کاشتکار اور ان کے اہل و عیال ہی تھے۔ جن کی پٹی ۵ سے ۱۰ ایکڑ کی ہوتی تھی۔ کاشت کے مصارف پیداوار کے آدھے سے زیادہ نہیں ہوتے تھے۔ اور لگان ایک چوتھائی پیداوار سے بڑھکر نہ تھا جس کی ادائی ہمیشہ زر نقد میں ہوتی تھی ضلع کے اکثر مقامات میں کاشتکاروں کو دوامی پٹے عطا ہوئے تھے اور بعض میں "اگر کھیت پر دس سال سے کسی کا قبضہ رہا تھا، تو لگان کی معمولی شرح پر قابض زمین دوامی قبضہ کا دعویدار تھا۔"

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

سوت کاتنا یہاں کی اہم حرفت میں داخل تھا۔ "سب شریف زادیاں اور اکثر زمینداروں کی بیویاں" اپنی فرصت کا وقت اسی مشغلے میں گزارتی تھیں۔ سہ پہر میں سوت کات کر ہر عورت سالانہ ۳ روپے یا ۶ شلنگ کی آمدنی پیدا کر لیتی تھی۔ اس ضلع کی سب کاتنے والی عورتیں روئی خریدتی تھیں جس کی جملہ قیمت ۲۵۰۰۰۰ روپے ہوتی تھی اور اس سے جو دھاگا بنتا تھا اس کی قیمت ۱۱۶۵۰۰۰ روپے ہوتی تھی اسطرح ان عورتوں کو ۹۱۵۰۰۰ روپے یا ۱۰۰۰۰۰ پونڈ کے لگ بھگ منافع ملتا تھا۔

پارچہ مالدائی میں جو مالدا میں بننے کی وجہ سے مالدائی کہلاتا تھا۔ تانا ریشم کا اور بانا سوت کا ہوتا تھا۔ چار ہزار کارگے پر اسی پارچہ کا کام ہوتا تھا اور کہا جاتا ہے کہ فی کارگہ ماہانہ بیس روپیہ کا کپڑا بناتا تھا مگر اس تخمینہ کو ڈاکٹر بکانن حقیقت حال سے زیادہ سمجھتا ہے۔ ۸۰ کارگوں پر الاچے کے بڑے بڑے تھان بھی بنے جاتے تھے جن کے لئے کمپنی کے گماشتے پیشگی رقوم دیتے تھے۔

خالص ریشم کا پارچہ بننا مالدا کی نواح ہی تک محدود تھا، اور تقریباً ۵۰۰ پارچہ بافوں کے گھر اس کے لئے مخصوص تھے۔ تمام پارچے کی قیمت ۱۲۰۰۰۰ روپے ۱۲۰۰۰ پونڈ ہوتی تھی۔

خالص سوت کا کپڑا بنانا اس سے بھی زیادہ اہم تھا اور اس ضلع میں جو سوتی کپڑا بنتا تھا اس کی جملہ قیمت ۱۶۷۴۰۰۰ روپے یا ۱۶۷۴۰۰ پونڈ تھی۔

ادنیٰ ذات کے ہندو مثلاً، کوچ، پولیا اور راج بنسی اپنے پہننے کیلئے ٹاٹ بنتے تھے۔ اکثر خاندانوں میں کارگے موجود تھے۔ اور اکثر عورتیں سہ پہر میں بننے کا کام کرتی تھیں

مالدا کی مسلمان عورتیں سوتی کپڑوں پر چکن سازی اور کشیدہ کاڑھنے میں بہت مصروف رہتی تھیں۔ کشیدہ میں بیل بوٹے ہوتے تھے اور چکن میں پھول بند کی۔ بعض مسلمان عورتیں ریشمی کمر بند، لچھے اور ریوپنچیاں بناتی تھیں۔

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri
CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

بُننے کی حرفت سے انگریزی کی اہم صرفت بھی متعلق تھی۔ نیل، لاکھ، کُسم اور، ہلدی، مکئی، ہو اٹیو کی، سو جتنا، اور اقسام کے پھول انگریزی کا مصالح تھے۔ دوسری اہم صنعتیں، معماری، ظروف سازی، چٹائیاں اور پونچیاں بنانا، چرمی سامان، نجاری، راج گیری۔ تانبے، ٹین اور لوہے کا سامان بنانا۔ شکر سازی، اور نیل کی رنگ سازی تھی۔ یورپی نخلبند کے خلاف جو شکایتیں پیدا ہو گئی تھیں ان کا باعث یہی رنگ سازی تھی اور ڈاکٹر لگانن نے ان لوگوں کی نامقبولیت کے اسباب کو آٹھ عنوانوں کے تحت ترتیب دیا ہے۔ اول یہہ کہ نخلبند کسانوں کو "اپنا غلام سمجھتا تھا اور جب کبھی اُن سے ناراض ہو جاتا تھا تو اُن کو زد و کوب کرتا تھا اور انھیں محبوس بھی کر دیتا تھا" دوسرے یہہ کہ زمین اور چھلی ہوئی گھانس پات کی تول میں کسانوں کو دھوکا دیا جاتا تھا" یہہ کہ سارے کھیت کی پیداوار لگان سے زیادہ نہیں ہوتی تھی۔ چوتھے یہہ کہ نخلبند نہایت سرکش و مغرور اور تُند مزاج و ظالم ہوتے تھے" پانچویں یہہ کہ وہ لگان جمع کرنے میں رُکاوٹ ڈالتے تھے۔ چھٹے یہہ کہ نخلبند حکمران طبقے سے تعلق رکھتے تھے" ساتویں یہہ کہ وہ زمینداروں کے استحصال ناجائز کے مزاحم تھے اور آٹھویں یہہ کہ وہ کاشتکاروں کو ڈرا دھمکا کر کاشت سے روکتے تھے۔

ڈاکٹر لگانن کا خیال تھا کہ اگرچہ ان شکایتوں میں اکثر بہت کچھ مبالغہ ہوتا تھا مگر یہہ شکایتیں بے بنیاد نہ تھیں۔ اس کی یہہ رائے تھی کہ "جدید اجازت ناجات کے دینے سے بالکل انکار کرنا اور ایسے اشخاص کو جو کمپنی کے پاس اپنے کردار و افعال کے ذمہ دار نہیں ہیں۔ صرف بڑے بڑے شہروں اور بندرگاہوں میں سکونت اختیار کرنے پر مجبور کرنا بے انتہا مفید ثابت ہوگا" اس روز افزوں خرابی کے انسداد کے لئے کمپنی کی حکومت نے کیا کارروائی کی، وہ اس کے بعد کے باب میں بیان کیجائیگی۔

اس ضلع کی تجارت کا بیشتر حصہ دیسی تاجروں کے قبضے سے نکلکر کمپنی کے ہاتھ میں چلا گیا ہے۔ اور اس ضلع میں اب بڑے بڑے

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

سوداگر رہے ہی نہیں " البتہ ایک خاندان نے سوداگری کرکے بڑی دولت کمائی تھی اور وہ "بیدیا ناتھ" کا خاندان ہے۔ بیدیا ناتھ منڈل کے آباؤ اجداد نو پشت تک نہایت شائستگی اور نیک نامی کے ساتھ دور دور تک تجارت کرتے رہے تھے۔ موجودہ بزرگ خاندان تجارت سے دست بردار ہو چکا ہے اس نے بہت سی زمینیں خرید لی ہیں اور لوگ جس قدر اسکے آباؤ اجداد کا احترام کرتے تھے اسی قدر اس سے نفرت کرتے ہیں!"

دو ہزار روپے سے پچیس ہزار روپے کے اصل دار چھوٹے چھوٹے تاجر، جن کو مہاجن کہا جاتا تھا اور اسی ضلع میں بود و باش رکھتے تھے، چاول شکر، گڑ، تیل اور تمباکو برآمد کرتے تھے۔ اور نمک، روئی اقسام کی دھات اور مصالح درآمد کرتے تھے۔ اس ضلع میں مقررہ دوکانوں کی تعداد ۲۰۰۰ سے کچھ کم ہی تھی، لیکن زیر سمائی ایک ہاٹ ہوتے تھے چھوٹے چھوٹے بیوپاری "پیکار" کہلاتے تھے۔ زر، نہایت ہی کم یاب ہوگیا تھا۔ کلکتہ کا کلدار روپیہ ہی عام طور پر رائج، تھا اور کوڑیاں بھی بہت زیادہ کام میں لائی جاتی تھیں۔

بارش کے موسم میں کشتیاں اکثر قصبات کو پہنچ سکتی تھیں لیکن اس زمانے میں نقل و حمل کا کاروبار کرنیوالے کم تھے اور تجارتی مال کے حمل و نقل کے قابل "سڑکیں بہت کم بلکہ تھی ہی نہیں" اس لئے ان مہینوں میں جبکہ بارش نہیں ہوتی تھی۔ مال بار برداری کے بیلوں پر لدکر ایک مقام سے دوسرے مقام کو جاتا تھا۔ کشتیوں پر ایک سو من (۸۰۰۰) پونڈ کلکتہ تک لیجانے کا کرایہ ۱۳ روپے یا، ۲۶ شلنگ ہوتا تھا۔ بیلوں کی گاڑیاں تجارتی مال بارہ میل آٹھ آنے سے کم کرائے میں لیجاتی تھیں۔

ضلع پورنیہ

(رقبہ ۴۳۴۰ مربع میل آبادی ۲۹۰۴۳۸ نفوس)

ربیع کا دھان، تابی کا دھان، اور خریف کا دھان اس ضلع کی اہم

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

فصلیں تھیں۔ ستر سیر دھان چھڑنے پر ابالنے کے بغیر چالیس سیر صاف چاول نکلتے تھے اور چھلکا الگ کرنے کے لئے اگر اناج کو ابالا جاتا تھا تو ۶۵ سیر دھان کے ۴۰ سیر صاف چاول ہوتے تھے"۔ یعنے موسل ہر جگہہ عورتیں چھڑنے کے لئے استعمال کرتی تھیں۔

دیناجپور، سے بڑھ کر یہاں گیہوں کھایا جاتا تھا۔ بغیر کسی سابقہ کاشت کے دریا کے کناروں پر جو بویا جاتا تھا اور غریب لوگ ہی کھاتے تھے"۔ مڑوایوں بھی اور بالخصوص دریائے کوسی کے مغربی کنارے کے مقامات پر بہت زیادہ مستعمل ہوتا تھا۔ جوار، جنیرا، اور اسی قسم کا اناج بھی یہاں پیدا ہوتا تھا۔

پھلیوں میں، ماش، کیسری، ارہر، بھٹ، کلتھی اور مونگ زیادہ مستعمل تھی۔ رائی، تسی، اور ارنڈی کی کاشت تیل کشید کرنے کیلئے کیجاتی تھی۔ اٹھائیس ہزار ایکر زمین میں سبزی ترکاری کی کاشت ہوتی تھی۔

سن، ریشے کی خاطر بویا جاتا تھا۔ کپاس کی کاشت بہت ہی محدود تھی۔ گنّے کی کاشت صرف دریائے گنگئی، کے کناروں پر ہی زیادہ تر ہوتی تھی اس ضلع میں جتنا تمباکو ہوتا تھا اس کی آدھی کاشت دارالحکومت کے نواح ہی میں تھی اور پان اگرچہ یہاں دیناجپور کے بہ نسبت کم کھائے جاتے تھے۔ لیکن یہہ بھی ایک اہم چیز ضرور تھا۔

اس ضلع کے جنوب مشرقی حصہ میں سترہ نیل کے کارخانے، مسٹر ایلرٹن کے زیر انتظام موجود تھے اور دوسرے اقطاع میں بھی کوئی پچاس کارخانے اور تھے۔ کسُم، یہاں بمقابل ان اضلاع کے جو اور زیادہ مشرقی جانب واقع تھے کسی قدر زیادہ اہمیت کی چیز تھی۔ ریشم کے کیڑوں کی پرورش کے لئے شہتوت کی کاشت اس ضلع کے جنوب مشرقی گوشے ہی تک محدود تھی۔

اس ضلع کے رسنے کی زمین میں ۲۲۳۴ مربع میل مرتفع افتادہ اراضی کے ۸۲۳ میل غیر مزروعہ زمین کے اور ۱۸۶ میل شکستہ کنج و زاویہ اور سڑکوں کے شامل تھے۔ اس کے علاوہ ۳۸۹ میل کے قریب قریب

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

لنتیسی زمین بھی تھی جو جھاڑی، بانس میں چھپی ہوئی تھی۔ ڈسمبر اور جنوری، میں جب خریف کی فصل ختم ہوتی تھی تو دھان کی کڑوی مویشیوں کے لئیے نہایت اہم چارہ، رہ جاتی تھی۔ اگر مورنگ کے صحرا و جنگل نہ ہوتے جو حکومت نیپال کی ملک تھے اور جہاں پانسو چھ سو مویشیوں کے گلوں کا مالک ان کی چرائی میں ایک چھٹر اگر کہا عہدہ دار کے نذر کرتا تھا تو یہاں کے مویشیوں کیلئے اس ضلع کے مرغزار مکتفی نہ ہوتے۔" اس ضلع کے بھی بعض اقطاع میں ہندو زمیندار بھی تھے جو اور سب باتوں میں مذہب کے نہایت پابند ہوتے تھے اتنی عقل تھی کہ وہ رمنے کی چرائی وصول کریں۔"

"مختلف حالات کے لحاظ سے لگان بھی مختلف ہوتا تھا لیکن واجبی مصارف کاشت میں آدھی پیداوار اور پٹہ دار کے منافع میں ما بقی پیداوار کا آدھا حصہ چھوڑ کر ہم اس بات کا اندازہ کر سکتے ہیں کہ کس حد تک زمیندار واجبی طور پر مطالبہ کر سکتا ہے۔ یہہ غالباً اُس سے بھی بڑھکر نکلے گا جو اُسکو اب ملتا ہے۔"

دوسرے الفاظ میں ڈاکٹر بکانن کا خیال تھا کہ پیداوار کا ایک ربع واجبی لگان ہو سکتا تھا لیکن، پورنیہ، اور بنگالے، کے دوسرے مقامات کے زمیندار اس سے بھی کم بطور لگان وصول کر رہے تھے اور یہہ خاص اس زمانے میں جبکہ کمپنی کی حکومت مدراس کے کاشتکاروں سے محصول اراضی کی شکل میں تقریباً آدھی پیداوار وصول کر رہی تھی۔

کسی ذات کے لئے بھی کاتنا بے عزتی کی بات نہ تھی اور اس ضلع کی عورتیں بہت بڑی تعداد میں اپنی فرصت کے وقت تھوڑا بہت کاتتی ضرور رہتیں۔ ان کے منافع کا تخمینہ کرنا ڈاکٹر بکانن کے لئے بہت ہی مشکل تھا لیکن اس کا قیاس یہہ ہے کہ جو سوت سال بھر میں یہہ عورتیں کام میں لاتی تھیں اسکی لاگت ......۳ روپے ہوتی تھی اور جو دھاگا کاتتی تھیں اس کی قیمت ......۱۳ روپے آتی تھی جس میں سے ان کو ......۱ روپیہ یا ......۱ پونڈ منافع ملتا تھا۔

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

خالص ریشمی پارچے ۲۰۰ کارگہ پر بُنے جاتے تھے۔ اور مال کی قیمت ۴۸۶۰۰ روپے ہوتی تھی جس میں سے ۳۴۲۰۰ روپے خام ریشم کی لاگت منہا کرنے کے بعد ۱۴۴۰۰ روپے منافع رہ جاتا تھا۔ اسطرح سالانہ فی کارگہ ۷۲ روپے یعنے ۱۴۴ شلنگ آمدنی ہوتی تھی۔

سُوت اور ریشم ملا کر کپڑا بُننے والے جولاہوں کی یہاں بھی وہی حیثیت تھی جو دیناجپور، میں تھی۔

سُوتی کپڑا بُننے والے جولاہے یہاں بے شمار تھے اور دیہات کے لئے موٹا موٹا کپڑا بُنتے تھے۔ تین ہزار پانسو کارگہ پر جن کے زیادہ باریک کپڑا بُننے کا کام لیا جاتا تھا ۵۰۶۰۰ روپے کی لاگت کا مال بنتا تھا اور ۱۴۹۰۰ روپے خالص منافع کے آتے تھے۔ یعنے فی کارگہ سالانہ (۸۶) شلنگ پڑتے تھے۔ دس ہزار کارگہ پر جن سے موٹا موٹا کپڑا بُننے کا کام نکلتا تھا ۱۰۸۹۵۰ روپے قیمت کا کپڑا بنتا تھا اور ۳۲۴۰۰ روپے خالص منافع ہوتا تھا یعنے فی کارگہ سالانہ ۶۵ شلنگ خالص منافع ہوتا تھا۔

دری باف اور نواڑ بُننے والے صرف پایۂ تخت ہی میں تھے۔ سَن، سے بہت موٹا موٹا کتان، بُنا جاتا تھا اور مشرقی سرحدی عورتیں کثیر تعداد میں اس کا لباس پہنتی تھیں۔ کمبل اور، اُون، کے کپڑے موٹے موٹے ہوتے تھے جو بارش اور موسم سرما میں غریبوں کے بہت کام آتے تھے۔

پورنیہ، کے دوسرے پیشہ ور طبقوں میں۔ سُنار، بڑھئی، بیدری اور دوسری دھاتوں کا سامان بنانے والے، لہار، اور رنگریز تھے شکر سازی بالکل انحطاط پذیر تھی۔ پانسو خاندان نمک سازی کرتے تھے۔

روئی، ہندوستان کے مغربی اقطاع سے اور شکر، دیناجپور اور پٹنہ سے درآمد ہوتی تھی۔ پورنیہ میں ساہوکاروں کی سات کوٹھیاں تھیں، یہ لوگ رقم لے کر ہنڈی دیتے بھی تھے۔ اور دوسرے کی ہنڈیاں بٹا دن لیکر بھناتے بھی تھے وہ اگر بڑی مقدار میں نقرہ و طلا کے

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

مبادلہ کی ضرورت ہوتی تھی تو صرف انہی کوٹھی والوں سے مل سکتا تھا۔ جگت سیٹھ کی کوٹھی سے فی الفور...... اروپے کا نقرہ یا طلاء نکل سکتا تھا لیکن دوسرے اس رقم کے آدھے سے زیادہ کی سربراہی نہیں کر سکتے تھے"۔ قدیم وضع کا روپیہ اسی طرح عام طور پر رائج تھا جس طرح کلکتہ کا کلدار روپیہ۔ "ایسے افلاس زدہ ملک میں طلائی سکہ مسکوک کرنا ادنیٰ طبقات کے لئے ایک بڑی آفت کا سامنا تھا۔ اور میری ناچیز رائے میں اس کو بالکل مسدود کر دینا چاہیئے۔ ایک روپیہ بھی اس ملک میں بڑی رقم ہے۔ ... خوش قسمتی سے طلاء تو اب مفقود ہے آیندہ اس کو قانوناً سکۂ رائج الوقت نہ بنانا چاہیئے اور نہ یوں طلاء کے دوبارہ رائج ہونے کا موقع دینا چاہیئے۔ اس ضلع کے اکثر حصوں میں نقروی سکے اور کوڑیاں ہی رائج ہیں اور مغربی اقطاع میں چند تانبے کے سکے بھی چلتے ہیں جن کو پیسہ کہا جاتا ہے اور جو روپیہ کا ۱/۶۴ حصہ ہوتا ہے۔ لیکن یہ بھی ایک ایسے ملک کے خردہ کے لئے بہت بڑا سکہ ہے۔ جہاں دو پیسے میں ایک نوکر مزے سے دن بھر کے لئے کھا پی سکتا ہے۔

اس ضلع میں آبی راہ سے آمد و رفت کے ذرائع خوب تھے اور "دیناجپور" سے زیادہ تعداد میں کشتیاں یہاں تھیں۔ سو من (۸۰۰۰) پونڈ اس ضلع سے کلکتہ لیجانے کا کرایہ ۱۴ روپے یعنے ۲۸ شلنگ ہوتا تھا۔ پایۂ تخت کے قریب چند سڑکیں اور رنپل کے چند کارخانے بنائے گئے تھے۔ ٹٹوؤں اور بیلوں سے باربرداری کا کام لیا جاتا تھا۔ دولتمند لوگ مسافروں کو اپنے پاس قیام کرنے دیتے تھے اور "موڈیوں" یعنے حلوائیوں کی دوکانیں سراؤں کا بھی کام دیتی تھیں، جہاں مسافروں کے رہنے سہنے اور کھانے پینے کا سب سامان ہو جاتا تھا۔

خلاصہ

ڈاکٹر بکانن کی کتابوں میں "رنگپور" اور "آسام" ان باقی دو اضلاع کا

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

بیان نامکمل ہے اور ان میں نہ تو زراعت کی کوئی تفصیل درج ہے نہ لگان کی اور نہ صنعت و حرفت یا تجارت کی۔ اس لئے ان اضلاع کا تذکرہ اس باب میں غیر ضروری ہے۔

ان چھ اضلاع کا رقبہ جن کا اوپر ذکر ہو چکا اسی نام کے موجودہ اضلاع سے کہیں زیادہ تھا۔ مجموعی طور پر ان کا رقبہ ۴۶۰۰۰ مربع میل اور آبادی ایک کروڑ چالیس لاکھ تھی۔ ان وسیع اور آباد اضلاع کے بیان سے ہماری آنکھوں کے نیچے، ایسٹ انڈیا کمپنی کے بنگالے اور شمالی ہند کے سارے مقبوضات کا ایک نقشہ پھر جاتا ہے۔ لوگ ہنوز نہایت ہی مفلس تھے۔ لیکن، وارن ہسٹنگز کے زمانے سے کاشت از سر نو ہو رہی تھی۔ اور ۱۷۹۳ء کے دوامی بندوبست کے بعد سے بہت سی افتادہ زمین زیر کاشت لے لی گئی تھی۔

اگرچہ زمیندار جس قدر زیادہ لگان مل سکے اس قدر لینے کے خواہاں ضرور تھے۔ لیکن جتنا کہ کمپنی کے عمال نے مدراس میں وصول کیا تھا، اس قدر انھوں نے کبھی وصول نہیں کیا۔ اور اسی وجہ سے یہہ کہا جاسکتا ہے کہ انھوں نے اس حد تک تو رعایا کے حقوق کی کسی قدر حفاظت کی۔ مستثنا صورتوں میں زمینداروں نے مصارف فصل کی منہائی کے بعد خالص پیداوار کے نصف حصہ کا مطالبہ تو کیا لیکن اس کے معاوضہ میں بمصارف خود ذرائع آبپاشی کا قایم رکھنا اپنے پر انھوں نے لازم کر لیا تھا۔ مگر بنگالہ میں عموماً پیداوار کے ایک ربع سے بھی کم بطور لگان زمینداروں کو ملتا تھا اور چونکہ سرکاری مالگزاری دواماً معین ہو چکی تھی اور اکثر مقامات میں حسب رواج لگان بھی، معین تھے۔ اس لئے جیسا جیسا زمانہ گزرتا گیا ویسا ویسا اصلاحات اور افتادہ زمین کو زیر کاشت لینے کی کچھ نہ کچھ وجہہ محرک پیدا ہوتی گئی۔

پھر بھی صنعت و حرفت وغیرہ کے انحطاط کے ساتھ ساتھ

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

لوگوں کے ذرائع آمدنی معرض خطر میں پڑ گئے۔ جہاں جہاں ڈاکٹر بکانن گیا ہے وہاں اکثر مقامات میں یہی مشکل محسوس کی جا رہی تھی جو آگے چل کر اور زیادہ شدید ہو گئی۔ اب ہم رعایا کی صنعت و حرفت بیان کرنے کی طرف پھر متوجہ ہوتے ہیں۔

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

چودھواں باب

صنعت و حرفت کا انحطاط (۱۷۹۳ء سے ۱۸۱۳ء)

پچھلے دو ابواب میں جن واقعات کو بیان کیا گیا ہے ان سے ظاہر ہوتا ہے کہ انیسویں صدی عیسوی کے قرون اولی تک بھی ہندوستانی آبادی کا ایک کثیر حصہ مختلف صنعتوں اور حرفتوں میں مشغول تھا۔ بننا بھی لوگوں کی قومی حرفت تھی۔ لکھو کھا عورتیں کام کر کے کچھ نہ کچھ پیدا کر لیتی تھیں جن سے انکے خاندان کی آمدنی میں اضافہ ہوتا تھا۔ انگریزی دباغت اور اقسام کی دھاتوں کا سامان بنانے میں لکھو کھا نفوس کام سے لگے ہوئے تھے۔

پھر بھی ہندوستانی صنعت و حرفت کو ترقی دینا ایسٹ انڈیا کمپنی کی حکمت عملی میں شامل نہیں تھا۔ کسی پچھلے باب میں یہہ بیان کیا گیا ہے کہ ۱۷۶۹ء ہی میں نظمائے کمپنی نے یہہ خواہش ظاہر کی تھی کہ بنگالے میں خام ریشم پیدا کرنے والوں کی حوصلہ افزائی کی جائے۔ اور ریشمی کپڑے تیار کرنے والوں کو نہ ابھرنے دیا جائے۔ نظمار نے یہہ بھی احکام دیے تھے کہ سب ریشم بٹنے والے کمپنی ہی کے کارخانوں میں کام کریں اور حکومت کے تحت اقتدار ہرجانے اور سزائیں مقرر کر کے ان کو

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

باہر کام کرنے کی ممانعت کر دی جائے۔ اس کا حسب دلخواہ نتیجہ نکلا۔ سوتی اور ریشمی مال کی صنعت ہندوستان میں انحطاط پذیر ہو گئی۔ اور وہی لوگ جو اس مال کو پچھلی صدیوں میں یورپ اور ایشیا کی منڈیوں کو بھیجا کرتے تھے، خود ہندوستان کو روز افزوں مقدار میں اس قسم کے مال کی درآمد کرنے لگے۔ ذیل کے اعداد صرف انہیں سوتی پارچہ جات کی قیمت بتانے میں جو انگلستان سے بیس سال کے اثنا میں "راس امید" کے مشرق میں جتنی بندرگاہیں تھیں وہاں اور زیادہ تر ہندوستان بھیجے گئے تھے۔

تاریخ ختم سال ۵ جنوری		تاریخ ختم سال ۵ جنوری	
سال	رقم پونڈ	سال	رقم پونڈ
۱۷۹۴	۱۵۶	۱۸۰۴	۵۹۳۶
۱۷۹۵	۷۱۷	۱۸۰۵	۳۱۹۴۳
۱۷۹۶	۱۱۲	۱۸۰۶	۴۸۵۲۵
۱۷۹۷	۲۵۰۱	۱۸۰۷	۴۶۵۴۹
۱۷۹۸	۴۴۳۶	۱۸۰۸	۶۹۸۴۱
۱۷۹۹	۷۳۱۷	۱۸۰۹	۱۱۸۴۰۸
۱۸۰۰	۱۹۵۷۵	۱۸۱۰	۷۴۶۹۵
۱۸۰۱	۲۱۲۰۰	۱۸۱۱	۱۱۴۶۴۹
۱۸۰۲	۱۶۱۹۱	۱۸۱۲	۱۰۷۳۰۶
۱۸۰۳	۲۷۸۷۶	۱۸۱۳	۱۰۸۸۲۴

کمپنی کے منشور کی ۱۸۱۳ء میں تجدید ہوئی اور اس تجدید سے قبل ایک تحقیقات ہوئی اور گواہوں کا بیان بھی لیا گیا۔

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

وارن ہسٹنگز، ٹامس منرو، اور سر جان میلکم، کے جیسے نہایت اہم گواہوں کا بیان قلمبند کیا گیا۔ اور دار العوام نے ہندوستانیوں کی رفاہ عام کے بارے میں بڑے تردد و فکر کا اظہار تو کیا لیکن ہندوستانی صنعتوں کے متعلق یہہ معلوم کرنے کی کوشش کی کہ کس طرح برطانوی صنعتیں دیسی کاریگری کی قایم مقام ہو سکتی ہیں اور کس طرح ہندوستانی صنعت و حرفت کو گرا کر برطانوی صنعت و حرفت کو فروغ دیا جا سکتا ہے۔

پچھلی نصف صدی میں ہندوستان متواتر خشک سالی کے مصائب اُٹھا چکا تھا اور جس سال یہہ شہادت قلمبند کی جا رہی تھی اس سال خود بمبئی میں قحط سے ویرانی پھیل رہی تھی۔ بنگالہ اور مدراس میں بھی صنعت و حرفت پر زوال آ گیا تھا۔ باایں ہمہ اس قدیم کتاب میں جس میں ساری شہادت مندرج ہے ہماری نظریں ذرائع دولت میں از سر نو جان ڈالنے والے اسباب کے متعلق جس سے قوم کی خوشحالی کی صورت پیدا ہو جائے سوالات ٹٹولتی ہیں مگر محض بے سود۔ برخلاف اس کے یہی ایک دائمی اور لامتناہی تجسس و تفحص ہماری آنکھوں میں کھٹکتا ہے کہ کس طرح برطانوی مال ہندوستانیوں کے گلے باندھا جائے۔

وارن ہسٹنگز سے استفسار کیا گیا کہ "ہندوستانیوں کے کردار و اطوار سے واقفیت کی بنا پر کیا آپ اس قیاس غالب کے متعلق کچھ کہہ سکتے ہیں کہ آیا ہندوستان کی آبادی خود اپنے استعمال کیلئے یورپی سامان کا مطالبہ کرے گی؟"

وارن ہسٹنگز نے اس کا یہہ جواب دیا کہ "تجارت کا مال لوگوں کی ضرورتوں یا عیش و عشرت کے سامان پر مشتمل ہوتا ہے۔ ہندوستان کے نادار لوگوں کے متعلق یہہ کہا جا سکتا ہے کہ اول تو ان کی کوئی ضرورتیں ہیں ہی نہیں اور جو کچھ بھی ہیں وہ ان کے مکانات، ان کے اشیائے خورونوش اور پہننے کے مختصر سے کپڑوں تک ہی محدود ہیں۔ اور یہہ سب ان کو اسی زمین سے مل جاتا ہے، جس پر وہ چلتے پھرتے ہیں!!"

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

سر جان میلکم، نے خاصی عمر ہندوستانیوں میں گزاری تھی اور اس کو ان لوگوں سے اتنی اچھی واقفیت تھی کہ اس کے بعد سے شاید ہی کسی انگریز کو ہوئی ہو۔ اسی بنا پر سر جان میلکم، نے ان کی بہت سی قومی خوبیوں کے متعلق گواہی دی۔ اور شمالی ہند کا ذکر کرتے ہوئے یہ کہا کہ، ہندو باشندے بھی انسان ہی ہیں اور یہ لوگ جو عموماً قد آور ہونے کی وجہ سے ہی ممتاز نہیں ...... بلکہ چند ذاتی خوبیوں کی وجہ سے بھی ممتاز ہیں۔ یہ لوگ، دلیر، فیاض اور حلیم الطبع ہوتے ہیں اور ان میں سچائی بھی اسی طرح نمایاں ہے جس طرح بہادری" اور اس سوال کا جواب دیتے ہوئے کہ آیا یہ لوگ برطانوی مال تجارت کے صارف بن گئے یا نہیں۔ سر جان میلکم، نے کہا کہ "یورپی سامان کے صارف بننے کی ان سے اس لئے توقع نہیں ہے کہ ان کی سادہ زندگی اور سادہ لباس کے باوجود اگر ایسے سامان کی ضرورت بھی ہو تو ان میں اس سامان کے خریدنے کی استطاعت نہیں ہے"۔

گریھم مرسر، جو بحیثیت طبیب ایسٹ انڈیا کمپنی کی ملازمت کے علاوہ مالگزاری، اور سیاسیات کے سر رشتہ جات میں بھی مختلف خدمتوں پر رہ چکا تھا ہندوستان کے لوگوں کے متعلق بیان کرتا ہے کہ یہ لوگ "حلیم الطبع، شائستہ اطوار، خانگی تعلقات میں، مہربان اور ملنسار، اولی الامر کے مطیع و فرماں بردار، اور اپنے مذہبی عقائد کے اور بالخصوص ان عقائد کے مطابق معینہ رسوم کی پابندی کے دلدادہ ہیں"۔ ہندوستان یورپی سامان کی ترویج کے بارے میں، گریھم مرسر، نے بیان کیا کہ لارڈ ویلزلی، نے روہیلکھنڈ میں میلے لگائے اور ان میلوں میں برطانوی اونی پارچہ جات کی نمائش کی، چنانچہ ہر دوار کے بڑے میلے میں بھی انگریزی رزیڈنٹ کو اسی غرض کے لئے بھیجکر ایسے مال کی منڈی لگانے کی کوشش کی تھی۔

لیکن سب سے اہم گواہ جس کی شہادت اس یادگار موقع پر

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

دارالعوام کی کمیٹی کے سامنے پیش ہوئی وہ ٹامس منرو، تھا۔ اور اسکی شہادت سے ہندوستان کے لوگوں کے ساتھ وہی ہمدردی ٹپکتی تھی اور اُن کی خوبیوں کی وہی قدر شناسی ظاہر ہوتی تھی جو اس خداداد قابلیت رکھنے والے باشندہ اسکاٹلینڈ کیلئے ہندوستانمیں اس کی بست و ہفت سالہ یعنے ۱۷۸۰ء سے ۱۸۰۷ء تک کارگزاری میں باعث امتیاز ہے۔

منرو، نے بیان کیا کہ ہندوستان میں ایک زرعی مزدور کی اوسط ماہانہ اجرت ۴ شلنگ اور ۶ شلنگ کے درمیان ہوتی تھی اسباب معیشت کی لاگت فی کس ۱۸ شلنگ اور ۲۷ شلنگ کے درمیان سالانہ تھی۔ برطانوی اُونی پارچہ جات کی فروخت میں توسیع کا اس لئے امکان نہ تھا کہ لوگ اپنے بنائے ہوئے موٹے موٹے اُونی کپڑے استعمال کرتے تھے۔ یہ لوگ بہت اچھے کاریگر تھے۔ اور ان کا انگریزی مال کے مثل مال بنانا قرین قیاس بھی تھا۔ اس استفسار پر کہ ہندو عورتیں اپنے شوہروں کی لونڈیوں کے برابر تو نہ تھیں منرو نے جواب دیا کہ "یہ عورتیں اپنے اپنے خاندانوں میں اتنا ہی اثر و اقتدار رکھتی ہیں جتنا کہ میرے خیال میں اس ملک میں (انگلستان) عورتوں کو حاصل ہے"! اور جب منرو، سے یہ پوچھا گیا کہ کیا ہندوؤں کا تمدن کھلی تجارت کے قیام سے ترقی پذیر نہ ہوگا تو اس نے وہ یادگار جواب دیا جس کا اکثر بطور داستان اعادہ کیا جاتا ہے اور یہاں بھی وہ قابل ذکر ہے" میری سمجھ میں نہیں آتا کہ ہندوؤں کے تمدن سے آپ کا کیا مطلب ہے۔ سائنس کے اعلیٰ شعبوں میں، عمدہ حکومت کے اصول و عمل سے واقفیت رکھنے میں، اور تعلیم کے حاصل کرنے میں جس کی بدولت تعصبات و توہمات دور ہو کر ہر ہر گوشے سے ہر قسم کی ہدایت پانے قابلیت پیدا ہو جاتی ہے۔ ان تمام اُمور میں ہندو، یورپی لوگوں سے بہت گرے ہوئے ہیں۔ لیکن اگر ایک اچھا زرعی نظام کاریگری میں بے مثل دستگاہ ہر طرح کے عیش و عشرت آرام و آسایش کا

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

سامان پیدا کرنے کی قابلیت، ہر قصبہ میں پڑھنا، لکھنا اور حساب سکھانے کیلئے مدارس کا قیام۔ آپس میں خیر و خیرات اور مہمان نوازی کا عام طریقہ عمل اور سب سے زیادہ عورتوں کے ساتھ نہایت ہی اعتماد و احترام اور ملائمت کا برتاؤ، اگر یہہ تمام باتیں متمدن اقوام کی نشانیاں اور آثار ہیں تو پھر ہند و یورپ کے اقوام سے گرے ہوئے نہیں ہیں۔ اور اگر تمدن بھی ان دو ملکوں کے درمیان ایک قسم کا سامان تجارت بن سکتا ہے تو مجھکو یقین کلّی ہے کہ تجارت کی درآمد اس ملک (یعنے انگلستان) کے لئے بڑی منفعت بخش ہوگی"۔

"منرو، کے دل پر اس کے زمانے کی کاریگری کی خوبی کا سکہ بیٹھ گیا تھا، ہندوستان میں برطانوی سامان تجارت کی وسیع پیمانہ پر فروخت ہونے کے اسباب جو منرو، نے بیان کیے ہیں، ان میں "دیسیوں کے مذہبی اور ملکی عادات اور دوسری تمام باتوں سے زیادہ خود ان کی کاریگری کی خوبی" بھی شامل تھی۔ منرو، نے ایک ہندوستانی، شال، سات سال تک استعمال کی تھی اور اتنی مدت کے استعمال کے بعد بھی اس میں کوئی تغیر اس نے نہیں پایا۔ برخلاف اس کے نقلی شالوں کے بارے میں جو انگلستان میں بنتی تھیں اس نے کہا ہے کہ "آج تک میں نے یورپ میں کوئی شال ایسی نہیں دیکھی جو مجھکو تحفتاً بھی مل جائے تو میں اس کو استعمال کرنے پر راضی ہو جاؤں"۔

ایک اور رگواہ کی شہادت قابل ذکر ہے یعنے، جان آسٹیر لیسی کی، جو ایسٹ انڈیا کمپنی کے سر رشتۂ عدالت میں اور محکمۂ بنگالہ میں سرکار کا نائب معتمد رہا ہے اس نے یہہ اظہار دیا کہ ہندوستانی مزدور ۳ شلنگ ۶ پنس سے لے کر ۷ شلنگ ۶ پنس تک ماہوار کماتا ہے پھر ایک ایسی قوم کیسے یورپی مال استعمال میں لاسکتی ہے۔ "میں یہہ نہیں جانتا کہ وہ یورپ کی کوئی چیز بھی معمولی طور پر اپنے استعمال میں لاتے ہیں، الّا کچھ پشمینے یا بانات کے جو ان کو اتفاقاً کہیں سستے داموں

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

مل جاتی ہے۔

اس طرح کے سوالات دار العوام کی کمیٹی کے مقاصد کو ٹھیک ٹھیک ظاہر کرتے تھے۔ خواہ کوئی نوع انسان کیوں نہ ہو یہہ فطرت انسانی کے خلاف ہے کہ اپنے اغراض کو دوسروں کے اغراض پر کوئی قربان کر دے برطانوی مدبرین نے بھی انیسویں صدی عیسوی کے ابتدائی سالوں میں صنعت و حرفت پر ہندوستان کی صنعت و حرفت کو قربان کر دینے کی حتی الامکان کوشش کی۔ کمپنی کے گورنر جنرل اور تجارتی رزیڈنٹ کے توسط سے برطانیہ کا ساختہ مال ہندوستان میں زبردستی رائج کیا گیا برخلاف اس کے ہندوستان کے صنائع پر امتناعی محصول لگا کر، انگلستان میں ان کی درآمد ہی بند کر دی۔ جان رینکنگ، نامی تاجر کی شہادت جو دار العوام کی کمیٹی میں پیش ہوئی تھی اس بات کی توضیح کرتی ہے۔

ایسٹ انڈیا ہوز، میں کپڑوں کے تھان فروخت ہوتے ہیں ان پر بحساب قیمت جو محصول لگایا جاتا ہے کیا آپ بیان کر سکتے ہیں کہ وہ کیا ہوتا ہے؟"

"کیلیکو"، ایک قسم کا کپڑا ہے جس کی درآمد پر ۳ پونڈ ۶ شلنگ ۸ پنس فیصد محصول ہے اور اگر وہ کپڑا ملک ہی میں استعمال کیا جائے تو اس پر ۶۸ پونڈ ۶ شلنگ ۸ پنس فی صد مزید محصول دینا پڑتا ہے"۔

"ایک اور قسم کا کپڑا ہوتا ہے جو ململ کہلاتا ہے اور جس کی درآمد پر ۱۰فی صد محصول، اور اگر یہہ ململ ملک ہی میں استعمال کی جائے تو اس پر ۲۷ پونڈ ۶ شلنگ ۸ پنس کا محصول ہوتا ہے"۔

"ایک تیسری قسم کا رنگین کپڑا ہوتا ہے جس کے استعمال کی اس ملک میں ممانعت ہے۔ اس کپڑے کی درآمد پر ۳ پونڈ ۶ شلنگ ۸ پنس محصول ہے اور یہہ محض غیر ممالک کو بھیجنے کے لئے درآمد کیا جاتا ہے"

"پارلیمنٹ کے اس اجلاس میں مجتمعہ محصول پر ۲۰ فی صد ایک نیا

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

محصول لگایا گیا ہے اس حساب سے کیلیکو پر . . . . جو ملک ہی میں استعمال میں لائی جاتی ہے ۸۷ پونڈ ۶ شلنگ ۸ پنس فی صد محصول ہوتا ہے اور ململ پر ۳۱ پونڈ ۶ شلنگ ۸ پنس "۔

ان امتناعی محصولات کے اصل مقصد کو پوشیدہ رکھنے کا کسی نے خیال تک نہیں کیا۔ آگے چلکر، جان رینکنگ، نامی گواہ نے تو کہدیا کہ "یہ خود ہمارے صنایع کو فروغ دینے کے لئے میری نظر و میں یہہ محصول تاپین ہے "۔

ہندوستان کے صنایع پر ان محاصل کا کیا نتیجہ مرتب ہوا؟ ہنری سینٹ جارج ٹکر، جس کا نام کسی پچھلے باب میں شمالی ہند کے بند و بست سے متعلق مذکور ہوا ہے، ہندوستان کے تجربہ سے پختہ کار ہو کر انگلستان جاتے ہی ایسٹ انڈیا کمپنی کا ناظم بن گیا تھا۔ اس نے ہندوستان پر انگلستان کی تاجرانہ حکمت عملی کا جو کچھ حسب منشا، اثر مرتب ہوا اس کو چھپا نہیں رکھا۔ ۱۸۲۳ء میں یعنے مذکورالصدر پارلیمنٹ کی تحقیقات کی تاریخ سے صرف دس سال ہی کے بعد دوران تحریر میں ٹکر نے اس حکمت عملی پر نہایت پر زور طریقہ سے اعتراضات کئے۔

"ہندوستان کے بارے میں وہ تجارتی حکمت عملی کیا ہے جو ہم نے اختیار کر لی ہے؟ ایک زمانے سے وہاں کے ساختہ ریشمی پارچہ جات اور ریشم اور سوت ملے ہوئے کپڑوں کے تھان کی ہماری منڈیوں میں آنے سے قطعی ممانعت کر دی گئی ہے، اور حال حال میں کچھ تو ۶۷ فی صد محصول کے نتیجۂ عمل سے، مگر زیادہ تر بہتر مشینوں کی برکت سے سوتی کپڑوں کی جگہہ جو اب تک ہندوستان کی اصل صنعت تھی نہ صرف اس ملک میں دوسری قسم کے کپڑوں نے لے لی ہے بلکہ ہمارے ایشیائی مقبوضات کی ضرورتوں کے ایک جزو کی سربراہی کے لئے خود ہمارے سوتی کپڑے وہاں برآمد کئے جاتے ہیں اسطرح ہندوستان کی صنعت تباہ ہو کر وہ محض ایک زرعی ملک رہگیا ہے۔

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

اس سے زیادہ پر زور اور غیر جانبدارانہ فیصلہ ہندوستان کے مورخ ایچ، ایچ ولسن کا ہے۔

"وہ ہندوستان کے ساتھ ایک ایسے ملک کی ناانصافی کی یہہ ایک ناشاد مثال ہے جس کا ہندوستان وابستہ اور زیر نگیں تھا ۔ ۱۸۱۳ء کی شہادت میں یہہ بیان کیا گیا تھا کہ اس زمانہ تک ہندوستان کے ریشمی سوتی پارچہ جات کی قیمت خود انگلستان میں بنے ہوئے پارچہ جات سے ۵۰ سے ۶۰ فی صد برطانوی منڈیوں میں کم ہونے کے باوجود بھی یہہ کپڑے منافع پر بکتے تھے اسی لئے ہندوستانی پارچہ جات کی قیمت پر ۷۰ اور ۸۰ فی صد محصول لگا کر یا اُن کی قطعی ممانعت سے انگلستان کے پارچہ جات کی تامین ضروری تھی ۔ اگر یہہ صورت حال نہ ہوتی اور اس طرح کے امتناعی محصول اور احکام موجود نہ ہوتے تو، پیزلی، اور مانچسٹر کی کرنیان آغاز ہی میں بند ہو جاتیں اور بھانپ کی قوت سے بھی بمشکل دوبارہ حرکت میں آتیں ۔ ان کرنیوں پر ہندوستان کی صنائع بھینٹ چڑھائی گئی تھیں، اگر ہندوستان خود مختار ہوتا تو وہ بھی ترکی بہ ترکی جواب دیتا ۔ برطانوی مال پر بھی امتناعی محصول لگاتا اور اس طرح اپنی پیداوار صنعت کو فنا ہونے سے محفوظ رکھتا ۔ اپنے بچاؤ کی ہندوستان کو اجازت نہیں دی گئی، اور وہ اجنبیوں کے رحم وکرم کا محتاج تھا ۔ برطانوی مال بلا ادائے محصول ہندوستان کے گلے باندھا گیا اور صنائع کے پردیسی مالکوں نے سیاسی ناانصافی کے زور بازو سے ایک ایسے مقابلہ کو فرو کرنے اور آخر کار اس کا گلا گھونٹ دینے کا انتظام کیا جس سے وہ مساوی شرائط پر ہمسری نہیں کر سکتے تھے"۔

ہندوستانی صنائع کی دل شکنی کے لئے انگلستان میں تو یہہ حکمت عملی اختیار کی گئی تھی مگر جس نظام کو ہندوستان میں اختیار کیا گیا تھا اس میں بھی ہندوستان کی صنائع کو فروغ پر

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

پہنچانے کا مادہ نہ تھا۔ ملک کے سارے محاصل کو کمپنی نے منافع پر لگا دیا گیا تھا یعنے ہندوستان کو بلا کسی تجارتی فائدہ پہنچانے کے اس رقم سے ہندوستان کا مال یورپ کو برآمد اور فروخت کرنے کے لئے خریدا جاتا تھا۔ ملک کا محاصل کس قدر اس کام میں لگایا گیا تھا وہ ذیل کی فہرست سے معلوم ہوتا ہے :-

سال	شغل اصل کی اصلی لاگت ہندوستانیں پونڈ
۱۷۹۴-۱۷۹۳	۱۲۲۰۱۰۶
۱۷۹۵-۱۷۹۴	۱۲۸۸۰۵۹
۱۷۹۶-۱۷۹۵	۱۸۲۱۵۱۲
۱۷۹۷-۱۷۹۶	۱۷۰۸۳۷۹
۱۷۹۸-۱۷۹۷	۱۰۲۵۲۰۴
۱۷۹۹-۱۷۹۸	۲۰۱۹۲۶۵
۱۸۰۰-۱۷۹۹	۱۶۶۵۶۸۹
۱۸۰۱-۱۸۰۰	۲۰۱۳۹۷۵
۱۸۰۲-۱۸۰۱	۱۴۲۵۱۶۸
۱۸۰۳-۱۸۰۲	۱۱۳۳۵۲۶
۱۸۰۴-۱۸۰۳	۱۱۸۷۰۷
۱۸۰۵-۱۸۰۴	۱۰۸۸۷۰۰
۱۸۰۶-۱۸۰۵	۱۳۳۵۴۶۰
۱۸۰۷-۱۸۰۶	۹۸۶۳۱۰
۱۸۰۸-۱۸۰۷	۸۸۷۱۱۹
۱۸۰۹-۱۸۰۸	۱۰۱۳۷۴۰
۱۸۱۰-۱۸۰۹	۱۲۴۰۳۱۵
۱۸۱۱-۱۸۱۰	۹۶۳۴۲۹
۱۸۱۲-۱۸۱۱	۱۱۱۰۹۰۹
میزان نوزدہ سالہ،	۲۵۱۳۴۶۷۲
اوسط سالانہ،	۱۳۲۲۸۷۷

رقم کو منافع پر اس طرح لگانے کا طریقہ یہہ تھا کہ نظمائے کمپنی کیجانب سے مقدار مال کے متعلق اطلاع ملنے پر ہندوستان کی مجلس تجارت اس فرمائش کی نقل جہاں جہاں بنتا تھا ان سب کارخانوں کو بھیجدیتی تھی۔ ان

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

کارخانوں میں تجارتی رزیڈنٹ ہوتے تھے جو اس فرمائش کو اپنے سب زیر دست کارخانوں میں تقسیم کر دیتے تھے اور جولاہوں کو ایک معینہ روز پیشگی رقم حاصل کرنے کے لئے حاضر رہنے کا حکم دیتے تھے۔ ہر جولاہا پیشگی رقم کی حد تک کمپنی کا دین دار اور جس قدر سامان وہ لاکر پہنچا دیتا تھا اس حد تک کمپنی کا لین دار متصور ہوتا تھا اگر جولاہوں کو نرخ پر اعتراض پیدا ہوتا تھا تو مجلس تجارت ہی اپنی صوابدید پر اس کا فیصلہ کرتی تھی۔

اس نظام میں کیا کیا زیادتیاں کی جاتی تھیں وہ سب ۱۸۱۳ء میں دار العوام کی کمیٹی کے سامنے متعدد گواہوں کی جو شہادت پیش ہوئی تھی۔ اس سے ظاہر ہوتی ہیں۔ ٹامس منرو، نے اظہار دیا تھا کہ بڑے محل میں عمال کمپنی نے صدر جولاہوں کو جمع کر کے ان سے صرف کمپنی ہی کے لئے مال بنانے کا قرار داد لینے تک ان سب کو زیر حراست رکھا تھا ایک مرتبہ بھی کسی جولاہے نے اگر پیشگی رقم یوں قبول کر لی تو پھر شاذ و نادر ہی وہ اپنی ذمہ داری سے سبکدوش ہو سکتا تھا۔ اگر اس نے مال لاکر پہنچانے میں تعویق کی تو کام میں عجلت کرنے کیلئے نگرانی پر ایک چپراسی مقرر کر دیا جاتا تھا۔ کسی عدالت میں بھی اس پر نالش کیجا سکتی تھی۔ چپراسی کا بھیجنا گویا جولاہے پر روز آنہ ایک آنہ (تقریباً ۱/۲ ۱ انیس) جرمانہ کرنا تھا اور چپراسی کے ہاتھ میں بید بھی رہتا تھا جس سے اکثر خوب کام نکالا جاتا تھا۔ بعض وقت ان جولاہوں پر جرمانہ بھی کیا جاتا تھا اور ان کے کھانے پکانے کے ظروف اس جرمانہ میں قرق کر لئے جاتے تھے قصبات کی وہ آبادی جو جولاہوں کا پیشہ کرتی تھی کمپنی کی کوٹھیوں کی اس طریقے پر مطیع کر لی جاتی تھی۔ مسٹر کاکس، نے اپنی شہادت میں بیان کیا تھا کہ ۱۵۰۰ جولاہے ان کے اہل و عیال اور متعلقات کے باستثنار اس کوٹھی میں جس کا وہ صدر تھا اس کے زیر حکم تھے۔ جولاہوں کی آبادی کا اس طرح نگرانی میں رہنا محض عادتاً نہیں تھا

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

بلکہ ایک منضبطہ دستور العمل کے موافق اس کی باضابطہ شکل بن گئی تھی۔ اس دستور العمل میں یہہ بھی مندرج تھا کہ جس جولاہے نے کمپنی کی سرکار سے پیشگی رقم قبول کرلی "وہ اس پر لازم تھا کہ جب کمپنی سے ایک وقت قرار داد کرلے تو خواہ یورپی شخص ہو یا دیسی کسی کے لئے بھی وہ نہ تو محنت و مزدوری کرے اور نہ اپنی پیداوار ہی دے" "اور قرار داد کے موافق کپڑا لاکر نہ پہنچانے کی صورت میں وہ کپڑا لاکر پہنچانے میں عجلت کرنے کے لئے اس پر چپراسیوں کو متعین کرنے کا تجارتی رزیڈنٹ مجاز ہوگا" "جولاہوں پر غیر اشخاص کے ہاتھ کپڑا فروخت کرنے پر عدالت دیوانی میں نالش ہو سکے گی" "ایک سے زیادہ کارگہ اپنے قبضے میں رکھنے پر اور ایک یا ایک سے زیادہ کام والوں کو نوکر رکھنے پر اُس ایک ایک تھان کی مقررہ قیمت کا ۳۵ فی صد بطور جرمانہ جولاہوں سے وصول کیا جائیگا۔ جو تحریری قرارداد کے خلاف وہ لاکر نہیں پہنچائینگے" "زمینداروں اور پٹہ داروں کو حکم دیا جاتا ہے کہ جولاہوں کے پاس آنے جانے میں وہ تجارتی رزیڈنٹ یا اس کے کارپردازوں کی کسی قسم کی مزاحمت نہ کریں" "اور وہ کمپنی کے تجارتی رزیڈنٹ وغیرہ کے ساتھ کوئی گستاخانہ برتاؤ کرنے کی ان کو شدید ممانعت کی جاتی ہے"

جب صناع خود ایک طرح کے حلقہ بگوش بنائے جائیں تو صنعتیں بھی فروغ نہیں پاسکتیں۔ لیکن اس نظام کا بد ترین نتیجہ یہہ نکلا کہ ایکطرف تو کمپنی کے عمال نے ہندوستان کے صناعوں پر یہہ اقتدار بطور خود حاصل کرلیا۔ اور دوسری طرف دوسری یورپی اقوام کے افراد نے تو اس سے بھی زیادہ اختیارات بطور خود حاصل کرلیے اور اُن کو عمال کمپنی سے بھی زیادہ بیدادی کے ساتھ استعمال میں لانے لگے۔

وارن ہسٹنگز نے کہا ہے کہ "انگریزوں کے کردار ہندوستان آکر کچھ اور ہی ہو جاتے ہیں۔ جس کسی کا نام انگریز ہوا، اُس کی برکت سے ذاتی حفاظت بھی اس کی ہوتی ہے، اور ہر ایسی خطا اور قصور کی

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

اجازت مل جاتی ہے جس کے کرنے کی اُس کو خود اپنے ملک میں جرات تک نہیں ہوتی"۔

لارڈ ٹین مہتہ، تو یہہ کہتا ہے کہ "عام طور پر یورپی لوگوں کی اندرون ملک رسائی ہونے سے اور دیسیوں سے ان کا ربط ضبط قایم ہونے سے میرے خیال میں یہہ ایک عام نتیجہ نکلنے کا امکان ہے کہ دیسیوں کے کردار کو ارفع و اعلیٰ بنانے کی بجائے عام یورپی کردار کے متعلق دیسیوں کے جو خیالات ہیں خود ان کو گھٹیا کر دینے کا اُن میں مادہ ہے"۔

ٹامس منرو، کہتا ہے کہ "جہاں تاجر اس ملک سے روانہ ہوئے خواہ ان میں کچھ بھلے مانسوں کے سے عادات ہوں یا نہ ہوں میں ایک دوسرے میں فرق نہیں پاتا۔ جب یہہ تاجر اپنے ارد گرد ایسے مسکین طبع لوگ دیکھتے ہیں جن پر وہ حکومت کر سکتے ہیں تو پھر خاموش تھوڑے رہتے ہیں۔ کیونکہ جو تاجر ہندوستان جاتا ہے یہی سمجھا جاتا ہے کہ وہ حکومت سے تعلق رکھنے والا کوئی بڑا آدمی ضرور ہے۔ میں نے انہی دو تین سال کے اندر اندر شاید ۱۸۱۰ء میں بنگالہ میں یہہ سنا ہے کہ خانگی بیوپار کرنے والے نیل کے تاجروں نے اس دیس کے رہنے والوں کے پائوں کاٹھ میں ٹھوک دیئے۔ اپنے اپنے نوکر چاکر جمع کر کے آپس میں خوب جنگ و جدال کی۔ بہت سے لوگ زخمی بھی ہوئے"۔

ٹامس سڈنہم، کا بیان ہے کہ "ہمیشہ میں نے یہی مشاہدہ کیا ہے کہ دوسری اقوام کے افراد کے مقابل انگریزوں میں غیر ممالک میں ظلم ڈھانے کا زیادہ مادہ ہے اور میری دانست میں یہی حال ہندوستان میں بھی ہے"۔

انیسویں صدی عیسوی کے ابتدائی سالوں میں ملک کے اندرونی اقطاع میں یورپی تاجروں اور نیل کے نخلبند نے اکثر دفعہ وہ وہ مظالم کئے تھے کہ اس مضمون پر حکومت کو مجبوراً مجسٹریٹوں کے نام گشتیات

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

جاری کرنا پڑا۔ چنانچہ ۱۳ر جولائی ۱۸۱۰ء کی مجریہ گشتی میں یہہ بیان کیا گیا تھا کہ جن مظالم کی طرف ذیل میں اشارہ کیا گیا ہے اور جو بلا خوف تردید نیل کے پلانٹرز کے خلاف فرداً فرداً ثابت ہو چکے ہیں وہ حسب ذیل عنوانوں میں تقسیم کیے جا سکتے ہیں۔ "اول وہ افعال جو اگرچہ قانونی معنے میں قتل کی تعریف میں داخل نہیں تھے مگر پھر بھی ان سے دیسیوں کی موت واقع ہوئی تھی۔

"دوم، خلاف قانون دیسیوں کو زیر حراست رکھنا اور بالخصوص انکے پاؤں کاٹھ میں ٹھوکنا یا تو اس لئے کہ واجب الوصول بقایا ان سے وصول ہو جائے یا دوسرے اغراض کے لئے"۔

"سوم، اپنے ایسے کارخانوں کے متعلقہ لوگوں کو اور غیر اشخاص کو جمع کر کے ہنگامہ مچانا اور دوسرے نیل کے نخلبند کے ساتھ مقابلہ کر کے سخت کشت و خون کرنا"۔

"چہارم، کاشتکاروں اور دیسیوں کو بیڑیں لگوانا یا اور طرح پر خلاف حکم ناجائز طریقہ سے سزا دینا"۔

اس گشتی میں مجسٹریٹوں کے نام حکم دیا گیا تھا کہ کاٹھ بالکل توڑ پھوڑ ڈالی جائے۔ کاشتکاروں کو جہاں کہیں سزائے تازیانہ دی جائے یا کوڑے لگائے جائیں اس کی فوری اطلاع کر دی جائے اور تاوقتیکہ یورپی حکومت کے احکام کی اصل غائت اور مدعا کے موافق نہ چلیں ان کو اندرون ملک بود و باش رکھنے سے ممانعت کر دی جائے۔ ایک اور گشتی ۱۸۱۰ء کی ۲۰ر جولائی کو صادر ہوئی جس میں مجسٹریٹوں کے نام حکم دیا گیا کہ وہ ایسے مقدمات کی بھی تفصیلی اطلاع دیں جن میں نیل، کے نخلبند نے کاشتکاروں کو پیشگی رقوم بالجبر دی تھیں۔ اور ان کو نیل کی کاشت کرنے پر مجبور کرنے کے لئے ناجائز ذرائع اختیار کئے تھے۔

باایں ہمہ بنگالہ میں نیل کے نخلبند کے مظالم اور نصف صدی تک جاری رہے حتیٰ کہ بنگالہ کے لوگ اس کاشت کی مزاحمت کیلئے ایک دفعہ اُٹھ کھڑے ہو گئے۔ ۱۸۵۹ء کے "ہنگامۂ نیل" کے بعد بنگالہ کے کئی

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

ایک قطعات میں یورپی نخلبند کی نیل کی کاشت مسدود ہو گئی۔

بنگالہ کے سب سے بڑے، ڈراما نویس، دینا بندھو مترا، نے اپنے یادگار ڈرامے میں جس کا نام "دی مرر اوف انڈیگو" (آئینۂ نیل) ہے پلانٹرز کے مظالم کا بھانڈا پھوڑ دیا۔ مقدس پادری، جمیس لانگ، کو اس تصنیف کا انگریزی میں ترجمہ کرنے پر کلکتہ کی عدالت العالیہ نے جرمانے اور قید کی سزا دی۔ ایشلی ایڈن، کے نام کو (جو بعد میں بنگالہ کا لفٹنٹ گورنر ہوا) ان مظالم کے انسداد میں اس کی سعیٔ بلیغ کی بنا پر لوگ آج تک تشکر کے ساتھ یاد کرتے ہیں۔

آسام، میں چائے کی کاشت کے لئے مزدور فراہم کرنے کا ایک مختص قانون اب بھی موجود ہے جس کو ہندوستان کے لوگ "قانون بردہ فروشی" سے موسوم کرتے ہیں۔ جاہل مرد اور عورتوں کو معاہدے پر دستخط کر دینے کے بعد کئی سال تک چائے کی کشت زاروں میں کام کرنا پڑتا تھا ورنہ ان کے لئے قانونی سزائیں مقرر تھیں۔ اور سال حال ۱۹۰۱ء میں آسام کے چیف کمشنر کی انتہائی کوششیں ان غریب مزدوروں کو چائے کے کشت زار میں ان کے زبردستی قیام کے زمانہ میں معقول تنخواہ دلانے میں ناکامیاب ثابت ہوئیں خیر ہمیں تو ۱۸۱۳ء کے قصہ کی طرف اب متوجہ ہونا ضروری ہے۔

۱۸۱۳ء میں پارلیمنٹ کی متعدد تحقیقاتوں کے باوجود ہندوستان کے صناعوں کی کسی طرح حق رسی نہیں ہوئی۔ امتناعی محصولات میں کوئی تخفیف نہیں کی گئی۔ کمپنی کا شغل اصل مسدود نہیں کیا گیا۔ برخلاف اس کے دار العوام کی کمیٹی نے جس میں دار العوام کے سارے ارکان شریک تھے اس کو صاف طور سے منظور کر لیا۔

"مذکور الصدر لگان یا محاصل اور منافع میں سے مختلف محسوبات کی گنجائش چھوڑ کر اور ان متعدد اخراجات کی سربراہی کے بعد جن کا اوپر ذکر ہو چکا ہے جملہ بچت خواہ کسی قسم کی کیوں نہ ہو یا اس کا کچھ حصہ یا تو

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

ہندوستان میں کمپنی کے شغل سرمایہ کے کام میں لایا جائے گا یا چین کو وہاں انوسٹمنٹ کرنے کے لئے ارسال کیا جائے گا یا ہندوستان میں قرضہ بے باق کرنے کے کام آئے گا یا ان اغراض کی تکمیل کے جن کے متعلق مجلس کمشنران کی پسندیدگی کے بعد مجلس نظما وقتاً فوقتاً احکام صادر کرے گی"

ایچ، ایچ۔ ولسن، مورخ کہتا ہے کہ ۱۸۱۳ء کے پارلیمنٹی مباحث میں "یہہ صحیح ہے کہ ہندوستان کے اغراض سے سروکار رکھنے کا اعتراف کرنے میں کوئی کمی نہیں کی گئی لیکن یہہ ثابت کرنا مشکل ہوگا کہ جو جماعت اس مباحثہ میں شریک ہوئی اس کے ایک کثیر حصے کو محض تاج برطانیہ کی ہندوستانی رعایا کی فلاح و بہبودہی سے سروکار تھا .... ممالک متحدہ (برطانیہ) کے صناع اور تاجر محض اپنے ہی منافع پر ہمیشہ نگاہ رکھتے تھے"۔

۱۸۱۳ء کی پارلیمنٹی تحقیقات کی اصل غایت و غرض یہی تھی کہ انگلستان کے صناعوں کے اغراض کو فروغ دیا جائے۔ نیپولین بوناپارٹ نے اقلیم یورپ کی بندرگاہوں میں برطانوی مصنوعات کے آنے کی ممانعت کردی تھی۔ انگلستان کے تجار و صناع کو مشکلات ہی مشکلات درپیش تھے الا اسکے کہ ملکی صنعت و حرفت کے لئے کوئی نئی نکاس کہیں نکل آوے ورنہ ملک کے لئے ایک آفت و مصیبت کا سامنا تھا۔ ان حالات میں ایسٹ انڈیا کمپنی کے اجارہ کے خلاف قوی مطالبہ اور قوی ہو گیا اور ۱۸۱۳ء میں جب کمپنی کے منشور کی تجدید ہوئی تو ہندوستان کے ساتھ تجارت کرنے کا اجارہ موقوف کر دیا گیا۔ اس طرح پہلی دفعہ برطانوی تاجروں کے لئے ہندوستان کے کشادہ و وسیع خطۂ زمین میں بے کھٹکے ایک کھلی راہ نکل آئی۔ اور یہہ بات فطرت انسانی کے خلاف تھی کہ وہ ہندوستانکے صناعوں کی فلاح و بہبود کا ایسی حالت میں کچھ زیادہ لحاظ کرتے۔

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

پندرھواں باب

صنعت وحرفت کی حالت (۱۸۱۳-۱۸۳۵)

۱۸۱۳ء میں جب ایسٹ انڈیا کمپنی کے منشور کی تجدید ہوی تو یہ پہلا موقع تھا کہ مشرقی تجارت میں اس کا اجارہ منسوخ کر دیا گیا۔ خانگی تجارت کو ایک مرتبہ دخل ملنا ہی تھا کہ اس میں افزونی ہوتی چلی گئی اور کمپنی کی تجارت میں انحطاط شروع ہو گیا۔ ۱۸۳۳ء میں کمپنی کے منشور کی تجدید کا پھر وقت آیا تو یہ سوال اٹھایا گیا کہ ایسٹ انڈیا کمپنی کی تجارت ہی بالکلیہ کیوں نہ بند کر دیجائے انگلستان کی رائے عامہ اس منشاء کی پر زور تائید پر تلی ہوئی تھی کہ انگلستان اور ہندوستان کے مابین جو تجارت تھی اس کو ایک ایسی کمپنی کے ناواجبی مقابلے سے آزاد کر دیا جائے جس کے ہندوستان کے کئی علاقے تھے اور اسے کلیتاً خانگی تاجروں ہی کے لئے چھوڑ دیا جائے۔ کیونکہ تاجروں کے فرائض اور ایک سلطنت کے حکمرانوں کے فرایض میں بڑا فرق ہے اس موخر الذکر استدلال کے پیش کرنے میں لندن کے تاجروں اور انگلستان کے دوسرے بڑے بڑے تجارتی مرکزوں نے روز افزوں جوش وخروش کا اظہار کیا۔ کیونکہ یہ لوگ

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

کمپنی کو جو ناواجبی مگر مفید مطلب مواقع ہندوستان میں حاصل تھے ان پر رشک وحسد کرتے تھے اور توقع رکھتے تھے کہ اگر کسی طرح کمپنی کی تجارت بالکل موقوف ہوجائے تو یہ خود اپنی تجارت میں افزایش کرلیں ۔

چنانچہ ۱۸۳۳ء میں کمپنی کی سب تجارت موقوف کردی گئی اور اس تاریخ سے ہندوستان کی وہ صرف منتظم ریاست رہ گئی اور ہندوستان کے محاصل سے اپنا مفہوم نکالنے لگی ۔

۱۸۳۰ء اور ۱۸۳۱ء اور ۱۸۳۲ء میں بحث ومباحث اور جواب و سوال ابھی جاری ہی تھا کہ ہندوستان کی تجارت، صنعت وحرفت اور ہندوستانی نظم ونسق کے تمام شعبہ جات پر بہت کچھ شہادت قلمبند کی گئی ۔ ۱۸۳۰ء میں دارالامراء کی کمیٹی کے سامنے بیش قیمت شہادت پیش کی گئی ۱۸۳۰ء اور ۳۱-۱۸۳۰ء اور ۱۸۳۱ء کی دارالعوام کی رپورٹوں میں اس سے بھی زیادہ قابل قدر اور تفصیلی شہادت قلمبند کی گئی دارالعوام کی ۱۸۳۲ء کی کمیٹی کے سامنے اور تازہ شہادت پیش ہوئی تھی جو چھ ضخیم جلدوں میں جن میں تقریباً چھ ہزار صفحے شامل تھے شایع کی گئی تھی ۔

اس ضخیم شہادت کے وہ حصے جو تجارت یا صنعت وحرفت سے متعلق ہیں کسی قدر یک طرفہ ہیں ۔ دارالامراء اور دارالعوام نے اس صنعت وحرفت کی حالت کے متعلق استفسارات کئے جو برطانوی اصل سے جاری تھیں یا جن میں برطانوی اصل سے کام لینا ممکن تھا ۔ ہندوستان کے لوگوں کی صنعت وحرفت اور ہندوستانی کاریگروں کی اجرت ومنافع میں ان کو کوئی ایسی دلچسپی نہ تھی ۔ انھوں نے اس بات کی تحقیقات کی کہ کیا کمپنی کی تجارت اٹھادینے سے ہندوستان سے جو برطانوی تجارت اب قایم ہے اس میں اضافہ ہوگا اور انگلستان کے خانگی تجار وصناع کو اس سے فائدہ پہنچے گا یا نہیں ہندوستان کی اندرونی تجارت چونکہ اس دیس کے رہنے والوں ہی کے ہاتھ میں تھی اس لئے وہ قابل التفات نہ تھی ۔ ہندوستانیوں کی تجارت یا دیسی صنعت وحرفت کی نشو ونما نہ تو اس تحقیقات کی غرض وغایت تھی جو ۱۸۱۳ء میں

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

کی گئی اور نہ اس کی جو ۱۸۳۲ء میں کی گئی اور نہ اس تاریخ سے آج تک اس ہفتاد سالہ عرصے میں کسی وقت بھی سنجیدگی کے ساتھ بالاستقلال اس مقصود کو حاصل کرنے کی کوئی کوشش کی گئی۔

پھر بھی جو شہادت قلم بند ہوئی خواہ کسی طرح بھی سہی ہمیں اس سے بہت کچھ معلومات حاصل ہوتے ہیں۔ اور ہماری یہی کوشش ہوگی کہ اس بات کی مختصر گنجائش ہی میں اس ضخیم شہادت کا خلاصہ ایک قابل فہم شکل میں پیش نظر ہو جائے۔

روئی

امریکہ کی روئی کے مقابل ہندوستان کی روئی کا سوت کم لانبا ہوتا تھا اس میں زیادہ کثافت ملی ہوئی ہوتی تھی اور سوت کاتنے اور بُننے میں زیادہ ضائع جاتا تھا۔ عام طور پر یہ سوت یا تو موٹے موٹے کپڑے بنانے یا اُون میں ملا کر پشمینہ بُننے کے کام میں لایا جاتا تھا۔ سورت کی روئی سب سے اچھی سمجھی جاتی تھی اور ڈھاکہ کی ململ جو بنگالہ میں بنتی تھی اس کی مثال سارے انگلستان میں نہیں مل سکتی تھی۔ جزیرۂ فرانس سے بنولے لاکر تینیولی میں بوے گئے تھے جن سے اعلیٰ درجے کی روئی کی ایک کامیاب فصل ہوئی تھی لانبے سوت کی روئی ساحل دریا کے علاوہ شاذ ہی ہندوستان میں ہوتی تھی۔ اور خود لوگوں کو بھی اس کی ضرورت نہ تھی۔ ہندوستان میں تمام سوت دستی چرخے پر ہی کاتا جاتا تھا۔

امریکہ کی منڈیوں کے مقابلے کی وجہ سے ہندوستانی روئی کی برآمد میں کمی ہو گئی تھی۔ ایسٹ انڈیا کمپنی کی عملداری سے جو روئی برطانوی منڈیوں میں آتی تھی وہ سب سے خراب تھی۔ بمبئی کی صاف شدہ روئی اور امریکہ کی اراضی مرتفع کی روئی کی قیمتوں میں ۱۰ سے ۱۵ فیصد فرق تھا۔ سورت کی روئی عموماً انگلستان میں موٹے موٹے کپڑے بننے کے کام آتی تھی اور اس کو عمدہ روئی میں بھی ملا کر کاتا جاتا تھا۔ ہندوستان میں روئی کو

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

اور اچھا بنانے کی کوششیں ناکامیاب رہیں بعض تجربات میں روئی پہلے سے بھی خراب نکلی اور بعض میں تو کپاس کے پودے اچھے اُگے ہی نہیں ہندوستان کے لوگ کپاس کی کاشت کرتے تھے اور روئی بمبئی لائی جاتی تھی یورپی لوگ اس کو خریدتے تھے ایسی زمینیں جن پر کپاس ہوتی تھی کسی یورپی شخص کے قبضے میں نہ تھیں اور کپاس کی کاشت میں یورپی اشخاص کا کچھ حصہ بھی نہ تھا ہندوستان میں روئی دھنّنے کی کل چھوٹی سی دستی اوٹنی یا چرخی تھی اور یہ بہت ہی قدیم زمانے سے زیر استعمال تھی اس کی ۶ پنس قیمت تھی یہ ہاتھ سے چلتی تھی جس کے لئے قوت کی ضرورت نہ تھی اور روئی کو صاف تو کرتی تھی مگر ادھورا۔ ایسٹ انڈیا کمپنی کے تجارتی رزیڈنٹ کمپنی کے شغل اصل کے طور پر زیادہ تر روئی ٹینولی سے ہی مہیا کرتے تھے ۱۸۲۳ء میں شغل اصل کے لئے ۲۵۰ پونڈ وزنی روئی کے (۸۰۰۰) گٹھے ہوتے تھے جن کو چین بھیج دیا گیا تھا یورپی لوگ بنگالہ میں کپاس کی کاشت نہیں کر سکتے تھے۔ لیکن ڈھاکے میں وہاں کی رعایا ایک نفیس قسم کی روئی کی کاشت کرتی تھی سب سے عمدہ ہندوستانی روئی گجرات اور کچھ میں ہوتی تھی ۱۷۹۰ء میں ہندوستان کی روئی پہلی دفعہ انگلستان میں درآمد کی گئی۔ اور امریکہ کی روئی ۱۷۹۱ء میں درآمد کی گئی ۱۸۲۷ء میں ہندوستان سے روئی کی جملہ برآمد چھ کروڑ اسی لاکھ پونڈ کی ہوئی جس کی قیمت دس لاکھ پونڈ انگلسیہ تھی۔ انگلستان میں امریکہ کی روئی کی مقدار درآمد مجموعی طور پر انتیس کروڑ چالیس لاکھ پونڈ (وزنی) تھی روئی کی ایک گرنی دھاگا کاتنے کے لئے کلکتہ میں قائم کی گئی تھی۔

جب تک کوٹھیاں برخاست نہ ہوئی تھیں کمپنی زیادہ تر بنگالہ اور بمبئی سے روئی برآمد کرتی تھی اور مدراس سے بھی۔ ملک کے اندرونی اقطاع سے روئی کشتیوں میں کلکتے آتی تھی۔ اور موسمی اثرات سے اس کی حفاظت کا کوئی سامان نہ تھا۔ چار پانچ مہینوں تک کشتیوں میں یونہی کھلی رکھی رہتی تھی۔ اس کے بعد سوت سے روئی پر پیچ کس دئے جاتے تھے

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

اور اس میں بنولوں کی ایک بڑی مقدار بھی ملی ہوئی تھی۔ اسی پھپوندی لگی ہوئی نم آلودہ حالت میں جہازوں پر یہ انگلستان بھیجدی جاتی تھی۔ اس قبیل کے اہتمام ہوتے ہوئے یہ ناممکن تھا کہ بہترین روئی بھی اگر انگلستان کو بھیجی جاتی تو وہ اس سے بہتر حالت میں پہنچتی جیسی بنگالہ کی روئی پہنچتی تھی۔

ریشم

ریشم کے کیڑے خاصکر بنگالے ہی تک محدود تھے شمالی ہند میں ان کی پرورش نہیں ہوسکتی تھی اور بمبئی کی زمیں شہتوت کی نشوونما کے قابل نہ تھی۔ انگلستان کے لئے کمپنی کے مشغل سرمایہ کی سربراہی ان کے تجارتی رزیڈنٹ کے توسط سے ہوتی تھی جو کرم پیلہ کی پرورش کرنے والوں کو پیشگی رقوم دیکر ریشم اُن سے لیتے تھے۔ کمپنی کی تقریباً بارہ رزیڈنسیاں اور بڑی بڑی صنعت گاہیں تھیں لیکن پھر کیول پر خام ریشم لپیٹنے کے سوا ریشم سے کچھ بنایا نہیں جاتا تھا۔ چند صنعت گاہوں میں "پٹنی ریشم" کے تھان بنتے تھے۔ مہین ریشمینہ کی صنعت بہت کچھ گھٹ گئی تھی اور کثیر تعداد میں انگریزی ریشمینے کے تھانوں کی ہندوستان میں درآمد ہونے لگی تھی متعدد یورپی اشخاص کے بھی جو اس دیس میں بستے تھے کارخانے تھے لیکن کمپنی کے برابر نہ تھے اور ساری منڈی کمپنی ہی کے زیر اثر تھی۔ ہندوستان کے ریشم میں خرابی یہ تھی کہ نہ تو اس کا تار لانبا ہوتا تھا اور نہ یہ پاک و صاف ہی ہوتا تھا۔ ہندوستان کا بہترین ریشم اطالیہ کے بہترین ریشم کے برابر بیش قیمت تھا لیکن ہندوستان کا ریشم زیادہ تر نہایت ہی معمولی درجے کا ہوتا تھا۔ ریشم کی تجارت کمپنی ہی کے ہاتھ میں تھی لیکن کمپنی اس قدر سخت نگرانی نہیں رکھ سکتی تھی جو اعلیٰ درجے کے ریشم کی پیداوار کے لئے ضرور تھی۔ ہندوستان کا بہت تھوڑا ریشم برآمد کی غرض سے فروخت ہوتا تھا کیونکہ چین کے ریشم کو

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

اس پر فوقیت حاصل تھی۔

ہندوستان میں تین قسم کے شہتوت اُگتے تھے یعنی سپید شہتوت جن کی کاشت یورپ میں بھی تھی گہرے اودے رنگ کے شہتوت جن کی کاشت چین میں بھی ہوتی تھی اور ہندوستانی شہتوت۔ دو قسم کے ریشم کے کیڑے تھے ایک دیسی دوسرے فصلی۔ اور موخرالذکر اطالیہ اور چین سے لائے گئے تھے جن سے بہت باریک ریشم پیدا ہوتا تھا۔ شہتوت کی کاشت اور کویۂ ابریشم کی پیداوار لوگوں ہی پر چھوڑ دی گئی تھی۔ کمپنی صرف پیشگی رقوم دیتی تھی اور ریشم یا کویۂ ابریشم لاکر دینے پر قیمت کا تصفیہ کرتی تھی۔ بنگالہ میں ریشم لپیٹنے کے لئے کمپنی کی گیارہ بارہ چرخیاں تھیں یہ کلیں اطالوی اصول پر بنی ہوئی بالکل سیدھی سادھی تھیں کمپنی کے رزیڈنٹ کو جس قدر ریشم کی بہم رسانی وہ کرتے تھے اس پر ڈھائی فی صد دستوری ملتی تھی اور یہی ان کی تنخواہ تھی اس کے ساتھ ہی ساتھ اپنے لئے ریشم خریدنے کی بھی ان کو اجازت تھی مگر ان لوگوں کو ریشم کی مطلق پہچان نہ تھی۔ بنگالے کے خام ریشم کی حالت اور خراب ہو گئی تھی لیکن تجارت کا دروازہ کھل جانے اور محصول میں تخفیف ہونے کی وجہ سے برآمد میں توفیر ہو گئی تھی۔ ۱۸۲۳ء اور ۱۸۲۶ء کے درمیان انگلستان کو خام ریشم لے جانے والے جہازوں کے بارے میں ۳۵½ فی صد توفیر ہو گئی تھی حالانکہ کمپنی کے شغل اصل میں ۱۷½ فیصدی ہی اضافہ ہوا تھا۔

بنگالے میں شہتوت اور ارنڈ کے پودے ریشم کے کیڑوں کی غذا کے کام آتے تھے۔ شہتوت کے درخت تین فٹ اونچے ہوتے تھے اور ان کو قطاروں میں چھ یا آٹھ انچ کے فاصلے سے بویا جاتا تھا اس کی پیداوار میں نفع کی خاطر انتہائی عجلت برتی جاتی تھی۔ لیکن یورپ کے جنوبی حصے میں جو طریقہ رائج تھا اگر یہاں بھی وہی اختیار کیا جاتا تو نفع زیادہ ہوتا۔ ان درختوں کو بونے کے چار مہینے بعد سارے پتے چن لئے جاتے تھے جس کے بعد ہر آٹھ یا دس ہفتوں میں نئے پتے نکل آتے تھے۔ پہلے سال چار مرتبہ پتے کترے جاتے تھے اور اور دوسرے سال چھ مرتبہ۔ انگریزی ایکڑ کا ایک ثلث روزانہ (۱۰۰۰) کرم پیلہ کی

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

غذا کے لئے کافی تھا۔ ریشم ریشم میں فرق تھا جس کا انحصار موسم پر تھا جس میں یہ ریشم پیدا ہوتا تھا۔ بہترین موسم نومبر کا تھا جب ڈسمبر کے آغاز ہی میں کرم پیلہ ریشم بنانا ختم کر دیتے تھے اور بدترین بارش کا موسم تھا دیسی کرم پیلے سال میں چار دفعہ بچے نکالتے تھے اور فصلی کرم پیلہ صرف ایک دفعہ کمپنی کے رزیڈنٹ دلالوں کے توسط سے "جو پیکار" کہلاتے تھے معاملہ کرتے تھے اور اپنی اپنی کوٹھیوں میں کوئے ابریشم انھیں سے لیتے تھے جہاں دیسی مزدور اجرت پر اس ریشم کو پھرکیوں پر لپیٹتے تھے۔ یہاں بارہ رزیڈنسیاں تھیں مال لاکر پہنچانے پر رزیڈنٹ ہی اس کی قیمت کا تعین کرتے تھے اور یہ قیمت صرف مجلس تجارت کی محتاج توثیق ہوتی تھی یہ رزیڈنٹ ایسے اشخاص نہیں ہوتے تھے جن کو کوئی کارخانہ دار اپنے کارخانے کی نگرانی کے لئے منتخب کر سکے۔ ۱۸۱۵ء سے ۱۸۲۳ء تک خام ریشم کی پیداوار میں مسلسل اضافہ ہوا تھا اور کمپنی نے بھی اس کی مقدار میں توفیر کی تھی۔ کمپنی نے ہی ہندوستان میں اطالوی طریقے پر ریشم لپیٹنے کے طریقہ کی ترویج کی تھی۔ ریشم کی تجارت کرنے کی ہر شخص کو آزادی تھی۔ اور انگلستان سے یہاں آکر لوگوں نے چرخیاں بنائی تھیں لیکن اس میں ان کو کامیابی نہیں ہوئی تھی کیونکہ وہ کمپنی کا مقابلہ نہیں کر سکتے تھے۔ اطالیہ کا ریشم اچھا ہوتا تھا۔ فرانس کا ریشم بھی اچھا ہوتا تھا اور بنگالہ کے ریشم کی مانگ بھی اسی قدر تھی جیسے کسی دوسرے ریشم کی لیکن یہ ریشم اطالیہ فرانس اور ترکی کے ریشم کی طرح مضبوط نہیں ہوتا تھا اور اطالیہ کے ریشم کے مقابلے میں اس لئے موٹا ہوتا تھا کہ لوگ اس کی قسم کو نہیں بلکہ مقدار کو دیکھتے تھے اور پھرکیوں پر لپیٹنے میں اس قدر احتیاط نہیں کرتے تھے جیسی اطالیہ اور فرانس میں کی جاتی تھی۔ اسی لئے بنگالی ریشم کثیف ہوتا تھا اس کے تار چھوٹے بڑے ہوتے تھے اور اس میں کئی جگہ سے سرے بھی ٹوٹے ہوئے پائے جاتے تھے

اس اہم شہادت کے مذکورۃ الصدر اختیار سے ناظرین خود سمجھ سکتے ہیں کہ بنگالہ میں کمپنی کی حکمرانی کے ہفتاد سالہ دوران میں سوت اور ریشم کی صنعت میں کیا کیا تغیرات عمل میں آئے بعض دفعہ قطعی طور پر ممانعت کر کے اور بعد میں

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

اپنا اثر ڈال کر کمپنی کے رزیڈنٹ نے خود مختار ہندوستانی صناعوں کو بدل کر دینے کی کوشش کی تھی تاکہ ان کی پیداوار متاثر ہو چنانچہ پارچہ بافی بہت کچھ موقوف ہو گئی تھی وہ لوگ جو اپنے ہی اصل پر کام کرتے تھے اپنے گھروں اور قصبوں میں ہی مال بناتے تھے، اور اپنا نفع آپ کماتے تھے اب وہ بھی کمپنی کے رزیڈنٹ کے دست نگر بن گئے تھے۔ یہی رزیڈنٹ ان لوگوں کو کچا ریشم اور سوت دیتے تھے اور مال کی جو قیمتیں ان کو دینی ہوتی تھیں اس کا تصفیہ بھی کرتے تھے۔ ان لوگوں نے اپنی سیاسی خود مختاری کے ساتھ اپنی صنعتی اور معاشی خود مختاری کو بھی کھو دیا۔ اور اس کے بجائے جو کچھ بنانے کے لئے ان کو کہا جاتا تھا اس کی اجرت اور قیمت انھیں ملنے لگی دنیا کی سب منڈیوں کے لئے خود مختارانہ طور سے مال پیدا کرنے والے جب یہ لوگ نہ رہے تو کسی نہ کسی کام پر لگ جانے کی امید میں ہزاروں نظر بن کمپنی کی کوٹھیوں پر ہی لگ گئیں ان کوٹھیوں میں خام پیداوار کی مانگ بہت تھی ہندوستان کے لوگوں نے خام پیداوار کی سربراہی کی۔ اپنی قدیم صنعت گری اور ہنر کو بھول گئے اور صناعی کے منافع کو بھی ہاتھ سے کھو دیا۔ انگلستان میں عوام الناس نے ہندوستان اور انگلستان کے درمیان تجارت میں یعنی خام پیداوار کی درآمد اور بنے ہوئے مال کی برآمد میں توفیر دیکھکر یہ نتیجہ نکالا کہ ہندوستان کی خوش حالی میں بھی توفیر ہو رہی ہے دار الامرا اور دار العوام نے اس بات کی چھان بین تو کی کہ کیا یہ روز افزوں تجارت ایسٹ انڈیا کمپنی کے ہاتھ میں رہے یا خانگی تاجروں کے مگر کسی نے بھی یہ دریافت کرنے کی پروانہ کی کہ اس توفیر مبادلہ کا مطلب ہندوستانی صنعت وحرفت کا فنا ہو جانا تو نہیں ہے اور ہندوستان کو صنعتی منافع کا خسارہ تو نہ اٹھانا پڑے گا اور نہ کسی نے یہ معلوم کرنے کی خواہش ظاہر کی کہ کیا لوگوں کی معاشی فلاح وبہبود کے لئے ہندوستان کی مٹنے کی حرفت کو پھر زندہ کرنا ممکن نہیں ہے

اناج اور غلہ

ہندوستانی کاشتکاروں کی غفلت اور بے پرواکاشت کے متعلق

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

انگلستان میں ہمیشہ سے غلط فہمی تھی لیکن جن انگریزوں نے یہاں کے زرعی حالات کا مطالعہ کرنے کی زحمت گوارا کی تھی انھوں نے اس ناواجب اور غیر حقیقی خیال کو ہٹانے کی کوشش کی تھی ڈاکٹر والک نے جو ایسٹ انڈیا کمپنی کی طرف سے کلکتے کے نباتی باغ کا مہتمم تھا۔ دار العوام کی کمیٹی کے سامنے ۱۴ اگست ۱۸۳۲ء میں اس مضمون پر اپنی شہادت یہ دی کہ:-

"ہندوستان سے باہر یورپی لوگوں میں بنگالے کی زراعت کے متعلق بہت بڑی غلط فہمی پھیلی ہوئی ہے۔ بنگالے کی زراعت اگرچہ کئی لحاظ سے انتہا درجے کی سادہ اور بالکل ابتدائی اسلوب اور شکل کی ہے لیکن ہرگز اتنی گری ہوئی نہیں ہے جیساکہ لوگ عام طور پر خیال کرتے ہیں اور میں نے اکثر دیکھا ہے کہ اس میں فوری اختراعات سے کوئی اچھے نتائج نہیں نکلتے۔ مثلاً مجھ کو معلوم ہے کہ یورپ کے ساختہ آہنی ہلوں کی ترویج اس خیال سے بنگالے میں کی گئی تھی کہ معمولی بنگالی ہل چلانے میں انتہائی زحمت کے بعد بھی زمین محض سطحی طور پر کرید دی جاتی تھی لیکن اس کا نتیجہ کیا نکلا؟ جیساکہ پہلے عرض کر چکا ہوں سطحی مٹی ہیں جس کو الٹ پلٹ کرنا منظور تھا۔ سطح زیرین کی مٹی بھی مل گئی جس سے سب مٹی پہلے سے زیادہ خراب ہوگئی۔"

ڈاکٹر والک سے پوچھا گیا کہ کیا ہندوستان کی زراعت میں کوئی بڑی اصلاح اثر پذیر ہو سکتی ہے تو اس نے یہ جواب دیا کہ "یقیناً مگر اس بڑے پیمانے پر نہیں جیساکہ عام طور پر خیال ہے مثلاً دھان کی کاشت میں۔ میرا تو خیال یہ ہے کہ اگر ہم ایک ہزار برس اور زندہ بھی رہیں تو کاشت کے اس شعبے میں بمشکل کوئی اصلاح دیکھ سکیں گے۔

بنگالے سے دھان کی برآمد میں سنہ ۱۸۳۰ء سے کچھ پہلے ...۱۰۰ ٹن کی توفیر اس خاص وجہ سے ہوئی کہ دھان کو انگلستان میں لاکر صاف کرتے تھے اور وہاں دھان صاف کرنے کی نئی کلیں ایجاد ہو گئی تھیں۔ سابق میں دھان کو ٹنے کے بعد چاول بھیجے جاتے تھے جن میں بہت سی کنکی اور مٹی وغیرہ ملی رہتی تھی۔ کلوں کی ایجاد کے بعد سب لے کٹے دھان ہی بھیجے جاتے تھے اور انگلستان میں

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

صاف ہونے کے بعد اس کے چاول اسی طرح صاف و شفاف نظر آتے تھے جیسے کہ امریکہ کے چاول۔ اگر ہندوستان میں بھی وہاں اسی طرح صاف کیا جاتا جیسے کیا رولینا میں کیا جاتا تھا تو بڑی مقدار میں اس کی برآمد ہو سکتی تھی کیونکہ چاول بھوسی میں لپٹا ہونے کی وجہ سے جہاز کا دوچند کرایہ اس لئے دینا پڑتا تھا کہ جہاز پر اس کے لئے دوگنی وسعت درکار تھی۔

نیل

یورپی نیل کے نخل بند کے زبردست کاشتکاروں کی حالت کے متعلق جیسی کہ توقع تھی کسی قدر متضاد شہادت دی گئی تھی ریمنز نے دعوے کے ساتھ کہا تھا کہ اس رعیت کی حالت جو یورپی نخلبند کے لئے محنت مزدوری کرتی ہے دوسری رعیتوں سے بدتر ہے۔ یورپی نخلبند رعیت کو مجبور کرتے تھے کہ وہ اپنی اپنی زمین کے ایک بڑے حصے میں خواہ اُن کا جی چاہے یا نہ چاہے نیل بوئیں دوسرے کسانوں کو تو یہ حق حاصل تھا کہ وہ اپنی زمین کی جیسی چاہیں کاشت کریں مگر یورپی نخلبند اس میں بھی مداخلت کرتے تھے دوسرے گواہوں نے اس کا ابطال کیا لیکن وہ لوگ جو بنگالے کی ۱۸۶۰ء تک کی حالت سے واقف ہیں یہ جانتے ہیں کہ ریمنز نے جن خرابیوں کی شکایت کی تھی وہ ایک مدت تک بنگالے میں پھیلی رہیں۔

یورپی نخلبند کاشتکاروں کو پیشگی رقوم دیتے تھے اور کاشتکار مقررہ قیمتوں پر ایک معینہ مقدار میں نیل کا پتا لا دینے کا اقرار کرتے تھے اگر نخلبند ظلم کرتا تھا تو "رعیت کے پاس عدالتوں میں استغاثہ دائر کرنے کے سوا اس ظلم کا کوئی دوسرا چارہ نہ تھا مگر عدالتوں سے رعیت کا استغاثہ سماعت کرنے کی کوئی توقع نہ تھی بنگالے کے نشیبی اقطاع میں جہاں یورپی اور ادنیٰ ذات کے لوگ معقول تعداد میں بود و باش رکھتے تھے خصوصیت کے ساتھ یورپی اشخاص سے مظالم سرزد ہوئے تھے"۔

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

بعض ہندوستانی نخل ہند کے بھی بڑے سے بڑے کارخانے تھے لیکن ان کا نیل یورپی لوگوں کے بنائے ہوئے نیل کے برابر اچھا نہ ہوتا تھا۔ ہندوستانی نخل ہند کی نیل سازی میں تو فیر ہو رہی تھی پانسو اور ہزار کی تعداد کے درمیان یورپی لوگ نیل سازی میں مشغول تھے یہ لوگ عموماً یورپ سے کوئی اصل ساتھ نہیں لاتے تھے بلکہ کلکتے ہی میں ہندوستانیوں یا کمپنی کے یورپی ملازموں یا مختاروں کی کوٹھیوں سے قرض لیتے تھے اور کارخانے قائم کرتے تھے ایک بھی مثال ایسی نہیں ہے کہ کوئی اصلدار نیل کا نخلستان قایم کرنے کے لئے اصل ساتھ لیکر ہندوستان آیا ہو۔

تقریباً ۱۷۹۰ء میں ہندوستان سے انگلستان میں نیل کی درآمد شروع ہوئی اور چالیس سال کے اندر اس میں اس قدر اضافہ ہوا کہ تمام دوسری قسم کے نیل کی جگہ اس نے لے لی۔ اس کی کاشت ڈھاکے سے دہلی تک تھی اور نوے لاکھ پونڈ (وزنی) تک اس کی برآمد پہنچ گئی تھی۔ برطانوی نخلبند سالانہ جو رقم بطور لگان واجرت ادا کرتے تھے وہ ۱۶۸۰۰۰ پونڈ انگلسیہ ہوتی تھی اس مال کے کلکتے پہنچنے پر اس کی قیمت ۲۴۰۳۰۰۰ پونڈ انگلسیہ لگائی جاتی تھی اور انگلستان میں اسی مال کی قیمت ۳۶۰۰۰۰ پونڈ انگلسیہ آتی تھی بنگالے میں اس کے تین چار سو کارخانے تھے جس میں سے اکثر جیسر کرشنا گڑھ اور ترہوت میں تھے۔ بہترین زمینیں وہی تھیں جو گنگا کی طغیانی میں غرقاب ہو جاتی تھیں۔ کچھ نیل مدراس اور بمبئی میں بھی اگتا تھا۔ عام طور پر کہا جا سکتا ہے کہ نخل ہند اپنی جائداد کی کفالت پر کلکتے کے بڑے بڑے مہاجنوں سے ہی ۱۰ یا ۱۲ فی صدی سود پر قرضہ لیتے تھے۔ سود اس لئے زیادہ تھا کہ اس طرح قرض دینے میں بڑا خطرہ لگا ہوا تھا۔ ہندوستانی نخل ہند نے بھی نیل سازی کے یورپی طریقے شروع کر دئے تھے۔ نیل سازی اور بیرون ملک فروخت کے لئے نیل بھیجنے کی یقیناً یورپی لوگوں نے پہل نہیں کی تھی۔ بلکہ مدت سے مشرق میں نیل کے رنگ اور استعمال سے لوگ واقف تھے۔ دیسی لوگ نیل سازی بھی کرتے تھے۔ اور اس کو بیرون ملک فروخت کے لئے بھی بھیجتے تھے۔

نیل سازی کا قدیم ہندوستانی طریقہ نامکمل تھا۔ ایسٹ انڈیا کمپنی اس

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

چیز کی پیداوار کے لئے یورپی نخلبند کو پیشگی رقم دیتی تھی۔ اور ۱۸۰۹ء میں کثیر مقدار میں انگلستان نیل ارسال کرنے لگی۔ بنگالے میں نیل کی تجارت کو ایکایک جو بہت بڑا فروغ ہوا تو اس کا سبب سینٹ ڈومنگو کا بالکلیہ برباد ہو جانا تھا جہاں سے انقلاب فرانس سے پہلے تقریباً ساری دنیا میں نیل کی رسد قائم تھی لیکن رعایا کی بغاوت کے بعد سے آدھ سیر نیل بھی وہاں پیدا نہیں ہوا تھا کیونکہ اس بغاوت میں نیل کے سارے کارخانے مسمار کر دیئے گئے تھے۔

شکر

گنے کی کاشت دکن کے مختلف اقطاع میں ہوتی تھی اس کو آبپاشی کی ضرورت تھی ہندوستانی شکر سازی کا طریقہ نہایت سادہ تھا اور اس کی کلیں بھی ناقص تھیں اس میں ترقی کی بہت کچھ گنجایش تھی۔ کپاس اور نیل کی کاشت کی طرح نیشکر کی کاشت کرنے کی بھی ہر شخص کو آزادی تھی۔ جزائر غرب الہند سے جو کلیں لائی گئی تھیں ان سے نیشکر کا اتنا رس نہیں نکلتا تھا جتنا کہ ہندوستان کی مشینوں سے اور منافع کمانے کی غرض سے ان مشینوں کے لانے والے کو نقصان اٹھانا پڑا۔ ملیبار میں دو یورپی اشخاص بھی اس منصوبے میں شریک تھے۔ لیکن دونوں نے اس سے کنارہ کشی اختیار کر لی۔ ۱۷۹۶ء سے ۱۸۰۲ء تک گنجم میں نیشکر کی کاشت شروع کرنے کی کوشش کی گئی لیکن نتیجہ اطمینان بخش نہیں نکلا۔ یورپی لوگوں کو شکر سازی میں ایسی مصروفیت نہ تھی جیسی کہ نیل سازی میں تھی یہ لوگ شکر بازار سے خرید لیتے تھے۔ یا کاشتکاروں سے جن کو وہ پیشگی رقوم دیتے تھے۔ ہندوستان میں جو مشینیں استعمال ہوتی تھیں وہ جزائر غرب الہند کی مشینوں کے بہ نسبت ادنی درجے کی تھیں اور ہندوستان میں نیشکر کے بہت بڑے کھیت بھی نہ تھے۔ ہندوستان کی شکر جزائر غرب الہند کی شکر سے خراب تھی۔ بنگالے میں نیشکر جزائر غرب الہند کے نیشکر کی طرح اچھا ہوتا تھا اور یہاں ایک خاص ترکیب سے نہایت ہی نفیس شکر بنائی گئی تھی۔ اس ترکیب کو اختیار کرنے میں اس قدر زیادہ لاگت ہو جاتی تھی کہ منافع کی گنجایش ہی نہیں رہتی تھی۔

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

بنگالی شکر کی خام پیداوار پر ۱۲۰ فیصد محصول تھا جو اصلی لاگت پہ ۲۰۰ فیصد محصول کے مساوی تھا۔

گنے کی کاشت کے قابل بہت سی زمین ہندوستان میں تھی لیکن شکر سازی کا انتظام اچھا نہ تھا۔ اگر زیادہ دانائی کے ساتھ اس کے لئے نیشکر چن لئے جاتے یا رس نکالنے اور کھانڈ بنانے میں زیادہ کفایت کو ملحوظ رکھا جاتا تو اس کی مانگ میں بھی توفیر ہوتی۔ کمپنی کی ایک کوٹھی بنارس میں تھی اور گماشتے بھی تھے۔ جو ملک میں ادھر اُدھر پھر کر چھوٹے چھوٹے شکر سازوں سے شکر خریدتے تھے۔ لیکن حال ہی میں شکر کی درآمد موقوف کر دینے کے احکام صادر ہوئے تھے۔

تمباکو

ہندوستان کے تمباکو کی قیمت امریکہ کے تمباکو کی ایک ثلث بھی نہ تھی کیونکہ ہند کے کاشتکاروں اور قوام سازوں میں وہ ہنر نہ تھا بیج اور زمین کے انتخاب میں کھیتوں سے گھاس پات نکالنے اور ان کو کاٹنے میں تمباکو تیار کرنے اور اس کے گٹھے باندھنے میں' زیادہ توجہ درکار تھی۔ ہندوستان امریکہ سے مقابلہ نہیں کر سکتا تھا لیکن ہندوستانی تمباکو کی مانگ اور پھیل سکتی تھی بشرطیکہ ہنر اور روپیہ اس میں لگایا جاتا۔

یورپی لوگ تمباکو کا بیوپار نہیں کرتے تھے۔ کیونکہ اندرون ملک تجارت کرنے کی ان کو اجازت نہ تھی۔ بمبئی کے شمالی اضلاع میں وسیع پیمانے پر تمباکو کی کاشت ہوتی تھی اور وہاں یہ اعلیٰ درجے کا ہوتا تھا۔ ایک گٹھا جو انگلستان میں درآمد ہوا تھا وہ امریکہ کے تمباکو کی بہ نسبت زیادہ قیمت یعنی ۶ پنس پر بکتا تھا۔ جبکہ موخر الذکر کی قیمت صرف ۵ پنس تھی لیکن اس گٹھے میں جس کی تجربتہً آمد کی گئی تھی تمباکو کا اوسط حصہ ایسا نکلا جس کا قوام

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

ناقص ہوا تھا۔ بنگالے اور بمبئی سے انگلستان کو تمباکو کی برآمد ناکامیاب ثابت ہوئی۔ گجرات کے تمباکو کے کھیت سب سے زیادہ پاک وصاف تھے اور یہاں اس کی بہترین کاشت ہوتی تھی کو ئمبتور میں جو مدراس میں واقع تھا یہی سب سے زیادہ قیمتی پیداوار تھی۔

تمباکو کا کوئی ہندوستانی نام نہیں ہے جس سے پتا چلتا ہے کہ یہ ہندوستان کی اصلی پیداوار نہیں ہے لیکن یہاں بہت ہی قدیم زمانے سے اس کی کاشت تھی ہندوستان میں جن چیزوں کی مختصر کاشت ہوتی تھی ان میں اس کا بھی شمار تھا اور محض ملکی استعمال کے لئے اس کی پیداوار تھی ہندوستان میں اس کو گڑ خوشبو کا مصالحہ اور میوہ ملا کر استعمال کرتے تھے۔ زرخیز زمین میں فی ایکڑ ۱۶۰۰ پونڈ (وزنی) اس کی پیداوار ہوتی تھی لیکن اوسط درجے کی زمینوں میں ۸۰۰ پونڈ تمباکو کی ہری پتی محنت کا واجبی معاوضہ سمجھی جاتی تھی۔ عموماً ہندوستانی تمباکو خراب ہوتا تھا لیکن اس میں اصلاح ممکن تھی۔ شمالی سرکار کے تمباکو سے مچھلی بندر میں جو نا س بنتی تھی اس کی انگلستان میں بڑی قدر تھی۔ "ہوانا" کے عمدہ تمباکو کی بھاگلپور میں بھی جو بنگالہ میں تھا کچھ پیداوار ہوتی تھی۔

رنگ اور شورہ - قہوہ اور چائے۔

لاکھی رنگ کثیر مقدار میں انگلستان بھیجا جاتا تھا لاکھ ایک قسم کا گوند ہے جس میں لاکھ کے کیڑے یا ان کے انڈے ہوتے ہیں اور اسی سے رنگ بنایا جاتا ہے۔ رنگ کے اجزا علیحدہ کئے جاتے تھے۔ جس سے رنگ بنتا تھا اور گوند جو باقی رہ جاتا تھا اس سے چپڑا لاکھ بنتی تھی۔ لاکھی رنگ سے کپڑے سرخ رنگے جاتے تھے لیکن اس رنگ کا میل نفیس ترین رنگوں کیلئے ٹھیک نہ تھا۔ لاکھ جلا دینے والے روغن کی طرح بھی مستعمل ہوتی تھی۔

قرمز مدراس کے جنوبی اقطاع میں جمع کیا جاتا تھا۔ اور میکسیکو کے

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

قرمز کے مقابل موٹا موٹا اور معمولی درجے کا ہوتا تھا۔ ۱۸۲۰ء سے قرمز کی قیمت غالباً لاکھی رنگ کی وجہ سے ایک رُبع گھٹ گئی تھی۔ بنگالے سے قرمز کی درآمد نہیں ہوتی تھی۔

انگلستان میں ایسٹ انڈیا کمپنی نے ۱۴۶۰۰۰ ہنڈرڈ ویٹ کی مقدار میں شورہ ۱۸۱۴ء میں درآمد کیا تھا لیکن ۱۸۳۲ء میں اس کی مقدار صرف ۴۲۳۰۰ ہنڈرڈ ویٹ ہوئی تھی جس وقت سے خانگی تاجروں نے شورے کی درآمد شروع کی اس کی قیمت اتنی گھٹ گئی کہ یہ کھاد کی طرح بکنے لگا۔ ۱۸۱۴ء میں اس کی قیمت ۹۸ شلنگ ۶ پنس فی ہنڈرڈ ویٹ تھی مگر ۱۸۳۲ء میں صرف ۲۷ شلنگ ہی رہ گئی۔ کمپنی کے لئے ۱۸۱۴ء سے پہلے شورے کی انگلستان کو درآمد نفع بخش تھی مگر اس کے بعد سے ہی نفع بخش نہ رہی۔

صرف ۱۸۲۳ء سے ہی قہوہ کی کاشت وسیع پیمانے پر ہونے لگی اس کے بعد حکومت نے نخلبند کو نہ صرف قہوے کی کاشت کی اجازت ہی دیدی بلکہ کئی سال تک زمینوں پر مسلسل قبضہ رکھنے کا اذن بھی دیدیا۔ یہ رعایت کسی اور قسم کے یورپی نخلبند کے ساتھ کبھی نہیں کی گئی تھی۔ بنگالے میں ۴۰۰۰ ایکڑ زمین قہوے کے زیر کاشت تھی۔ بنگلور کا قہوہ بہت اچھا ہوتا تھا لیکن اتنا نہیں جتنا کہ موکا کا اور اس کی کاشت پھیل رہی تھی۔ ارکاٹ میں قہوے اور گنجم میں "کوکو" کے نخلستان قائم کرنے میں کامیابی نہیں ہوئی۔

ہندوستان میں ابھی چائے کی کاشت رائج نہیں ہوئی تھی لیکن ڈاکٹر والک نے جس کی شہادت دھان کی کاشت کے متعلق اس سے پہلے بیان کی گئی ہے۔ ہندوستان کے پہاڑی قطعات میں چائے کی کاشت کے امکان پر ایک قیمتی مضمون لکھ کر پیش کیا۔ اس کے چند اقتباسات ذیل میں پیش کئے جاتے ہیں:-

"چائے کی اہم ترین کاشت چین کی شاہنشاہی کے ان صوبوں میں کی جاتی تھی جو شمالی عرض بلد کے ستائیسویں اور تینتیسویں متوازیات کے

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

مابین واقع تھے اور جہاں کلیتاً سیاہ چائے کی پیداوار ہی تھی لیکن جنوب میں بھی کینٹن کے ساحل کے قریب قریب تک کثیر مقدار میں چائے پیدا ہوتی تھی۔

پینینگ میں براؤن صاحب متوفیٰ نے اس غیر متعلقہ واقعے سے غلطی میں پڑکر کہ اس جزیرے کی آب و ہوا اس پودے کے موافق تھی اس کی کاشت کا منصوبہ دل میں سوچ لیا تھا...... بہ حیثیت مجموعی پودوں کا نشوونما دیکھنے کے قابل تو ہوا۔ لیکن جب ان کی فصل کا زمانہ آیا تو اس تمام محنت اور دقت اور مصارف کے باوجود پیداوار بہت ہی ادنیٰ درجے کی نکلی۔

جاوا میں بھی اس کے مماثل تجربات مماثل حالات میں اسی طرح بے سود ثابت ہوئے اور آخر کاران سے دست بردار ہو جانا پڑا۔ مجھ کو معلوم ہوا ہے کہ اس سے کئی سال بعد ڈچ حکومت نے بھی سیلون کے جنوبی اقطاع میں جو تجربات کئے تھے ان میں اس حکومت کو کوئی زیادہ کامیابی نہیں ہوئی۔

"تقریباً بیس سال کے قبل ائیو جنیرو میں ایک بڑے پیمانے پر چائے کی کاشت شروع کی گئی تھی......... اس پیداوار کا ذائقہ اور بو اتنی خراب ثابت ہوئی کہ حال میں اس کی کاشت ہی تقریباً چھوڑ دی گئی۔

"برزیل میں جو چائے پیدا ہوتی ہے اس کے نمونے کے جانچنے کا مجھ کو موقع ملا تھا........ اس پتی سے جو چائے دم دی گئی تھی اس کا مزہ نہایت ہی خراب تھا........

جزائر شرق الہند کی برطانوی عملداری میں ایسے اقطاع موجود ہیں جن کی آب و ہوا اُن صوبوں کے بالکل برابر ہے جہاں چائے ہوتی ہے اور اس میں شک نہیں کہ چین میں بہتر سے بہتر جو چائے ملتی ہے اس کے برابر ان صوبوں میں بھی پیدا ہو سکتی ہے......... کماؤن گڑھوال اور ہرمور کے صوبوں میں ایسے مواقع موجود ہیں جو چین اور جاپان کے ان مواقع کے بالکل مماثل ہیں جن سے ہم تھوڑے بہت واقف ہیں اور جہاں چائے کے پودوں کی کاشت بڑے سے بڑے پیمانے پر کمال خوبی کے ساتھ کی جاتی ہے۔

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

"میں نے ایک موقع پر یہ بیان کیا تھا کہ نیپال میں کمیلیا کی قسم کا ایک خودرو پھول ہوتا تھا۔ اور ۱۸۱۸ء میں اس کی تفصیل شایع کرتے وقت ایک چائے کا پودا مجھ کو نظر پڑا تھا جو کٹمنڈو کے ایک باغ میں خوب ہرا بھرا کھڑا تھا اور دس فیٹ اونچا تھا اور سال کے آخر چار مہینوں میں کثرت سے پھول پھل دیتا تھا۔ چند سال کے بعد اس پائے تخت میں دوبارہ جب میں آیا تو پھر میں نے اس پودے کو دیکھا۔ تحقیق کرنے پر معلوم ہوا کہ اس کے بیج پیکن سے گرکھا حکومت کی کوئی سہ سالہ سفارت چین سے پلٹتے ہوئے اپنے ساتھ لائی تھی۔

اگر ہم ان تمام یکساں حالات پر مناسب غور کریں تو ہمیں نہایت قوی توقعات ہو سکتے ہیں کہ کسی معقول انتظام میں تھوڑے ہی زمانے کے اندر اندر چائے کی کاشت معزز ایسٹ انڈیا کمپنی کی قلمرو میں پھیل جائے گی اور متمدن زندگی میں ہماری سب سے بڑی آسائش اور سب سے زیادہ عیش کی چیز رسد کا انحصار ایک مطلق العنان قوم کی محض مرضی اور اس کے تلون پر زیادہ دنوں تک باقی نہیں رہے گا۔"

ڈاکٹر والک کا یہ مراسلہ ۳ر فروری ۱۸۳۲ء کا ہے اور ان نامعلوم گرکھا سفیروں کے بعد جنھوں نے نیپال میں چائے کی کاشت کی پہل کی تھی انصاف یہی چاہتا ہے کہ ہم ڈاکٹر والک کو بھی ان لوگوں میں شمار کریں جنھوں نے ہندوستان میں چائے کی کاشت قائم کرنے میں اوروں کی رہنمائی کیلئے ایک نیا رستہ نکالا۔

طلا لوہا اور تانبا

طلا۔ نیلگری میں پایا جاتا تھا اور بالکل خالص طلا معقول مقدار میں ضلع وائناڈ میں جو پہاڑوں کے دامن میں واقع تھا جمع کیا جاتا تھا۔ لوہے کی خلز ہندوستان کے اکثر اقطاع میں کثرت سے تھی۔ راجپوتانہ میں برطانوی یا

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

سویڈی لوہے سے بھی اس کی قیمت زیادہ تھی اور اس سے بھی زیادہ ملائم ہوتی تھی لیکن لوہا بنانے میں بہت فلز ضائع جاتی تھی۔ لیکن بنا ہوا لوہا انگریزی لوہے سے اس لئے گرے ہوئے درجے کا تھا کہ ساخت کی ترکیب بھی ویسی اعلیٰ نہ تھی۔ بنگالے میں بردوان کے نواح میں لوہے کی کچھ نفیس فلزات تھیں لیکن اس سے بہتر اقسام کی ساحل مدراس پر نکلتی تھیں۔ فولاد آسانی کے ساتھ اس سے نہیں بنتا تھا لیکن جب بنتا تھا تو دیکھنے کے قابل بنتا تھا مسٹر ہیتھ نے ایک لوہار خانہ مدراس کے قریب قائم کیا تھا جس میں یورپ کی مشینیں لگائی تھیں اور کمپنی کے منشور کے اختتام تک لوہے کی صنعت کے کل حقوق اس کو حاصل تھے۔ یہاں کا لوہا ہندوستان کی اور جگہ کے لوہے سے اور خود سویڈی لوہے سے بھی زیادہ اچھا ہوتا تھا لوہے کی فلز ملیبار کی سرحد پر بھی افراط سے پائی جاتی تھی اور بالخصوص کوئمبتور میں تو بڑی ہی سستی تھی۔ کچھ کا لوہا خاص طور پر عمدہ ہوتا تھا اور زیادہ تر سطح زمین پر ہی مل جاتا تھا اور ٹوکروں میں بھر بھر کے کوئلوں کے ساتھ جلادیا جاتا تھا ہندوستان میں بہترین فولاد کچھ میں بنتا تھا جس سے زرہ بکتر تلواریں وغیرہ بنائی جاتی تھیں۔ تانبا ہندوستان کے شمال مشرقی ممالک میں نکلتا تھا۔

کوئلا اور چوبینہ

بنگالے کے ضلع بردوان میں کوئلے کی بڑی بڑی کانیں تھیں جو سنہ ۱۸۳۲ء میں متحرک تھیں اور جن سے سالانہ چودہ یا پندرہ ہزار ٹن کوئلا نکلتا تھا۔ کانو کا کھودنا سنہ ۱۸۱۴ء میں شروع ہوا لیکن سنہ ۱۸۲۵ء میں وسیع پیمانے پر کان کنی کی ابتدا ہوئی۔ کوئلے کی پرت ۹ فٹ چوڑی اور سطح زمین سے تقریباً ۹۰ فٹ کی گہرائی پر تھی دو تین ہزار آدمی اس کام پر لگائے گئے تھے جن کو فی کس ۶ یا ۸ شلنگ ماہانہ ملتا تھا۔ زیادہ تر بھاپ کے انجنوں کے لئے کوئلا استعمال کیا جاتا تھا اور اسی غرض سے سنگاپور بھیجا جاتا تھا اس کے علاوہ اینٹیں جلانے کے بھی کام آتا تھا۔ کوئلا افراط کے ساتھ بندیلکھنڈ اور کچھ میں بھی نکلتا تھا۔

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

کچ کا کوئلہ بھاپ سے چلنے والے انجنوں کیلئے اچھا نہ تھا۔ اور بمبئی میں انگریزی کوئلہ اس سے بھی ارزاں تھا۔ بردوان کا کوئلہ ہندوستان میں سب کوئلوں سے بہتر ہوتا تھا اور کلکتے میں کوئی اور کوئلہ مستعمل ہی نہ تھا اس کی قیمت فی بشل دس آنے (ایک شلنگ ۳ پنس) تھی جلنے میں اس کی ٹکیاں ٹکیاں نہیں بن جاتی تھیں بلکہ سفید راکھ ہونے تک یہ جلتا رہتا تھا لوہا بنانے کے لئے یہ کوئلہ انگریزی کوئلے کے برابر نہ تھا۔ انگلستان کے بہترین کوئلے اور بنگالے کے بہترین کوئلے میں آتش افروزی کے لحاظ سے ۳ اور ۵ کا تناسب تھا۔

ہندوستان کے جنگلوں میں دنیا کی ہر قسم کا چوبینہ ہوتا تھا۔ خاص خاص قسم کے چوبینہ میں ساگوان سال سیسو (شیشم)۔ تون جار دل اور آم کی لکڑی تھی۔ سال کی لکڑی تعمیری کاموں جہاز سازی اور فوجی ضرورتوں میں لگائی جاتی تھی۔ ناقص اور مسرفانہ انتظام کی وجہ سے سال سیسو اور بانس کی مقداریں کم ہو رہی تھی۔ بلوط اور صنوبر کے درخت یہاں کثرت سے تھے۔ ہندوستان کا چوبینہ تجارت خارجہ کا ایک جزو بن سکتا ہے۔

افیون اور نمک

افیون اور نمک میں ایسٹ انڈیا کمپنی نے اپنا اجارہ اپنے ہی ہاتھ میں رکھا جیسا کہ حکومت ہند آج تک کرتی چلی آئی ہے اور یہ دونوں آمدنی کے اہم ذریعے تھے۔

ہولٹ میکنزی نے دو جوان اہم گواہوں میں تھا جن کا اظہار ۱۸۳۲ء میں دار العوام کی کمیٹی نے لیا تھا یہ کہا ہے کہ "افیون اور نمک سازی تجارت کی خاطر نہیں بلکہ آمدنی کے لئے ہیں۔ میری رائے یہ ہے کہ ان اشیاء کے متعلق مجوزہ تغیرات میں ایک تغیر بھی ایسا نہیں ہے جس سے محاصل کا بہت بڑا نقصان نہو۔ میں سررشتہ نمک میں تو یہ خیال نہیں کرتا کہ ہم چنگی کے محصول سے بھی اتنے ہی خالص محاصل جمع کر سکتے ہیں جتنے کہ عام نیلام سے ہمیں حاصل ہوتے ہیں"۔

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

"اس ذریعے (افیون) سے بھی ان کو بہت بڑی آمدنی ہوتی ہے ابتدائی لاگت سے زیادہ جو قیمتیں نیلام میں آتی ہیں وہ ایک طرح کا محصول ہی ہے جس کے کسی اور ترکیب سے وصول ہونے کی قطعی امید نہیں۔ اگرچہ تجارت کے نقطۂ نظر سے اس نظام پر بہت سے اعتراضات ہیں لیکن ساتھ ہی ساتھ محاصل کی ضرورت کا بھی لحاظ لازمی ہے۔ اور مجھ کو یقین ہے کہ محاصل کی یہی رقم کسی اور طریقے سے ہرگز نہیں مل سکتی۔

خلاصہ

مذکورالصدر خلاصہ سے عیاں ہوتا ہے کہ دارالامرا اور دارالعوام کی کمیٹیوں کے سامنے جو شہادت ۱۸۳۰ء اور ۱۸۳۲ء کے درمیان قلمبند ہوئی تھی اس میں اس زمانے کی ہندوستانی صنعت و حرفت کے حالات کا قیمتی بیان اسی طرح درج ہے جیسا کہ ڈاکٹر فرانسس بکانن کے کاغذات اور تحریرات میں ۱۸۰۰ء اور ۱۸۱۵ء کے صنعت و حرفت کے حالات درج ہیں مگر پھر بھی پارلیمنٹی کاغذات میں جو بیان درج ہے وہ ایسا مکمل نہیں جیسا کہ ڈاکٹر بکانن کا بیان مکمل ہے۔ امرا اور عوام نے اپنی اپنی تحقیقات اس صنعت و حرفت تک محدود رکھی جس میں برطانوی اصل لگا ہوا تھا یا نفع بخش طور پر لگایا جا سکتا تھا ادنیٰ درجے کی صنعت و حرفت میں جو ہندوستان کے لوگوں کا پیشہ تھی ان کو کچھ ایسی دلچسپی نہ تھی مثلاً راجگری۔ معماری۔ سنگتراشی۔ نجاری۔ جہاز سازی۔ فرنیچر بنانا۔ پیتل لوہے اور تانبے کے ظروف ڈھالنا۔ طلائی اور نقروی سامان بنانا۔ رنگ ریزی اور دباغت چرم یا ہندوستان کی کاتنے اور بننے کی صنعت جو انحطاط پر تھی۔

جس قدر شہادت قلمبند ہوئی اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ بڑے زرعی کاروبار میں تو انگلستان ہندوستان کو کچھ سکھا نہیں سکتا تھا لیکن اناج کے صاف کرنے کے علاوہ کاتنے اور بننے میں شکر و نیل سازی اور تمباکو کو قوام کرنے میں

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

قہوہ اور چائے کی کاشت میں آہنی سامان اور اسلحہ بنانے میں کوئلے اور طلا کی کانکنی اور ان تمام صنعتوں میں جو کلوں کی محتاج نہیں یورپ بڑھا ہوا تھا۔ اور ۱۸۳۰ء میں ہندوستان کے مقابل یورپ نے جو طریقہ اور اسلوب اختیار کیا تھا وہ زیادہ مکمل تھا یہ خیال کرنا ممکن ہے کہ ایک ایسی حکومت جس کے مد نظر قومی صنعت و حرفت کی ترقی ہو ان اعلیٰ طریقوں کی ترویج ہندوستان کے محنتی اور ہنرمند لوگوں میں کر سکتی تھی جیسا کہ ہمارے ہی زمانے میں جاپان کے لوگوں میں بالآخر کی گئی۔ لیکن یہ ممکن نہ تھا کہ جو لوگ صرف اپنا ہی منافع کمانے میں لگے ہوئے تھے دیسی تجار اور حریف صانعین کا مفاد بھی ان کے پیش نظر رہتا۔ اسی لئے اس کی کوشش ہی نہیں کی گئی۔ بلکہ اس کے برخلاف ایک ایسی حکمت عملی اختیار کی گئی جس کا یہ منشا تھا کہ جہاں تک ممکن ہو ہندوستانی صنعت کی بجائے برطانوی صنعت جم جائے۔ ۱۸۳۲ء کی پارلیمنٹی تحقیقات کی تاریخ سے پانچ سال کے بعد منٹگمری مارٹن نے اس زمانے کی تجارتی حکمت عملی کو بیان کرتے ہوئے شد و مد کے ساتھ اس میں عیب بھی نکالے ہیں۔

"سرکاری طور پر حکومت کو ان تمام باتوں کی یعنے ڈاکٹر بکانن کی شمالی ہند میں معاشی تحقیقات کی) تفصیلی اطلاع ہونے کے بعد سے ہماری خود غرضی اور ہمارے لالچ نے انگلستان یا ہندوستان میں ہمیں کبھی کوئی ایسی موثر تدبیر اختیار نہ کرنے دی جو دردمندوں کی دوا ہوتی۔ بلکہ اس کے برخلاف ہم نے ہر ممکن کوشش بھی کی کہ ان بدنصیب بندگان خدا کو جو انگریزی تجارت خارجہ کی ظالمانہ خود غرضی کے تختۂ مشق بنے ہوئے تھے زیادہ مفلس اور نادار تر بنا دیں ناظرین کے پیش نظر جو اوراق ہیں ان سے ثابت ہوتا ہے کہ جن اضلاع میں یہ تحقیقات ہوئی تھی اکثر لوگ ایسے تھے جن کا کسب معاش کا ذریعہ محض ان کا سوتی کپڑے وغیرہ بننے کا ہنر تھا۔ آزاد تجارت کے حیلے سے انگلستان نے ہندوستانیوں کے لئے لنکیشر۔ یارکیشر۔ گلاسگو وغیرہ کے بھاپ سے چلنے والے کرگھے کی مصنوعات کا لینا جن پر محض برائے نام محصولات تھے ناگزیر کر دیا تھا۔ در آنحالیکہ انگلستان میں بنگالے اور بہار کی دستی مصنوعات

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

اور دیدہ زیب اور پہنے میں پائدار پارچہ جات کی درآمد پر نہایت ہی سنگین بلکہ تقریباً امتناعی محصول لگائے گئے تھے۔

دارالعوام کی کمیٹی نے ہولٹ میکنزی سے یہ استفسار کیا کہ:۔

"ہندوستان کے اس حصے میں جہاں برطانوی لوگ بڑی سے بڑی تعداد میں بودوباش رکھتے ہیں ہندوستانیوں کے ولایتی مذاق، وضع قطع، عادات و اطوار اختیار کرنے کی رفتار میں کوئی ترقی ہوئی ہے کہ نہیں؟"

ہولٹ میکنزی نے جواب دیا کہ:۔ کلکتے پر نظر کرتے ہوئے میرے خیال میں ہندوستانیوں میں ولایتی سامان تعیش اختیار کرنے کا نمایاں طور پر مادہ ہے ان کے گھروں میں ولایت کا وافر ساز و سامان رہتا ہے اکثر تو گھڑیاں بھی لگاتے ہیں۔ گاڑیوں کے دلدادہ ہیں اور خبر ہے کہ مے نوشی بھی کرتے ہیں"

ہندوستان میں مغربی تمدن کے پھیلنے کے متعلق اس قدر ہمتی خیز شہادت ہاتھ لگنے پر دارالعوام انگلستان کے سنجیدہ اور مقدس ارکان کی (گو مکروہ طمانیت خاطر کے ساتھ ہی سہی) باچھیں تو ضرور کھل گئی ہوں گی!

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

سولھواں باب

تجارت خارجہ (۱۸۱۳ء-۱۸۳۵ء)

۱۸۱۳ء میں قانون نافذ ہوا کہ ایسٹ انڈیا کمپنی کے ملکی حسابات اس کے تجارتی حسابات سے بالکل علیٰحدہ رکھے جائیں اور یہ بھی حکم دیا گیا کہ صرف ذیل کی صورتوں میں ملکی محاصل سے استفادہ کیا جانا چاہئے :- (۱) فوجی مصارف کے لئے (۲) دیوانی اور تجارتی عملے کے اخراجات کے واسطے (۳) ہندوستان کے ملکی قرضے کا سود ادا کرنے کی خاطر- اور تجارتی منافع حسب ذیل امور میں صرف ہونا چاہئے:- (۱) ہنڈیوں اور دوسرے قرضوں کے ادا کرنے کی غرض سے (۲) مقبوضات ادا کرنے کے لئے (۳) ہندوستان کے ملکی قرضے یا انگلستان کے اندرونی ملکی قرضے میں تخفیف کرنے کے واسطے-

ہندوستان کے ملکی محاصل پندرہ سال کے اثناء میں یعنی ۱۸۱۳ء سے ۱۸۲۸ء تک حسب ذیل تھے :-

	پونڈ
بنگالہ	۱۹۶۱۲۱۹۸۳

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

	پونڈ
مدراس	۸۲۰۴۲۹۶۷
بمبئی	۳۰۹۸۶۸۷۰
اودھ اور اس کے ملحقات	۱۹۳۱۴۸۰

میزان ۳۱۱۰۸۳۳۰۰ پونڈ

اس حساب سے ملکی محاصل کا سالانہ اوسط دو کروڑ پونڈ انگلسیہ ہوتا تھا "مطالبات وطن" کا سالانہ اوسط جو ہندوستان کے ملکی محاصل میں سے انگلستان میں خرچ کئے جاتے تھے ۱۶۹۳۴۷۲ پونڈ ہوتا تھا اور جملہ مصارف ملکی جملہ ملکی محاصل سے زیادہ ہوتے تھے جس کی وجہ سے سالانہ اوسطاً ۱۲۲۷۳۴۴۳ پونڈ کی کمی واقع ہوتی تھی۔ اس پندرہ سال کے زمانے میں "ملکی قرضہ" تین کروڑ پونڈ انگلسیہ سے بڑھ کر چار کروڑ ستر لاکھ پونڈ انگلسیہ تک پہنچ گیا تھا اور سینتیس سال کی مدت میں کمپنی کے "ملکی قرضہ" میں جو مسلسل تدریجی اضافہ ہوا وہ ذیل کے اعداد سے معلوم ہوتا ہے۔

	پونڈ
اپریل ۱۷۹۲ء	۹۱۴۲۷۲۰
" ۱۸۰۹ء	۳۰۸۱۲۴۴۱
" ۱۸۱۴ء	۳۰۹۱۹۶۲۰
" ۱۸۲۹ء	۴۷۲۵۵۳۷۴

اس طرح یہ ظاہر ہوتا ہے کہ لارڈ ویلزلی اور لارڈ ہیسٹنگز کے نظم و نسق کے اثناء میں اس قرضے میں بہت بڑا اضافہ ہوا تھا۔ جیسا کہ پہلے بیان کیا گیا ہے کمپنی کے تجارتی منافع کے فاضلات ہنڈیوں اور مقسوبات کے ادا کرنے کے بعد ہندوستان کے ملکی قرضے یا انگلستان کے اندرونی ملکی قرضے کی تخفیف میں لگائے جا سکتے تھے۔ لیکن تجارتی منافع کے یہ فاضلات جو ۱۸۱۴ء اور ۱۸۱۷ء میں دس لاکھ پونڈ انگلسیہ سے بھی بڑھ کر

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

تھے شاہنشہی کے حدود میں وسعت اور کمپنی کی تجارت میں انحطاط پیدا ہوتے ہی تبدریج کم ہوتے گئے حتیٰ کہ ۱۸۱۹ء اور ۱۸۳۰ء کے درمیان صرف ۳۰۰۰ پونڈ اور ۴۰۰۰ پونڈ کے بین بین رہ گئے تھے۔ ۱۸۲۴ء کے بعد سے کمپنی نے تجارتی مال کی ہندوستان کی طرف برآمد بالکل موقوف ہی کر دی اور محض جنگی اور سیاسی ضروریات کا سامان برآمد کرنے لگی کمپنی کے ہندوستان کی طرف برآمد جاری نہ رکھنے کے وجوہ یہ تھے کہ اس کے معاوضے میں ہندوستان کی کوئی پیداوار یا مصنوعہ شئے ملنی مشکل تھی۔ ہندوستان کی صنعت وحرفت پر انحطاط چھا گیا تھا اور جو اشیا کہ کمپنی ہندوستان سے انگلستان میں درآمد کرتی تھی وہ محض خام ریشم۔ پشمینے کے کچھ تھان۔ شورہ اور نیل تھے نیل کلکتے میں خرید لیا جاتا تھا۔ کچھ ریشم اور شورہ خود کمپنی کے کارخانوں میں بنتا تھا اور پشمینے کے تھان جولاہوں کے چودھریوں سے معاہدات پر لیے جاتے تھے۔ نیز انگلستان میں ہندوستانی شکر کی درآمد تک مسدود کر دی گئی تھی۔ ہندوستان کے ساتھ کمپنی کی تجارت خارجہ مسلسل گھٹتی رہی اور جب ۱۸۳۳ء میں منشور کی تجدید ہوئی تو کمپنی کی یہ تجارت موقوف ہی کر دی گئی۔

جتنی جتنی کمپنی کی تجارت گھٹتی گئی اتنی اتنی وہ خانگی تاجروں کے قبضے میں چلی گئی جن کیلئے ۱۸۱۳ء میں اولاً اس کا دروازہ کھول دیا گیا تھا۔ اس تاریخ سے سولہ سال کے دوران میں کمپنی کی سالانہ تجارت کا اوسط ۱۰۸۲۷۱۸ پونڈ تھا درآنحالیکہ خانگی تجارت کا سالانہ اوسط ۵۴۵۱۴۵۲ پونڈ تھا اس لحاظ سے خانگی تجارت کمپنی کی تجارت سے سہ گنی زیادہ تھی اور سرزمین ہندوستان کے مالکوں کے مقابل خانگی تاجروں نے ہندوستان کے ساتھ تجارت کرنے میں اپنے تئیں زیادہ قابل ثابت کر دکھایا مگر پھر بھی ان جدید انتظامات میں ہندوستان کی مصنوعات کو بالکل مٹا دینے کی تدبیر ہو رہی تھی۔ ۱۸۱۳ء کلکتہ سے لندن میں بیس لاکھ پونڈ انگلشیہ کا سوتی مال برآمد ہوا تھا مگر ۱۸۳۰ء میں خود کلکتہ میں بیس لاکھ پونڈ انگلشیہ کے برطانوی سوتی مصنوعات درآمد ہوئے ہندوستان میں برطانوی سوتی ڈھاگے کی پہلی برآمد ۱۸۲۳ء میں ہوئی ۱۸۲۴ء میں اسکی ۱۲۱۰۰ پونڈ (وزنی) تھی اور ۱۸۲۸ء میں وہ ۴۰۰۰۰۰ پونڈ (وزنی) تک بڑھ گئی۔ پشمینے، تانبا، لوہا، شیشہ اور مٹی کے برتن بھی درآمد کئے جانے لگے۔ ایک معمولی ڈھائی فی صدی

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

محصول ادا کئے جانے پر برطانوی مصنوعات کلکتے میں درآمد کئے جاتے تھے حالانکہ انگلستان میں ہندوستانی مصنوعات کی درآمد کی روک تھام کے لئے ان کی قیمت پر سنگین محصولات ۴۰۰ فیصدی تک لگا دیے گئے تھے۔ ذیل کی فرد اعداد میں ۱۸۱۲ء اور ۱۸۳۲ء کے درمیان انگلستان میں ہندوستانی صنائع کے مختلف اشیائے تجارت کی درآمد پر جو محصول لگائے گئے تھے ان کی تفصیل بتائی گئی ہے۔

	۱۸۱۲	۱۸۲۴	۱۸۳۲
	قیمت پر فی صد	قیمت پر فی صد	قیمت پر فی صد
بید کا آرائشی سامان	۷۱	۵۰	۳۰
ململ	۲۷ ⅓	۳۷ ½	۱۰
کیلیکو	۷۱ ⅔	۶۷ ½	۱۰
دوسرے سوتی مصنوعات	۲۷ ⅓	۵۰	۲۰
بکرے کے پشمینہ کی شالیں	۷۱	۶۷ ½	۳۰
لاکھی روغن کیا ہوا سامان	۷۱	۶۲ ½	۳۰
حصیریں	۶۸ ⅓	۵۰	۲۰
کچا ریشم	قیمت پر ۲ پونڈ ۱۳ شلنگ ۴ پنس محصول علاوہ ۴ شلنگ فی پونڈ وزنی محصول کے	۴ شلنگ فی پونڈ (وزنی)	ایک پنس فی پونڈ (وزنی)
ریشمی مصنوعات	امتناع درآمد	امتناع درآمد	۲۰ فی صد قیمت پر
تافتہ یا دوسرے سادہ اور نقشی ریشمینے	امتناع درآمد	امتناع درآمد	۳۰ فی صد قیمت پر
مصنوعات ریشم	امتناع درآمد	امتناع درآمد	۲۰ فی صد قیمت پر
شکر (جس کی لاگت کی قیمت تقریباً ایک پونڈ فی ہنڈرڈ ویٹ تھی)	ایک پونڈ ۳ شلنگ فی ہنڈرڈ ویٹ	۳ پونڈ ۳ شلنگ فی ہنڈرڈ ویٹ	ایک پونڈ بارہ شلنگ فی ہنڈرڈ ویٹ
دیسی شراب (دارو - عرق)	ایک شلنگ ۸ پنس	۲ شلنگ ایک پنس فی گیلن	۱۵ شلنگ فی گیالن

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

روئی	فی گیالن علاوہ ۹ شلنگ ۱/۴ ۱ پنس محصول چنگی کے ۱۴ شلنگ ۱۱ پنس ہر ۱۰۰ پونڈ (وزنی)	علاوہ ۱۷ شلنگ ¾ پنس چنگی کے ۔ ۶ فیصد	۲۰ فیصد

انگلستان میں ہندوستانی مصنوعات کی درآمد پر ناواجبی اور سنگین محصولات کے خلاف دارالعوام میں عرائض پیش کرنے کا کچھ نتیجہ نہیں نکلا ۔ تقریباً چار سو یورپی اور ہندوستانی تاجروں نے جن میں رام گوپال گھور کا بھی نام ہے اور یہ غالباً مشہور ہندوستانی متفنن رام گوپال گھوش ہے جس کے نام میں "گھور" غلطی سے چھپ گیا ہے ایک اپنی دستخطی عرضی شکر اور دیسی شراب پر جو محصول تھے ان کے خلاف پیش کی ۔ اس کے علاوہ ہندوستان کے سوتی اور ریشمی پارچہ جات پر محصول میں تخفیف کرنے کے لیے برطانوی حکومت کو ایک عرضی دی گئی تھی جس پر ہندوستانیوں کی ایک بہت بڑی معزز جماعت کے دستخط تھے ۔ مگر وہ نامنظور ہوئی ۔ اس پر بعض لندن کے تاجروں نے ان پارچہ جات کی انگلستان میں درآمد پر ڈھائی فی صدی محصول واپسی کے اجازت کی درخواست ایسٹ انڈیا کمپنی کے پاس پیش کی ۔ لیکن یہ درخواست بھی نتیجہ خیز ثابت نہیں ہوئی ۔

کس حد تک انگلستان کی غیر منصفانہ تجارتی حکمت عملی سے ہندوستان کے مصنوعات کی روک تھام اور تباہی ہوئی وہ ذیل کے فرد تعداد برآمد سے ظاہر ہے اس میں تیس سال کے دوران میں کلکتے کے بندر سے جو مال تجارت صرف ممالک متحدہ برطانیہ کو بھیجا گیا تھا اس کی مقدار درج ہے ۔

سال عیسوی	روئی	سوتی کپڑوں کے تھان	ریشم	ریشمی کپڑوں کے تھان	لاکھ اور لاکھی رنگ	نیل
	گٹھے	گٹھے	گٹھے	گٹھے	من	پیٹیاں
۱۸۰۰	۵۰۶	۲۶۳۶	۲۱۳	۰	-	۱۲۰۱۱

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

سال عیسوی	روئی	سوتی کپڑے کے تھان	ریشم	ریشمینوں کپڑے تھان	لاکھ اور لاکھی رنگ	نیل
	گٹھے	گٹھے	گٹھے	گٹھے	من	پیٹیاں
۱۸۰۱	۲۲۲	۶۳۴۱	۲۳۸			۹۹۲۸
۱۸۰۲	۲۰۶۲	۱۴۸۱۷	۴۰۰			۸۶۹۴
۱۸۰۳	۴۴۲۰	۱۳۶۴۹	۱۳۳۲			۱۲۹۸۶
۱۸۰۴	۶۰۴	۹۲۳۱	۱۹۳۶			۱۸۳۳۹
۱۸۰۵	۲۲۵۳	۲۳۲۵	۱۳۲۷			۱۳۴۸۶
۱۸۰۶	۷۳۱۵	۶۵۱	۱۶۸۹			۱۷۵۴۲
۱۸۰۷	۳۷۱۷	۱۶۸۶	۴۸۲			۱۹۴۵۲
۱۸۰۸	۲۰۱۶	۲۳۷	۸۱۷			۱۶۶۲۲
۱۸۰۹	۴۰۷۸۱	۱۰۴	۱۱۲۴			۸۸۵۲
۱۸۱۰	۳۴۷۷	۱۱۶۷	۹۴۹			۱۳۲۶۴
۱۸۱۱	۱۶۰	۹۵۵	۲۶۲۳			۱۴۲۳۵
۱۸۱۲	۰۰۰۰	۱۴۷۱	۱۸۸۹			۱۲۷۰۳
۱۸۱۳	۱۱۷۰۵	۵۵۷	۲۳۸			۲۳۶۷۲
۱۸۱۴	۲۱۵۸۷	۹۱۹	۱۷۸۶			۱۶۵۴۴
۱۸۱۵	۱۷۲۲۸	۲۸۴۲	۲۷۹۶			۲۶۲۴۱
۱۸۱۶	۸۵۰۲۴	۲۷۱۱	۸۸۸۴			۱۵۷۴۰
۱۸۱۷	۵۰۱۷۶	۱۹۰۴	۲۲۶۰			۱۵۵۸۳
۱۸۱۸	۱۲۷۱۲۴	۵۲۶	۲۰۶۶			۱۳۰۴۴
۱۸۱۹	۳۰۶۲۳	۳۱۸۶	۶۹۹۸	۴۶۸		۱۳۶۷۰
۱۸۲۰	۱۲۹۳۹	۲۱۳۰	۶۸۰۵	۵۲۲		۱۲۵۲۶
۱۸۲۱	۵۴۱۵		۶۹۷۷	۷۰۴		۱۲۶۳۵
۱۸۲۲	۶۵۴۴	۱۶۶۸	۷۸۹۳	۹۵۰		۱۹۷۵۱
۱۸۲۳	۱۱۷۱۳	۱۳۵۴	۶۳۵۷	۷۴۲	۱۴۱۹۰	۱۵۸۷۸

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

سال عیسوی	روئی	سوتی کپڑوں کے تھان	ریشم	ریشمینوں کے تھان	لاکھ اور لاکھی رنگ	نیل
	گٹھے	گٹھے	گٹھے	گٹھے	من	پیٹیاں
۱۸۲۴	۱۲۴۱۵	۱۳۳۷	۷۰۶۹	۱۱۰۵	۱۷۶۰۷	۲۲۴۷۲
۱۸۲۵	۱۵۸۰۰	۱۸۷۸	۸۰۶۱	۱۵۵۸	۱۳۴۹۱	۲۶۸۳۷
۱۸۲۶	۱۵۱۰۱	۱۲۵۳	۹۸۵۶	۱۲۳۳	۱۳۵۷۳	۱۴۹۰۴
۱۸۲۷	۴۷۳۵	۵۴۱	۷۷۱۹	۹۷۱	۱۳۷۵۶	۳۰۷۶۱
۱۸۲۸	۴۱۰۵	۷۳۶	۱۰۴۳۱	۵۵۰	۱۵۳۷۹	۱۹۰۴۱
۱۸۲۹	۰	۴۳۳	(؟) ۷۰۰۰	۰	۸۲۵۱	۲۷۰۰۰

ان اعداد سے ظاہر ہوتا ہے کہ یورپی [illegible] کی نیل سازی میں افزونی ہوتی گئی۔ کچے ریشم کی برآمد ایک ہی حال پر رہی مگر ریشمینوں کے تھانوں کی برآمد گھٹتی گئی۔ روئی کی برآمد میں بھی کمی ہو چلی تھی لیکن سب سے نمایاں کمی سوتی کپڑے کے تھانوں کی برآمد میں ہے۔ انیسویں صدی عیسوی کے ابتدائی چار سال میں ممانعات اور امتناعی محصولات کے باوجود چھ اور پندرہ ہزار کے درمیان تھانوں کے گٹھے سالانہ کلکتے سے ممالک متحدہ برطانیہ کو بھیجے جاتے تھے۔ اس کے بعد سے ۱۸۱۳ء تک ان کی تعداد بہت گھٹتی گئی لیکن اسی سال خانگی تاجروں کے لئے اس تجارت کا دروازہ کھل جانے سے ۱۸۱۵ء میں اس کی تعداد میں غیر متوقع اضافہ تو ہوا مگر یہ محض عارضی تھا۔ ۱۸۲۰ء کے بعد سے سوتی تھانوں کا بننا اور ان کی برآمد مسلسل ایسی گھٹتی گئی کہ پھر اس میں کبھی اضافہ ہی نہیں ہوا۔ ہندوستان سے دنیا کے دوسرے ممالک کو بالخصوص امریکہ۔ ڈنمارک۔ اندلس۔ پرتگال۔ موریشس اور ایشیا کی منڈیوں کو سوتی تھانوں کی جو برآمد تھی اس میں بھی اسی طرح کا انحطاط رونما تھا۔ امریکہ کو ۱۸۰۱ء میں ۱۳۶۳۳ گٹھے برآمد کئے گئے تھے۔ ۱۸۲۹ء میں وہ صرف ۲۵۸ رہ گئے۔ ڈنمارک جو ۱۸۰۰ء میں ۱۴۵۷ گٹھے لیتا تھا ۱۸۲۰ء سے ۱۵۰ گٹھوں سے زیادہ نہیں لینے لگا۔ پرتگال جو ۱۷۹۹ء

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

میں ۹۷۱۴ گٹھے لیتا تھا۔ ۱۸۲۵ء کے بعد سے ہزار گٹھوں سے زیادہ نہیں لینے لگا ۱۸۱۰ء اور ۱۸۲۰ء کے مابین خلیج عرب اور خلیج فارس کو چار سے سات ہزار تک ان گٹھوں کی برآمد پہنچ گئی تھی مگر ۱۸۲۵ء کے بعد سے دو ہزار گٹھوں سے زیادہ تعداد کبھی ہوئی ہی نہیں۔

برخلاف اس کے ہندوستان کے ہاتھوں سے جتنی جتنی صنعت نکلنے لگی اتنے اتنے برطانیہ سے ہندوستان میں پردیسی بنے ہوئے تھان زیادہ درآمد ہونے لگے جس کے معاوضہ میں ہندوستان سے اناج باہر جانے لگا۔ ذیل کے اعداد بہت معنی خیز ہیں۔

بعض برطانوی اور پردیسی اشیائے تجارت جن کی درآمد صوبۂ مدراس میں بندرگاہ مدراس سے ہوئی تھی۔

سال عیسوی	[illegible]	لٹھے	ململ	رینرے	اطلس	[illegible]	بانات	شال	اونی ملبوسات	[illegible]
	پونڈ	پونڈ	پونڈ	پونڈ	پونڈ	پونڈ	پونڈ	پونڈ	پونڈ	پونڈ
۱۸۲۲								۱۸۱		
۱۸۲۵								۹۲۰		
۱۸۲۶			۳۴۲	۹۰۳	۳۱۴		۸۳۵	۱۱۵۹		۶۱۴
۱۸۲۷	۵۱۰	۴۶۰	۹۴۱	۵۳۶	۶۳۶		۲۱۶۷	۷۵۴	۶۰۱	۹۱۵
۱۸۲۸	۲۱۹	۳۸۰	۷۸۹	۹۵۸	۵۹۳		۹۱۵	۱۱۱۵	۴۸۱	۱۳۱۰
۱۸۲۹	۳۵۲	۳۴۸	۵۹۸	۴۷۴	۸۵۳	۴۳۴	۱۴۱۷	۴۰۹	۵۸۱	۸۴۴
۱۸۳۰	۳۷۲	۰	۲۲۴	۱۱۳۱	۵۷۷	۱۳۶	۱۱۵۸	۴۷۶	۳۶۵	۴۵۷

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

بعض برطانوی اور پردیسی اشیائے تجارت جن کی درآمد بنگالے میں بندرگاہ کلکتہ سے ہوئی تھی۔

سال عیسوی	بانات کے تھان	سوت کے تار پونڈ (وزنی)	سوتی دھاگا پونڈ (وزنی)	چرخی دھاگا پونڈ (وزنی)	کپڑے کے تھانوں کی قیمت پونڈ انگلیسیہ	شراب کی قیمت پونڈ انگلیسیہ میں
۱۸۱۳	۳۳۸۱					۵۲۲۵۳
۱۸۱۴	۴۶۳۵					۵۷۲۰۱
۱۸۱۵	۳۹۰۸					۵۹۴۶۲
۱۸۱۶	۳۷۰۷					۵۶۴۱۱
۱۸۱۷	۲۳۵۵					۵۳۱۵۷
۱۸۱۸	۵۶۴۳					۳۶۷۱۲
۱۸۱۹	۹۲۲۴					۲۰۹۸۸
۱۸۲۰	۵۵۲۶					۲۶۰۴۹
۱۸۲۱	۷۵۹۰					۳۰۳۸۲
۱۸۲۲	۵۱۰۸					۴۶۲۳۵
۱۸۲۳	۷۳۴۶				۶۴۴۴۹	۳۰۱۲۹
۱۸۲۴	۵۴۰۱				۴۳۰۴۰	۲۲۴۳۹
۱۸۲۵	۱۳۹۸۱				۱۵۸۰۷۶	۱۴۲۲۳
۱۸۲۶	۹۶۲۹				۱۷۸۴۸۱	۵۶۰۵۸
۱۸۲۷	۵۴۳۰	۸۲۷۳۸	۴۳۲۸۷۸	۳۳۹۲۲۴	۲۹۶۱۷۷	۸۰۵۹۵
۱۸۲۸	۷۶۰۹	۱۲۹۰۷۹	۶۴۲۲۳۰۶	۴۶۴۷۷۹	۲۲۵۸۳۷	۴۱۱۴۲
۱۸۲۹	۱۱۵۳۸	۹۸۱۵۴	۳۹۸۹۳۰	۹۱۸۹۴۴	۱۹۷۲۹۰	۳۱۳۱۱

سنہ ۱۸۱۳ء میں ٹامس منرو نے دار العوام کی کمیٹی کے سامنے جو اظہار دیا

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

اس میں اس خیال کا پنیرلی کے شال ہندوستان کے نفیس شالوں کی جگہ لے لیں گے خوب ہی مضحکہ اڑایا تھا۔ ۱۸۲۴ء میں ٹامس منرو جو ہی گورنر مدراس تھا اور یہ دیکھ کر کہ ہندوستانی صنایع کی جگہ یورپی شالوں کو نیز ململ اور کپڑے کے تھانوں کو اور بانات اور پشمینوں کو رواج دیا جا رہا ہے اس کو ضرور تردد لاحق ہوا ہوگا۔ ٹامس منرو کی طرح ایک اور ہمدرد منتظم سلطنت سر جان میلکم نامی ۱۸۳۰ء میں بمبئی کا گورنر تھا اس نے بھی حیرت و پریشانی کے ساتھ یہی دیکھا کہ ہندوستانی صنعتیں تباہ و برباد ہو رہی تھیں اور ہندوستان کے لوگوں میں روز بروز افلاس پھیل رہا تھا۔

"مجلس نظماء کے مراسلے میں مرقوم ہے کہ ان کی توجہ بطور خاص اس مضمون پر مبذول کی گئی ہے ہندوستان سے یہ توقع کی جاتی ہے کہ وہ انگلستان کو ایسی پیداوار خام کی ایک کثیر مقدار جس پر نہایت ہی بیش بہا برطانوی صنائع کا مدار ہے بھیجتا رہے تاکہ برطانیہ عظمیٰ کو غیر ممالک کی احتیاج باقی نہ رہے۔

"اتنا میں ضرور کہوں گا کہ ہم صرف اس قسم کی پیداوار کو رواج دیکر جیسے کہ ریشم ہے نیز روئی کی پیداوار کو بہتر بنا کر اور شکر بنانے اور صاف کرنے کی جو کوششیں ہم نے حال ہی میں شروع کی ہیں ان کو کامیاب بنا کر ہم اپنے کئی اضلاع کی پھر ڈھارس بندھا سکتے ہیں اور ملکی ذرائع کو برقرار رکھ سکتے ہیں۔

"ایسی نفع بخش پیداوار کے لئے جس کا میں نے اوپر حوالہ دیا ہے نیز اناج کے علاوہ دوسرے اشیاء کی پیداوار کے واسطے لوگوں کے دل بڑھا کر اور تجارت خارجہ میں نئی روح پھونک کر اور صاحب ثروت اور حوصلہ مند لوگوں کو اس بات پر آمادہ کر کے کہ وہ ملک کے اندرونی علاقوں میں بس جائیں یا سکونت اختیار کریں، صرف انہی تدبیروں سے ہم ملک کی ڈھارس بندھا سکتے ہیں اور اسے اپنے محاصل ادا کرنے کے قابل بنا سکتے ہیں۔ اس مقصود کی تکمیل کے لئے دیسی لوگوں کو جو ہمارے زیر نگیں اور زیر نگرانی ہیں استعداد و جوہر ذاتی اور جوش و مستعدی کی کچھ احتیاج نہیں لیکن اس کے لئے پہلے ان کی جھجک نکالنا ضروری ہے۔ اس کام کے سرانجام کے لئے ایک ایسی حکومت کی کامل سرگرمی پوری قوت اور فراخ حوصلگی صرف ہونا ضروری ہے جو اپنی خوش حالی اور اپنے

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

زیر اقتدار ملت کی خوش حالی کو یکساں کر دینا بہتر جانتی ہے"۔

سر جان میلکم کو یا تو یہ نظر ہی نہ آیا یا اس نے یہ بیان کرنا نامناسب سمجھا کہ جب خود فرمانروا قوم کی عین مقررہ حکمت عملی یہ ہو کہ سارا ہندوستان محض خام پیداوار ہی کی سرزمین بنجائے اور وہ بھی اس غرض سے کہ "انگلستان کو خام پیداوار کی ایک کثیر مقدار کے لئے جس پر نہایت ہی بیش قیمت برطانوی صنائع کا مدار تھا غیر ملک کی احتیاج نہ رہے" تو پھر اس حالت میں ایک زیر نگیں قوم کی صنعتی خوشحالی ناممکن ہے۔

ہندوستان میں اس حکمت عملی کے اجرا کے متعلق انگلستان میں ملک کی خدمت کرنے والوں یا ملکی معاملات پر مضامین لکھنے والوں نے کبھی ایک حرف بھی نہ اپنی زبان سے نکالا نہ لکھا۔ اقتصادیات کے بڑے بڑے ماہرین وقت نے جنکا سرگروہ ریکاڈو تھا اس مضمون پر کچھ لکھا ہی نہیں۔ قوانین غلّہ کے خلاف جن پیشوایان قوم نے ایک ہنگامہ برپا کر رکھا تھا اور کاریگروں اور مزدوروں کو سستی روٹی بہم پہنچانے کے لئے انگلستان کے مالکان زمین سے حق بجانب اور کامیاب مقابلہ کیا تھا ان تک نے اس حکمت عملی کے متعلق جس سے ہندوستان کے لکھو کھا جولاہوں اور کاریگروں کے منہ کا نوالہ چھن گیا تھا کچھ کہنا نہ سمجھا۔ کابڈن اور برائیٹ نے جو اپنے زمانے کے سب سے زیادہ فراخ دل، دردمند اور روشن دماغ انگریز تھے قوانین غلّہ کے خلاف ملک میں ایک کھلبلی سی ڈالدی تھی جس میں انھیں آخر کار کامیابی ہوئی اور سر رابرٹ پیل کو جس نے ۱۸۴۶ء میں ان قوانین کی تنسیخ کی تھی یہ گھمنڈ تھا کہ انگریز جب کبھی اپنی گئی ہوئی طاقت کو جسم میں واپس لانے کے لئے افراط کے ساتھ بلا محصول روٹی کھائیں جس میں ناانصافی کا خمیر نہ ہو گا اور اس لئے وہ زبان کو زیادہ میٹھی بھی لگے گی تو ہر لقمے پر رابرٹ پیل کا نام لیا کریں گے لیکن ہندوستانی کاریگروں اور صناعوں کی روٹی میں ابھی تک وہی ناانصافی کا خمیر ملا ہوا ہے اور آج تک کسی مدبر نے ان کی قدیم اور تباہ شدہ صنعتوں کی حفاظت اور نشوونما یا ان کے دوبارہ زندہ کرنے میں دل لگا کر کبھی کوشش ہی نہیں کی۔

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

اقلیم یورپ کے ماہرین اقتصادیات البتہ اس قابل تھے کہ وہ ان واقعات پر ایک غیر جانبدارانہ رائے قایم کر سکیں۔ اور نہایت آزادی کے ساتھ جی کھول کر جو چاہیں کہیں۔ اقتصادیات پر ایک مستند تصنیف میں جو ۱۸۴۲ء میں جرمنی میں لکھی گئی تھی جبکہ قوانین غلہ کی ناانصافی کے مسئلے میں سارے انگریز ماہرین اقتصادیات منہمک تھے ایک جرمن ماہر فن نے اس سے بھی زیادہ سنگین ناانصافی کو جو ہندوستان میں سرزد ہوئی تھی بتایا ہے۔

"اگر انگریزوں نے انگلستان میں ہندوستانی سوتی اور ریشمی پارچہ جات کی آزادانہ درآمد کو منظور کر لیا ہوتا تو سوت اور ریشم کے انگریزی کارخانے تھوڑا جلد سے جلد بند ہو گئے ہوتے۔ ہندوستان کو نہ صرف ارزاں محنت اور کم قیمت خام پیداوار کی وجہ سے فوقیت حاصل تھی بلکہ اُسے صدیوں کی مشق اور مہارت اور تجربہ بھی حاصل تھا۔ آزادانہ مسابقت کے طریقہ کے تحت یہ فوائد اپنا اثر دکھائے بغیر نہیں رہ سکتے تھے۔

انگلستان کو صنعت و حرفت میں ہندوستان کا دست نگر بننے کے لئے ایشیا میں نوآبادیات قائم کرنا پسند نہ تھا۔ اسی لئے انگلستان نے تجارتی سطوت اعلیٰ حاصل کرنے کی کوشش کی اور یہی محسوس کیا کہ ان دو ممالک میں جن میں باہمی آزاد تجارت قایم ہے اسی ملک کو سطوت اعلیٰ حاصل ہوگی جو مصنوعات کی فروخت کرتا ہے اور وہی ملک دست نگر بنا رہے گا جو محض زرعی پیداوار بیچتا ہے شمالی امریکہ کی نوآبادیات میں انگلستان انھیں اصول پر کاربند تھا چنانچہ ان نوآبادیات میں گھوڑوں کے نعل کی ایک کیل تک بنانے کی اجازت نہ تھی اور اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ وہاں کی بنی ہوئی ایک کیل بھی انگلستان میں درآمد کرنے کا حکم نہ تھا ان حالات میں یہ توقع کیونکر کی جا سکتی تھی کہ خود انگلستان اپنی صنائع کی منڈی جس پر اس کی آیندہ عظمت کی بنیاد تھی ایسے لوگوں یعنی ہندوؤں کی نذر کر دے گا جن کی تعداد اس قدر بے شمار تھی اور جو اس درجہ کفایت شعار اور صناعی کے قدیم نظام میں پختہ اور مکمل ہو چکے تھے۔

انھیں اسباب کی بنا پر انگریزوں نے ہندوستانی کارخانوں کے سوتی

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

اور ریشمی پارچہ جات کی اپنے یہاں درآمد ہی روک دی کیونکہ یہی چیزیں خود اس کے کارخانوں میں بھی تیار کی جاتی تھیں - یہ امتناع بالکل مکمل اور قطعی تھا ان پارچہ جات کے ایک تار کے بھی استعمال کی اجازت انگلستان نے نہیں دی تھی - ان ارزاں اور خوشنما پارچہ جات میں ایک تھان لینا بھی انگلستان کے پسند خاطر نہ تھا - کیونکہ انھیں اپنے ہی گھٹیا اور زیادہ قیمتی کپڑے صرف میں لانا منظور تھا البتہ یورپ کی دوسری اقوام کو ہندوستان کے نہایت ہی نفیس پارچہ جات سستے مول لا دینا اور ان کو ارزانی کے سارے فوائد نذر کر دینا انگلستان کی عین خوشی تھی لیکن خود کچھ لینا قبول نہ تھا -

"کیا انگلستان کا یہ طرز عمل احمقانہ تھا؟ اگر آدم اسمتھ اور جے بی سے کے نظریوں یعنی نظریۂ قدر کو پیش نظر رکھا جائے تو بے شک ان کا یہ طرز عمل قطعی احمقانہ تھا کیونکہ ان کے اصول کے موافق انگلستان کو یہ چاہیے تھا کہ اپنی ضرورت کا سامان وہیں خرید تا جہاں بہتر سے بہتر مال ارزاں سے ارزاں قیمت پر مل سکتا تھا جس قیمت پر یہ مال دوسری جگہ خریدا جا سکتا تھا اس سے زیادہ لاگت پر اپنے لئے خود مال بنانا اور ساتھ ہی ساتھ ارزانی کا سارا فایدہ اقلیم یورپ کی نذر کر دینا سراسر بے وقوفی کی بات تھی -

"لیکن ہمارے نظریے کے موافق جس کا نام ہم نے "نظریۂ قوت پیدائش" رکھا ہے اور جس کو انگریزی وزارت نے اس کی بنیاد کی تحقیق کئے بغیر خاص پیداوار کی درآمد اور پارچہ جات کی برآمد کا طریقہ نافذ کر کے عملی طور پر اختیار کر لیا تھا انگلستان کا یہ طریقہ عمل احمقانہ نہ تھا -

"وزرائے دولت انگلشیہ کو ارزاں اور نا پائدار مصنوعات حاصل کرنے کی پروا نہ تھی لیکن اس سے زیادہ بیش بہا اور پائدار "قوت صنعت گری" کی تحصیل کی فکر لگی ہوئی تھی -

اوپر کے اقتباس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اگرچہ اٹھارھویں صدی عیسوی کے اواخر ہی سے برطانوی ماہران اقتصادیات آزاد تجارت کے اصول کو مانتے تھے تاہم برطانوی قوم اس وقت تک اس اصول کی پیروی سے انکار کرتی ہی

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

جب تک کہ اس نے ہندوستان کی "صنعتی قوت" کو فنا نہ کر دیا اور اپنی "صنعتی قوت" کو پورے طور پر مستحکم نہ کر لیا اس کے بعد کہیں برطانوی قوم نے آزاد تجارت اختیار کی اور دوسرے اقوام کو آزاد تجارت کے اصول قبول کرنے کی دعوت دی۔ دوسرے اقوام بہ شمول نوآبادیات برطانیہ اس بات کو بہتر جانتے ہیں اور قوانین پر کاربند ہو کر اپنی "صنعتی قوت" کا نشو و نما کر رہے ہیں۔ لیکن ہندوستان میں عایا کی "صنعتی قوت" ان کی صنعتوں کے خلاف قوانین جاری کر کے بالکل مٹا دی گئی۔ اور اس کے بعد ان صنعتوں میں حیات تازہ نہ پیدا ہونے کے لیے "آزاد تجارت" ہندوستان کے گلے باندھی گئی۔

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

سترھواں باب

تجارت داخلہ۔ نہریں اور ریلیں

(۱۸۱۳ء ۱۸۳۵ء)

ہندوستان کی تجارت داخلہ پر ان تباہ کن محصولات راہداری کی وجہ سے جو پچھلی صدی سے ابتک جاری تھے ایک مردنی سی چھائی ہوئی تھی۔ ناظرین کو یاد ہوگا کہ جب پہلی دفعہ اس ملک میں ایسٹ انڈیا کمپنی کے قدم جمے تو وہ محض کمپنی کی درآمد و برآمد کی تجارت کو ان سب محصولات راہداری سے مستثنی کرنے کی وجہ سے تھا جو ملک کی ساری تجارت داخلہ پر بلا استثناء عائد تھے اور یہ بھی یاد ہوگا کہ جب کمپنی کے عاملوں نے اپنی خانگی تجارت کے لئے بھی اسی استثناء کا مطالبہ کیا تو نواب میر قاسم کے دل میں شاندار فیاضی کی ایک لہر جو آئی اس نے بنگالے میں تمام محصولات راہداری ہی کو یکقلم موقوف کر دیا۔ اور اسی فیاضی کا نتیجہ تھا کہ تخت و تاج کھو دیا۔

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

آخر کار جب ۱۷۶۵ء میں ایسٹ انڈیا کمپنی مسلمہ طور پر بنگالے کی مالک بن گئی تو اب وقت آگیا تھا کہ میر قاسم کی پیش کردہ مثال کی پیروی کی جائے جس سے ہندوستان کی تجارت داخلہ کو ان محصولات سے جو ترقی کے مزاحم تھے نجات ملے۔ لیکن ان محصولات سے خواہ تھوڑی ہی کیوں نہ ہو آمدنی تو ضرور تھی اور ایسٹ انڈیا کمپنی اپنے محاصل کے ذرا سے حصے سے بھی دست بردار ہونے میں نہایت سستی کرتی تھی۔

انگریزی راج میں محصولات راہداری نوابان بنگالہ کے عہد حکومت کے بہ نسبت زیادہ تکلیف دہ بن گئے تھے۔ کیونکہ کمپنی کے دست قدرت کی دور تک رسائی تھی۔ اور کمپنی کی طاقت مطلق العنان اور مسلمہ تھی اور ہر چوکی پر ایک معمولی تنخواہ پانے والے عہدہ دار کو بھی لوگوں پر زیادہ ظلم ڈھانے کے ذرایع حاصل تھے۔ یہ خرابی بلا وقفہ ساٹھ سال تک یونہی بڑھتی چلی گئی۔ چنانچہ ۱۸۲۵ء تک میں "معتمد ملکی" ہولٹ میکنزی نے نہایت ہی پرزور الفاظ میں اس پر نکتہ چینی کی تھی۔

"بعض اشیائے تجارت کو کسی پریسیڈنسی (صوبہ) میں پہنچانے سے پہلے محصول خانوں سے لات مکا کھانا پڑتا تھا اور اس کے علاوہ متعدد چھوٹی چھوٹی چوکیوں سے بھی گزرنا پڑتا تھا اور اس ملک کی خاص اشیائے تجارت میں سے کوئی شے ایسی نہیں ہے جو اس طرح کی مسلسل مزاحمت سے بچتی ہو۔

"اگر یہ فرض بھی کر لیا جائے کہ وہاں نہ استحصال بیجا ہوتا تھا اور نہ تاخیر واقع ہوتی تھی تب بھی یہ نظام بجائے خود ملک کے اندرونی تجارتی ربط ضبط اور تعلقات کیواسطے ایک رکاوٹ کا باعث تھا کیونکہ دو اضلاع کے درمیان جن کی حد فاصل چنگی کی چوکیوں کی ایک قطار بنی ہوئی تھی تجارتی اشیاء کا باہمی مبادلہ اس وقت تک ناممکن تھا جب تک کہ قیمت کا فرق نہ صرف انتقال مال پر محصول برآمد اور دیگر مصارف کے کفتی ہو بلکہ ۵ یا ۲½ فیصدی محصول کی بھی کفالت کرتا ہو جو خود حکومت نے لگایا تھا۔ اس طرح قیمتوں کی فطری عدم مساوات سنگین تر ہو گئی تھی۔ اور ہر ایسے اصول کے خلاف جو محصول صرف پر واجبی طور پر منطبق ہو سکتا ہے انھیں مقامات پر یہ بار زیادہ تھا جہاں محصول سے قطع نظر

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

مصارف کو اور جگہوں سے زیادہ دینا پڑتا تھا۔

"لیکن حکومت کے مطالبات میں چنگی کے عہدہ داروں کے مطالبات بھی اگر شریک کر دیئے جائیں تو یہ یقینی معلوم ہوتا ہے کہ بہت سی تجارت جو مختصر اصل پہ ہی جاری رہ سکتی تھی مطلقاً رک جائے گی۔ متمول تاجر مقدور رکھتا ہے کہ اس پر جو ممکنہ انتہائی مطالبہ کیا جائے اُسے ادا کر دے کیونکہ بڑے شغل اصل پر کثیر رشوت بھی ہو تو کچھ ایسا بار نہیں پڑتا اور اس کا رتبہ اور اس کی دولت یہ چیزیں یا شدید رشوت ستانی سے اس کو محفوظ رکھیں گی۔ لیکن ایک چھوٹے بیوپاری کے لئے جو جان کو جوکھوں میں ڈال کر منافع کماتا ہے غالباً سارے کا سارا اثاثہ معمولی محنتانے ہی میں صرف ہو جائے گا۔ اور مطالبے کے اعتدال سے بڑھ جانے پہ تو اس کے پاس بچاؤ کی کوئی صورت ہی نہ رہے گی۔

"اب تک تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ انگلستان میں حکام وقت اور عام طور پر تاجروں کے گروہ کی توجہ ممالک متحدہ برطانیہ کی صنعتوں کے لئے ایک نئی منڈی پیدا کرنے کے مقصد پہ ہی زیادہ مبذول تھی۔ اسی وجہ سے ہندوستان کی تجارت برآمد کے مقابل تجارت درآمد پر ان کی نظریں زیادہ لگی ہوئی تھیں چنانچہ ۱۸۱۰ء کے مجریہ دستور العمل (۹) میں جو محصول مقرر ہوئے تھے وہ بہت سے تجارتی اشیاء کے انگلستان سے یہاں لانے پر اٹھا دیئے گئے تھے حالانکہ برآمد میں سے صرف نیل۔ روئی۔ اون اور سن کو محصول سے مستثنا کیا گیا تھا۔ اور مجھ کو اندیشہ ہے کہ یہ بھی جو ہوا تو وہ ہندوستانیوں کے مقاصد کو پورا کرنے کے لئے نہیں بلکہ محض انگریزوں کے اغراض ہیں . . . .

"ان اشیاء پر غور و خوض کرنے کے بعد جن پر کلکتے کی تجارت مشتمل ہے اور اس نرخ محصول پہ بھی جس کی ہر شئے متحمل ہو سکتی ہے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ بہت بڑے ایثار کے بغیر کم سے کم محصولات نمک ہی جو مغربی سرحد پہ نہر گانے کے اجارہ کی حفاظت کے لئے ضروری معلوم ہوتے ہیں قایم رہیں تو ملک کو ہمارے چنگی کے محصول کی ضرر رسانی سے نجات مل سکتی ہے۔

محصولات درآمد و برآمد میں کوئی تبدیلی کئے بغیر اگر صرف ملک کے اندرونی

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

محصولات برخاست کر دیے جائیں تو محاصل میں بقدر ۳۳ لاکھ (۳۳۰۰۰۰ پونڈ) فوری نقصان ہوگا۔ اور اگر مغربی نمک پر محصول برقرار رہے تو بھی ۲۲ لاکھ (۲۲۰۰۰۰ پونڈ) کا خسارہ ہوگا۔ مجھ کو یہ اندیشہ ہے کہ اس تمام نقصان کی فوری تلافی سمندر کی راہ سے جو درآمد و برآمد ہے اس پر نئے محصول لگانے سے نہیں ہوگی مگر اس کے ایک بڑے حصے کی تلافی ہو جائے گی۔ اور جس قدر مجوزہ انتظام کے زیر اثر تجارت بڑھے گی جس کی مجھے توقع ہے اور ہمیں عملے میں تخفیف کرنے کا موقع ملے گا اسی قدر ما بقی کمی خالص نقصان نہیں سمجھی جا سکتی"

لیکن ہولٹ میکنزی نے بہروں کے آگے یہ بین بجائی تھی ایسٹ انڈیا کمپنی ۲۲۰۰۰۰ پونڈ کے محاصل یا اس کے کسی جزو کو ہندوستان کی تجارت داخلہ کو فروغ دینے کی خاطر قربان کرنے پر آمادہ نہ تھی زبان سے تو ہندوستان کے لوگوں کی مادّی فلاح کے لئے بہت کچھ تشویش و تردد کا اظہار کیا جاتا تھا لیکن اس کی تائید میں ایک شلنگ کا بھی ایثار گوارا نہ تھا۔ اگر محصول راہداری کی موقوفی کا انحصار ایسٹ انڈیا کمپنی پہ ہی ہوتا تو یہ ان کے نظم و نسق میں کبھی موقوف ہی نہیں ہونے پاتا۔

خوش نصیبی سے خود کمپنی کے عاملوں نے کمپنی کے ہاتھ باندھ دیے تھے۔ کمپنی کے گورنر جنرلوں میں سے سب سے بہتر اور سب سے بڑا گورنر جنرل لارڈ ولیم بینٹنک تھا جو ۱۸۲۸ء میں ہندوستان بھیجا گیا اس نے سر چارلس ٹریولین کو محصول راہداری کی تحقیقات کر کے رپورٹ پیش کرنے پر مقرر کیا تھا۔ ٹریولین نے اپنی مشہور رپورٹ میں بلا کم و کاست اس نظم کی ساری خرابیوں کا بھانڈا پھوڑ دیا۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ نوابان بنگالہ کے عہد حکومت میں جو حالت تھی اس سے کہیں زیادہ خرابیاں انگریزی راج میں تھیں۔ تاجروں کو ملک میں ہر جگہ رشوت ستانی اور تاخیر کی تکلیف اٹھانی پڑتی تھی۔ اور چنگی کے عمال کے استحصال ناجائز سے جن کی تنخواہیں اس قدر کم تھیں کہ وہ رشوت کے بغیر گزارا نہیں کر سکتے تھے۔ مصنوعات کے فنا ہونے کے ساتھ ساتھ تجارت داخلہ کی بھی سرد بازاری ہو چکی تھی مسافر طرح طرح سے پریشان

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

کئے جاتے تھے اور چنگی کے محصول خانوں کی قطاروں سے گزرتے ہوئے عورتوں کی آبرو بھی محفوظ نہ تھی۔ اتنے خفیف و حقیر محاصل کی خاطر ملک میں مظالم ہوتے تھے اور ایک اندھیر پھیلی ہوئی تھی۔ لارڈ ولیم بنٹنک نے ٹریویلین کی یہ رپورٹ کیا شایع کی کہ محصول راہداری کا کوس رحلت بجا دیا۔

انگلستان میں لارڈ ایلن برو نے اس رپورٹ کو اپنے ہاتھ میں لیا اور اپنے خاص پر زور الفاظ میں ایسٹ انڈیا کمپنی کو اس نظام کے تمام نقایص ۱۸۳۵ء میں بتا دیئے۔

"ہندوستان میں انگلستان کے سوتی مصنوعات کی درآمد تو صرف ۲½ فیصد محصول ادا کرنے پر ہوتی ہے لیکن ہندوستان کے سوتی مصنوعات پر خام پیداوار کی بابتہ ۵ فی صدی محصول دھاگے کی بابتہ مزید ۷½ فیصدی اور بنے ہوئے کپڑے کی بابتہ مزید ۲½ فیصدی اور اگر سفید کپڑے کے نام سے پروانہ حاصل کر لینے کے بعد اسے رنگا جائے تو مزید ۲½ فیصدی محصول لگائے جاتے ہیں۔ اس طرح ان سوتی کپڑوں پر جو ہندوستان ہی میں صرف ہوتے ہیں کل ۱۷½ فیصدی محصول ادا ہوتا ہے۔

"خام چمڑوں پر ۵ فیصدی محصول ادا ہوتا ہے اور دباغت کے بعد چمڑوں پر ۵ فی صدی مزید محصول ہے اور اگر ان کے بوٹ اور شوز بنائے جاتے ہیں تو ان پر اور ۵ فی صدی محصول عائد ہوتا ہے اس طرح ہندوستانی چمڑے کے سامان پر جو ہندوستان ہی میں استعمال ہوتا ہے ۱۵ فی صدی محصول ہے۔ . . .

"شکر کے ساتھ ہم کیا کر رہے ہیں؟ جب کسی قصبے میں شکر درآمد کی جاتی ہے تو اس پر ۵ فی صدی محصول تو بابتہ چنگی لیا جاتا ہے اور مزید ۵ فی صدی محصول قصبے کے نام سے وصول کیا جاتا ہے اور شکر سازی کے بعد جب شکر قصبے سے برآمد ہوتی ہے تو اس پر ۵ فی صدی اور دینا پڑتا ہے اس طرح ہندوستانی شکر پر جو ہندوستان ہی میں مستعمل ہوتی ہے جملہ ۱۵ فی صدی محصول ادا ہوتا ہے۔

"ان جدا جدا اشیاء کی تعداد جن پر محصول راہداری ہے ۲۳۵ سے کم نہیں

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

نرخنامۂ محصول میں ذاتی یا گھر کے استعمال کی ہر چیز داخل ہے ان محاصل کا علاوہ آمد نیز تلاشی کا طریقہ جو اس کے ساتھ وابستہ ہے محاصل کو کوئی خاص فائدہ پہنچائے بغیر انتہا درجہ ایذا رساں اور ناگوار معلوم ہوتا ہے اگر کروڑگیری کا ہر عہدہ دار تلاشی کا اختیار حقیقی طور پر استعمال کرنے لگے تو جو تعویق اس سے لازمی طور پر واقع ہوگی وہ تجارت داخلہ مسدود کر دینے کے لئے کافی ہے مگر یہ اختیار محض رشوت ستانی کی غرض سے استعمال کیا جاتا ہے ورنہ نہیں۔

"اس کا اثر جس قدر قومی دولت پر پڑتا ہے اس سے کہیں زیادہ قومی اخلاق پر پڑتا ہے۔ ہر تاجر ہر صانع اور ہر مسافر گویا اس بات پر مجبور ہے کہ اپنی ملک کی حفاظت یا اپنی ذاتی آسایش اور بچاؤ کے لئے اور اکثر تو اپنے خاندان کی عورتوں کے احساسات کی محافظت کی خاطر عہدہ داران سرکاری کے ساتھ ناجائز طور پر ساز باز رکھے۔ یہ وہ نظام ہے جس میں خود ہمارے لوگ بد اخلاقی سیکھ جاتے ہیں اور معلوم یہ ہوتا ہے کہ اسی پر ایشیا کے تمام پردیسی تاجر سخت نفرت کا اظہار کرتے ہیں۔

ہم یہ اختیار جو دو چہ کروڑ نفوس کی اندرون ملک آمد و رفت کو فوراً پورے طور پر آزاد کر سکتے ہیں جب باشندگان بنگالہ محنتی ہیں اور ایک ایسا ملک ان کے قبضۂ میں ہے جو زرخیز بھی اور جس میں سے اس سرے سے اس سرے تک کشتی رانی کے قابل ایک دریا بھی گذرتا ہے۔ جب کہ وہ پردیسی جنگ کے اثرات سے دور نہیں۔ اور ان کی املاک قوانین کے غیر جانبدارانہ عدل وانصاف کے تحت محفوظ حالت میں ہیں تو پھر ان کو اپنی حکومت کی ایک بصیرت نما حکمت عملی سے عام خوش حالی کے ایسے وسیع ذرایع دستیاب ہو سکتے ہیں جو دنیا کی کسی اور قوم کو نصیب ہی نہیں!!

لیکن لارڈ ایلنبرو نے بھی گو اسی طرح اندھوں کو آئینہ دکھایا۔ مجلس نظماء نے اس کے جواب میں یہ کہا کہ:۔ حکومت ہند انگلستان کے حکام کی رائے سے جو اس محصول کے مضر اثرات کے بارے میں ہے بخوبی واقف ہے اور ان کی اس خواہش سے بھی کہ جس وقت یہ سمجھا جائے کہ

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

اب کوئی خطرہ باقی نہیں رہا تو یہ محصول بالکل موقوف ہو جانا چاہئے لیکن مجلس نظماء سررشتہ مقامی حکومت کے نام قطعی ہدایات صادر کرنے کو قبل از وقت اور خلاف مصلحت سمجھتی ہے۔ دوسرے الفاظ میں ایسٹ انڈیا کمپنی نے بھی وہی طرز عمل اختیار کیا جو بدقسمتی سے عام ہو چلا ہے یعنی مقامی حکومت کے نام و نمود کی آڑ میں خود بھی چھپ گئے اور اپنے اصلاح نہ کرنے کے خیال کو بھی چھپا لیا۔

مگر بدنصیبی سے اب کے اس پردے سے ان کی پردہ پوشی نہ ہو سکی۔ ٹریولین کی رپورٹ کے شایع ہو جانے سے ہندوستان کی رائے عامہ میں ایک ہیجان پیدا ہو گیا تھا اور مسٹر راس نے بطور خود اپنے حلقۂ اختیار میں جتنے محصول خانے تھے ان سب کو برخاست کر دیا۔ لارڈ ولیم بنٹنک کے قائمقام نے اس کے بعد ہی یکم مارچ ۱۸۳۶ء میں بنگالے کے سب محصولخانے برخاست کر دئے۔ اور قصبوں میں داخل ہونے پر جو محصول دینا پڑتا تھا وہ بھی یکم مئی ۱۸۳۶ء میں کلیتہً موقوف کر دئے۔ مجلس نظماء کے لئے یہ طریق عمل منظور کرنا اب ناگزیر ہو گیا تھا با ایں ہمہ وہ گورنر جنرل پر اس تاسف کے ظاہر کرنے سے نہ چوکی کہ "نقصان محاصل کی تلافی کا کوئی مفید مطلب منصوبہ سوچنے کے بغیر آپ نے اس طرز عمل کو اختیار کرنے میں بڑی تعجیل کی"۔

اب ہم اس تاریخ تک پہنچ گئے ہیں جبکہ ملکۂ وکٹوریہ برطانوی شاہنشہی کے تخت پر جلوہ افروز ہوئیں۔ لیکن ضرورت اس بات کی ہے کہ محصول راہداری کے قصے کو ختم کرنے کے لئے ہم اس سے چند سال آگے کے قصے کو بھی بیان کر دیں۔ لارڈ آکلینڈ ۱۸۳۶ء میں وارد ہندوستان ہو چکا تھا اور ملکہ وکٹوریہ کے عہد حکومت کا سب سے پہلا گورنر جنرل یہی تھا۔ بدنصیبی سے اس نئے جلوس کی بالکل ابتدا ہی میں ایک حیرت انگیز نادانی کا فعل ہندوستانی ارباب نظم و نسق سے ایسا سرزد ہوا جس سے انجام کار ایک بڑی شدید آفت کا سامنا ہو گیا۔ لارڈ ولیم بنٹنک نے امن۔ تخفیف مصارف اور اصلاح کے لئے جس حکمت عملی کی ابتدا کی تھی اس کی پروانہ کر کے لارڈ آکلینڈ نے ۱۸۳۸ء میں پہلی جنگ افغان مول لے لی اس جنگ کا انجام یہ ہوا کہ ایک اجرار قوم سے دوستی کے بجائے دشمنی ہو گئی۔

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

۱۸۴۲ء میں سخت ہزیمت اور پسپائی ہوئی۔ ۴۰۰۰ ہزار سپاہی اور ۱۲۰۰۰ ہمراہی عرصۂ جنگ میں کام آئے۔ اور ہندوستان کی سرحد سے باہر اس جنگ میں ہندوستان کے محاصل کا بھی نقصان عظیم ہوا۔

لارڈ ایلنبرو جس نے ۱۸۳۵ء میں ایسٹ انڈیا کمپنی کو محصول راہداری کے موقوف کرنے کے لئے بہت تنگ کیا تھا ۱۸۴۲ء میں گورنر جنرل مقرر ہو کر وارد ہندوستان ہوا۔ اس نے سندھ میں محصول راہداری ۱۸۴۳ء میں مسدود کر دیا۔ اور جالن کے علاقہ میں ۱۸۴۴ء میں اور ۱۸۴۴ء کے قانون ۶ کی رو سے صوبۂ مدراس میں بھی یہ محصول موقوف کر دیا گیا۔

اس کے نو سال کے بعد جب ایسٹ انڈیا کمپنی کا منشور تجدید کے لئے پھر پیش ہوا۔ تو اس وقت لارڈ ایلنبرو دار الامرا کی مجلس منتخبہ کا رکن تھا اور سر چارلس ٹریویلین گواہوں میں کا ایک گواہ تھا۔ محصولات راہداری کا حوالہ دیتے ہوئے لارڈ ایلنبرو نے دریافت کیا کہ:۔

"کیا یہ اس وجہ سے نہیں ہوا تھا کہ لارڈ ولیم بنٹنک نے آپ کو اس مضمون پر پہلے تحقیقات کرنے بھیجا تھا جس کے بعد آپ نے رپورٹ پیش کی اور حکومت نے ان محصولات کو از روئے قانون موقوف کر دیا"۔

"سر چارلس نے جواب میں یہ کہا کہ:۔ "اگر میری رپورٹ بغیر شایع ہوئے یونہی پڑی رہتی اور عام دستور کے موافق اس پر سرکاری بحث و مباحثہ ہو کر کام ختم ہو جاتا تو پھر محصول راہداری اور محصول شہر پناہ اٹھا دینے کے لئے غالباً سالہا سال لگتے اسکے بجائے رپورٹ شایع کر دی گئی اور ہر شخص اس کو پڑھ کر فوراً محسوس کرنے لگا کہ یہ نظام قطعی قابل انسداد ہے"۔

زمانۂ حال کے ناظرین کی اطلاع کے لئے یہ بیان کر دینا ضروری ہے کہ اس عہد میں جس کے متعلق ہم اس باب میں لکھ رہے ہیں ہندوستان میں ابھی ایک ہی وضع کا سکہ رائج نہیں ہوا تھا۔ کلکتے میں نقرئی سکہ کا روپیہ تھا۔ جو مدراس کے روپے سے ۶ ۱/۲ فیصد قیمت میں زیادہ تھا۔ طلائی مہر جو قانوناً زر رائج الوقت تھی ۱۶ روپے کے مساوی تھی مگر طلاء کی قیمت میں چونکہ اضافہ ہو گیا تھا اس لئے

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

یہ ۱۴ روپے کو بکتی تھی - اور اب بطور سکہ رائج نہیں رہی تھی - ہارسلی پامر نامی انگلستان بنک کے گورنر نے ۱۸۳۲ء میں اپنی شہادت میں یہ بیان کیا تھا کہ طلائی سکے کا نہ تو ہندوستان میں رواج ہے اور نہ یہ آیندہ رائج کیا جا سکتا ہے کیونکہ وہاں نقرئی سکہ ہی چلتا ہے اور قانوناً بھی یہی رائج ہے ...... میں تو اس رائے کا بالکل مخالف ہوں کہ ہندوستان میں طلائی سکہ کا رواج بطور سکہ رائج الملک مناسب ہوگا"

انگلستان اور ہندوستان کے درمیان دریائے احمر سے دخانی جہازوں کی آمد و رفت شروع ہو گئی تھی اس کے مصارف ابھی بہت زیادہ ہوتے تھے۔ ہیو لنڈسے نامی جہاز بمبئی سے تینتیس ۳۳ دن میں سویز پہنچتا تھا اور یہی مسافت اب اس کی ایک ربع مدت میں طے کی جاتی ہے -

بنگالے کے دریاؤں پر دخانی کشتیاں وغیرہ چلانے کا خیال تھا اور تجربتہً کلکتے اور الہ آباد کے مابین ایک دریائی سفر بھی زیر بحث رہا تھا ۱۸۲۸ء ہی میں معتمد وقت ایچ ٹی پرنسپ نے اس مضمون پر ایک دلچسپ یادداشت پیش کی تھی جس میں لکھا تھا کہ چین کے سوا دنیا میں کوئی اور دریا ایسا نہیں ہے، جس میں گنگا کے برابر کشتی رانی ہوتی ہو ۱۷۸۰ء میں تیس ہزار ملاح دریاؤں پر روزی کماتے تھے۔ اور اب تک ان کی تعداد میں بہت کچھ اضافہ ہوا ہے ہر شخص دریا پر کشتیوں کو (جن سے دریا کبھی خالی نظر نہیں آتا تھا) ہمیشہ ادھر ادھر قطار در قطار آتا جاتا دیکھ کر حیران رہ جاتا تھا اور چونکہ ہر موسم میں ہر جگہ تقریباً یہی حالت رہتی تھی اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ کس حد تک یہ شاندار دریا تجارت اور مسافروں کے بیشمار ضروریات پورے کرتا تھا۔ ہندوستان کی ریلوے کا موجودہ نظام تجارت کی ضرورتیں اس سے زیادہ کامیابی کے ساتھ پوری کرتا ہے لیکن اس کی تعمیر و ساخت پردیسی اصل سے ہوئی ہے اور پردیسیوں ہی کو اس اصل کا سود بھی ملتا ہے جس سے لکھو کھا ملاحوں کشتی سازوں گاڑیبانوں اور بیل والوں کی روزی چلی گئی۔ جو آمد و رفت اب تک جانوروں کے ذریعہ سے ہوتی تھی اس کو نہروں اور ریلوں کے ذریعہ سے

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

طے کرنے کا مسئلہ بھی غور کرنے کے لئے پیش ہوا تھا۔ تخمینہ کیا گیا تھا کہ ایک نہر یا ایک ریل کی سڑک بنانے کی لاگت ایک ہی تھی یعنی تقریباً ۹۰۰۰ پونڈ فی میل اور اول الذکر سے ۱۹۰ پونڈ اور موخر الذکر سے ۷۵ پونڈ فی میل آمدنی ہو سکتی تھی۔

"ایسی نہر پر ایسے سامان اور تعمیر کی ضرورت ہوگی جو آبپاشی کی نہروں کے لئے ضروری نہیں لیکن ان کی نوعیت بالکل ہی مختلف نہ ہوگی۔ ایسی گاڑیوں کی بجائے جن کو جانور کھینچتے ہیں ریل بنانا آسان ترین کام ہے اور اس میں بمقابل ذرائع آبپاشی کے مشکلات کم ہیں۔ ریل کو نہروں پر اس لئے فوقیت ہے کہ ریل کو پانی کی چنداں ضرورت نہیں اور پانی کرناٹک میں کمیاب ہے لیکن سب سے اہم مسئلہ یہ ہے کہ ذرائع آبپاشی پر خواہ وہ جدید ہوں یا قدیم روپیہ اور مہارت صرف کرنا ملک کے اندرونی ذرائع آمد و رفت پر روپیہ صرف کرنے سے بہتر ہوگا کہ نہیں یہاں یہ بیان کر دینا مناسب ہے کہ اوپر کے تمام تخمینے اور بیانات حیوانی قوت ہی کے بارے میں درست ہوں گے اور اگر دخانی انجن استعمال کئے جائیں گے تو اس کام کی نوعیت میں بڑا مادی فرق ہو جائے گا۔ اور اس کے مصارف بھی بہت زیادہ ہو جائیں گے کیونکہ اول الذکر کی طرح موخر الذکر میں ایسے فوری نکڑ اور موڑ یا نشیب و فراز نہ ہوں گے چنانچہ منچسٹر اور لیورپول کی ریل کی سڑک کی لاگت فی میل ۲۵۰۰۰ پونڈ ہوئی حالانکہ قوت حیوانیہ سے چلنے والی ریل کی دوہری سڑکوں کی اوسط لاگت فی میل تقریباً ۵۰۰۰ پونڈ ہوئی تھی ...... یہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ آبپاشی میں جو ہمیشہ کام ہوتے رہتے ہیں ان کے لئے پٹریاں اور مال گاڑیوں کے پہئے تھوڑی تعداد میں ہی سہی ہندوستان کو بھیج دینا چاہئیں۔ تقریباً ہزار گز دوہری پٹری جیسی عارضی کاموں کے لئے انگلستان میں مستعمل ہے اور چالیس ریل کی مال گاڑیوں کے پہئے ۲۵۰ پونڈ میں بھیجے جا سکتے ہیں۔"

ہم نے اوپر کا اقتباس اس لئے پیش کیا ہے کہ ایسے مباحث کے آغاز کو ڈھونڈھ نکالنا جو حالیہ زمانے میں اس قدر وسیع اور اہم ہو گئے ہیں ہمیشہ

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

دلچسپی رکھتا ہے۔ نہروں اور ریلوں کی خوبیوں کے مقابل پر آیندہ قرون میں بحث جاری رہی اور جیسی کہ توقع تھی ریلوں کو اس لئے ترجیح دی گئی کہ ان سے ہندوستان کے ساتھ برطانیہ کی جو تجارت تھی اس میں سہولتیں پیدا ہوتی تھیں اور نہروں کو اس لئے نظر انداز کر دیا گیا کہ ان سے ہندوستانی زراعت وغیرہ کو فائدہ پہنچتا تھا ہندوستانی نظم و نسق پر برطانوی تجارت کا اس قدر اثر تھا کہ ہندوستان کی حکومت نے ہندوستان کے محاصل میں سے ان کمپنیوں کو جو ہندوستان میں ریل کی سڑکیں بنانے والی تھیں سود کی ایک خاص شرح عطا فرمادی اور ریلوں کی تعمیر پر ...... ۲۲۵ پونڈ صرف کئے گئے جس سے کوئی منافع وصول نہ ہوا۔ بلکہ ۱۹۰۰ء تک ہندوستانی محصول ادا کرنے والی رعایا کو .... ۴ پونڈ نقصان ہی اٹھانا پڑا اور ہندوستانی زراعت کے اغراض کی یہ قدر کی گئی کہ ۱۹۰۰ء تک ذرایع آبپاشی پر صرف ......۲۵ پونڈ صرف کئے گئے۔

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

اٹھارھواں باب

نظم ونسق کی ناکامیاں (۱۷۹۳ء ۱۸۱۵ء)

کمپنی کی ہندوستانی عملداری کے دیوانی اور عدالتی نظم ونسق کی اصلاح کے لئے جو طریقے پہلے وارن ہیسٹنگز نے اختیار کئے تھے اور اس کے بعد لارڈ کارنوالس نے، وہ سب مختصراً پچھلے ابواب میں بیان کر دیئے گئے ہیں۔ ان طریقوں میں اچھی اور مفید باتیں بھی تھیں مگر ساتھ ہی ساتھ ان میں چند ایسے مہلک نقائص بھی موجود تھے جو امتداد زمانہ کے ساتھ ساتھ زیادہ نمایاں ہو گئے تھے۔ اول تو جو عدالتی انتظام کیا گیا وہ خود ایک ایسے وسیع ملک کے لئے جس کی آبادی ان خطوں میں تقریباً دس کروڑ تھی جو کارنوالس کی رحلت کے وقت کمپنی کی قلمرو میں شامل تھے) بالکل ناکافی تھا دوم یہ کہ پس منصوبے کا ناکامیاب ہونا اس لئے لازمی تھا کہ اس میں خود لوگوں کی اعانت اور باہمی امداد قبول کئے بغیر ایک کثیر متمدن آبادی کے تحفظ جان ومال کی کوشش کی گئی تھی۔

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

یورپی جج صاحبان رعایا کی زبان سے پوری طرح واقف نہ تھے اور ان کے رواج اور طریقوں سے تو مطلق لاعلم تھے ان کے ہندوستانی ملازموں اور چپراسیوں کو بہت ہی کم تنخواہیں ملتی تھیں اور اسی لئے وہ رشوت لیتے تھے اور عدل و انصاف کو بڑی سے بڑی بولی بولنے والے کے ہاتھ بیچ ڈالتے تھے۔ اس سے بھی بڑی بات یہ تھی کہ مقدمات جمع ہوتے چلے جاتے تھے اور تصفیۂ مقدمات میں اس قدر تعویق کی جاتی تھی کہ یہ درحقیقت لوگوں کے حق میں انصاف نہ کرنے کے برابر تھا۔ گواہوں کی ایک فوج کی فوج تھی کہ اپنے اور سارے کاروبار چھوڑ کر دور دور کی عدالتوں میں کشاں کشاں پھرائی جاتی تھی حتیٰ کہ ہندو اور مسلمان دونوں کسی مقدمے میں گواہ بننا سخت سے سخت سزا سمجھتے تھے۔ انفصال مقدمات کو زیادہ گران قیمت بنانے اور عدالتوں میں لوگوں کے رجوع ہونے کو کم کر دینے کی خاطر نئے نئے اخراجات اور رسوم عاید کئے گئے تھے۔

کام کم کر دینے کی غرض سے ججوں کو مزید اختیارات دیدیئے گئے تھے اور استغاثے کے حقوق محدود کر دیئے گئے تھے اس خرابی کے دور کرنے کے لئے سخت سے سخت تدبیر اختیار کی گئی مگر بے سود کیونکہ اس خرابی کا ایک ہی علاج تھا اور وہ یہ کہ لوگوں کے ساتھ مل کر کام کرنا قبول کر لیا جاتا۔ اور عدالتی انتظام کا سارا کام لوگوں ہی کے سپرد کر دیا جاتا۔

معلوم ہوتا ہے ہم شاید یہ بھول گئے ہیں کہ یورپی کارپردازوں کے آنے سے صدیوں پہلے قانون کا اتباع اور عدل و انصاف کا اجرا دیسیوں ہی کے ہاتھ میں تھا۔ پھر بھی شیرازۂ معاشرت منتشر نہ تھا نیز کبھی ایسا زمانہ بھی تھا جب سیاحوں اور ہندوستان کے مورخوں کی شہادت کے مطابق ہندوستان آباد سرسبز اور شاداب تھا اور لوگ بھی خوش حال و خوش دل تھے "

انیسویں [19] صدی عیسوی کے ابتدائی سالوں میں انفصال مقدمات دیوانی میں جو نقائص موجود تھے اس سے بھی زیادہ سنگین فوجداری کے

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

تصفیۂ مقدمات میں پائے جاتے تھے۔ بنگالے میں ڈاکوؤں کی ٹولیاں لوگوں کو ستایا کرتی تھیں اور کم تنخواہ یاب ورشوت ستاں محکمۂ کوتوالی کی مدد سے مجسٹریٹ ان ڈاکوؤں کا انسداد نہیں کر سکتے تھے بڑے بڑے بلاد وامصار اور تجارتی مرکزوں میں نہایت بے باکانہ ڈاکے پڑ ڈاکے ڈالے جاتے تھے۔ اور گاؤں پر مسلسل دہشت طاری رہتی تھی اور ڈاکوؤں کے مشہور سرگروہوں کو قصبوں سے چوتھ بھی ملتی تھی۔ سنہ ۱۸۰۰ء سے سنہ ۱۸۱۰ء تک ملک میں ایک عام تشویش پھیلی ہوئی تھی۔ بنگالے میں ان ڈاکوؤں کے سرداروں کا تذکرہ ہر کوچہ و بازار میں تھا۔ مجسٹریٹ اور کوتوالی بالکل بے دست و پا تھی اور لوگ بھی راضی بہ رضا تھے "اعلیٰ ترین برطانوی حکام کی آنکھوں کے سامنے اور خود مستقر حکومت میں جس سے ملک کو حفاظت جان و مال کی بجا طور پر توقع ہو سکتی تھی شیرازۂ معاشرت ہیبتناک طور پر درہم و برہم تھا۔ یہ خرابی کسی تدریجی اصلاح سے دور نہیں ہو سکتی تھی۔ لوگ ہماری آنکھوں کے سامنے مر رہے تھے۔ ایک ایک ہفتے کی تاخیر اس آباد ملک کے بے یار و مددگار باشندوں کے حق میں موجب ہلاکت وعقوبت تھی"

اس خرابی کے دفع کرنے کے لئے جو تدابیر اختیار کی گئی تھیں وہ اس خرابی سے بھی بدتر تھیں دو یورپی مہتمان پولیس مقرر کئے گئے کہ وہ جرائم کے انسداد کے لئے مجسٹریٹوں کے مشوروں پر کام کریں۔ اسپشل (خاص) مجسٹریٹوں کا بھی تقرر کیا گیا۔ جن کو ڈاکے کے انسداد کے لئے خاص اختیارات دیئے گئے۔ مشتبہ لوگوں کے خلاف مخبری کرنے کے لئے "گویندوں" یعنی جاسوسوں کو نوکر رکھا گیا تھا اور اس طرح جاسوسی کے وسیع نظام کی خرابیوں سے جرائم کی خرابیوں میں اضافہ ہو گیا تھا۔ دیہات کے رہنے والوں کو بلا امتیاز کسے غلط مخبریوں پر بھی گرفتار کر لیا جاتا تھا اور مقدمہ چلائے بغیر مہینوں اور بعض دفعہ برسوں ان کو قیدخانوں میں رکھا جاتا تھا اکثر دفعہ تو وہ قیدخانوں ہی میں جاں بحق تسلیم ہو جاتے تھے۔ بنگالے کا ہر قیدخانہ سیکڑوں ہزاروں بے گناہ لوگوں سے بھرا ہوا تھا اور دیہات کے رہنے والے

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

مجسٹریٹ کے غیظ وغضب سے زیادہ مخبر کی بدباطنی سے ڈرتے تھے۔

۱۸۱۳ء میں مجلس نظماء نے ہندوستان میں نظام عدالت کے چلانے کے بارے میں اپنے کئی ایک ممتاز عمال سے جو اس وقت انگلستان ہی میں تھے سوالات کئے تھے ان عاملوں میں سے اکثر تو اسی ایک قدیم روایت پر قایم رہے کہ اعلیٰ فرائض ان کے سپرد کرنے کے لئے ہندوستان کے لوگوں میں ان کے انصرام کی نہ قابلیت ہی تھی اور نہ صلاحیت۔ اور اسی روایت کے طفیل ہندوستان کے اعلیٰ خدمات خود ان کے بچوں بھانجوں بھتیجوں اور ان کے دوست احباب عزیز واقربا کے لئے مختص ہو گئے تھے لیکن کمپنی کے عمال میں جو سب سے زیادہ دانشمند و دانا تھے۔ انھوں نے اس عقیدے کا کھوکھلا پن دیکھ لیا اور جرأت کے ساتھ علی الاعلان اس موقع پر یہ کہہ دیا جس وقت ان کا ایسا کہنا الحاد وکفر میں داخل تھا کہ خود وہاں کے لوگوں سے مل جل کر کام کئے بغیر ہندوستان میں اچھی حکومت قایم نہیں ہو سکتی۔ ان لوگوں میں جن میں سب سے پہلے اس حقیقت کے معلوم کرنے کی فراست اور اس کو علی الاعلان کہنے کی جرأت تھی بنگالے کے سرہنری اسٹراچی مدراس کے ٹامس منرو اور بمبئی کے کرنل واکر کا نام آتا ہے۔ یہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ان لوگوں نے مجلس نظماء کو جو جوابات بھیجے ان کا کچھ حصہ ناظرین کے سامنے بھی پیش کیا جائے۔

سرہنری اسٹراچی نے لکھا تھا کہ: "جو نقائص میں نے بیان کئے ہیں ان کا یہ علاج تجویز کرتا ہوں کہ اور عدالتیں قایم کی جائیں جو ہندو اور مسلمان پر بھی مشتمل ہوں اور جن میں ہمارے قواعد وضوابط کا اتباع کیا جائے دیسی ججوں کی اچھی تنخواہیں مقرر کی جائیں جبھی وہ کام بھی اچھا کریں گے اور اس کے متعلق مجھ کو پورا یقین ہے۔ اس کے مصارف کچھ نہ ہوں گے یا ہوں گے بھی تو بہت تھوڑے کیونکہ رسوم عدالت سے ہی ممکن ہے کہ وہ بالکلیہ ادا ہو جائیں مگر اس سے قطع نظر کرتے ہوئے بھی دیسی ججوں کو فیاضانہ پیمانے پر تنخواہیں دینی زیادہ مناسب ہے۔ بہر حال ان مقدمات میں

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

جن میں ناواجبی طور پر زیادہ لگان وصول کیا گیا ہو مقدمہ دائر کرنے کے رسوم کے اسٹامپ یا اسناد پر کوئی رسوم عائد نہ کرنا چاہئیں۔"

"اگر منصفوں کے اختیارات میں محض اتنی توسیع کی جائے کہ وہ ۲۰۰ روپے (۲۰ پونڈ) تک جو آج کل رجسٹرار کے اختیار کی انتہا ہے مقدمات فیصل کر سکیں تو میری دانست میں مقدمہ دائر کرنے پر جو رسوم وصول ہوتے ہیں وہ خود دیسی ججوں اور ان کے عملے کی تنخواہوں کے لئے کافی ہوں گے۔"

"میری تو یہ رائے ہے کہ بنگالے کے سب عدالتی کاروبار آہستہ آہستہ ہندوستانیوں کے ہاتھ میں دیدیئے جائیں بشرطیکہ کمپنی کی یہی مرضی ہو۔ ہمارے قواعد و ضوابط کی رہنمائی میں دیسیوں سے بھی ویسا ہی اچھا کاروبار چلے گا جیسا کہ یورپی لوگوں سے اور بعض لحاظ سے تو بہتر چلیگا اور لطف یہ کہ ایک عشر مصارف پر۔"

یورپی تاجروں کے متعلق سرہنری نے یہ لکھا تھا کہ:- "بنگالے کی تجارت نصف صدی سے بلکہ اس سے بھی بڑھ کر یورپی لوگوں کے ہی ہاتھ میں زیادہ تر رہی ہے۔

جب تک کہ دیوانی اور فوجداری کی عدالتوں کو پورا کاروبار کرتے اور موجودہ شکل میں قائم ہوئے کچھ زمانہ نہ گزر گیا یورپی تاجروں کے مظالم کا انسداد نہ ہوا۔ کمپنی یا خانگی یورپی تاجروں کی ملازمت میں جو مزدور اور صناع تھے ان کو قید الگ کیا جاتا تھا۔ اور چپراسی جدا مارتے اور دق کرتے تھے۔

میرے خیال میں یہ اس ملک کا قدیم دستور چلا آتا تھا۔ اور یورپی لوگوں کی یہ اختراع نہیں ہے۔ لیکن کمپنی کے گماشتوں کا اختیار بہت بڑھا ہوا تھا۔ اور اسی لئے ظالموں میں سب سے بدترین ظالم یہی تھے محکمہ نمک میں عام طور پر نہایت بے حیائی کے ساتھ دغا بازی اور تشدد کیا جاتا تھا۔ کئی ہزار آدمیوں سے مجبور کر کے کام لیا جاتا تھا مگر گزر اوقات کے لئے ان کو کچھ یونہی سا دیدیا جاتا تھا۔ ہر سال سینکڑوں آدمی اس کام کیلئے

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

کشاں کشاں لائے جاتے تھے۔ بعضوں کے تو ہاتھ اور پاؤں دونوں رسیوں سے جکڑ دیئے جاتے تھے اور کمپنی جس نمک کی اجارہ دار تھی اس کے بنانے کے لئے سندربن کے سب سے زیادہ مضر صحت مقامات پر یہ لوگ بھیجے جاتے تھے۔

یہ تمام بدعملیاں ۱۷۹۳ء میں عدالتوں کے قائم ہونے تک رہیں مگر جلد یہ ظاہر ہونے لگا کہ یہ سب نادرست تھیں۔ اس وقت تک بھی یہ جو رہیں تو اس لئے نہ تھا کہ ہم نے ان کے جواز کے قوانین نافذ کئے تھے بلکہ اس لئے کہ لوگ خود اس بات کی شکایت شاذ ہی کرتے تھے۔ اگر لوگ اس طرح کی شکایت کرنے کے عادی ہوتے تو کلکٹر ان شکایتوں کے سویں حصے کی بھی سماعت نہیں کر سکتا تھا سچ تو یہ ہے کہ یہ بدعملیاں ان کے ملک کے رواج کے موافق ہی تھیں۔

"عام طور پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ ان تجارتی معاملات میں جو خود کمپنی کرتی تھی یا دوسرے غیر ملازم یورپی اشخاص انجام دیتے تھے دیسیوں کے ساتھ بہت برا برتاؤ کیا جاتا تھا البتہ کسی نمایاں ظالمانہ حرکت پر بعض دفعہ کلکٹر سزا بھی دے دیتا تھا۔

"عدالہائے دیوانی کے انفصال مقدمات اور فوجداری خفیفہ کے ان مقدمات میں جو جلدی سے اور فی الفور تصفیہ پاتے ہیں مجسٹریٹوں کے فیصلوں سے ۱۷۹۳ء کے بعد سے ایک بڑا اچھا تغیر پیدا ہو چلا ہے۔"

عاملانہ اور عدالتی فرائض کے اہم مسئلے پر جن کو لارڈ کارنوالس نے ۱۷۹۳ء میں جدا جدا کر دیا تھا۔ سر ہنری اسٹراچی کے خیالات موجودہ زمانے میں خاص دلچسپی رکھتے ہیں۔

"سب سے پہلے ۱۷۹۳ء میں کلکٹر اور جج و مجسٹریٹ کے اختیارات میں امتیاز پیدا کیا گیا اور بنگالے میں جدا جدا اشخاص کو یہ اختیارات تفویض کئے گئے۔ میرا خیال یہ ہے کہ اس منصوبے پر کئی سال پہلے بھی عمل کیا گیا تھا مگر پوری طرح نہیں۔ اور عمل کرنے کے بعد اس سے دست برداری

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

اختیار کرلی گئی تھی۔ لیکن اس وقت تک عدالتی انتظام خواہ کلکٹر کے تفویض ہو یا نہ ہو ایک خفیف سا معاملہ متصور ہوتا تھا اس میں دوسرے فرائض کی بہ نسبت کلکٹر کا کم وقت صرف ہوتا تھا اور ملک کے قدیم محض بالذات رواج کے موافق تحصیل مالگزاری ہی ملکی حکومت کی اصلی غرض وغایت متصور ہوتی تھی "۱۷۹۳ء سے ہی بنگالے کی حکومت اپنے ملازمان عدالت کے ذریعے سے خلائق کی فلاح وبہبود اور حفاظت جان ومال پر جو اس کی قلمرو کی رعایا تھی دل لگا کر توجہ مبذول کرنے لگی۔"

مسٹر ہنری اسٹراچی نے بنگالے کے کاشتکاروں پر نظام زمینداری میں جو مظالم ہوتے تھے ان کے متعلق بہت کچھ لکھا ہے۔ لیکن سنہ ۱۸۵۹ء سنہ ۱۸۶۰ء اور ۱۸۸۵ء کے قوانین لگان کے نفاذ سے ان مظالم کا انسداد ہو چکا اور مدراس کے کاشتکاروں پر رعیت واری نظام میں جو جو مظالم ہوتے تھے ان کے بارے میں بھی اس نے نہایت پُر زور الفاظ استعمال کیئے ہیں۔

"بنگالے کے عدالتی ادارت کے ساتھ رعیت واری نظام کے بے جوڑ ہونے کے بارے میں کلکٹر بہت کچھ باتیں بنائیں گے اور دستور العمل بنگالہ کی ترویج کے لئے حکومت مدراس اس خوف سے کہ کہیں کلکٹروں کا اثر نہ چلا جائے اور جمع مالگذاری میں رکاوٹیں نہ پیدا ہو جائیں۔ سال بہ سال تاخیر ہی کرتی رہیگی

"عدالتی حکام کے تقرر کے بعد اگر رعیت واری منصوبہ کامیابی کے ساتھ جاری رکھا جا سکتا ہے اور اگر ایسے قواعد بنائے جا سکتے ہیں جن کے تحت نظام رعیت واری میں ایک کلکٹر جاگیر کے محض منتظم کی طرح کام کرے گا اور جج کو لوگوں کی حقوق رسمی کے معمولی اختیارات حاصل رہیں گے تو اس وقت میں اس منصوبے پر کوئی الزام نہیں لگاؤں گا۔ لیکن میں کلکٹر کو کسی قسم کے بھی عدالتی اختیارات دینے کے بالکل خلاف ہوں کلکٹر کو محض ایک منتظم جاگیر تصور کرنا چاہیئے اسی لئے ہم کو اس کے اقتدار پر نظر رکھنا چاہیئے کہ کہیں وہ رشوت ستانی یا بیجا اغراض کی تکمیل میں اختیارات کو ناجائز طور پر تو استعمال نہیں کر رہا ہے ہندوستان میں جاگیر کے ہر منتظم کا فطری رجحان رشوت ستانی کی طرف ہے اگر کوئی شخص

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

جس کا کام رعیت سے لگان وصول کرنا ہے اپنے دل میں یہ سمجھ لے کہ اس طرح کا کام کرنے کے باوجود رعیت کو اپنے اور اپنے زیر دستوں کے مظالم سے بچانے کے لئے دنیا میں سب سے زیادہ موزوں وہی ایک شخص ہے اور یہ کہ اس کا مشغلہ ہی ایسا ہے جس پر نگرانی کی ضرورت ہی نہیں تو میری رائے میں ایسا شخص بالکل گمراہی میں پڑا ہوا ہے۔

سر ہنری کے قیمتی مراسلے سے جس میں وہ ہندوستانیوں کے یورپی حکام کی نگرانی کے بغیر ذمہ دارانہ اعلیٰ نوعیت کے فرائض انجام دینے کی قابلیت کا پرزور الفاظ میں اعتراف کرتا ہے ایک اور فقرہ بھی یہاں نقل کر دینا ضروری معلوم ہوتا ہے۔

"میرے خیال میں یورپی حکام کی نگرانی غیر ضروری ہے اس سے پہلے میں نے اس مضمون پر پوچھے گئے سوال کے جواب میں اپنی رائے کا اظہار کر دیا ہے اگر دیسی لوگ سرکاری خدمات کے قابل نہیں ہیں تو میری دانست میں یہ غلطی ہماری ہے نہ کہ ان کی۔ اگر ہم ان کے حوصلے بڑھائیں اور بڑی بڑی خدمات پر پہنچنے کی تمنا ان کے دلوں میں پیدا کریں۔ اگر انھیں ہم معقول تنخواہیں بھی دیں اور ان کو خود ان کی نظروں میں ابھاریں تو پھر یہ لوگ ہندوستان میں ہر سرکاری خدمت کے قابل جلد سے جلد بن جائیں گے۔

"میں اس مضمون کے لب لباب کا یہاں اعادہ کرتا ہوں جو ایک زمانہ پہلے بھی بیان کیا گیا تھا۔ وہ یہ ہے کہ دیسی لوگوں کو ذیلی اور ادنیٰ خدمات کی حد تک جو رکھا گیا ہے اس سے وہ اپنے تئیں کم رتبہ اور حقیر سمجھنے لگے ہیں اگرچہ ان کی تعلیم بالکل ناقص ہوئی ہے اور ہر شخص میں جہالت اور سادہ لوحی موجود ہے بالخصوص ہندوؤں میں یہ چیز زیادہ پائی جاتی ہے باایں ہمہ یہ دیکھا گیا ہے کہ ان فرائض کی انجام دہی کی ضروری قابلیت یہ لوگ آسانی سے حاصل کر لیتے ہیں جو ہم اپنی خوشی سے اُن کے تفویض کرتے ہیں۔ طبیعت، عادت، اور خاص ماحول کے دیکھتے ہوئے مختلف لحاظ سے یہ لوگ ہم سے کہیں زیادہ ججی کی خدمت کے لئے موزوں ہیں۔

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

لیکن ہم یورپی اشخاص کو تو اس مقام پر پہنچا دیتے ہیں جو ترغیب نا جائز کی رسائی سے بالاتر ہے ۔ اور ویسی شخص کو جس کے آبا و اجداد بڑی بڑی خدمات کرتے رہے ہیں ہم کسی طازم ادنیٰ کی خدمت پر مقرر کر دیتے ہیں جس کی تنخواہ بہت معمولی یعنی بیس تیس روپے ماہوار ہوتی ہے اور پھر یہ تصفیہ کر دیتے ہیں کہ ہندوستانی رشوت ستاں ہوتے ہیں اور بنی آدم میں کمپنی کے یورپی عمال کے سوا کوئی اور ان پر حکومت کرنے کے قابل ہی نہیں ہوتا"

یہاں ہم سر ہنری اسٹراخی سے رخصت ہوتے ہیں اگرچہ جو کچھ سر ہنری نے اپنے مراسلہ کے آخر میں بیان کیا ہے وہ بھی نہایت قیمتی ہے ۔ بنگالہ میں ڈکیتی کے انسداد کے لئے جو تدابیر اختیار کی گئی تھیں ان کا تشدد بتانے کیلئے سر ہنری اعداد نقل کرتا ہے ۔ دو سو نو (۲۰۹) قیدی قید میں تھے جن میں سے بعض بست و چہار پرگنوں کے قید خانے میں محض شبہ پر اور مجسٹریٹ کی تحقیقات کے بغیر پانچ مہینوں سے پڑے ہوئے تھے ۔ اردال میں ڈاکہ ہونے پر باسٹھ اشخاص محض شبہ پر گرفتار کرلئے گئے تھے جن میں سے نو (۹) تو قید خانہ ہی میں لقمۂ اجل ہوگئے اور عدالتی تحقیقات میں ان میں سے ایک پر بھی جرم ثابت نہ ہو سکا ۔ ڈنگیں میں ڈاکہ پڑنے کے بعد اٹھاسی (۸۸) آدمی محض اشتباہ پر حراست میں لے لئے گئے جن میں سے صرف دو (۲) کو جج نے مستلزم سزا پایا ۔ مدن پور میں ڈاکہ ہونے کے بعد شبہ پر بانوے (۹۲) آدمیوں کو گرفتار کرکے زدوکوب کے بعد ان سے جھوٹے سچے جرائم کا اقبال قلمبند کر لیا گیا یا حسب خواہش گھڑ لیا گیا ان میں سے چھیالیس کو بیڑیاں پہنا کر ایک سال سے زیادہ مقید رکھا گیا تین تو اس سے جانبر نہ ہو سکے اور ما بقی عدالتی تحقیقات میں بے قصور ثابت ہونے پر بری کر دیئے گئے ۔ ضلع نادیا میں نومبر ۱۸۰۸ء اور مئی ۱۸۰۹ء کے درمیان ۲۰۷۱ آدمی محض شبہ پر گرفتار ہوئے چھ ماہ کے اندر ۴۸ تو جیل ہی میں مر گئے ۲۷۸ ہنوز زیر تفتیش تھے اور ۱۴۷۷ کی تو تحقیقات کی نوبت ہی نہیں آئی تھی ۔ سر ہنری کہتا ہے کہ یہ دہشتناک مظالم انصاف کا اس بری طرح خون کرنا اور وہ بھی اپنی آنکھوں کے سامنے اور بالارادہ ۔ ایک جم غفیر کو قید خانے بھیج دینا ان کو

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

دق کرنا دروغ حلفی کی ترغیب دینا بے گناہ لوگوں کو لوٹ لینا اور ان کا قید خانے میں مر جانا یہ وہ مناظر تھے جو میری دانست میں ان لوگوں کے لئے سخت رسوائی کا باعث تھے جنھوں نے ان کو پیدا ہونے دیا۔ یہ واقعات تو ایسے تھے کہ کسی صورت ان کو برداشت نہیں کیا جاسکتا تھا۔ ڈکیتی کیسی بھیانک ہے مگر وہ بھی اس ضرر رساں فساد کے پاسنگ بھی نہیں جو اس دہشتناک نظام نے پیدا کیا ہے"

اب ہم ٹامس منرو کی رائے کی طرف متوجہ ہوتے ہیں جو نہایت معنی خیز ہے "ہندوستان کے سے ایک متمدن اور آباد ملک میں عدل و انصاف جبھی اچھی طرح کیا جا سکتا ہے جبکہ وہ دیسیوں ہی کے توسط سے کیا جائے..... بہت ساری یورپی حکومتوں نے اعلیٰ سرکاری عہدہ داروں کو اعزاز اور عطئے دیکر ان کی دیانت کو غیر متزلزل بنا دینا ہی زیادہ مناسب سمجھا ہے۔ اگر ہم بھی ہندوستانیوں سے دیانت کے طلبگار ہیں تو ہمیں بھی وہی طریقہ اختیار کرنا چاہئے اور اگر ہم دیانت کی وہی قیمت دینے پر آمادہ ہیں تو اس ملک کے باشندوں میں ہمیں بھی وہ آسانی کے ساتھ مل جائے گی جیسے اکثر یورپی لوگوں میں ہے۔ ہر مسلمان فاتح کی فرمانروائی میں دیسیوں کو ہندوستان میں سلطنت کے اعلیٰ سے اعلیٰ مراتب ملے۔ یہ ایک انگریزی راج ہی ہے کہ جس کے زیر حکومت دیسی لوگ اس حق سے محروم کر دیے گئے ہیں اور اگر کسی سرکاری محکمے میں ان کو جگہ بھی دی گئی ہے تو ان کی حیثیت کبھی ایک ادنیٰ ملازم سے بڑھ کر نہ ہوئی"

ایک دوسری یادداشت میں ٹامس منرو نے پنچائت کے ذریعہ سے عدل و انصاف کرنے کے قدیم ہند نظام کی خوبیاں بھی بیان کیں اور اس کے نقائص بھی۔

"پنچائت کے ذریعے سے تحقیقات مقدمات کرنے سے دیسیوں کو اس لئے دلبستگی ہو چلی ہے کہ ان کو اپنے حکمرانوں کی زرپرستی کا اندیشہ لگا ہوا ہے لیکن غالباً اس تعلق کے مدنظر جو تجربہ سے پیدا ہوا ہے یعنی یہ کہ خواہ کتنا ہی

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

سیدھا اور مستعد کوئی جج کیوں نہ ہو اس میں پنچائت کی طرح جائز و صحیح اور عاجلانہ طور پر تصفیہ مقدمات کی قابلیت نہیں ہوتی لوگوں کی یہ دل بستگی اور زیادہ اور موثق ہو گئی ہے۔ اس قدیم نظام کا مقابلہ انگریزی راج کے مروجہ نظام سے کرنے کے بعد طامس منرو نے چند دوراندیشی کی باتیں بتائی ہیں۔

"یہ ظاہر ہے کہ ہمارا موجودہ نظام نہ صرف گراں مصارف اور ایذارساں ہے بلکہ از سر تا پا نکما بھی ہے۔ بنگالہ کی حکومت میں تقریباً ایک لاکھ تیس ہزار مقدمات التواء میں پڑے ہوئے ہیں۔ اور ان مقدمات کے لئے متوسط تخمینہ پر بھی دس لاکھ گواہوں کی ضرورت ہے اگر ہم ان کے مصارف اور فاصلے کا اور جتنے عرصہ کے لئے یہ لوگ اپنے گھروں سے دور رہتے ہیں۔ ان سب کا حساب لگائیں تو اس سے ملک کو جو نقصان پہنچتا ہے اس کا اندازہ کرنا کچھ آسان نہیں۔ لیکن دعوے کے ساتھ یہ بیان کیا جاتا ہے کہ یہ خرابی لا علاج ہے اور ہندوستان کے لوگوں کی مقدمہ بازی سے پیدا ہوتی ہے اگر لوگوں کی حقیقی کردار یہی ہوتی تو جب مقدمہ دائر کرنے کے لئے کچھ دینا نہیں پڑتا تھا اس وقت یہ کردار ان سے ظاہر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتی تھی ہر حالت میں ان کو دیکھنے کا مجھ کو موقع ملا ہے اور میں یہ وثوق کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ یہ لوگ مقدمہ بازی کے دلدادہ نہیں۔ اکثر مجھ کو یہ دیکھکر حیرت سی ہوئی کہ مقدمات کا آپس ہی میں کس سہولت کے ساتھ تصفیہ ہو گیا اور ہارنے والوں نے کس انصاف پسندی کے ساتھ اپنے خلاف تمام حقوق دعوے کو تسلیم کر لیا۔ لیکن تاخیر اور مصارف سے بگڑ کر تعجب نہیں کہ لوگ جیسے جیسے مقدمہ طول طویل مراحل طے کرتا ہے ویسے ویسے زیادہ مقدمہ بازی کرنے لگتے ہیں۔...... ہم جس مقدمہ بازی کو لوگوں کی کردار سے بے بنیاد طور پر منسوب کرتے ہیں وہ خود ہمارے نظام کی پیدا کردہ ہے۔"

سب سے آخر ہم بمبئی کے کرنل واکر کی رائے کی طرف متوجہ ہوتے ہیں جس نے قابل تعریف اعتدال اور غیر جانب داری کے ساتھ اس عدالتی نظام کی خوبیوں اور نقائص کے متعلق جس کی ابتدا انگریزی راج نے

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

ہندوستان میں کی تھی لکھا تھا

"برطانوی نظام عدالت کی خوبیوں کا قومی فخر کے ساتھ اکثر زبانی اور تحریری اعتراف کیا گیا ہے یہ نظام محض خلائق کی نفع رسی کے لئے بنا ہے اور نہایت ہی محترم و محتاط دیانت داری پر چلتا ہے درحقیقت انصاف بلا رعایت ہر ایک کے حق میں کیا جاتا ہے اور فطرت انسانی کی کمزوریوں سے قطع نظر غیر جانبدارانہ اور ایکساں کیا جاتا ہے اس نظام میں غیر مفید صورت صرف یہ ہے کہ پردیسیوں کے عادات و اطوار بہت مختلف ہیں اور اجنبیوں کا ایک غیر دیس کے رہنے والوں کے حق میں عدل و انصاف کرنا نادرست ہے یہ غیر مفید صورت حال بالکل تو مٹ نہیں سکتی مگر ہندوستانیوں کو نظم و نسق میں شرکت کا موقع دینے کے بعد اس میں بہت کم سختی باقی رہ جائے گی ...... اس نظام میں سب سے بڑا نقص غالباً اجنبیوں کو خدمات دینا اور اس دیس کے رہنے والوں کو خدمات سے بالکل محروم رکھنا ہی ہے"

کرنل واکر نے نظماء کے نویں (۹) سوال کے جواب میں جو ہندوستان کے بسنے والوں کی دیانت اور مستعدی سے متعلق تھا بار بار اسی مضمون کا اعادہ کیا ہے۔

"کمپنی کی ملکی حکومت میں جو سب سے نمایاں صورت پیدا ہے وہ بھی ہندوستانیوں کا خدمات سے محروم رہنا ہے۔ جن خدمات پر دیسی ہیں وہ بہت ہی ادنیٰ ہیں جن کی کوئی یورپی شخص خواہش بھی نہیں کرے گا۔ اور ان تقررات کی تنخواہیں اس قدر کم ہیں کہ ان کے اور ان کے اہل و عیال کے لئے بمشکل سامان معیشت پورا مل سکتا ہے بلند مرتبہ اور اعلیٰ تعلیم یافتہ دیسیوں کے لئے کمپنی کی ملازمت میں شریک ہونے کا کوئی باعث ترغیب نہیں رہا۔ نہ صرف مشاہرات ہی بالکل قلیل دئے جاتے ہیں بلکہ عام طور پر جس نظر سے ان کو دیکھا جاتا ہے اور ان سے جو نا اعتباری ہے وہ ایسی ہے کہ اس سے بے انتہا نفرت ان لوگوں میں پیدا ہو جائے گی۔

"بڑے بڑے اعزاز و مفاد کے خدمات پر ملکیوں کے تقرر کی اجازت

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

دنیا ہی ایک ایسی تدبیر رہ گئی ہے جس سے دیسیوں کو بالکل راضی کر لیا جا سکتا ہے یہ توقع رکھنی بے سود ہے کہ لوگ محض اپنی حفاظت املاک پر ہی قناعت کر لیں گے درآنحالیکہ بلند حوصلگی کی سب اعلیٰ راہیں ان پر بالکل بند ہیں۔ یہ محرومی کی کوفت ہنر و جوہر ذاتی کا گلا گھونٹ دیتی ہے خاندانی افتخار کو نیچا دکھاتی ہے اور نکموں اور اپاہجوں کے سوا سب کے دلوں کو پژمردہ کر دیتی ہے اعلیٰ معاشرتی طبقے میں یہ شدید ناانصافی متصور ہوتی ہے اور یہی لوگ ملک میں ذی اثر اور قابل احترام ہوتے ہیں جن کی رہنمائی میں رائے عامہ کی تشکیل ہوتی ہے جب تک خصومت کا یہ سبب باقی رہے گا انگریزوں کا نظم و نسق بار گراں ہی سمجھا جائے گا۔

"روما کے لوگ جن کا روزانہ کاروبار فتوح کرنا تھا اور جنھوں نے متمدن دنیا کے بہت بڑے حصے کو اپنا حلقہ بگوش بنا لیا تھا۔ اقوام کو مطیع و محکوم رکھنے میں ہمارے بہترین رہنما بن سکتے ہیں۔ ان دانشمند لوگوں نے ہمیشہ ایسے ممالک کے انتظام مملکت کا بہت سا حصہ انھیں کے ہاتھوں میں چھوڑ دیا۔ جن کو انھوں نے بالکل مغلوب کر لیا تھا۔"

یہ دیکھنے کے قابل بات ہے کہ گزشتہ تاریخی واقعات کی بڑی تحقیق کے بعد کرنل منرو اور کرنل واکر دونوں ایک ہی نتائج پر پہنچے۔ کرنل منرو نے مسلمان فاتحین کی مثال دی تھی جنھوں نے ہندوستان پر پانسو برس حکومت کی اور اس دیس کے رہنے والے ہندوؤں کو "ملک کے اعلیٰ سے اعلیٰ مراتب" دئے اور کرنل واکر نے روما کے فاتحین کی مثال پیش کی جنھوں نے اتنی ہی مدت تک ساری مغربی دنیا کو اپنے زیر تسلط رکھا۔ اور انتظام مملکت کا بہت سا حصہ انھی کے ہاتھ میں چھوڑ دیا جن کو انھوں نے بالکل مغلوب کر لیا تھا۔ وہ لوگ بھی جو ہندوستان میں انگریزی راج کی برکتوں سے بخوبی واقف ہیں اور تعلیم یافتہ ہندوستانی اصحاب ان میں سب سے آگے ہیں۔ آگاہ ہو کر اس پر تاسف کرتے ہیں کہ کس طرح اعلیٰ خدمات سے اور نظم و نسق کی نگرانی سے ہندوستانیوں کا محروم رہنا انگریزی راج کی بدنامی اور شاہنشاہی کی کمزوری

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

کا باعث ہے۔

ہندوستانیوں کو محروم رکھنے کے جواز کی صورت اس طرح نکالتے ہیں کہ ہندوستانیوں کے کردار پر غلط حرف رکھتے ہیں اور اس کا ذکر کرنل واکر نے بھی اپنے مراسلے کے آخر میں کمال احتیاط کے ساتھ کیا ہے۔

"کمپنی کو کسی دھوکے میں ڈالنے والے ذریعے سے اس قدر بچاؤ کا سامان کرنے کی ضرورت نہیں جس قدر کہ ان کی دیسی رعایا کی قابلیت کے متعلق ان اطلاعات سے جو کمپنی تک پہنچتی رہتی ہیں۔ یہ اطلاعیں بلاشک انھی یورپی اشخاص کے ذریعے سے پہنچتی ہیں جو اس ملک میں سرکاری خدمتوں پر مامور ہیں لیکن یہ لوگ تعصب اور خود غرضی سے دیسیوں کی قابلیت کی وہ قدر نہیں کرتے جس کی وہ مستحق ہیں۔ بہت سے ان میں ایسے بھی ہوں گے جو اس نیت سے بالاتر ہیں اور چند ہی ایسے نکلیں گے جو جان بوجھ کر اس پر عمل کرتے ہوں۔ لیکن پھر بھی یہ اصول پوشیدہ طور پر اپنا اثر دکھلا رہا ہے اور لوگوں کے خیالات اور آراء پر اپنا قوی اور غالباً غیر محسوس اثر ہمیشہ یونہی دکھاتا رہے گا۔

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

انیسواں باب

اصلاحات نظم ونسق اور لارڈ ولیم بنٹنگ

(۱۸۱۵ء - ۱۸۳۵ء)

سرہنری اسٹراخی کرنل منرو اور کرنل واکر نے جو آراء قلمبند کئے تھے ۱۸۱۲ء کی مجلس منتخبۂ دار العوام نے جو اپنی مشہور پانچویں رپورٹ پیش کی تھی اور ۱۸۱۳ء میں منرو اور میلکم نے دار العوام کے سامنے جو شہادت دی تھی ان سب کا انگلستان کی رائے عامہ پر اثر پڑا اور مجلس نظماء ہندوستان کے عدالتی نظم ونسق میں کچھ نہ کچھ اصلاحی تدابیر اختیار کرنے پر مجبور ہو گئی اس مجلس نے عدالتی نظام کی تحقیقات اور اصلاح کے لئے ایک خاص کمیشن مقرر کیا جس کا صدر نشین کرنل منرو بنایا گیا۔

جون ۱۸۱۴ء میں منرو انگلستان سے روانہ ہوا اور اٹھارہ ہفتوں کے اندر سارا بحری سفر طے کر کے ستمبر میں مدراس پہنچ گیا۔ وقت ضائع کرنے کے بغیر اپنی خلقی سرگرمی کے ساتھ اس نے اپنا کام شروع کر دیا اور اسی سال کرسمس کی

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

ابتداء میں اس نے حکومت مدراس کے سامنے اپنی تجاویز چھ عنوان کے تحت پیش کر دیں۔ اس کی تجویز یہ تھی کہ (۱) کلکٹر کو مجسٹریٹ کے اختیارات بھی ملنے چاہئیں اور دیہی پولیس کا انتظام دوبارہ میران دہ کے سپرد کر دینا چاہئے۔ (۲) دیہی پنچایتوں کو پھر قائم کرنا چاہئے (۳) دیسی لوگ ضلع کے جج یا کمشنر ہونے چاہئیں (۴) کلکٹروں کو قواعد پٹہ کی تعمیل کرانے کا اختیار دیا جانا چاہئے (۵) زمینداروں کے اختیارات قرقی محدود کر دینا چاہئیں اور (۶) حدبندی کے تنازعات کا تصفیہ کلکٹر ہی کو کرنا چاہئے۔

ان ابتدائی تجاویز میں ان دو نمایاں منصوبوں پر ایک نظر نہ ڈالنا جو ٹامس منرو کے باعث تحریک تھے ناممکن ہے۔ پہلے یہ کہ جہاں تک ممکن ہو تمام عدالتی کاروبار کو ہندوستانیوں ہی کے ہاتھ میں دینے پر جن کا میران وہ حجان اضلاع اور کمشنروں کے عہدوں پر تقرر کیا جا سکتا تھا ٹامس منرو مصر تھا۔ دوسرے یہ کہ تمام عاملانہ اختیارات خواہ وہ مالگزاری کے ہوں عدالتی یا کوتوالی کے ہوں مرکزی بنانے کے لئے ایک ہی عہدہ دار یعنی کلکٹر ضلع کے تفویض کر دینے کی اس کی خواہش تھی اس کے پہلے منصوبہ کے کچھ جزو پر عمل پیرائی ہوئی لیکن اس زمانہ تک بھی اصل میں ضلع کی ججی یورپی لوگوں کے لئے ہی محفوظ ہے۔ اس کے دوسرے منصوبہ کی کوئی نہ کوئی شکل جواز اس بدعملی اور بدنظمی کے زمانہ میں غالباً نکل سکتی تھی مگر بدنصیبی سے موجودہ زمانہ میں بھی اسی پر عمل ہو رہا ہے۔

ہماری اس تصنیف کی مختصر سی گنجائش میں اس کی تفصیل بالکل ناممکن ہے کہ اس کمیشن کے بعد کے دو سال کے عرصہ میں کیا کیا اور کس قدر مراسلت ہوتی رہی جس سے "ایسٹ انڈیا کاغذات" کے ۵۰۰ صفحے بھر گئے۔ اتنا بیان کر دینا کافی ہے کہ کمیشن نے پہلے سات دستور العملوں کا مسودہ تیار کیا اور اس پر نظر ثانی کرنے کے لئے مدراس کی صدر عدالت ہائے دیوانی و فوجداری کو بھیجا یا اس وقت مجلس نظماء کا مراسلہ مورخہ ۲۰ دسمبر ۱۸۱۵ء وصول ہوا جو کمیشن کی خدمت میں پیش کر دیا گیا۔ حکومت مدراس اور صدر عدالتوں کی

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

تجاویز کے موافق کئی ایک تبدیلیاں اور اضافے اصل مسوّدہ میں کئے گئے۔ انجام کار ۱۸۱۶ء میں پندرہ دستورالعمل کا ایک سلسلہ مختلف تاریخوں میں منظور کیا گیا۔

اس دستورالعمل کا فوری نتیجہ یہ ہوا کہ ذمہ دارانہ خدمات پر مدراسیوں کا تقرر ہونے لگا اور عدالتی کام زیادہ تر ان کے ہاتھ میں آگیا۔ یہ وہ اصلاح تھی جس کی تائید کمپنی کے سب سے زیادہ پرمغز عمال سالہا سال سے کرتے چلے آئے تھے اور نظم ونسق کے لئے اس اصلاح کی ضرورت تھی۔ ٹامس منرو کی قسمت میں تھا کہ اس ضروری اصلاح کے نفاذ کی وہی پہل کرے۔

مجلس نظما نے حکومت مدراس کو لکھا کہ "اس فریضے کے سب سے اہم اور سب سے دشوار حصے کا بوجھ کرنل منرو کے کندھوں پڑا جو پہلا کمشنر مقرر ہوا تھا اور جس کی تعریف میں ہمارا کچھ کہنا آفتاب کو آئینہ دکھانا ہے لیکن آپ کے مزید اطمینان اور آپ کی اور عام سول سروس کی اطلاع کے لئے اتنا ہمیں کہنا پڑتا ہے کہ ٹامس منرو نے بہ حیثیت صدر نشین کمیشن کمیٹی اور دیسیوں کی جو خدمات انجام دی ہیں ان کو بھی ہم اسی طرح دلی اعتراف کے مستحق سمجھتے ہیں جیسے کہ اس کی قابل احترام سرکاری زندگی کے کسی اور فعل کو"!

ٹامس منرو اس تعریف کا سزاوار تھا اور ہندوستان میں بھی رائے عامہ نے اس سے بالکل اتفاق کیا۔ لیکن یہ بیان کر دینا ضروری ہے کہ ایک طرف تو ان دستورالعملوں میں منرو کے پیش نظر جو مقاصد تھے ان میں کے بعض پورے نہ ہوئے دیہی پولیس کو میراندہ کے تحت کر دینے کی جو کوشش تھی وہ چھوڑ دی گئی اور تمام ہندوستان میں اب پولیس ایک طرح کی علیحدہ جمعیت ہی بن گئی ہے۔ دیہات میں پنچائت قائم کرنے کی سعی بھی جس کے وجوہ کی کسی اور مقام پر توضیح کی گئی ہے ناکامیاب رہی۔ زیادہ دانشمندانہ قواعد وضوابط کے تحت دیہی انجمن ہائے متحدہ کی تنظیم کا اب وقت آگیا ہے اور جب تک کہ یہ نہ ہو لے ہندوستان میں سرکار جمیع رعایا کے حالات سے وقتاً فوقتاً واقف نہیں رہ سکتی۔

دوسری طرف ٹامس منرو نے کلکٹر اور مجسٹریٹ اور پولیس کے اختیارات یکجا کر کے ایک ہی شخص کو تفویض کر دینے کی غلطی جو کی تھی اس کی ایک دوامی

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

شکل بن گئی ۱۸۱۵ء اور ۱۸۱۶ء میں ہی حکومت مدراس نے اس پر اعتراضات کئے تھے مگر ان اعتراضات کے ہوتے ہوئے یہ غلطی قایم رہی۔ حکومت مدراس کے ایک رکن مسٹر فلرٹن نامی نے اختیارات کو یکجا کرنے کی تنسیخ کے مسئلے پر تمام بڑے بڑے اعتراضات مکمل اور واضح طور پر بیان کیے ہیں۔

"میں بھی یقیناً یہی محسوس کرتا ہوں کہ کلکٹر کو عدالتی فرایض تفویض کرنا ایک نئی بات ہے جس کا عدالتی نظام کے فواید پر یوں برا اثر پڑے گا کہ جماعت عامہ کو بے اندازہ اختیارات مل جائیں گے اور محکمۂ عدالت کے تحفظ حقوق وغیرہ پر خلائق کو جو اعتقاد اور اعتماد ہو چلا تھا وہ کم ہو جائے گا۔

حکومت مدراس کی بھی یہی رائے تھی کہ کلکٹر کو اگر پولیس پر نگرانی رکھنے کا اختیار بھی دیدیا جائے تو اس کو عدالتی اختیارات تو نہ دئے جانے چاہئیں یہ مسئلہ مجلس نظما تک گیا مگر مجلس نظما نے حکومت مدراس کی رائے کو رد کر دیا۔ اور حکم دیا کہ مالگزاری اور عدالت کے اختیارات ایک ہی عہدہ دار کے سپرد کر دئے جائیں۔

"آپ میں اور کرنل منرو میں جس مطلب کے سمجھنے میں اختلاف ہو گیا ہے وہ ہمارے مراسلے کے اس حصے سے متعلق ہے جس میں ہم نے عدالتی اختیارات کو کلکٹر پر منتقل کر دینے کا حکم صادر کیا تھا۔ کرنل منرو سمجھ رہا تھا کہ اس منتقلی اختیارات سے ہمارا مطلب محض پولیس کا انتظام اور نگرانی ہی نہ تھی بلکہ مجسٹریٹ کے تمام فرایض بھی اس میں داخل تھے۔ برخلاف اس کے ہمارے گورنر بہ اجلاس کونسل کا خیال یہ تھا کہ ہم صرف اس منتقلی کو محکمۂ پولیس کے انتظام و نگرانی کی حد تک ہی رکھنے پر آمادہ ہیں۔

"ہمیں اس ارادے کے اظہار میں ذرا بھی پس و پیش نہیں ہے کہ اس منتقلی کا عین منشا وہی ہے جو کرنل منرو نے لیا ہے اور یہ منتقلی اسی معنی اور اسی حد تک عمل میں آنی چاہئے۔

حکومت مدراس نے اس تصفیہ کو با دل ناخواستہ قبول کیا رابرٹ فلرٹن نے مکرر یہ لکھا کہ "جن خیالات کو میں نے اس سے پہلے قلمبند

کیا تھا ان میں اور حکام اعلیٰ کے احکام اور آراء میں جو اس کے بعد صادر ہوئے بڑا اختلاف پیدا ہو گیا ہے جس کا مجھ کو کتنا ہی افسوس کیوں نہ ہو بمقتضائے ضمیر میں تو ان کو رد نہیں کر سکتا۔ اسی دوران میں میں سوچتا ہی رہا اور ان مختلف سرکاری اسناد پر جو بعد میں میرے ہاتھ لگے ہیں نے غور کیا تو میرے اس خیال کو اور زیادہ تقویت ہوئی کہ اگر ضلع کا تمام و کمال عدالتی اختیار کلکٹر کو دیدیا جائے تو اس کا زیادہ تر حصہ مالگزاری کے ویسے عہدہ داروں کو نیابتاً بمجبوری دینا پڑے گا اور اگر ان عہدہ داروں پر جج حلقہ کے گاہے ماہے اگر دیکھ جانے کے سوا کوئی اور نگرانی نہ رہے گی تو اس سے محکمۂ مالگزاری کے وہ اختیارات ہو جائیں گے کہ ان کے استعمال بیجا پر آیندہ کوئی قانون استغاثہ موثر و کامیاب نہو سکے گا۔

اب ہم بمبئی کے معاملات کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ پچھلے ابواب میں بمبئی کے بارے میں اس لئے کچھ نہیں لکھا گیا کہ انگریزوں کے زیر نگین بنگالہ اور مدراس کے آنے کے نصف صدی سے بھی زیادہ مدت کے بعد صوبۂ بمبئی کا ایک بڑا حصہ آیا تھا۔ بنگالے پر ۱۷۵۷ء کی جنگ پلاسی کے بعد اور مدراس پر ۱۷۶۱ء کی جنگ واندیورش کے بعد برطانوی اثر مستحکم طور پر قایم ہو گیا تھا لیکن وارن ہیسٹنگز اور لارڈ ویلزلی کی جنگ و جدال کے باوجود ہندوستان کے مغرب میں مرہٹے اپنا قدم اور اثر جمائے ہوئے تھے۔ آخری پیشوا برطانوی زور شمشیر سے پونا کی گدّی پر ۱۸۰۲ء میں بیٹھا اس نے انگریزوں کے ساتھ ایک عہد نامہ کیا جس کی رو سے اپنی قلمرو میں ایک برطانوی امدادی فوج بھی رکھی تھی یہ ایک برے انجام کا آغاز سمجھنا چاہئے۔ اس کو بہت جلد اپنے نئے حلیفوں کی رعب دار طاقت کا احساس ہونے لگا اور وہ اس خود کردہ قیود اور پابندیوں میں گرفتار دل ہی دل میں جل بھنکر رہ جاتا تھا آخر کار اس سے یوں رہا نہ گیا اس نے جنگ کی مگر شکست کھائی اور ۱۸۱۷ء میں اس کی قلمرو کا انگریزی عملداری کے ساتھ الحاق ہو گیا۔

مونٹ اسٹوارٹ الفنسٹن کے نام کے ساتھ بمبئی میں انگریزی نظم و نسق کا

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

تدریجی قیام اسی طرح منسوب ہے جیسے کہ ٹامس منرو کے نام کے ساتھ مدراس ہیں۔ ۱۷۹۶ء میں الفنسٹن ایک سترہ سالہ لڑکا سا تھا کہ ہندوستان آیا۔ اس کے سات سال کے بعد خوش نصیبی سے وہ آرتھر ویلزلی کا جو بعد میں شہرۂ آفاق ڈیوک ونگٹن ہوا معتمد خانگی ہوا۔ ۱۸۰۳ء کی جنگ اسائی میں وہ ڈیوک کے ہمرکاب رہا تھا اور مرہٹوں کے معاملات اور نظم و نسق کے متعلق اس کو جو گہری واقفیت تھی وہ اس نے سب سے پہلے ناگپور میں ۱۸۰۴ء سے ۱۸۰۸ء تک رزیڈنٹ کی حیثیت سے رہ کر حاصل کی تھی۔ ایک سفارت خاص پر کابل جانے سے اس کو اس غیر معروف ملک کے باشندوں اور ادارات کے متعلق ایک دلچسپ کتاب لکھنے کا موقع مل گیا کابل سے واپسی پر ۱۸۱۱ء میں وہ پونا میں رزیڈنٹ مقرر ہوا جہاں اس انقلاب میں جو اس سے چند سال بعد ہوا بہت بڑا اہم حصہ لینا اس کی قسمت میں لکھا تھا۔ جیسا کہ پہلے بیان کیا گیا ہے ۱۸۱۸ء میں انقلاب ہوا۔ باجی راؤ نامی آخر پیشوا کی حکومت ہی مٹ گئی اور دکن کا الحاق بھی برطانوی شاہنشاہی کے ساتھ ہو گیا۔

الفنسٹن کو مرہٹوں کے معاملات میں بے مثال تجربہ رکھنے کی وجہ سے سب سے زیادہ موزون آدمی سمجھ کر اس مفتوحہ عملداری میں انتظام وغیرہ قائم کرنے کے لئے منتخب کیا گیا۔ یہ جنوری ۱۸۱۸ء میں کمشنر دکن مقرر ہوا اور اس حیثیت سے اس نے جو کام کیا ہے اس کا ذکر اس کے بعد کے باب میں آئے گا۔ ۱۸۱۹ء میں الفنسٹن بمبئی کا گورنر ہو گیا اور ان آٹھ سال میں جبکہ وہ اس اعلیٰ خدمت پر تھا مغربی ہند میں اس نے انگریزوں کے نظم و نسق کی بنا ڈالی۔

اس کے فیاضانہ انتظام مملکت کی شہرت کا انحصار اس کی تین طرح کی کارگزاریوں پر ہے۔ اس کی پہلی کوشش انضباط قانون کی تھی اس کا دوسرا مقصد یہ تھا کہ جہاں تک اس وقت ممکن ہو ہندوستانیوں کو انتظام مملکت کے کاروبار میں بڑے سے بڑا حصہ عطا کیا جائے اس کی تیسری اور

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

آخری غرض یہ بھی تھی کہ لوگوں میں سچی تعلیم کی اشاعت ہو جس سے وہ آیندہ چلکر خود اپنے کاروبار کے انتظام میں زیادہ اعلیٰ اور ذمہ دارانہ حصہ لینے کے قابل بن جائیں۔

پہلا کام تو نہایت عمدگی کے ساتھ ایک اطمینان بخش طور پہ ہو گیا۔ "بمبئی کے تمام قواعد و ضوابط کو علحدہ علحدہ ان کے مضمون کے موافق مرتب کر کے ایک دستورالعمل کی شکل میں منضبط کر دیا گیا۔ یہ دستورالعمل ستائیس قواعد و ضوابط پہ مشتمل ہے جن کی ذیلی تقسیم ابواب اور واقعات میں کی گئی ہے یہ دستورالعمل بھی انھی مضامین پر منضبط ہے جن پر بنگالی دستورالعمل ہے لیکن اس اختلاف صورت کے ساتھ کہ اس میں قانون فوجداری کا بھی ایک اہم مجموعہ ہے" اس کے علاوہ الفنسٹن نے لوگوں کے قوانین اور رسم و رواج کا مجموعہ بھی تیار کرنے کی کوشش کی۔ اس نے لکھا ہے کہ "جس کو ہم شاستر (یعنی قانون ہنود) کہتے ہیں۔ وہ محض برہمنوں سے متعلق ہے ہر قوم اور ذات کے قوانین جدا جدا ہیں رسم و رواج الگ الگ ہیں۔" الفنسٹن کا خیال تھا کہ تمام ذات اور اقوام کے مختلف رسم و رواج کا ایک مکمل مجموعہ مرتب کیا جائے یہ خیال اس کے شایان تھا لیکن اس کی عملی تشکیل ناممکن تھی اس لئے یہ کام ادھورا ہی رہ گیا۔

ہندوستان کے بہترین منتظمین ریاست انگلستان کے اعلیٰ سے اعلیٰ تخیل اور شایستگی سے ہمیشہ کس قدر بہتر واقف رہتے تھے وہ اس واقعے سے ظاہر ہوتا ہے کہ جب الفنسٹن ہنود کے رسم و رواج کا ایک مجموعہ تیار کرنے کی فکر میں تھا اس وقت وہ نہایت تندہی کے ساتھ جیریمی بنتھم کی کتابوں کا مطالعہ کرتا رہتا تھا اس نے بنتھم کے متعلق اسٹراچی کو یہ لکھا تھا کہ:۔ "آپ نے جیریمی بنتھم کا جو تذکرہ کیا ہے اس سے میں بہت محظوظ ہوا۔ اس کے حالات دریافت کرنے کی مجھ کو بڑی خواہش تھی جو آپ سے پوری ہوئی وہ بیشک چوٹی کی قابلیت رکھنے والا ہی آدمی نہیں ہے بلکہ ساری دنیا سے نرالا ہے اور یہ محض اپنے فن ہی میں نہیں بلکہ ذاتی عادات واطوار

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

میں بھی۔ اور یہ غالباً اس لئے ہے کہ وہ دنیا سے زیادہ سروکار ہی نہیں رکھتا۔ اس نے کتابیں تحفۃً مجھ کو جب بھیجیں تو میری مسرت کی انتہا نہ رہی میں کسی دوسرے ایسے مصنف کو نہیں جانتا جس نے اس طرح مجھ کو سرفراز کرنے پر اس کی اتنی ہی اعلیٰ قدر میرے دل میں پیدا ہوتی جب آپ کو میں اس سے پہلے تفصیلی خط لکھ رہا تھا تو اس وقت میرے ذہن میں یہ تھا کہ بنگالی منتریوں کو جن کے پونا میں ملجانے کی مجھ کو توقع تھی ہندوؤں کے شاستر (قانون ہنود) کی جیسا کہ برہمنوں کے زمانے میں زیر عمل تھا اور مرہٹوں کے ملک کے رسم و رواج کی جن میں سے بعض میں ہم نے خود اپنے رسم و رواج کے موافق ترمیم کی ہے ایک مجموعہ کی شکل میں انضباط کرنے کے لئے نوکر رکھ لیا جائے لیکن مجھکو کوئی منتری ملے نہیں ہیں اور جس قدر اس کام پر غور کرتا گیا اسی قدر کٹھن یہ معلوم ہونے لگا"۔

ہندوستان کے مورخوں نے اس بات کو ہمیشہ کافی وضاحت کے ساتھ نہیں بیان کیا ہے کہ گزشتہ ڈیڑھ سو سال میں ہندوستان کے برطانوی نظم و نسق کی ہر نئی تشکیل جو ہوئی وہ یورپی اثرات ہی میں ہوئی ہے۔ فریڈرک اعظم کی جنگ و جدال ہندوستان میں بھی انگریزوں اور فرانسیسیوں کے درمیان اٹھارھویں صدی عیسوی میں آغاز جنگ کا باعث ہوئی جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ فرانسیسی ہندوستان سے بالکل نیست و نابود ہوگئے اور نپولین کی لڑائیاں لارڈ ویلزلی اور لارڈ ہسٹنگز کی پرحوصلہ فتوح کی محرک تھیں اس کے بعد عدالتی اور دیوانی اور ملکی اصلاحات کی جو کوششیں شروع ہوئیں اور جو انگلستان میں ۱۸۳۲ء کے قانون اصلاح پر پہنچکر ختم ہوئیں وہی ہندوستان میں بھی اسی طرح کے اصلاحات کی بانی تھیں جن سے مدراس بمبئی اور بنگالے میں ہندوستانیوں کو ملک کے انتظامی کاروبار میں بہت بڑا حصہ مل گیا اس کے بعد سے اس ہفتاد سالہ مدت میں امن و اصلاحات کے جو دور انگلستان میں آئے انھیں میں کچھ نہ کچھ اصلاحات ہندوستان میں بھی ہوئیں اور جب کبھی جنگ کی لہر انگلستان آئی اسی زمانہ میں ہندوستان میں بھی یہی احساس پُرحوصلہ منصوبوں اور اکثر احمقانہ لڑائیوں کا باعث ہوا۔ ہندوستان میں سیاسی نمایندگی کا طریقہ نہیں ہے اس لئے وہ ملک کئی وجوہ سے انگلستان کا

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri
CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

دست نگر ہے اور انگلستان کو عارضی طور پر جب کبھی جنون کا دورہ پڑا ہندوستان کے لوگوں کو ناعاقبت اندیش اور پس رو نظم و نسق کو برداشت کرنا پڑا اور ناسمجھی کی احمقانہ لڑائیوں کے مصارف بھی اٹھانے پڑے۔

اس زمانے میں جس کا ذکر ہم اس باب میں کر رہے ہیں انگریزی اثرات نہایت ہی اچھے تھے اور انھیں اثرات سے متاثر ہو کر منرو۔ الفنسٹن اور بنٹنگ نے ہندوستان میں نہ صرف قوانین کی اصلاح کی بلکہ انتظام مملکت میں لوگوں کے جائز حقوق شرکت پر بھی التفات اور لحاظ کرنے لگے۔ الفنسٹن بھی اپنی بات کا ایسا ہی پکا تھا جیسے منرو اور ان سب مراسلوں اور یادداشتوں میں جن میں یہ مسئلہ غور کے لئے پیش ہوا تھا اس نے اپنی رائے کا اظہار کر دیا مسٹر ٹامس منرو کے موسومہ خط (مورخہ ۱۸۲۲ء) سے ذیلی اقتباس تفصیلات پیش کیا جاتا ہے:۔

"میں سنتا ہوں کہ آپ نے مدراس میں ایک دیسیوں کی مجلس ترتیب دی ہے اور اگر آپ اس منصوبے کی نوعیت سے مجھ کو آگاہ فرمائیں گے تو میں آپ کا بہت ممنون ہوں اس انتظام میں ایک بڑا فائدہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس سے ہندوستانیوں کے لئے اعلیٰ اور کارآمد خدمات پر مامور ہونے کی ایک نئی راہ نکلتی ہے میرے لئے یہ معلوم کرنا باعث مسرت ہوگا کہ کیا آپ کے خیال میں یہ منصوبہ عدالت یا اور سررشتہ جات میں بھی پھیلایا جا سکتا ہے یا نہیں قطع نظر اس کے دیسیوں پر حکومت کرنے کے لئے اچھے دیسی صلاح کاروں اور مشیروں کی ضرورت ہے یہ بھی ضروری ہے کہ ہم دیسیوں کو خود ان کے ملک کی حکومت میں کچھ نہ کچھ حصہ دینے کی کوئی راہ نکالیں اس طرح کرنے پر ہمیں بالکل مجبور ہو جانے کے لئے اور پچاس برس چاہئیں۔ لیکن حکومت اور تعلیم کا نظام جو ہم نے قایم کیا ہے آج نہیں تو کل اس ملک کے لوگوں میں ایسا تغیر پیدا کر دے گا کہ ان کو ذیلی خدمتوں تک ہی محدود رکھنا ناممکن ہو جائے گا اس وقت تک ہم نے اگر کوئی راہ ان لوگوں کی بلند حوصلگی اور لیاقت کے لئے نہ نکالی تو پھر ہم ایک ایسے دھکے کی توقع کر سکتے ہیں جس سے یکایک ساری حکومت ہی تہ و بالا ہو جائے"۔

اس سے چار سال بعد الفنسٹن نے ہنری ایلس کو خط لکھا تو اس میں اس مضمون کی

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

اپنی اس پختہ رائے کا اور زیادہ پر زور الفاظ میں اظہار کیا۔

"ہمیشہ سے یہ خیال میرے ذہن نشین ہے کہ چینیوں کے ساتھ تاتاریوں کا جو برتاؤ ہے وہی ہندوستانیوں کے ساتھ ہمارا ابھی ہونا چاہئے یعنی حکومت اور فوجی اقتدار اپنے ہی ہاتھ میں رکھ کر ملکی نظم ونسق میں (الّا اس درجہ نگرانی کے جو بہ حیثیت مجموعی نظم ونسق میں ایک حرکت ڈالنے اور اس کی رہنمائی کے لئے ضروری ہے) رفتہ رفتہ ہمیں حصہ لینا ہی بالکل چھوڑ دینا چاہئے۔ یہ عمل اس قدر تدریجی ہونا چاہئے کہ اس سے آپ کے قیاس کے موافق نظماء کی اپنی ملکی سرپرستی کی خاطر خوفزدہ ہو جائیں۔ لیکن یہ مقصد ہمیشہ ہمارے ذہن نشین رہنا چاہئے تاکہ ہمارے سب تدابیر کا رخ اسی کی طرف رہے۔

الفنسٹن کا آخری دم تک بھی یہی خیال تھا اور ہمیشہ وہ اسی خیال کا اظہار کرتا رہا تھا۔ ہندوستان سے واپسی کے بعد بیس سال تک اپنے دیہی مکان واقع سرے میں نہایت امن اور چین کے ساتھ کتب بینی میں وہ اپنی سادہ زندگی گزار رہا تھا اور ہندوستان کے معاملات میں تمام لوگ اس کو سب سے بڑا مستند آدمی سمجھتے تھے چنانچہ دو چار مرتبہ اصرار کے ساتھ گورنر جنرل کی خدمت پر ہندوستان جانے کے لئے اس سے کہا بھی گیا تھا مگر اس وقت بھی وہ اپنی ایک ہی رائے پر قائم تھا اور کئی خطوط میں اس کا اظہار بھی اس نے کیا ہے۔

"ہم ..... کو چاہئے کہ دیسیوں کو وہاں پہنچا دیں جہاں پہنچکر وہ ایک ایسی حکومت خود اختیاری کے قابل ہو جائیں جو ان کے اور ہمارے اور ساری دنیا کے اغراض کے لئے مفید ہو اس شاندار کامیابی کے ساتھ اپنے فریضے کی انجام دہی کا احساس ہی سب سے زیادہ ہماری محنت وجفاکشی کی جزا ہوگا۔"

ہمیں اتنا اور کہنا ضروری ہے کہ الفنسٹن نے اپنے انتظام مملکت کے اثناء میں اس حکمت عملی پر کاربند رہنے میں ہر ممکنہ کوشش صرف کی اور مدراس میں سر ٹامس منرو نے جو نظیر قایم کی تھی اس پر نظر کرتے ہوئے اس نے بھی بمبئی میں بہت سا عدالتی کاروبار مختلف درجے کے ہندوستانی سول ججوں کے سپرد کر دیا۔

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

الفنسٹن کے نظم و نسق کا تیسرا اور آخری مقصد لوگوں میں اشاعت تعلیم کرنا تھا اس زمانہ میں تعلیم کے نقطۂ نظر سے بمبئی سب پریسیڈنسیوں سے پیچھے تھا۔ ایسٹ انڈیا کمپنی کے پادری چند خیراتی مدرسوں پر نگرانی رکھتے تھے انکے علاوہ اشاعت تعلیم کی کوششیں امریکہ کے پادریوں کی اس مختصر سی جماعت تک محدود تھیں جو ۱۸۱۳ء میں وارد بمبئی ہوئی تھی۔

۱۸۲۰ء میں الفنسٹن نے ایک عام جلسہ کی صدارت کی اور غربا میں اشاعت تعلیم کرنے کے لئے ایک انجمن قایم ہوئی۔ الفنسٹن نے طباعت کتب اور عطائے انعامات کے لئے ۵۰۰۰ پونڈ اس انجمن کے نام منظور کرائے۔ اسی انجمن کے توسط سے جو کچھ تعلیم ملکی زبان میں ہوتی تھی وہ سولہ سال تک جاری رہی۔ ابتدائی تعلیم کے نظام میں طول طویل تحقیقاتیں کی گئیں اور ان کا نتیجہ ۱۸۳۲ء میں شایع بھی کر دیا گیا۔ اُس وقت صوبۂ بمبئی میں جس کی آبادی تقریباً پچاس لاکھ تھی ۱۷۰۵ مدارس اور ۳۵۱۴۳ طلباء تھے الفنسٹن نے جب اعلیٰ تعلیم کی اشاعت کی کوشش کی تو خود اس کی کونسل کے ارکان اور مجلس نظما دونوں نے مخالفت کی۔ الفنسٹن چاہتا تھا کہ بمبئی میں نوجوان سویلین اشخاص کی تعلیم کیلئے ایک کالج قایم کیا جائے۔ جس میں دیسی سرکاری عہدہ داروں کی تعلیم کے لئے بھی ایک خاص شعبہ رہے اس شعبہ کی کونسل نے مخالفت کی اور بہ حیثیت مجموعی نظمائے کمپنی سے اس منصوبے کی منظوری حاصل کرنے میں ناکامیابی ہوئی۔

تعلیم عامہ کی اشاعت کے لئے الفنسٹن نے حسب ذیل تجاویز پیش کیں (۱) دیسی مدارس کی اصلاح اور تعداد میں اضافہ کرنا (۲) اور ان مدارس کے لئے درسی کتابیں مہیا کرنا۔ (۳) ادنیٰ طبقات کو تعلیم کی طرف ترغیب دینا (۴) یورپی حکمت و فنون سکھانے کے لئے جدید مدارس کھولنا (۵) علوم عمرانی و طبعی پر ملکی زبان میں کتابیں تیار کرنا (۶) انگریزی پڑھانے کے لئے جدید مدارس قایم کرنا اور (۷) عام طور پر لوگوں کی حوصلہ افزائی کرنا۔ نظماء کو راضی کرنے کے لئے الفنسٹن نے اس بات کی طرف اشارہ کر دیا تھا کہ ان مدارس کے اخراجات کا بوجھ نظماء پر بالکل کم رہے گا کیونکہ زیادہ تر ان مصارف کا بند و بست خود قصبوں سے ہوگا

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

با ایں ہمہ الفنسٹن کے ہندوستان سے روانہ ہونے تک تو اس کی تجاویز پر منظوری صادر نہیں ہوئی تھی بمبئی میں پہلا انگریزی مدرسہ الفنسٹن کی روانگی کے ایک سال بعد ۱۸۲۹ء میں کھولا گیا اور پونا کے سنسکرت کالج میں ایک انگریزی کا شعبہ بھی قایم کیا گیا۔ بمبئی کے مشہور ادارہ "الفنسٹن" کا افتتاح ۱۸۳۴ء میں ہوا۔

ہندوستان میں الفنسٹن کے اشاعت تعلیم کے اس مختصر کارنامہ کو اس کی ۱۸۲۴ء کی یادداشت سے دو ایک اقتباسات پر ہم ختم کرتے ہیں۔

"ہماری ہندوستان کی حکومت پر یہ اعتراض ہے کہ ہم نے مشرقی ریاستوں کو تہ و بالا کر دیا۔ جن ذرایع پر اس ملک کی شان و شوکت کا انحصار تھا ان کو بند کر دیا۔ اور خود ہم نے ایک بھی کارآمد یا پرشوکت تعمیر کی بنا نہیں رکھی۔ البتہ از روئے انصاف یہ کہا جا سکتا ہے کہ ہم نے دیسیوں کے ہنر کے سب چشمے خشک کر دئیے۔ اور ہمارے فتوح کی نوعیت ہی کچھ ایسی تھی کہ نہ صرف قوم کی علم کو ترقی دینے کی ہمت پست ہو گئی بلکہ قومی علم و تبحر خود معرض خطر میں پڑ گیا اور ممکن ہے کہ پچھلے صاحبان فہم و ادراک کی ساری پیداوار ہی محو ہو جائے اس رسوائی اور الزام کے مٹانے کے لئے ہمیں کچھ نہ کچھ کرنا ضروری ہے"

اور اسی سال الفنسٹن نے یہ بھی لکھا ہے کہ:۔

"اگر دیسیوں میں سرکاری ملازمت میں آنے کی قابلیت بہ احتیاط تمام پیدا کی جائے اور اس کے بعد ان سے اور زیادہ کام لیا جائے تو تصویر کا رخ بدل جائے گا۔ تھوڑے ہی دنوں میں ہم دیکھ لیں گے کہ دیسی لوگ بھی ضلع کا اسی طرح انتظام کرنے لگیں گے جس طرح یورپی مددگار اب کر رہے ہیں۔ آیندہ ترقی کرنے کے بعد بعض دفعہ وہ رجسٹرار اور سب کلکٹر یا کلکٹر اور جج بھی بن سکتے ہیں۔ یہ محض خیال ہی خیال نہیں کہ ایک زمانہ ایسا بھی آئے گا جب دیسی لوگ یورپی لوگوں کے ساتھ وہی مناسبت رکھتے ہونگے جو چین کے باشندوں کی تاتاریوں کے ساتھ ہے یعنی یورپی لوگ حکومت اور فوجی اختیارات اپنے ہاتھ میں رکھیں گے اور دیسی لوگ بہت زیادہ ملکی مراتب و عہدہ جات پر اور مختلف فوجی ذیلی خدمتوں پر مامور رہیں گے"۔

اپنے وقت کے وہ سب سے بڑے منتظمین مملکت اسی سال ہندوستان سے

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

رخصت ہو گئے ایک تو ٹامس منرو جولائی ۱۸۲۷ء میں دنیا سے ہی چل بسا۔ اور دوسرا ماونٹ اسٹوارٹ الفنسٹن جس نے چار مہینے کے بعد ہندوستان کو خیرباد کہا۔ اسی سال لارڈ ولیم بنٹنک ہندوستان کا گورنر جنرل مقرر ہوا۔ اور اس کام کے سرانجام کا سہرا جس کی مبارک ابتداء منرو اور الفنسٹن نے کی تھی بنٹنک کے سر رہا۔

نپولین کی لڑائیوں کے بعد رائے عامۂ یورپ میں اب اچھی ہو چلی تھی اور اس کے اثرات سے ہندوستان آنے والے منتظمین مملکت میں کوئی اتنا متاثر نہ ہوا تھا جتنا کہ بنٹنک تھا۔ انیسویں صدی عیسوی کے آغاز میں یہ مدراس کا گورنر تھا لیکن وہاں غدر ہونے پر اس کو خدمت سے علیحدہ کر دیا گیا تھا۔ اس کے بعد بنٹنک یورپی سیاسی امور میں منہمک رہا چنانچہ سسلی اور اطالیہ میں ڈیوک ارلینس کے ساتھ (جو بعد میں لوئی فیلپ کے لقب کے ساتھ شاہ فرانس ہوا) اطالیہ کی حریت و آزادی کے منصوبے سوچتا رہا ۱۸۱۴ء میں جینوا کی فتح کے بعد اس نے جینیوا میں وہاں کا قدیم دستور پھر جاری کر دیا اور اطالوی قوم کو جد و جہد کرنے اور ایک آزاد قوم بننے کی دعوت بھی دیتا رہا۔ با ایں ہمہ فاتح حلفا قدیم انتظام ہی برقرار رکھنا چاہتے تھے اسی لئے ویانا کی کانگریس نے اطالیہ کو آسٹریا کی قابل نفرت حکمرانی کے تحت رہنے پر مجبور کر دیا اس سے تیرہ سال بعد جب فرانس میں ۱۸۳۰ء کا انقلاب ہونے والا ہی تھا اور جب انگلستان میں قانون اصلاح کے لئے ایک ہنگامہ بپا تھا لارڈ ولیم بنٹنک گورنر جنرل مقرر ہو کر ۱۸۲۸ء میں وارد ہندوستان ہوا۔

لارڈ ولیم بنٹنک نے جو انتظامی اور تعلیمی اصلاحیں کیں وہ اسی ڈھنگ کی تھیں جن کی بنا منرو اور الفنسٹن نے ڈالی تھی۔ عدالتی کام کا بہت کچھ حصہ لایق ہندوستانی عہدہ داروں کے سپرد کر دیا گیا اور ہندوستانیوں کے لئے متعدد اعلیٰ درجہ کی ججیاں قایم کر کے ان کو صدر امین کا لقب دیا گیا کچھ عاملانہ اور مالگزاری کا کام بھی ان لوگوں کے تفویض ہوا اور ڈپٹی کلکٹر کے لقب کے ساتھ متعدد مقامات پر اعلیٰ درجے کے خدمات بھی قایم کئے گئے۔

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

اس ستر سال سے زیادہ مدت میں ہندوستان کے تعلیم یافتہ اشخاص سے نظم ونسق کے نہایت ہی دشوار اور ذمہ دارانہ کاموں میں اپنی لیاقت، دیانت اور قابلیت کو ثابت کر دکھایا۔

شمالی ہند میں سنہ ۱۸۲۲ء کے بندوبست ہائے اراضی جن کے رو سے سرکار کو لگان کے تین رُبع سے زیادہ بطور محصول اراضی وصول کرنے کا حق حاصل تھا انتہائی ورجہ شدید ثابت ہوئے تھے۔ لارڈ ولیم بنٹنک نے اس نظام کو بدل دیا اور سرکاری مطالبہ کو گھٹا کر لگان کا دو ثلث کر دیا۔ ایک جدید بندوبست آر۔ ایم۔ برڈ نامی شخص کے زیر نگرانی سنہ ۱۸۳۳ء میں شروع ہوا جس سے رعایا کے نجات کی ایک شکل نکل آئی ساتھ ہی ساتھ زمین کے محاصل میں بھی حقیقی اضافہ کی صورت ہوئی۔ اس جدید بندوبست کا ذکر ہم آیندہ باب میں کریں گے۔

راجہ رام موہن رائے نے جو تعلیم یافتہ ہندوؤں میں سب سے زیادہ ترقی یافتہ تھا اس ظالمانہ ستی کے رسم کو مسدود کرنے میں جس کی رو سے ہندو بیوائیں اپنے شوہروں کی لاش کے ساتھ چتا میں جل مرتی تھیں گورنر جنرل کا پورا ساتھ دیا اور مسٹر سلیمن کے نام کو یہ امتیاز حاصل ہے کہ اس نے اس جرائم پیشہ طبقہ کو جو ٹھگ کہلاتے تھے اور ہندوستان کے مختلف اقطاع کے لوگوں کو ایذا اور ضرر پہنچاتے تھے بالکل فنا کر دیا۔

کمپنی کے منشور کی تجدید سنہ ۱۸۳۳ء میں ہوئی اور کمپنی کی ساری تجارت اٹھا دی گئی۔ اس کے بعد کمپنی کی حیثیت بجائے تاجروں کی ایک جماعت کے ہندوستان کے منتظمین مملکت کی سی ہوگئی نہایت خوش اسلوبی کے ساتھ انتظام مملکت برقرار رکھنے میں لارڈ ولیم بنٹنک بہت کام کا اور ہر وقت مدد دینے والا آدمی ثابت ہوا۔ گورنر جنرل کی کونسل میں قانونی رکن کی ایک نئی خدمت قایم کی گئی جس پر سب سے پہلے مشہور آفاق مکالے مقرر ہو کر ہندوستان آیا۔ کبھی کسی گورنر جنرل کو ایسے پرجوش ہم کار نصیب نہیں ہوئے تھے جیسے بنٹنک کو ملے تھے جیسا کہ پچھلے باب میں بیان

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

کیا گیا ہے ٹریویلین نے سب سے پہلی قطعی کارروائی یہ کی کہ محصولات راہداری کو جو اتنے دنوں تک ہندوستان میں مزاحم تجارت رہے تھے بالکل موقوف کر دیا مکالے تمام قانونی کارروائیوں میں مددیتا تھا مکالے نے اس مشہور تعزیرات ہند کا مسودہ مرتب کیا جو آج تک دنیا کے بہترین قوانین میں شمار ہوتا ہے مٹکاف بھی لارڈ ولیم کے خدمت سے سبکدوش ہونے کے بعد اسی کی حکمت عملی کا پیرو رہا۔ اور اپنے مختصر عہد حکمرانی میں ہندوستان کے اخبارات کو آزادی عطا کر دی۔

جہاں صحیح طور پر اصلاحات ہوتے ہیں وہاں ہمیشہ مصارف میں تخفیف بھی ہو جاتی ہے چنانچہ لارڈ ولیم بنٹنک نے ہندوستان کے موازنہ میں ایک زمانہ کی کمی کو فاضلات سے بدل دیا۔ ۱۸۱۴ء سے ۱۸۳۴ء تک یعنی پندرہ سال کے اثناء میں جملہ کمی تقریباً دو کروڑ پونڈ انگلشیہ تھی درآنحالیکہ اسی دور کے آخری چھ سال میں سالانہ کمی کی مقدار تیس لاکھ پونڈ تک پہنچ گئی تھی۔ لارڈ ولیم بنٹنک کے انتظام مملکت میں یہ کمی بیس لاکھ پونڈ کی فاضلات سے مبدل ہو گئی۔

ہندوستانی نظم ونسق میں حقیقی اصلاح کرنے والا کوئی بھی ایسا نہ تھا جو اتہام یا الزام سے کبھی بچا ہو۔ ہندوستانی عہدہ داروں کی توسیع اختیارات دیوانی پر یورپی اشخاص جو اس وقت ہندوستان میں تھے بہت بگڑتے تھے اور اس قانون کا جس کی رو سے ان لوگوں کے کلکتہ کی عدالت العالیہ میں استغاثہ دیوانی کرنے کے حقوق چھن گئے تھے "سیاہ قانون" نام رکھا تھا۔ اسی کا نتیجہ یہ ہوا کہ مکالے اور لارڈ ولیم بنٹنک پر گالیوں کی بوچھار ہونے لگی۔ مورخ تھارنٹن کی فہم وفراست کو بھی تعصب بہا لے گیا اور اس نے بنٹنک کے متعلق یہ لکھ مارا کہ "اس میں ڈچ آدمی کی سی احتیاط تو تھی ہی اطالوی دغابازی مزید برآں ہوئی" برطانوی منتظمین مملکت کو ایسے لوگوں کی تکمیل اغراض کے لئے جن کا کوئی نمایندہ نہیں اپنی عرق ریزی کا صلہ ایک دو بار نہیں بلکہ ہمیشہ یہی ملتا رہا ہے چنانچہ حالیہ زمانے میں کیننگ اور رپن کی مثال موجود ہے۔

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

بمقابل کلکتہ کے بمبئی میں انگریزی تعلیم نے زیادہ ترقی کی تھی کلکتہ کے گھڑی ساز ڈیوڈ ہیر نامی نے ایک انگریزی مدرسہ کھولا تھا اسی لئے اس شخص کا لقب "بانی تعلیم انگریزی" پڑ گیا ہے۔ جو آج تک بنگالہ میں زبان زد خاص و عام ہے اس کے بعد ۱۸۱۷ء میں مارکوئیس ہیسٹنگز نے کلکتہ کا ہندو کالج قائم کیا یہ مسئلہ پیش ہوا کہ ہندوستان میں تعلیم انگریزی میں دی جائے یا سنسکرت اور عربی یا ہندوستان کی دوسری ملکی زبانوں میں۔ مستشرقین نے جو مشرقی ادبیات وغیرہ کی اعلیٰ خوبیوں کے قدرشناس تھے اس پر زور دیا کہ خود ان کی زبان میں لوگوں کی تعلیم ہونی چاہئیے لیکن مکالے اور ٹریولین کے سے زیادہ عملی اشخاص کی رائے یہ تھی کہ جدید علم و حکمت کی صحیح تعلیم جدید زبان کے سوا کسی اور زبان میں نہیں دی جا سکتی۔ مکالے کی عالمانہ یادداشت نے جواب ایک خاص تاریخی سند کی حیثیت رکھتی ہے اس بحث و مباحثہ کا گویا تصفیہ ہی کر دیا۔ مکالے کو سنسکرت کے ادبیات کا پورا اندازہ نہ تھا اس کے باوجود وہ جس نتیجہ پر پہنچا بالکل درست تھا یعنی جدید تعلیم جدید زبان ہی میں دی جا سکتی ہے۔

فرض کرو کہ خدیو مصر جس کا ملک کسی زمانے میں علم و حکمت میں یورپ کی تمام اقوام سے برتر تھا لیکن اب انھیں اقوام سے بہت پیچھے ہے ادبیات کو پھر زندہ کرنے اور ترقی دینے کی غرض سے اور تعلیم یافتہ مصریوں کی حوصلہ افزائی کی خاطر ایک رقم مختص کر دے تو کیا اس سے کوئی شخص یہ معنی نکال سکتا ہے کہ خدیو مصر کا مطلب ہے کہ مصری نوجوان قدیم مصری نقش و نگار کی تحریروں کے مطالعے میں سالہا سال صرف کریں اور ان تمام مذہبی اعتقادات کو ڈھونڈ نکالیں جو "اوسیریز" کے فسانوں میں پوشیدہ ہیں اور تمام ممکنہ تحقیق کے ساتھ ان مذہبی رسوم کا پتہ لگائیں جن کی اتباع میں بلیوں اور پیاز کی ڈلیوں کی قدیم زمانہ میں پرستش کی جاتی تھی۔ کیا مقتضائے انصاف یہی ہے کہ خدیو مصر پر تلون مزاجی کا الزام لگایا جائے اگر وہ اپنی رعایا کے نوجوان افراد کو مصری میناروں کے کتبات کریدکریدکر پڑھنے پر

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

لگانے کی بجائے انگریزی اور فرانسیسی زبانوں کو سیکھنے اور وہ سب علوم وفنون حاصل کرنے کا حکم دے جن کی کنجی یہی زبانیں ہیں۔

ہمیں ایک قوم کو جس کی اس زمانے میں مادری زبان میں تعلیم نہیں ہوسکتی۔ تعلیم دینا ہے اس لئے کوئی نہ کوئی غیر زبان انہیں سکھانی لازمی ہے یہ ضروری نہیں معلوم ہوتا کہ ہماری اپنی زبان کے جو دعوے ہیں ان کو پھر ہم یہاں دہرائیں مغرب کی اور زبانوں میں بھی انگریزی زبان ایک خاص امتیاز رکھتی ہے اور بس یہی نہیں بلکہ خود ہندوستان کے حکمراں طبقے میں انگریزی زبان ہی بولی جاتی ہے اور مشرقی بر و بحر میں ہر جگہ یہی تجارتی کاروبار کی زبان بن سکتی ہے یہی ان دو یورپی اقوام کی بھی زبان ہے جو اس وقت نہایت عروج پر ہیں ایک وہ ہے جو جنوبی افریقہ میں ہے اور دوسری وہ ہے جو آسٹریلیشیا میں ہے اور نہ صرف یہ دونوں قومیں روز بروز زیادہ اہم بنتی جارہی ہیں بلکہ ہماری ہندوستانی شاہنشاہی کے ساتھ ان کے زیادہ قریبی روابط قایم ہو رہے ہیں خواہ ہم اپنے ادبیات کی معنوی قدر پر نظر کریں یا اس ملک کے خاص موقع محل کو دیکھیں ہمیں قوی سے قوی دلایل اس خیال کی تائید میں ملیں گے کہ سب غیر زبانوں میں انگریزی زبان ہی ایسی ہے جو ہماری دیسی رعایا کے لئے نہایت کارآمد ہو گی"۔

مکالے کی یادداشت کی ناقابل مقابلہ منطق اور بے مثال زور بیان کے آگے سارے مستشرقین نے ہار مان لی۔ فیصلہ کر دیا گیا کہ ہندوستان کے لوگوں کو انگریزی زبان میں ہی تعلیم دینی چاہئے اس کے انیس سال بعد اس فیصلے کا ضمیمہ اس مشہور مراسلہ کو سمجھنا چاہئے جس کو ۱۸۵۴ء میں مکالے نے موضوع تعلیم پر تحریر کیا تھا۔ اس مراسلہ میں انتظام تعلیم کے متعلق مکالے نے لکھا تھا کہ ہندوستانی مدارس میں ابتدائی تعلیم تو ہندوستان کے ملکی زبانوں میں ہونی چاہئے مگر آگے چلکر اعلیٰ تعلیم صرف انگریزی زبان میں ہو چنانچہ ہندوستان کی شعبۂ تعلیم میں یہی حکمت عملی آج تک قایم ہے۔

سات سال تک نہایت بافیض اور کامیاب حکمرانی کے بعد ۲۰ مارچ ۱۸۳۵ء

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

میں لارڈ ولیم بنٹنک ہندوستان سے رخصت ہوا۔ مکالے کے مشرح و واضح الفاظ ہیں جو کلکتہ میں بنٹنک کے مجسمہ کے چبوترے پر کندہ ہیں اس نے "یہ کبھی فراموش نہیں کیا کہ محکوم کی خوشحالی حکومت کی اصلی غایت ہے"۔

ہندوستان سے مراجعت کرنے پر ۱۸۳۷ء میں لارڈ ولیم بنٹنک لبرل یعنی جدت پسند فرقہ کی طرف سے شہر گلاس گو کا نمایندہ ہو کر رکن پارلیمنٹ منتخب ہوا لیکن اپنی زندگی کا بڑا وقت اس نے فرانس ہی میں گزارا جہاں اس کا یار عزیز لوئی فیلپ اس وقت شاہ فرانس تھا اور جون ۱۸۳۹ء میں پیرس ہی میں رحلت کی۔ خاص حقوق رکھنے والے طبقات تے جو الزام و اہتمام بنٹنک کے سر لگائے تھے وہ سب نظر انداز ہو گئے۔ اس کی وفات کے چودہ سال بعد سر چارلس ٹریویلین نے جو بنٹنک کا ہندوستان میں ہم کار رہا تھا دار الامراکی مجلس کے سامنے اپنی شہادت میں بنٹنک کے انتظام مملکت کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے جن پر ہندوستان کے لوگوں کی قبولیت عامہ کی مہر ثبت ہے "میں لارڈ ولیم بنٹنک کے متعلق یہی گواہی دوں گا کہ گو ہندوستان میں ہماری قلمرو کے قیام کا اعزاز دوسروں کے سر رہا لارڈ ولیم بنٹنک بھی اس بات پر بڑی تعریف کا سزاوار ہے کہ اس نے اس عظیم اصول کے اعتراف سے کہ ہندوستان پر اس طرح کی حکمرانی ہونی چاہیئے جس سے ہندوستانیوں کو نفع پہنچے اور اس کی بدولت ہمیں جو فوائد حاصل ہوں وہ محض اتفاقی یا معمولی ہوں ہندوستان پر ہماری فرمانروائی کی صحیح بنیاد رکھی"۔

اس میں شک نہیں کہ منرو۔ الفنسٹن۔ بنٹنک۔ ٹریویلین میٹکاف اور مکالے جیسے لوگوں کے ہندوستانی نظم و نسق میں ہمیشہ یہی اعلیٰ نصب العین پیش نظر رہا ہے اگر یہ ممکن ہوتا کہ ایک قوم دوسری قوم کی بھلائی کے کام کرے تو ہندوستان پر آج اسی طرح کی حکمرانی رہتی رہی جس سے ہندوستانیوں کو نفع پہنچتا"۔ لیکن یہ فطرت انسانی ہی میں نہیں ہے کہ آدم کی اولاد ایک دوسرے کی بھلائی کا کام کرے گی چنانچہ اس امر واقعہ کو نظر انداز کرنا بے کار ہے ہندوستان کے تمام تجارتی۔ صنعتی۔ معاشی اور مالیاتی اغراض آج تک بھی

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

انگلستان کے اغراض کے تابع ہیں کیونکہ نوع انسان نے کسی مطیع قوم کی بھلائی کے لئے حکمرانی کا کوئی اور طریقہ اب تک دریافت نہیں کیا ہے بجز اس کے کہ خود قوم کے اپنے معاملات کا انتظام کچھ نہ کچھ قوم کے ہی سپرد کیا جائے۔ اور قوم کو کچھ نہ کچھ حق نمایندگی اور تھوڑی بہت حکومت خود اختیاری دیجائے جب تک یہ حکمت عملی ہندوستان میں بھی اختیار نہ کی جائے گی اس وقت تک یہ کہنا کہ "ہندوستان پر حکمرانی ہندوستانیوں کو نفع پہنچانے کے لئے ہونا چاہیئے" نہ صرف ایک بے سود بات ہے بلکہ ایک نہایت دل شکن ہجو ملیح بھی۔

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

بیسواں باب

الفنسٹن بمبئی میں (۱۸۱۷ء — ۱۸۲۷ء)

مرہٹوں کے آخری پیشوا باجی راؤ کی قلمرو کا ۱۸۱۷ء میں الحاق کر لیا گیا اور طویل تعاقب کے بعد اس کے دوسرے ہی سال باجی راؤ بھی گرفتار ہو گیا اور وظیفہ لے کر ریاست سے دست بردار ہو جانا اس نے قبول کر لیا۔ پچھلے زمانے میں جو پیشوا کی وسیع قلمرو تھی آج وہی صوبۂ بمبئی کے اہم ترین اقطاع ہیں۔

اس وسیع خطے میں بندوبست کرنے کا فریضہ کمپنی کے بہترین اور قابل ترین عاملوں میں سے ایک کے سر پڑا۔ مونٹ اسٹوارٹ الفنسٹن گیارھویں لارڈ الفنسٹن کا بیٹا تھا اور جیسا کہ پچھلے باب میں بیان کیا گیا ہے یہ ۱۷۹۶ء میں وارد ہندوستان ہوا تھا مختلف تجربے حاصل کرنے کے بعد ۱۸۱۱ء میں پونا کا رزیڈنٹ مقرر ہوا۔ اور ۱۸۱۸ء میں باجی راؤ کی عملداری کے الحاق کے بعد یہ وہاں کا

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

کمشنر ہو گیا۔

الفنسٹن کے انتخاب سے بہتر کوئی اور انتخاب نہیں ہو سکتا تھا اگرچہ یہ ٹامس منرو سے بیس سال چھوٹا تھا مگر اس میں بھی مالگزاری کا کام کرنے کی وہی قابلیت تھی رعایا کے ساتھ وہی ہمدردی تھی وہی علمی احساس تھا اور شاہنشہی ہند کی ترقی کے لئے وہی فراخ نظری اور تدبر تھا جو ٹامس منرو میں تھا۔ انیسویں صدی عیسوی کے پہلے نصف حصے میں ہندوستان میں متعدد ممتاز منتظمین مملکت ایسے پیدا ہوئے جو نہ صرف رعایا کے ساتھ ہمدردی رکھنے میں بلکہ تنظیم کی خاص قابلیت اور اعلیٰ کارگذاری میں بھی ممتاز تھے اس بات کا اعتراف ایسٹ انڈیا کمپنی کے دوسرے مستحق ستائش عمال وقت کے حق میں موجب ناانصافی غالباً نہ ہوگا کہ مدراس کا منرو اور بمبئی کا الفنسٹن دو نوں ان سب لوگوں میں ممتاز و سر بلند تھے۔ غور کرنے پر یہ افسوسناک صورت حال ناظرین کے خیال میں آتی ہے کہ ایسے ہمدرد منتظمین مملکت کا طبقہ انیسویں صدی عیسوی کے آخری نصف حصے میں نادار الوجود بن گیا تھا اور اس زمانے کے منتظمین مملکت باشندوں کی ترقی یا احساس خود اختیاری کو فروغ دینے کی بجائے ان کی سیاسی ترقی میں رکاوٹ پیدا کرنے کے خواہشمند تھے۔

الفنسٹن نے "پیشوا کی قلمرو مفتوحہ پر رپورٹ" لکھی اور اکتوبر ۱۸۱۹ء میں گورنر جنرل کی خدمت میں پیش کی۔ اس رپورٹ میں ملک کی حالت اور بندوبست کے وہ طریقے جو وہاں اختیار کئے گئے تھے سب بالتفصیل نہایت قابلانہ طور پر اس نے بیان کئے ہیں۔ یہ رپورٹ بہت ضخیم ہے اور ایسٹ انڈیا کا غذات" کی چوتھی جلد کے تقریباً ستر صفحے اس رپورٹ سے بھر گئے ہیں۔ یہاں ہم اس کے چند اقتباسات سے زیادہ پیش نہیں کر سکتے۔

ملت دیہی

خواہ کسی نقطۂ نظر سے ہم دکن کی دیسی حکومت کو دیکھیں سب سے پہلے

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

اور سب سے اہم جو شکل ہمیں نظر آتی ہے وہ وہاں کی تقسیم بلاد و قصبات ہے۔
ہر بلت دیہی میں مملکت کا سب سامان ایک مختصر پیمانے پر موجود ہے اور کسی قسم کی حکومت کے زیر اثر رہے بغیر بھی وہ اپنے ارکان کی معقول محافظت کر سکتی ہے۔ اگرچہ اس کی تنظیم غالباً حکومت کے نہایت ہی عمدہ تشکیل کے مناسب حال نہیں ہے پھر بھی اس کے ذریعہ سے حکومت کے نقائص کا علاج اور بڑی حکومت کی غفلت شعاری اور کمزوری کا انسداد ممکن ہے اور حکومت کے مظالم اور غارتگری کی بھی تھوڑی بہت روک تھام ہوتی ہے۔

ہر قصبہ میں کچھ ایسی ملحقہ زمین بھی ہوتی ہے جس کا انتظام وہاں کے باشندوں کے سپرد ہوتا ہے۔ حد بندی احتیاط کے ساتھ کی جاتی ہے اور نہایت خبرداری کے ساتھ حدود کی نگرانی ہوتی ہے۔ حدود کو کھیتوں پر تقسیم کر دیا جاتا ہے اور ان کھیتوں کی انتہا یا کم و کاست ہر شخص جانتا ہے ہر کھیت کا ایک نام رکھا جاتا ہے اور اس کی کاشت چھوڑے ہوئے ایک زمانہ بھی گزر جائے تو بھی وہ بالکل علٰحدہ ہی رہتا ہے گاؤں والے تقریباً سبھی کسان ہوتے ہیں مگر گاؤں کی ضرورتوں کے پورا کرنے کے لئے ان میں بعض تاجر اور کاریگر بھی رہتے ہیں۔ ہر گاؤں کا صدر ایک پٹیل ہوتا ہے جس کا ایک مددگار بھی ہوتا ہے اس مددگار کا لقب "چوگلا" ہوتا ہے ایک محرر ہوتا ہے جس کو "کلکرنی" کہتے ہیں۔ ان کے علاوہ بارہ دیہی ملازمین اور بھی ہوتے ہیں جو "بارہ بلوتی" کے نام سے مشہور ہیں۔ یعنی جوتشی پجاری بڑھئی۔ نائی وغیرہ لیکن ان میں سے وہ لوگ حکومت کے نظم و نسق سے تعلق رکھتے ہیں وہ صرف سنار یا پاٹدار ہیں جو زر کو پرکھتے ہیں اور "مہار" ہیں جو دوسرے اہم فرائض کے علاوہ گاؤں کی چوکیداری بھی کرتے ہیں۔
جہاں ان لوگوں کے اصلی خاندانوں کی شاخیں ہو گئیں ہیں وہاں ایک ہی ذات کے کئی اشخاص موجود ہیں۔ چنانچہ کسی گاؤں میں بھی مہار چار یا پانچ سے کم نہ تھے اور جہاں ان اقوام کی تعداد زیادہ تھی وہاں اکثر مہار کے علاوہ بھیلوں یا راموشیوں سے چوکیداری لی جاتی تھی مگر یہ لوگ مہاروں کے

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

دوسرے فرائض انجام نہیں دیتے تھے۔

پٹیل گاؤں کے اہم ترین کارداروں میں ہی نہیں ہیں بلکہ دیہات میں غالباً اہم ترین طبقہ انھیں کا ہے۔ ان کو حکومت کی طرف سے پٹیلی کی خدمت عطا ہوتی ہے اور عموماً یہ عطا مغلیہ سلاطین کی ہے اس عطائی رو سے ان کو زمین اور رسوم کا حق حاصل ہوتا ہے اور چھوٹے چھوٹے مختلف مراعات و امتیاز بھی ملتے ہیں جن سے وہ اپنی زمینوں کی طرح وابستہ ہیں ان کی خدمت اور آمدنی دونوں موروثی ہیں پھر بھی حکومت کی منظوری سے ان کو فروخت کیا جا سکتا ہے لیکن اشد ضرورت کے سوائے ان کو فروخت نہیں کیا جاتا گو کبھی کبھی کسی کو شکمی دار بنا لیا جاتا ہے مگر قدیم قابض کی برتری کو باحتیاط تمام محفوظ کر لینے کے بعد پٹیل گاؤں کی کوتوالی کا اور عدالتی نظم و نسق کا صدر ہوتا ہے لیکن یہاں بحیثیت کارپرداز مالگزاری اس کا ذکر آیا ہے۔ اس حیثیت سے وہ چھوٹے پیمانہ پر وہی کام انجام دیتا ہے جو معاملہ دار یا کلکٹر بڑے پیمانہ پر کرتا ہے وہ ان کاشتکاروں کو زمین دیتا ہے جن کی اپنی زمین کوئی نہیں ہوتی اور کس شخص کو کیا لگان ادا کرنا چاہیئے اس کا تعین کر دیتا ہے۔ تمام رعیت سے منجانب حکومت مالگزاری وصول کرتا ہے اور مالگزاری کے سارے انتظامات ان کے ساتھ کرتا ہے اور کاشتکاری کی ترقی اور گاؤں کی سرسبزی کے لئے بہت کچھ کوشش بھی صرف کرتا ہے اگرچہ اصل میں یہ حکومت کا ہی ایک کارپرداز ہے لیکن اب وہ رعیت کا نمایندہ بھی متصور ہوتا ہے اور حکومت کے احکام کی بجا آوری ہی میں وہ کارآمد نہیں ہے بلکہ لوگوں کے حقوق سرکار کے سامنے پیش کرنے یا کم از کم ناانصافی سے سرکار کو آگاہ کرنے میں بھی وہ مدد دیتا ہے۔

میراث دار یا مالک زمین کاشتکار

رعیت کے بیشتر افراد اپنی اپنی زمینوں کے مالک ہیں بشرطیکہ ان کا مقررہ محصول آراضی سرکار کو برابر ادا ہوتا رہے ان کی ملکیت موروثی اور

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

قابل فروخت ہے اور جب تک وہ محصول ادا کرتے رہیں زمین سے کبھی بے دخل نہیں کئے جاتے محصول ادا نہ کرنے پر بھی ایک عرصۂ دراز یعنی کم سے کم تیس سال تک سرکاری واجب الادا رقوم وغیرہ کی ادائی پر وہ اپنی اپنی زمین واپس مانگ سکتے ہیں ان کی مالگزاری مقرر تھی لیکن سابقہ مرہٹہ حکومت نے طرح طرح کے محصولات سے انھیں لاد دیا تھا جس کی وجہ سے مقررہ مالگزاری کا فائدہ محض برائے نام رہ گیا تھا بایں ہمہ ان کی مملوکہ زمینات کی قدر و قیمت اس کی بدولت تباہ نہ ہونے پائی تھی اگرچہ حکومت ان کی قرقی تحصیل سے یوں فائدہ اٹھاتی رہی تھی کہ "اپری" سے کہیں زیادہ ان سے وصول کر لیتی تھی معمولی حالات میں بھی کسی میراث دار کی نا دہندگی پر سارے میراث داروں پر سرکاری مطالبہ کی تکمیل لازمی تھی بایں ہمہ ان کی زمینیں قابل فروخت تھیں اور عموماً دہ سالہ آمدنی کے حساب سے بک جاتی تھیں۔

"سارے مہاراشٹر میں یہ خیال پھیلا ہوا ہے کہ ہنود کی قدیم حکومت میں تمام زمین "میراثیوں" کے قبضہ میں تھی۔ اور مسلمانوں کے مظالم سے قدیم مالکان اراضی خراب و خستہ حال ہو گئے تو "اوپریوں" کا آغاز ہوا۔ اس خیال کی تائید اس واقعہ سے ہوتی ہے کہ اکثر و بیشتر کھیت جن کی کاشت اب "اوپری" کرتے ہیں وہی کتابوں میں مفقود مالکان اراضی کے نام پر بتائی گئی ہیں یہ بات اور جزیرہ نما کے دوسرے اقطاع کے ماحول کا مشاہدہ اور منو کا مقررہ کم مقدار محصول آراضی یہ سب مل کر اس قیاس کی قوی تائید کرتے ہیں کہ ہنود کی حکومت میں نظام مالگزاری (بشرطیکہ ان کا کوئی یکساں نظام رہا ہو) زمین کی خانگی ملکیت پر ہی مبنی تھا"

انگریزی راج کے تغیرات

ہمارے تسخیر ملک کے زمانے سے جو نظام مالگزاری اختیار کیا گیا تھا اس کا خاکہ میرے اس مراسلے میں ہے جو ۱۰ ار جولائی کو کلکٹر کو ہدایات

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

دینے کے لئے ہیں نے لکھا تھا اور اس مراسلہ میں بھی جس میں ۱۴ ار جولائی کو معاملہ داروں کے نام میں نے احکام صادر کئے تھے۔ اس کے اہم اصول یہ ہیں کہ متاجری مالگزاری کو برخاست کر دیا جائے۔ لیکن بہر صورت دیسی نظام برقرار رکھا جائے حقیقی کاشت کے تناسب مالگزاری وصول کی جائے لگان کی مقدار کم ہو جدید محصول نہ لگائے جائیں اور قدیم اس وقت تک موقوف نہ کئے جائیں جب تک کہ وہ صریحاً ناواجبی نہ ہوں اور ان سب پر مقدم یہ کہ کوئی جدت پیدا نہ کی جائے۔ پھر بھی کئی جدتیں پردیسی حکمرانوں کے آنے اور حکومت کے اجنبی قاعدے لانے سے پیدا ہو گئیں لیکن ہم رشتہ مالگزاری ہیں ان میں سے بیشتر مفید ثابت ہوئیں۔ پہلے یہ ملک متعدد معاملہ داروں کے تحت تھا جن کی عملداریاں اور اختیارات برابر برابر کے نہ تھے مگر اب پانچ اعلیٰ عہدہ دارو (بشمول ستارا) کے زیر حکم جن کا وقار اور اعزاز بھی بڑھا ہوا ہے یہ ملک کر دیا گیا ہے۔ حاکم اعلیٰ ضلع میں رہتا ہے اور اپنا سارا وقت ضلع کے کاروبار میں صرف کرتا ہے اس کے تحت کار پرداز بھی اسی کے مثال کی پیروی کرنے پر مجبور ہیں مرہٹوں کے منتشر علاقہ جات مالگزاری کی از سر نو تنظیم ایک دوسرے سے متصل جدید اضلاع بنائے گئے ہیں جن میں سے ہر ضلع پر ایک معاملہ دار مقرر کیا گیا ہے اور ہر ضلع سے پچاس سے لیکر ستر ہزار تک سالانہ آمدنی ہوتی ہے۔

پردیسی حکومت کی خرابیاں

بہت سی خرابیاں جو اب تک اس ملک میں پیدا نہیں ہوئی تھیں پردیسی حکومت کے ساتھ ان کا وجود میں آنا ضروری ہے۔ لیکن شاید مناسب احتیاط کی بدولت بڑی بڑی خرابیاں واقع نہ ہونے پائیں متعدد اعلیٰ طبقے کے افراد قعر فلاکت میں پڑیں گے اور فوج و دربار میں جن کی نوکریاں تھیں ان میں سے اکثر کی روزی چلی جائے گی۔ یہ دونوں مصیبتیں باجی راؤ کے دور حکومت کے آغاز میں پیش آئی تھیں لیکن چونکہ حکومت کا ڈھانچہ کہیں ٹوٹا نہ تھا

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

اس لئے ان نیم خرابیوں کا برا اثر وہیں دب گیا۔ کیا ہم بھی حکومت کے ڈھانچے کو اپنی اصلی حالت پر رکھ سکتے ہیں؟ ابھی اس کی آزمایش کرنی ہے کو توالی کا موجودہ نظام قصبات کی حد تک آسانی کے ساتھ علی حالہ قایم رکھا جا سکتا ہے لیکن میں نہیں سمجھتا کہ وہی عملے کا حسب حال برقرار رکھنا اور سب کچھ معاملہ دار کی زیر نگرانی کر دینا کافی ہے۔ بلکہ پٹیل کو گاؤں کے کاروبار پر خرچ کرنے میں اور چھوٹی موٹی ابتری یا ہل چل کے روک تھام میں کچھ نہ کچھ آزادی دیکر گاؤں میں اس کی توقیر اور اثر کو برقرار رکھنا چاہئے بعض لوگوں کی آرزو ہے کہ کاش یورپی عہدہ داروں کے لئے ایسے مقدمات میں شکایتوں کی سماعت کرنا ممکن ہوتا لیکن میں اس آرزو سے کوسوں دور ہوں بلکہ یہی خوش نصیبی سمجھتا ہوں کہ یورپی عہدہ داروں کو ان مقدمات کی تحقیقات کے لئے وقت ہی نہیں ملتا میں یہ مناسب خیال کرتا ہوں کہ معاملہ دار بھی ایسے مقدمات کو پٹیل پر ہی چھوڑ دے اور اس طرح اس اقتدار کی حفاظت کا سامان کر دے جس کی امداد پر حکومت کے ہر شعبے میں ہمارا بہت کچھ انحصار ہے پٹیل کا کلکٹر مالگزاری سے ملکر سرگرمی کے ساتھ کام کرنا فصول مقدمات دیوانی و مالگزاری کے لئے بھی ایسا ہی ضروری ہے جیسا کہ کو توالی کے لئے اور اسی لئے بہر صورت پٹیل کو ملا کر رکھنا چاہئے۔ تعزیر و تنبیہ کے لئے پٹیلوں کے افعال کو بار بار ان کے اعلیٰ عہدہ داروں کے سامنے پیش کرنے میں جتنی احتیاط اس امر کی کی جائے کم ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو مفوضہ فرائض ان پر دو بھر ہو جائیں اور ان کا اثر بھی کم ہو جائے ان کے مظالم کی شکایتیں تو میں ہر وقت سننے کو تیار ہوں لیکن محض مراسم و طریق کارروائی کی لاپروائی پر میں ان کو چھیڑنا پسند نہیں کرتا۔ اور مجھ سے پوچھا جائے تو میں چھوٹی موٹی شکایتوں کا اپنی مرضی اور اپنے ڈھنگ پر تصفیہ کرنے کے لئے ان کو پوری آزادی دیدوں بشرطیکہ کسی فریق کو کوئی سنگین سزا نہ دی جائے ؟؟

تعلیم

"کتابیں کمیاب ہیں اور جو معمولی کتابیں انتخاب کی گئی ہیں وہ کچھ ویسی ہی

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

ہیں لیکن ہندو کی زبانوں میں متعدد قصے اور افسانے ایسے موجود ہیں جو سب کے پڑھنے کے قابل ہیں اور جن کے پڑھنے سے عوام میں اچھے اخلاق کی اشاعت ہو سکتی ہے اچھے اخلاق سکھانے والی مذہبی کتابیں بھی ان میں ہونی چاہئیں اگر ان میں کی متعدد کتابیں طبع کی جائیں اور ارزاں قیمت پر یا مفت تقسیم ہوں تو بیشک ان کا اثر بہت پھیلے گا اور مفید ہوگا۔ لیکن یہ لازمی ہے کہ یہ کتابیں ہندو ہی کی ہوں۔ ہم قابل اعتراض اخلاق سکھانے والے پند و نصائح چپ چاپ حذف کر دے سکتے ہیں لیکن ذرا بھی مذہبی مباحث کا شائبہ ان میں پیدا ہونا ہمارا منصوبہ کو ناکامیاب بنا دے گا۔

یہی مناسب ہوگا کہ ہندوؤں کی اصلاح میں خود ان کی تعصبات سے ہم کام لیں۔ اور مذہب کے بندھنوں سے جو قانون کے بندھنوں سے زیادہ مضبوط ہوتے ہیں ان کے عیوب کو جکڑ دیں۔ اگر ہم ان کے موجودہ عقائد کو برقرار رکھیں لیکن ان کی کدورت دور کرنے کے لیئے ان کی عقل بھی روشن کریں تو ان کی اس معیار کمال کے قریب قریب لا سکتے ہیں جہاں ان کو پہنچانے پر ہر شخص متفق الخیال ہے۔ اگر ان کے دین و ایمان پر حملہ کیا جائے گا اور اس میں کامیابی ہوگی تو اصولاً اس بات کی توقع کی جا سکتی ہے جو عملاً پائی جاتی ہے کہ وہ سرے سے مذہب ہی کے ادب و احترام میں متزلزل بن جائیں گے۔ اور ان کار آمد قیود سے آزاد ہو جائیں گے جو ایک مذہبی عقیدے کی وجہ سے خواہ ایسا عقیدہ توہم ہی کیوں نہ ہو انسانی جذبات و نفسانی خواہشات پر غالب رہتے ہیں۔"

دیہی پنچائت

"ان تمام نقائص کے باوجود مہاراشٹر نہایت خوشحال تھا اور وہاں کی رعایا بھی بعض ان برائیوں سے بری تھی جو ہماری بہتر حکومت میں موجود ہیں۔ اس نظام میں ضرور کچھ نہ کچھ ایسے فوائد ہوں گے جن سے ان علانیہ نقائص کی تلافی ہوتی ہوگی۔ میری دانست میں یہ فوائد اکثر و بیشتر اس ایک

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

بات کا نتیجہ سمجھے کہ گو حکومت رعایا کی حق رسی کے لئے خود کچھ نہیں کرتی تھی لیکن اس نے خود ان کے ذرایع حق رسی کو انہی پر چھوڑ دیا تھا۔ اس کا فائدہ انہی نیچ اقوام کو زیادہ محسوس ہوتا تھا جو حکمرانوں کے حلقہ اثر سے باہر تھے اور جن کے نظر انداز کئے جانے کا ہر حکومت کے تحت اندیشہ رہتا تھا۔ پنچایت کے ذریعہ معقول طور پر وہ آپس میں انصاف کر لیتے تھے اور یہ بھی ایک اتفاقی بات ہے کہ مذکور الصدر اعتراضات میں سے اکثر ان پر منطبق نہیں ہوتے تھے۔

"اس لئے میری تجویز یہ ہے کہ دیسی نظام کو بحفاظت برقرار رکھا جائے اور بدنظمیوں کی بیخ کنی اور اسکی تقویت کے ذرائع اختیار کئے جائیں یہ طریق عمل بمقابل کسی یک لخت تغیر کے دیسیوں کے زیادہ پسند خاطر ہوگا اور اگر یہ بالکل ناکامیاب ہو بھی تو عدالتوں کو از سر نو قائم کرنا کبھی بعد از وقت نہیں ہو سکتا۔

ہمارا اصلی آلۂ معدلت پنچایت ہی رہنی چاہئے اور ہماری طرف سے کسی قسم کی جدید تشکیل یا مداخلت یا قواعد وغیرہ سے یہ بالکل بری رہنی چاہئے"۔

پچھلے اقتباسات سے ظاہر ہوتا کہ الفنسٹن کا اصل مدعا مرہٹوں کے قدیم ادارات کی خوبیوں کو محفوظ رکھنا تھا۔ ملک کے لئے یہ بہت اچھا ہوتا اگر الفنسٹن کے قایم مقام بھی جدت و اختراع کرنے میں الفنسٹن کی طرح احتیاط مد نظر رکھتے۔ لیکن یکے بعد دیگرے نئے نئے حکمرانوں کے نئے نئے نظم و نسق میں ملل دیہی مفقود ہو گئیں اور ایک مقررہ شرح لگان کے ساتھ زمین پر قبضہ قائم رکھنے کے جو حقوق میراث داروں کو حاصل تھے وہ مالگزاری کے روز افزوں مطالبات سے پامال ہو گئے۔

الفنسٹن اپنی اعلیٰ قابلیت کی وجہ سے حکومت کی اعلیٰ ترین خدمت کے بالکل موزون تھا اور ۱۸۱۹ء میں یعنی سر ٹامس منرو کے گورنر مدراس ہونے سے ایک سال پہلے وہ بمبئی کا گورنر مقرر ہوا تھا۔ اپنے ہشت سالہ نظم و نسق میں الفنسٹن نے بمبئی میں صحیح طور پر بند و بست آراضی کی جو کوششیں کی تھیں ان کو مختصراً یہاں بیان کر دینا ضروری معلوم ہوتا ہے۔

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

بروچ

سنہ ۱۸۲۱ء میں بروچ کے انتظامات مالگزاری پر گورنر نے ایک یادداشت قلمبند کی محصول آراضی کی بیشی کو جو انگریزی راج میں شروع ہوگئی تھی وہ کچھ پسندیدہ نظر سے نہیں دیکھتا تھا۔

ہر گائوں کے حالات کی علحدہ علحدہ تحقیقات کئے بغیر لگان گائوں گائوں پر لگا دیا جاتا ہے مالگزاری کا ایک موروثی عہدہ دار ہر فصل پر پیداوار کا معائنہ کرنے کے لئے بھیجدیا جاتا ہے۔ یہ عہدہ دار ایک فرد حساب مرتب کرتا ہے جس میں ہر فرد رعیت کی مزروعہ زمین کی مقدار اور قسم پیداوار اور ہر کھیت کے ہر قسم کی مقدار پیداوار کا اپنے طور پر تخمینہ درج کرتا ہے ان سب کی میزان گائوں کے ہر قسم کے غلّہ کی مقدار پیداوار بتاتی ہے عام اصول یہ ہے کہ فصل کے زر فروخت کا آدھا لے لیا جاوے اور مابقی رعیت کے لئے چھوڑ دیا جائے۔

"اس کا پتہ لگانا ہمیشہ مشکل ہے کہ لگان خفیف ہے یا سنگین اور جو طریقہ یہاں اختیار کیا گیا ہے اس سے تو یہ بالکل ہی ناممکن ہے اس سال ساڑھے چار لاکھ (۴۵۰۰۰ پونڈ) کی بیشی ہوئی ہے جس کے خیال سے مجھ کو خوشی نہیں ہوتی۔"

احمد آباد

اسی سنہ میں الفنسٹن نے احمد آباد اور خیرا کی مالگزاری کے طریق عمل پر ایک اور یادداشت قلمبند کی اور پہلے کی طرح حزم و احتیاط اور پس وپیش اس کی تحریر سے ظاہر ہوتا ہے۔

ضلع احمد آباد میں متعدد قصبوں کو بڑی سے بڑی بولی بولنے والوں کے نام قبول پر دینا اور اس کی وجہ سے آمدنی کے سارے ذرائع ڈھونڈھ نکالنا

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

اور بعض کا صورتوں میں پنچایت کے ذریعہ ان بگھوتوں میں اضافہ کرنا جو کسان کی تجویز پر عطا کئے گئے تھے ان تمام ترتیبوں کا رجحان اس بات کی طرف ہے کہ مالگزاری کو کھینچ تان کر انتہائی مقدار پر پہنچا دیا جائے"

سورت

۱۸۲۱ء میں الفنسٹن نے سورت پر ایک یادداشت قلمبند کی جس میں محصول اراضی کی سنگینی پر اس نے سخت تاسف کا اظہار کیا ہے۔

"اگر اس ضلع کے لوگوں کی موجودہ حالت کے متعلق مجھ کو کوئی تصفیہ کرنا ہو تو میں یہی فیصلہ کروں گا کہ ان کی حالت بہت ہی گری ہوئی ہے معلوم ہوتا ہے کہ نہ تو رعیت کے رہنے کے لئے گھر اچھے ہیں اور نہ پہننے کے لئے کپڑے ہی میسر ہیں اور اگرچہ اس ضلع کے بعض اقطاع بہت پیدا آور ہیں تاہم میرا خیال یہ ہے کہ دوسرے اقطاع کی کاشت نہایت ناقص ہے یہ خرابیاں موجودہ نظام کے سر نہیں لگائی جا سکتیں برخلاف اس کے جو تدابیر فی الوقت زیر عمل ہیں ان سے میرے خیال میں اس نظام سے ہماری رہائی کی صورت ہو جائے گی۔ جو ہمیں اپنے پیشروں سے ارثاً ملا ہے تشخیص مالگزاری کی انتہائی سنگینی اور عدم مساوات ہی ہمارے لئے سب سے زیادہ مزاحم ہوگی۔

کانکین

شمالی کانکین میں ابتری پھیلی ہوئی تھی۔ کلکٹر نے یہ تجویز پیش کی کہ "سرکاری مطالبہ خام پیداوار کا ایک ثلث مقرر ہونا چاہئے اور کم درجہ اراضی پر جو تین یا زیادہ سے زیادہ چار نوع کی قرار دی جا سکتی ہیں مطالبہ بھی نسبتاً کم تر شرح سے ہونا چاہئے کوئی لگان جنس میں ادا نہ ہونا چاہئے کیونکہ یہ طریقہ حکومت کے لئے بیش مصارف ہے اور اس میں معمولی دیسی کارپردازوں کو بھی خورد برد کے مواقع ملتے ہیں۔

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

لگان کے زرنقد میں مشخص ہونے کے بعد چھ سال تک وہی قایم رہنا چاہئے۔ اور شرح لگان بھی دوامی مقرر نہیں ہونی چاہئے بلکہ دوازدہ سالہ بندوبست ہونا ہی مناسب ہے"۔

اسی سنہ میں جنوبی کانکین کے متعلق ایک علیحدہ مراسلہ لکھا گیا تھا جس سے ہمیں وہاں کے "کوٹیوں" اور کسانوں کے عام حقوق کے متعلق کچھ معلومات حاصل ہوتے ہیں۔

"یہاں قصبوں کو کلارگی" یا "کوٹی گی" کہا جاتا ہے اول الذکر میں دفتر دیہی کے اندراج کے مطابق ہر کاشتکار پر ایک مقررہ لگان ہوتا ہے جس سے بڑھکر ضابطہ کے تحت اس سے وصول نہیں کیا جا سکتا۔ اور موخرالذکر میں اگرچہ "کوٹی" یعنی گاؤں کا چودھری رعیت کے ایک خاص طبقہ سے ایک مخصوص ومعینہ رقم ہی وصول کر سکتا ہے لیکن دوسروں سے جو نئی زمینیں یا خود "کوٹی" کی آراضی لیتے ہیں اپنے حسب منشاء معاملہ کر سکتا تھا۔ یہاں پہنچکر ہمیں اس ضلع کی ہر دو قسم کی حقیقت اراضی کی توضیح کرنی پڑتی ہے ایک "دھارے کاری" دوسرے "اڑودھیلی"۔

"دھارے کاری قریب قریب دکن کی "میراثی" کے مماثل ہے کیونکہ اسمیں بھی جب تک رواج ملک کے موافق واجب الادا رقوم ادا ہوتی رہیں قابض زمین بے دخل نہیں کیا جا سکتا۔ اور اگر در اصل وہ اپنی ملکیت کو بیچ نہیں سکتا ہے تو بلاخوف اعتراض مکفول کر سکتا ہے گو عام طور پر خیال یہی ہے کہ وہ اس کو فروخت بھی کر سکتا ہے۔

"جیسے اور جگہ "اوپری" رعیت ہے ویسے ہی یہاں "اردھیلی رعیت" کی حیثیت ہے وہ "کوٹی" کا یا کسی اور قابض آراضی کا (جیسی بھی صورت ہو) آسامی ہوتا ہے اپنے قبضہ کی زمین نہ فروخت کر سکتا ہے اور نہ مکفول کیونکہ بلحاظ حقیقت یہ دوسرے کی ملک ہے جس پر وہ محض مالک کی مرضی سے قابض ہے۔ اگر مالک آراضی خود اپنی زمین اپنے قبضے میں لینا چاہئے یا کسی اور شخص کو دینا چاہئے تو گو یہ طریقہ خاص کر اس حالت میں جبکہ قابض اپنے قول کی شرائط

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

بلا کم و کاست پورا کرتا رہا ہو موجب سختی متصور ہوگا تاہم وہ رعیت قابض کو فوراً بے دخل کر دے سکتا ہے قول کی ہر سال تجدید ہوتی ہے اور یہ ظاہر ہے کہ جب کبھی مالک اراضی کو کسی قولدار کا نکالنا منظور ہوگا تو وہ اپنے مطالبہ کو اتنا بڑھا کر کہ جس سے کاشت ہی نفع بخش باقی نہ رہے قابض کو بے دخل کر دے سکتا ہے اڑدھیلی رعیت جب دھان کی کاشت کرتی ہے تو مالک اراضی کو عموماً نصف پیداوار جنس میں ہی ادا کرتی ہے۔

"مذکورالصدر بیان سے معزز مجلس نظماء پر روشن ہوگا کہ "کوٹی" بہت کچھ بنگالے کے چھوٹے زمینداروں کے مماثل ہے"

دکن

ہم نے یہاں تک جو کچھ بیان کیا ہے اس میں بروچ سے کانکین تک مغربی ساحل پر تجربتاً جو بند و بست ہوئے تھے صرف انہیں کے حوالے دیئے ہیں۔ اب ہم پھر دکن کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ الفنسٹن کی جگہ پر مسٹر چاپلین کمشنر دکن مقرر ہوا اور اس نے اپنی نومبر ۱۸۲۱ء اور اگست ۱۸۲۲ء کی واضح رپورٹوں اور ان کے ملحقات سے "ایسٹ انڈیا کاغذات" کے پانسو صفحات بھر دئے۔

اس جدید عملداری کی آبادی بشمول پونا۔ احمد نگر۔ خاندیس۔ دھاروار۔ ستارا اور جاگیرات جنوبی تقریباً چالیس لاکھ اندازہ کی گئی تھی۔ ابتدائی بندوبست میں یہاں کوشش کی گئی تھی کہ رعیت واری نظام جس کی ترویج مسٹر ٹامس منرو نے مدراس میں کی تھی اور محل واری نظام جس کی پرزور تائید مدراس کی مجلس مالگزاری نے کی تھی یہ دونوں ملا دیے جائیں۔ جو بندوبست کیا گیا وہ رعیت واری کہکر کیا گیا اور دراصل وہ تھا بھی رعیت واری۔ لیکن فرداً فرداً تقسیم دیہی کارپردازوں پر چھوڑ دی گئی تھی جس میں ان کو بڑی آزادی دیدی گئی تھی۔ ابتداً یہ جدید نظام اس نظام سے کچھ زیادہ مختلف نہ تھا جو مرہٹوں کی حکمرانی میں مشہور نانا فرنویس کے

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

عہد وزارت میں موجود تھا الا اس کے کہ معاملہ داروں کو مالگزاری کے گھٹانے بڑھانے کے اختیارات پہلے سے کم تھے۔ کمپنی کے عمال کاشت اور سابقہ رسائد کو دیکھ کر رعیت پر واجب الادا رقم کا تعین کرتے تھے اور سرکاری مطالبات کی وصولات پہلے سے زیادہ سخت تھیں ۱۸۱۷ء میں اس نئی مقبوضہ عملداری کا محاصل ۸۰۰۰۰ پونڈ تھا مگر ۱۸۱۸ء میں اس کو بڑھا کر ۱۱۵۰۰۰ پونڈ کر دیا گیا اور اس کے چند سال بعد ۱۵۰۰۰۰ پونڈ ہو گیا تھا۔ دیہی کار پردازوں کے مداخلت کرنے کے اختیارات روز بروز کم کئے جا رہے تھے۔ کمپنی کے عمال ہر کاشتکار کے ساتھ قریبی ربط قائم کرنا چاہتے تھے مگر چند ہی سال میں دیہی ملتیں جیسے مدراس سے غائب ہو گئی تھیں بمبئی سے بھی ہو گئیں

خاندیس

خاندیس کا ضلع کپتان برگز کے زیر انتظام تھا برگز نے بعد کے زمانے میں "ہندوستان کے محصول اراضی" پر ایک مستند کتاب لکھی تھی اور فرشتہ کی تاریخ ہند کا ترجمہ بھی کیا تھا جس سے اس کو ایک خاص امتیاز حاصل ہو گیا تھا۔ انیسویں صدی عیسوی کے پہلے نصف حصہ میں جو اینگلو انڈین مصنفین اور مورخین تھے مثلاً انفنسٹن۔ میلکم۔ گرانٹ ڈف۔ ٹاڈ۔ ہارس ہمن ولسن ان سب کی صف اول میں برگز ہی تھا۔ اس نے خاندیس میں دیکھا کہ "سو سے زیادہ مستحکم پشتہ بندیوں کے (جو آبپاشی کی نہروں میں پانی لانے کے لئے بنائی گئی تھیں اور جس میں سے اکثر پر بے انتہا مصارف ہوئے تھے) اب صرف کھنڈر ہی کھنڈر رہ گئے تھے" مگر یہ بھی "سابق مسلمان بادشاہوں کی روشن خیالی اور فیاضانہ حکمت عملی" کے گواہ تھے لیکن برگز کے زمانے میں خاندیس ویران اور افلاس زدہ تھا متواتر جنگ، بھیل قوم کی حملہ آوری اور شیروں سے ہزاروں جانوں کا نقصان چنانچہ تین مہینوں کے اندر اندر ۵۰۰ آدمی اور ۲۰۰۰۰ ہزار راس مویشی ہلاک ہو گئے تھے اور اس طرح پر اس ضلع کے مصائب

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

میں اضافہ ہوگیا تھا کپتان بر گز کو بڑی مشکل یہ پیش تھی کہ ذرائع آمدنی کے متعلق سابقہ صحیح معلومات کی عدم دستیابی کے باوجود کس طرح خفیف اور سنگین لگان میں حد امتیاز قایم کی جائے۔"

پونا

ضلع پونا کپتان رابرٹسن کے زیر انتظام تھا اور کمشنروں کے سوالات کے اس نے جو ابات کیا دئیے ہیں کہ دکن کے کاشتکاروں کے ادارات اور حالات پر روشنی کا ایک دریا بہا دیا ہے۔ دکن میں میراثدار کسان ہی تھے جو دراصل ایک طرح کے مالک اراضی تھے اور سرکار کو محصول اراضی ادا کرنا اُن پر لازم تھا۔ کپتان رابرٹس نے لکھا ہے کہ "میراثدار انگلستان کے سب سے زیادہ ناقابل اعتراض زمینداروں سے ان کی حقیقت کی اصلی بنیاد کا لحاظ کرتے ہوے جو مذکور الصدر اقتباس میں تفصیلاً بیان کی گئی ہے کسی طرح کم درجہ نہیں۔ دکن کی زمینوں کے اکثر قابضان حال کے آبا و اجداد غالباً مسلمانوں کی فتح سے بھی پہلے اس شرط پر قابض زمین تھے کہ اپنی زمینوں کی پیداوار کے چھٹے حصے کے مساوی لگان ادا کریں۔" "دکن کے "تھلکاری" (میراثدار) جو کچھ ادا کرتے ہیں اگر اس میں میں کوئی امتیاز پیدا کروں تو کہوں گا کہ یہ لگان نہیں بلکہ محصول ہے۔" موجودہ زمانے کے منتظمین مملکت جو جنوبی ہند کے کاشتکاروں کے اور شمالی ہند کے زمینداروں کے حقوق زمین کو برطانوی وضع قوانین کی تخلیق سمجھتے ہیں ابتدائی برطانوی منتظمین مملکت کی ضخیم رپورٹوں میں یہ بات پائیں گے کہ زمین کی قابل ارث و قابل انتقال خانگی ملکیت انگریزوں کے ہندوستان فتح کرنے سے پہلے اس قدر قوی تھی کہ آج کل کے بندوبست مالگزاری میں بھی نہیں ہے۔ زمین سرکار کی ملک نہیں تھی بلکہ قوم کی ملک تھی اور سرکار کو ایک محصول اور وہ بھی ایک مقررہ محصول کے سوا میراثداروں سے کچھ اور وصول کرنے کا حق حاصل نہ تھا۔

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

کاشتکاروں کے خاندان کے خاندان قصبوں پر مشترکہ قبضہ رکھتے تھے اس مضمون پر کپتان رابرٹسن کے خیالات نہایت آگاہی بخش ہیں۔

"ہر اصل کاغذ سے "جو تھلکاریوں" (میراثداروں) کے یا ان کے قبضۂ اراضی کے متعلق تھا اور ضلع کے ہر فرد حساب سے جو مجھ کو دستیاب ہوا اور قدیمی تقسیم آراضی سے بھی بلاشک وشبہ یہی ثابت ہوتا ہے کہ گزشتہ زمانہ میں ہر قصبے کی تمام قابل کاشت آراضی کو حصہ حصہ کر کے کاشتکاروں کی ایک مقررہ تعداد پر تقسیم کر دیا جاتا تھا۔ انہی خاندانوں کے گروہ اب "جتھا" کہلاتے ہیں اور یہ استنباط کیا جاتا ہے کہ تمام اصل جائداد انہی کے مشترکہ قبضے میں سے بہ حیثیت ایک شخصیہ جماعت کے یہ لوگ تمام جائداد پر سب واجب الادا رقوم سرکار کو یا دوسروں کو دینے کے ذمہ دار ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ سرکار نے یا دوسرے جتھوں نے ایک جتھے کا انتخاب اس لئے کر لیا ہے کہ وہ خاندان کی شاخ کلاں کے توسط سے تمام دوسرے جتھوں سے مالگزاری وصول کرنے کے فرائض انجام دے اور ان سب پر جو سرکاری حقوق ہیں ان کا ذمہ دار رہے اس طرح یہ لوگ سب مل کر مقررہ فرائض کے سرانجام کے لئے اور مختص حقوق و مراعات حاصل کرنے کے لئے ایک شخصیہ والی جماعت بنا دئے گئے ہیں جتھا کے ارکان جو اس طرح منتخب ہوتے ہیں ان کو پٹیل کا امتیازی لقب دیا جاتا ہے اور غالباً یہ لقب یا کوئی اسی طرح کا لقب ان کو ہمیشہ دیا جاتا رہا ہے اس شاخ کلاں کا ایک شخص جو صدر ہوتا ہے مقدم کے لقب سے ملقب ہے۔ یہ پہلے بھی ملت کی خوشی اور حکومت کے تقرر کرنے سے مجسٹریٹ تھا اور اب بھی ہے انگلستان میں جو مختص قواعد شخصیہ کہلاتے ہیں یہ اسی طرح کے قواعد کی تعمیل کراتا ہے۔ سابق میں چندہ کی رقم سے وہ اس شخصیہ کے مصارف کی ادائی اور بہ حیثیت صدر شخصیہ اپنے وقار و منزلت کے موافق گزر اوقات بھی اسی رقم سے کرتا تھا وہی اس انجمن کی اصلاح و ترقی کے لئے تجاویز سوچتا تھا۔ اور امن عامہ قایم رکھنے میں اس انجمن کے ارکان کو اپنی اعانت کے لئے کام پر لگاتا تھا

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

بزرگ خاندان کی طرح ان لوگوں کے لئے جن کو بہ حیثیت پنچ یا ثالث اس کے فیصلے قبول تھے وہ دیوانی کے مقدمات کے فیصلے بھی کرتا تھا یا ان لوگوں کی کارروائیوں میں صدر نشین بنتا تھا جن کو وہ خود یا فریقین مقدمہ اپنے مقدمات کے تصفیے کے لئے پنچ یا ثالث مقرر کرتے تھے"۔

کپتان رابرٹسن نے حقیت میراثی کا قابل ارث و قابل انتقال ہونا متعدد اسناد سے ثابت کر دیا ہے اور یہ بھی لکھدیا ہے کہ "حقیت میراثی اس ضلع کے تمام قصبوں میں موجود ہے اور بہت ہی کم ایسے قصبے ہوں گے جن میں یہ اب موجود نہیں"۔

مذکورالصدر تحریر ۱۸۲۱ء کی ہے اور اس سے ہم کو کچھ اندازہ اس بات کا ہوتا ہے کہ مرہٹوں کی حکمرانی میں بمبئی کے کاشتکاروں کی حیثیت اور حقوق کیا تھے۔

احمد نگر

ضلع احمد نگر کپتان پاٹنجر کے زیر انتظام تھا پاٹنجر نے اپنی رپورٹ میں لکھا ہے کہ "میراثدار رعیت اپنی زمینوں کو اپنی مرضی کے موافق فروخت یا مکفول کر سکتی ہے"، "حقیت میراثی ہندوستان کے اس خطے میں، اور میرے خیال میں تمام اقطاع ہند میں بہت قدیم زمانے سے موجود ہے اور جب کبھی میں نے اس کی ابتدائے قیام کے متعلق دریافت کیا تو مجھ کو یہی جواب ملا کہ میرے لئے زمین کب پیدا ہوئی دریافت کرنا زیادہ آسان ہے۔ میں یہ بھی دیکھتا ہوں کہ مسٹر ایلیس نے "میراثی" کے متعلق اپنے متعدد جوابات میں بطور حاشیہ ایک جگہ بیان کیا ہے کہ "حقیقت حال یہ ہے کہ یہ چیز (میراثی) ہندوستان میں اس وقت سے موجود ہے جب پہلی دفعہ واضعین قانون نے قلم کاغذ پر رکھا" اور میری ناچیز رائے میں ایسے مستند شخص کا یہ کہنا بالکل قطعی اور خاتم حجت ہے۔

دہاروار

ضلع دہاروار مسٹر سینٹ جان تھیکرے کے زیر انتظام تھا یہ نہایت

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

تجربہ کار عہدہ دار مالگزاری تھا۔ کاشتکاروں کے ساتھ اس کے بڑے روابط تھے اور جو سوالات اس سے کئے گئے ان کے جوابات بھی اپنی خاص طبیعت کے موافق اس نے دیئے۔ اس نے لکھا تھا کہ "زراعت کو ترقی دینے کے لئے عہدہ داران مالگزاری کی ذاتی کوششوں کے بارے میں اتنا عرض کروں گا کہ میں نے ان عہدہ داروں میں عموماً رعیت کی ہمت بڑھانے کے بجائے رعیت کو بیجا طور پر تنگ کرنے کا رجحان زیادہ پایا۔ ان عہدہ داروں کا مقصد ملک کے ذرائع آمدنی میں اضافہ کرنا نہیں ہے بلکہ کاشت کی توفیر محض کاغذ پر بتا کر اپنی سرگرمی کا اظہار کرنا ہے۔ رعیت نفع کی امید ہی پر کاشت کرتی ہے اور جب نفع معقول ملتا ہے تو پھر رعیت کو اکسانے کی ضرورت نہیں۔"

دکن

کمشنر وقت چیاپلن نے دکن کے بندوبست ہائے مالگزاری پر ایک نہایت ہی مکمل رپورٹ پیش کی جس کے ساتھ اضلاع کی رپوٹیں وغیرہ بھی ملفوف کر دیں اس نے ملک عنبر کے سابقہ بندوبست کا بھی حوالہ دیا ہے جو دکن میں ایسا ہی مشہور تھا جیسے شمالی ہند میں ٹوڈرمل کا بندوبست۔ ملک عنبر کے بندوبست کی نوعیت یہ تھی کہ اس نے ہر قصبے کے لئے زر مطالبہ معین کر دیا تھا اس کا مسلک یہ تھا کہ قدیم "میراثی" حقیت کو تقویت دی جائے جس کی بدولت ملک کی زرعی زمینوں میں "خانگی ملکیت کے حقیقی اوصاف بہت کچھ پیدا ہو سکتے ہیں۔"

نئے انگریزی راج میں زمین پر جو لگان لگایا گیا تھا اس کا ذکر کرتے ہوے چیاپلن نے قیاس کیا ہے کہ ایک متوسط الحال کاشتکار کے قبضے میں دس ایکڑ خشکی کی زمینیں اور غالباً ایک ثلث ایکڑ باغ کے قابل زمین اور دو ہل چار بیل بھی ہوتے تھے بارہ پونڈ سالانہ اسکی آمدنی تھی اس کے مصارف کا چیاپلن نے حسب ذیل اندازہ کیا ہے:۔

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

	پونڈ	شلنگ	پنس
محصول اراضی	۴	۴	×
بیلوں کی متناسب سالانہ لاگت اس مفروضہ پر کہ ہر جوڑی آٹھ سال تک کام دے سکتی ہے۔	۱	۵	×
ہلوں کی لاگت اور اتفاقی مزدوروں کی اجرت۔	×	۱۶	×
خشکی کی زمین اور باغ کے لئے بیج۔	×	۱۹	×
رسوم عہدہ داران ومطالبات قصبہ۔	×	۱۲	×
کاشتکار اور اس کے اہل وعیال کی روزمرہ خوراک کا اناج۔	۲	۴	×
کاشتکار اور اس کے اہل وعیال کے پہننے کیلئے کپڑے۔	۱	۲	×
متفرق ضروری مصارف	×	۱۲	×
میزان	۱۲	۲	×

اعداد مذکورہ سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ یوں تخمینہ کی ہوئی بارہ پونڈ کی آمدنی پر چار پونڈ چار شلنگ کا سرکاری مطالبہ خام پیداوار پر ۴۵ یا ۵۰ فی صدکے مطالبے سے کم ہے جیساکہ سرکار نے پہلے مدراس اور بمبئی کے کسانوں پر قایم کیا تھا۔ لیکن بارہ پونڈ میں سے چار پونڈ چار شلنگ محصول کی نہائی کے بعد کاشتکار کے پاس نہ تو کوئی بچت ہی رہتی تھی اور نہ کوئی ذریعہ آمدنی۔ یہ بالکل صاف بات ہے کہ اسی وجہ سے رعیت واری نظمائے کمپنی کے پسند خاطر تھا یعنی اس میں کوئی درمیانی مالک آراضی یا ملت دیہی ایسی موجود نہ تھی جو منافع کے کچھ حصہ کو بیچ ہی بیچ ہی اڑا لیتی۔ کمپنی کی گرفت کاشتکاروں پر ایسی ہی تھی جیسی مالک وآقا کی اپنے غلاموں پر اور کمپنی ان کے سد رمق کے بموجب چھوڑ کر سب کچھ ان سے چھین لیتی تھی۔ ایک ناظم کمپنی نے تو کہہ دیا کہ "میرے خیال میں یہ بات نہ چھپانے سے چھپ سکتی ہے

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

نہ جھٹلائے سے جھٹلائی جاسکتی ہے کہ اس (رعیت واری) نظام کا حقیقی مقصد حکومت کے لئے زمین سے اسی قدر محاصل لگان کی شکل میں حاصل کرنا ہے جس قدر اس سے وصول ہو سکے"

میراثی حقیت کے متعلق چیاپلین نے لکھا ہے کہ "مفتوحہ عملداری کے اس تمام حصے میں جو کرشنا سے ان گھاٹیوں کے سلسلے تک پھیلا ہوا ہے جو خاندیس اور گنگوڑ کے درمیان ہیں میراثی حقیت اس گوشہ سے اس گوشہ تک عام طور پر موجود ہے" "کوئی فرد رعیت موروثی قبضے کا حق حاصل کرنے کے بعد معہ ورثائے خود اس کا مجاز ہے کہ وہ ایسی زمین پر رواج دکن کے موافق قبل از قبل ہی حکومت کی اجازت حاصل کئے بغیر ہی خواہ فروخت خواہ رہن کی کی بناء پر اپنا قبضہ قایم رکھے" "میراثدار کو تمام دیہی پنچایتوں میں شریک ہونے اور گاؤں کے مشترکہ چراگاہ میں مویشی کی چرائی کا حق حاصل ہے اور وہ مکان تعمیر اور فروخت بھی کر سکتا ہے۔ پونا میں میراثداروں اور اپریوں یعنی غیر دخیل کار آسامیوں کا باہمی تناسب تقریباً تین اور ایک تھا شمال کی طرف گوداوری سے اس پار میراثی حقیت کا وجود عام نہیں ہے اور اس میں اور "اپری" حقیت میں فرق بھی یہاں موہوم سا ہے" "جنوبی مہاراشٹر میں "میراث کا بالکل وجود ہے ہی نہیں"، لیکن اس پر بھی دوامی قبضہ تسلیم کیا جاتا ہے ستارا میں بھی میراث کے حقوق و مراعات وہی ہیں جو دکن کے دوسرے اقطاع میں ہیں"

چیاپلین نے لکھا ہے کہ کلکٹر (پونہ) درست طور پر میراثداروں کے حقوق کا حامی ہے اس نے اس حکمت عملی کی کئی جگہ تائید کی ہے لیکن مجھکو عتماد ہے کہ کسی نے بھی ان کے حقوق میں مداخلت کا خیال آج تک نہیں کیا اس لئے اس مسئلہ پر طول طویل مباحث بھی غیر ضروری ہیں" مسٹر چیاپلین کو کیا توقع تھی کہ بعد میں جو برطانوی منتظمین آئیں گے وہ دکن کے کاشتکاروں کی قدیم میراث کی حقیت کو قرق کرلیں گے۔ چیاپلین کی طویل رپورٹ کے خاتمہ پر انگریزی عہدہ داروں کو ہندوستان کے لوگوں کے ساتھ دوستانہ

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

ربط وضبط اور رسم رکھنے کی نصیحت ہے"
"یہ یاد رکھنا چاہئے کہ حکومت کے تغیر کے باعث ناگزیر طور پر یہ لوگ پہلی قدر ومنزلت سے محروم ہو گئے اس لئے ہم پر یہ زیادہ لازمی ہے کہ ہم ان کے ساتھ دوستانہ روابط جاری رکھیں جو اپنے بس کی بات ہے گو ہمارا میلان خاطر اپنے سے ان کو نیچا سمجھنے کی طرف زیادہ ہے پھر بھی ان لوگوں کو دیسی بادشاہوں کے عہد حکومت میں بڑے بڑے مراتب و اعزاز ملے تھے اور جب ہم ان بادشاہوں کی جگہ پر حکومت کر رہے ہیں تو جہاں تک ہمارا بس چلے ان کا حفظ مراتب ضروری ہے۔
"نوجوان اشخاص جب پہلی دفعہ ہندوستان آئے ہیں اور پہلی دفعہ ان کو کوئی خدمت ملتی ہے تو وہ آسانی کے ساتھ ایسی رائے قایم کر لیتے ہیں جو میری مذکورالصدر رائے سے بالکل مختلف ہوتی ہے اور اس قدر متضاد خیالات پر عمل پیرا ہوتے ہیں کہ میں نے ان کے اصول کو ان مددگاروں کے ذہن نشیں کرنا مناسب سمجھا جن کا دکن میں تقرر ہوا ہے اور ان کی رہنمائی کے لئے حال میں ہی اس مضمون پر سر جان ملکم کے دانشمندانہ ہدایتوں کو بھی میں نے ان لوگوں میں گشت کرا دیا۔ میرے خیال میں اگر اسی طرح کا ایک ضابطہ رسالہ کی شکل میں انگلستان سے ہر نووارد کو دیا جائے تو اس کا اثر بہت اچھا ہوگا اس پر شکسپیر کا یہ مقولہ لکھا جا سکتا ہے کہ

"آہ حضرت انسان۔ مغرور انسان!
دو روزہ حکومت کے نشہ میں چور!

جہل مرکب میں یوں مبتلا کہ انھیں باتوں سے ناواقف جن کی واقفیت پر اس کو گھمنڈ ہے۔ "نداند و بداند کہ بداند" اس کے آئینہ ہستی کی چمک زیر فلک الافلاک وہ وہ رنگ برنگ کے شعبدے دکھاتی ہے کہ فرشتوں کو بھی حضرت انسان کی حرکات پر رونا آجاتا ہے"۔
اس نہایت ہی قیمتی اور نہایت ہی مکمل رپورٹ کے متعدد منسلکات کے ساتھ وصول ہونے پر بمبئی کے گورنر وقت مونٹ اسٹوارٹ الفنسٹن نے

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

مفتوحہ علداری کی بتدریج پیمائش و بندوبست کرنے کا حکم صادر کیا۔ اس نے ہر قصبے میں پٹیل کے اختیارات بحال رکھنے پر اصرار کیا۔ یہ بھی سفارش کی کہ لگان ہلکے اور مساوی طور پر منقسم ہوں اور ہر قسم کی مروجہ حقیت کے تحت کاشتکاروں کی محافظت حقوق کی اہمیت موثر طریقہ پر کمشنر کے گوش گزار کی۔ مجلس نظمار نے بھی عام پیمائش کی تجویز پر اظہار اطمینان کیا کمشنر دکن کے ستمبر ۱۸۲۴ء میں قواعد پیمائش کا ایک مجموعہ پیش کیا اور فروری ۱۸۲۵ء میں ترمیم کے بعد ایک اور مجموعہ پیش کیا سر ٹامس منرو نے مدراس میں محصول اراضی کو گھٹا کر کھیت کی پیداوار کا تقریباً ایک ثلث کر دیا تھا چاپلن نے بھی یہی معیار دکن کے لئے اختیار کیا اور یہ اس گشتی کے فقرہ (۷) میں درج ہیں جو قواعد پیمائش کے ساتھ ان کی نظر ثانی ہونے کے بعد جاری ہوئی۔ یہی سخت مطالبہ جنوبی ہند کی زرعی تباہی کا باعث ہوا۔ مدراس میں آج تک بھی سرکاری مطالبہ اسی اصول پر ہوتا ہے بمبئی میں اگرچہ پیداوار کا کوئی خاص حصہ مقرر کر دینے کی کوششیں چھوڑ دی گئیں پھر بھی محصول اراضی جو وصول ہوتا ہے وہ اکثر کھیت کی پیداوار کا ایک ثلث یا اس سے کچھ زیادہ ہوتا ہے اس طرح رعیت واری نظام کو پھیلانے کے وجوہ کے متعلق ہنری سر جان ٹسکر کی فراست جس کا اوپر بیان ہوا ہے بعد کے واقعات پر نظر کرتے ہوئے بالکل صحیح معلوم ہوتی ہے۔

پیمائش عامہ کی تجویز ابھی معرض التوا میں تھی مونٹ اسٹوارٹ الفنسٹن نے دکن میں دیہی نظام کو اچھوتا رکھنے کی کوشش کی۔ جیسا کہ پہلے بیان کیا گیا ہے اس کا خیال یہ تھا کہ رعیت واری نظام کے اصول کو محل واری نظام کے اصول کے ساتھ ملا دیا جائے مقصد یہ کہ پیمائش کے بعد سرکار کو ہر کاشتکار کیا دینا چاہیے اس کا تعین کر لیا جائے مگر پٹیل کے توسط سے ہی یہ لگان موضع واری وصول ہوتا رہے "پیمائش سے رعیت پر سرکاری مطالبات اور رعیت کے حقوق فرداً فرداً معین ہو جائیں گے جس کے بعد ایک مقررہ میعاد تک موضع کی مستاجری مالگزاری پٹیل کو دی جا سکتی ہے"۔ اس بات کا اعتراف ضروری ہے کہ اس تجویز میں ایک ابتدائی کمزوری تھی۔ مجوزہ پیمائش سے اگر موضع کا پٹیل اور موضع کی پنچایت دونوں گاؤں

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

کے کاشتکاروں پر موضع کے مجموعی لگان کو تقسیم کرنے کے اختیارات سے محروم کر دئے جائیں تو پھر پٹیل اور اس کی پنچایت کو قایم رکھنے سے فائدہ کیا ہے۔ اگر ان لوگوں سے سرکار کے مجموعی مطالبات کی تکمیل کے لئے موضع کی رعیت پر لگان لگانے کے فرائض منصبی جو صدیوں سے چلے آئے ہیں چھین لئے جائیں تو ان کو ستاجران مالگزاری کی حیثیت سے برقرار رکھنے کی ضرورت کیا تھی۔ اصولی طور پر مدراس میں یہ مسئلہ کبھی کا تصفیہ پا چکا تھا مدراس کی مجلس مالگزاری بلا استثناء احدے" اجتماعیت کی حامی تھی اور ان کی خواہش یہی تھی کہ دیہی ادارات اور ان کے اختیارات بلا کم و کاست بحال رہیں۔ ٹامس منرو سرتا پا "انفرادیت" کا حامی تھا اور محصول آراضی کی حد تک دیہی حکام کی مداخلت کے بغیر فرداً فرداً ہر شخص سے راست سرکاری تعلقات قایم کرنے پر مصر تھا۔ ٹامس منرو اپنے ارادے میں کامیاب رہا۔ ملت دیہی کو نئے اختیارات عطا کر کے برقرار رکھنے کی کوششوں کے باوجود ان میں پہلی سی گرمی باقی نہیں رہی۔

یہ تجربات اور ان کے نتایج ہمیں نیا سبق سکھاتے ہیں۔ ملل دیہی ہندوستان میں جیسے صدیوں سے قایم رہے تھے اسی طرح ابھی قایم رہ سکتے ہیں جب کہ موضع پر لگان لگانے کی سب کارروائی گاؤں کے پنچایتوں کے ہاتھ میں چھوڑ دی جائے۔ زمین کی پیداوار کے لحاظ سے بے اندازہ لگان نہ لگانے کے لئے چند قواعد مرتب کر دئے جا سکتے تھے اور ان قواعد کی پابندی کے ساتھ گاؤں کے بڑوں کو الگ الگ لگان لگانے اور وصول کرنے کے لئے اور سرکار کو سب کی طرف سے لگان کی ادائی کرنے کے لئے اپنا مقررہ کام جاری رکھنے کی اجازت دی جا سکتی تھی۔ اس طرح کے انتظام میں فائدہ یہ تھا کہ اس سے ہندوستان کے قدیم نظام کا ایک سلسلہ بھی قایم رہتا اور ہر قصبے میں ایک منتظمہ جماعت عامہ بھی باقی رہتی لیکن اس طرح کا انتظام کمپنی کے دلی مدعا سے دور تھا کمپنی کی حکمت عملی یہ تھی کہ محصول دینے والوں سے فرداً فرداً معاملہ کریں اور جس قدر کسی کی بساط ہو اس قدر محصول اس سے وصول کر لیں خود الفنسٹن بھی اس خیال سے اس قدر متاثر ہو گیا تھا کہ اس نے ایک ایسی پیمایش کو منظور کر لیا

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

جو ہر کاشتکار کے ذمگی لگان کو فرداً فرداً شخص کر سکے۔ اور اس کے بعد بھی بہ حیثیت مجموعی مواضعات کے ساتھ ان کے صدر کے توسط سے معاملہ کرنے کی اس کو جو خواہش تھی تو اس کے اس منصوبے پر یہ بدیہی تنقید ہو سکتی تھی کہ گاؤں کے بڑوں کیلئے کوئی کام ہی نہ تھا۔

الفنسٹن نے ۱۸۲۷ء میں ہندوستان کو خیرباد کہا اسی سال مجلس نظماء نے الفنسٹن کے منصوبے کی کمزوری کو تاڑ لیا اور اس سے ناجائز فائدہ اٹھایا۔

اگر پیمائش فرداً فرداً رعیت کی ذمگی رقوم اور حقوق کا تعین کر دے اور رعیت کو اپنی حق تلفی پر براہ راست دادخواہی کا موقعہ دیا جائے تو پٹیل سے وہی مفید کام لیا جا سکتا ہے جو پچھلے فقرہ میں بیان ہوا۔ پیشوا کے ساتھ نظم و نسق میں متاجری مالگزاری کے نظام کی جن خرابیوں کا آپ کو تجربہ ہے ان کے مدنظر ایسے اشخاص کو اختیارات دینے میں جن سے ان کی سابقہ عادات اور افعال کا لحاظ کرتے ان اختیارات کے استعمال بیجا کا ڈر ہے آپ کو انتہائی احتیاط کرنی چاہیئے صرف لگان کی مقدار کم دیکھکر جو ہر کار کو متاجر موضع ادا کرتا ہے ہم یہ بھروسہ نہیں کر سکتے کہ اس سے استحصال ناجائز کا بالکل سدباب ہو گیا۔"

دیہی نظام کے خاتمہ کا آغاز یہیں سے ہوا۔

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

اکیسواں باب

ونگیٹ اور بمبئی میں رعیت واری بندوبست

(۱۸۳۷ء - ۱۸۳۵ء)

ہم نے اس قصے کو ہندوستان سے مونٹ اسٹوارٹ الفنسٹن کے سال روانگی تک بیان کر دیا ہے اس زمانے میں ہندوستان کے ہر صوبے میں نہ صرف وہاں کے لوگ بلکہ خود کمپنی کے عمال اور مالگزاری کے عہدہ دار بھی محصول اراضی کی مقدار کو بہت زیادہ سمجھتے تھے۔ ناظرین نے بارھویں باب میں پڑھا ہوگا کہ مدراس میں عہدہ داران مالگزاری نے ڈاکٹر فرانسیس سے یہ بیان کیا تھا کہ سنگین محصول اراضی زراعت اور رعایا کی خوشحالی کا سدِ راہ تھا۔ اور مسٹر ٹامس منرو نے اس کی شرح میں خام پیداوار کے نصف کی بجائے ایک ثلث کر کے بتدریج تخفیف کر دی تھی۔ شمالی ہند میں سر ایڈورڈ کو بروک اور اس کے بعد بھی متعدد گورنر جنرلوں نے مجلس نظماء کے پاس برطانوی حکومت کے ایفائے عہد اور محصول اراضی کے دوامی تعین کی جس سے لوگوں کے لئے دولت جمع کرنا اور اپنی حالت کی اصلاح کرنا ممکن ہو سکے۔ متعدد مرتبہ التجا کی مگر کچھ نتیجہ نہ نکلا اور

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

بمبئی کے متعدد اضلاع کے محاصل میں جلد جلد بیشی ہوئی تھی جو الفنسٹن کی آنکھوں میں کھٹکتی تھی۔ خام پیداوار کا ایک ثلث بطور مالگزاری مقرر کرنے کی چپاپلن نے تجویز پیش کی تھی مگر اس سے بھی رعیت کے کندھے ہلکے ہونے کی توقع نہ تھی۔ ہندوستان میں اس سرے سے اس سرے تک بجز ان اقطاع کے جہاں محصول اراضی دوامًا معین کر دیا گیا تھا ملک کے نئے حکمرانوں کے محصول کے بوجھ سے لوگ ہر جگہ نالاں تھے مگر اس سے نظماء کے کان پر جوں تک نہیں رینگتی تھی۔ عمال کمپنی جن کو لوگوں کے حق میں اس ناانصافی کا احساس تھا ڈرتے ڈرتے اپنے خیالات کا اظہار کرتے تو تھے لیکن لوگوں کے کندھوں کا بوجھ ہلکا کرنا اُن کے بس میں نہ تھا۔

ہندوستان میں اس زمانہ کے ممتاز ترین انگریزوں میں ایک بشپ ہیبر بھی تھا اس نے ۱۸۲۴ء ۱۸۲۵ء اور ۱۸۲۶ء میں ہندوستان کا دورہ کیا اور اس وسیع دورے میں جن مختلف صوبوں سے گزرا بہ احتیاط تمام وہاں کے لوگوں کے حالات دریافت کئے سب سے زیادہ غمناک نقش جو اس کے دل پر بیٹھا یہ تھا کہ ایک طرف لوگ حد درجہ افلاس زدہ تھے اور دوسری طرف کمپنی اپنی قلمرو میں نہایت سنگین محصول اراضی وصول کر رہی تھی۔ اس نے یہ ساری باتیں صاف صاف اپنے سفرنامہ میں اس لئے بیان نہیں کیں کہ اس میں جو کچھ لکھا گیا تھا وہ اشاعت کے خیال سے لکھا گیا تھا۔ لیکن اپنے خانگی خطوط میں دل کھول کر اپنے خیالات کا اس نے اظہار کیا ہے۔ رائٹ آنریبل چارلس ولیمز وِن کے نام اس نے جو خط کرناٹک سے مارچ ۱۸۲۶ء میں لکھا تھا وہ مثالاً پیش کیا جاتا ہے۔

"میری دانست میں موجودہ شرح اجرائی محصولات کے ہوتے ہوئے نہ دیسی مزارعین سرسبز رہ سکتے ہیں اور نہ یورپی۔ زمین کی نصف خام پیداوار کی سرکار حقدار ہے اور جہاں کہیں دوامی بندوبست نہیں ہوا یہی تقریباً اوسط شرح محصول ہے اگرچہ دیسی لوگ کفایت شعار ہیں مگر جس کم خرچ طریقہ پر وہ اپنی زمین کی محض سطحی کاشت کرتے ہیں اس کا لحاظ کرتے ہوئے جو کچھ ان کیلئے

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

بچتا ہے وہ فی زمانہ ان کی قوت بسری کے لئے بھی کافی نہیں ہوتا اور اس سے بھی زیادہ یہ کہ یہ صورت حال ان کی اصلاح کی سد راہ ہے۔ اچھے سالوں میں بھی لوگ اسی وجہ سے افلاس میں گرفتار رہتے ہیں۔ اگر ذرا بھی فصل خراب ہوتی ہے تو حکومت کو معافیات اور تقسیم کے کثیر مصارف برداشت کرنا ضروری ہو جاتا ہے مگر اس سے مرد عورت اور بچوں کے ایک انبوہ کثیر کا گلی کوچوں میں سر راہ لقمۂ اجل ہونا اور سڑکوں پر ادھر ادھر جانوروں کی لاشوں کے ڈھیر لگ جانا بند نہیں ہوتا۔ بنگالہ میں جہاں زمین کی شادابی سے قطع نظر کرتے ہوئے محصول اراضی دوامًا مقرر ہے قحط کبھی ہوا ہی نہیں برخلاف اس کے ہندوستان (شمالی ہند) میں سرکاری عہدہ داروں کا عام خیال یہی ہے اور میں خود بھی بعض حالات پر نظر کرتے ہوئے ان سے اتفاق کرتا ہوں کہ کمپنی کے صوبوں کے کسان مجموعی حیثیت سے دیسی ریاستوں کی رعایا سے زیادہ مفلس، مفلوک الحال اور پست ہمت ہیں۔ اور یہاں مدراس میں جہاں عام طور پہ زمین بھی خراب ہے یہ فرق اور زیادہ نمایاں ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ کوئی دیسی رئیس اس قدر مالگزاری وصول نہیں کرتا جس قدر ہم کرتے ہیں اور ہمارے نظام کی باقاعدگی وغیرہ کو پورا پورا ملحوظ رکھتے ہوئے میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ ایسے آدمی مجھے بہت کم ملے جو دل میں اس بات کے قائل نہیں کہ رعایا پر حد سے زیادہ محصول عاید ہے اور ملک پر آہستہ آہستہ افلاس چھا رہا ہے کلکٹر سرکاری طور پہ بالاعلان اس بات کا اقبال کرنا نہیں چاہتے۔ کبھی کبھی درحقیقت ایک ایسا قابل کلکٹر نکل آتا ہے جو نہایت توجہ اور کوشش سے سرکاری محاصل میں افزونی کرنے کے ساتھ ساتھ رعایا کے لئے شرح محصول گھٹا دینے میں بھی کامیاب ہوتا ہے لیکن عام طور پر کلکٹر ان غمناک تصاویر سے اس لیے نگاہ پھیر لیتے ہیں کہ ان سب عام باتوں کا الزام انہیں پر عاید ہوتا ہے اور مدراس یا کلکتے کے معتمدین سے پوچھا جاتا ہے تو وہ قطار کمپنی کے شدید مطالبات زر کو اپنے جواز میں پیش کرتے ہیں۔

"میرا کامل یقین یہی ہے کہ یورپ میں ہندوستانی صنعت وحرفت کی نکاس کے لئے اتنا کرنا کافی ہے کہ کسانوں کی جیبوں کو اس قدر خالی نہ کریں جیسا ہم کر رہے ہیں جو کچھ بھی وصول کریں اس کا زیادہ تر حصہ ملک میں ہی صرف کریں اور کاشتکار کو خوش حال اور پائدار بنانے کے لئے دیسیوں کو خود ان کے ملک کے

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

عدالتی کاروبار میں کچھ زیادہ حصہ لینے دیں۔

مذکورالصدر بیان سے واضح ہوتا ہے کہ ہندوستان میں شاذ ہی ایسے عہدہ دار نکلیں گے جنھیں رعایا پر بے حد محصول عائد ہونے کا علم نہ تھا۔ لیکن علانیہ اس کا اعتراف کرنا کسی کو پسند نہ تھا۔ ان عہدہ داروں میں یہ شرافت تھی کہ جب انگلستان میں اسی مضمون پر ان سے بالکل کھلے سوالات کئے گئے تو ان میں سے بعض نے نہایت پرزور الفاظ میں اپنی رائے کا اظہار کیا۔ مثلاً رابرٹ رچرڈ نے دارالعوام کی کمیٹی کو جو جوابات دیئے تھے وہ یہاں دہرانے کے لائق ہیں۔

"جہاں مالگزاری اس اصول پر جمع کی جاتی ہے کہ سرکار زمین کی خام پیداوار کے نصف حصے کی حقدار ہے جیسے ہندوستان میں اور کثیر التعداد عہدہ دار جن کے افعال پر نگرانی رکھنا ناممکن ہے، مالگزاری وصول کرنے میں مصروف رہتے ہیں تو رعایا کے لئے یہ اخلاقاً ناممکن ہے کہ وہ اس طرح جئے یا پھلے پھولے جس سے دوسروں کے تجارتی تعلقات ایک وسیع پیمانہ پر اس کے ساتھ قایم رہیں۔

"یہ (یعنی غیر ممالک کو بھیجنے کے لئے اشیاء کا بنانا) اس ملک میں ہو سکتا ہے جہاں حد سے زیادہ محصول نہیں لیا جاتا۔ غالباً بنگالے میں یہ ممکن ہوگا کیونکہ وہاں کئی سال سے دوامی بند وبست نافذ ہے اور اس بند وبست کا وہ ابتدائی تباہ کن اثر اب باقی نہیں رہا۔ لیکن اس سرزمین میں جہاں مثلاً رعیت واری محصول جاری ہے یا ان زمینوں میں جن پر خام پیداوار کا ۴۵ فیصدی یا ۵۰ فیصدی بطور حقیقی مالگزاری وصول ہوتا ہے اس غرض کے لئے صناعی کا ہونا بالکل ناممکن ہے

"کئی ایک مثالیں میرے ذاتی علم میں ہیں جہاں چند خاص زمینوں پر جو لگان عائد کیا گیا تھا وہ حقیقی پیداوار سے بھی زیادہ تھا اور بعض ایسی زمینیں بھی مجھکو معلوم ہیں جن پر وہ خاص محصول لگایا گیا تھا جو وہاں کی یا باغ کی آراضی سے یا ان زمینوں سے جن میں کالی مرچ اور انگور کی بیلیں وغیرہ ہوتی ہیں جنہیں میں وصول ہوتا تھا اور ہر قطعہ کو مع پیداوار جدا جدا بیان بھی کر دیا گیا تھا لیکن جب لگان کا ان زمینوں سے مقابلہ کیا گیا تو معلوم ہوا کہ ان زمینوں میں جہاں انسان کا حافظہ کام کرتا ہے سوائے جنگل کے کچھ نہ تھا۔"

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

ان عہدہ داروں کے عام احساس کا جن کے ذمہ ہندوستان میں زمین پر تعین محصول کرنا تھا آخرکار ایک بڑی یادگار تصنیف میں ظہور ہوا۔ لفٹننٹ کرنل برگز پہلا شخص تھا جس نے موجودہ اور قدیم قوانین اور رسم ورواج کی مکمل تحقیق کے بعد ہندوستان کے محصول آراضی کی صحیح نوعیت کی توضیح کی۔ ایسٹ انڈیا کمپنی مملکت ہندوستان کو اپنی جاگیر سمجھتی تھی اور قدیم حقوق یا رسم ورواج کی پروا نہ کرکے جس قدر زیادہ ممکن تھا مالگزاری وصول کرنے کی کوشش کرتی تھی۔ اس طرز عمل کی مخالفت پر جان برگز نے کمر باندھی اور اس مضمون پر اپنی مستند کتاب میں جس سے دورِ جدید کی ابتدا ہوتی ہے اس نے اپنے ہمعصر انگریزوں اور تمام آنے والی نسلوں کی آگاہی کے لئے یہ صاف صاف بیان کر دیا کہ ہندوستان میں زمین کبھی مملکت کی ملک نہ تھی بلکہ وہ ہندوستان میں بھی خانگی ملکیت میں داخل تھی جیسے دنیا کے دوسرے تمام اقوام میں ہے مملکت کو جس طرح اور املاک پر محصول لگانے کا حق تھا اسی طرح اس ملکیت پر بھی محصول لگانے کا حق حاصل تھا۔

اس کتاب کی مختصر گنجائش میں اس ضخیم پانسو صفحے کی کتاب کی تشریح کرنا ہمارے لئے ناممکن ہے لیکن اس میں جو نتائج نکالے گئے ان میں سے چند ناظرین کے سامنے پیش کرنا اس لئے ضروری ہے کہ ستر برس پہلے ان نتائج کی جو قدر و اہمیت تھی اب بھی وہی قایم ہے جان برگز نے یہ بتایا تھا کہ قدیم اقوام میں جیسے یونان، روما، فارس، اور چین کے ہیں پیداوار کے ایک عشر کے برابر محصول وصول کرنے کا مملکت کو حق حاصل تھا۔ ہندوؤں کے قدیم تمدن میں بادشاہ یا مملکت زمین کی خاصیت اور اسے کاشت کرنے کے لئے جو محنت درکار ہوتی تھی اس کے لحاظ سے اناج کا چھٹواں یا آٹھواں یا بارہواں حصہ بطور محصول وصول کرنے کا حق تھا۔

عہد بعہد یکے بعد دیگرے کیا عمل رہا تھا اس کی تحقیق کرنے کے بعد برگز نے یہ ثابت کر دیا کہ قابض اراضی ہی اس کا تنہا مالک تھا اور مملکت کے برقرار رکھنے کے لئے اس سے مالی امداد کا جو مطالبہ ہوتا تھا وہ ایک طرح کا محصول آمدنی تھا

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

یعنی وہ اس کی پیداوار جاگیر کا ایک محدود حصہ ہوتا تھا اور یہ حصہ امن کے زمانے میں معینہ تھا مگر جنگ کے زمانے میں اس میں بیشی کی جاسکتی تھی ہر حالت میں مالک کو کچھ نہ کچھ فاضلات بطور منافعہ ملتی تھی جو لگان کے مساوی تھی مزید براں اس بات کو ثابت کرنے میں غالباً میں کامیاب رہا ہوں کہ کسی فرمانروا نے زمین کے مالک ہونے کا دعویٰ کبھی نہیں کیا بلکہ صرف محصول زمین کا۔ ایسٹ انڈیا کمپنی کا اس اساسی اصول کو نظر انداز کرنا اور کاشتکاروں کے لئے سدّرمق برابر کچھ چھوڑ کر جملہ منافعہ کو اس ملک سے باہر بھیجدینے کی کوشش کرنا جان برگز کی نظر میں یہی اسباب تھے جن سے انگریزی راج میں ہندوستان پر افلاس چھا رہا تھا گذشتہ تین صدیوں میں جتنے سیاحوں نے مشرق کی سیر کی ان سبھوں نے شاہان مغلیہ کے دور حکومت میں ملک کی سرسبزی و شادمانی کا ذکر کیا ہے ہندوستان کی دولت اور آبادی اور قوم کی خوش حالی دیکھ کر یہ لوگ حیران ہوگئے۔ یہ حالت یورپ میں انھوں نے کہیں نہیں دیکھی تھی جب ہم خود بالاعلان ہر روز کہتے ہیں کہ ہماری حکومت میں رعایا اور ملک کی حالت ایسی قابل دید نہیں ہے تو یہ بات صحیح سمجھنی چاہئے۔

"اگر میں نے یہ ثابت کرکے دکھا دیا ہے کہ ہم نے اپنے پیشروؤں کے طریق عمل کو ترک کر دیا ہے اور ایک ایسا نظام قایم کیا ہے جس میں ان کے نظام سے اور ان کے باقاعدہ حکومتوں کی بدترین حکومت سے بھی بڑھ کر سختی ہے تو پھر واقعی حقیقت کچھ نہ کچھ وجہ اصلاح طلب کرنے کی یا کم از کم تحقیقات کی توقع رکھنے کی پیدا ہو جاتی ہے۔

"نہایت ایمانداری کے ساتھ میں یہ رائے رکھتا ہوں کہ کسی حکومت میں بھی خواہ وہ ہندوؤں کی ہو یا مسلمانوں کی جس کو قانون کی بنیاد پر قایم ہونے کا دعویٰ تھا ایسا نظام تو نہ تھا جو عام رعایا کی خوش حالی کو تہ و بالا کر دے اور یہی داغ ہمارے نظم ونسق پر ہے۔

"اگرچہ ہم نے ہر جگہ اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ اجرائے محصول کے بارسنگیں سے رعایا کو سخت ترین ضرر پہنچا ہے لیکن ایک بھی مثال ایسی نہیں ہے

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

جہاں ہم نے اس بوجھ کو ہلکا کیا ہو برخلاف اس کے اس محصول کے تعین کرنے میں ہم نے ایک غلط معیار اختیار کیا ہے یعنی پیداوار کی بجائے زر کا۔ دوسرے طبقات پر بھولی محصول اٹھا دینے کے حیلہ سے ہم نے یہی مقدار رقم قابضان آراضی پر لگادی۔ اپنے حق میں انصاف کرنے کے عذر سے ہم نے ہر شخص کے معاملات میں تفحص کیا۔ متعدد ایسی مثالیں موجود ہیں کہ ہم نے اس طرح کاشتکاروں کو ان ذرایع آمدنی سے محروم کر دیا جن سے وہ اُن سنگین محصولوں کی ادائی کرتے تھے جن سے خلاصی پانے کے وہ ہم سے طالب تھے حتیٰ کہ شدید وصولات سے ہم نے اپنے محاصل میں بیشی کرلی اور لوگوں کی حالت محض مزدوروں کی سی ہوگئی یہی ہماری حکمرانی کا قاعدہ ہے جس کا ہم کو بھی اقبال ہے اور زمین کے سارے فاضلات منافع لے لینے کا بھی یہی یقینی اور لازمی نتیجہ ہوتا ہے۔

اس مفروضہ کی بناء پر کہ حکومت بلاشرکت غیرے مالک زمین ہے یہ (یعنی موجودہ حکومت زمین ہی کو سب سے زیادہ نفع بخش ذریعہ آمدنی سمجھتی ہے۔ سرکاری ملازموں کی فوج کی فوج کاشتکار کی نگرانی پر مامور ہے تمام منافع اپنی مٹھی میں کر لینے کا حکومت کو اعتراف بھی ہے اس طرح کا محصول اراضی جو فی الوقت ہندوستان میں موجود ہے اور جس میں کل مالک اراضی کا لگان ختم ہوجاتا ہے کبھی کسی یورپی یا ایشائی حکومت میں نہیں تھا۔

ایسی پرمغز اور اعلیٰ تصنیف دنیا کے کسی ملک میں بھی ہوتی تو وہاں ایک انقلاب عظیم پیدا کر دیتی مگر ہندوستان میں بمبئی کے عہدہ داران مالگزاری کے عمل درآمد میں اس سے ذرا بھی تبدیلی پیدا نہیں ہوئی۔ الفنسٹن کے مجوزہ بندوبست پیمائش کو بمبئی سول سروس کے مسٹر پرنگل نے ۱۸۲۴ء۔۱۸۲۸ء میں شروع کر دیا تھا اور یہ بندوبست زمین کی پیداوار کے غیر صحیح اور مبالغہ آمیز تخمینے پر کئے گئے تھے جس کے نہایت مضر نتائج نکلے۔

"پرنگل نے جو تعین محصول کیا وہ کھیتوں کی پیمائش اور مختلف قسم کی زمینوں کے تخمینۂ پیداوار اور تخمینۂ مصارفِ کاشت پر کیا تھا اور یہ اصول اختیار کیا گیا تھا کہ سرکاری مطالبہ خالص پیداوار کا ۵۵ فی صد مشخص کر دیا جائے

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

پیمائش کا ابتدائی کام بالکل غلط ہوا اور پیداوار کا تخمینہ جو تشخیص محصول میں نہایت اہم عنصر تھا اور جس کو بہت مکمل طور پر تیار کرنے کی کوشش کی گئی تھی اس قدر غلطیوں سے مملو تھا کہ بے کار سے بدتر ہو گیا اس اثنا میں یہ بندوبست رائج کر دیا گیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جن خرابیوں کی اس سے مٹنے کی توقع تھی اُن میں اور بھی اضافہ ہو گیا۔ ابتدا سے ہی اس بندوبست میں پوری مالگزاری کا وصول ہونا ناممکن نظر آتا تھا بعض اضلاع میں تو آدھی مالگزاری بھی وصول نہیں ہوتی تھی اب حالت بد سے بدتر ہوتی چلی۔ ہر سال مالگزاری کی باقیات میں اضافہ ہوتا چلا اور معافیات یا تخفیف شرح محصول کی ضرورت پیش آتی رہی بدنصیب کسانوں سے انتہائی وصولات کی ہر جائز و ناجائز کوشش کی گئی۔ بعض مثالیں ایسی بھی تھیں جہاں کسانوں نے بہ طیب خاطر یا ان کی بساط سے باہر ہونے کی وجہ سے ان مطالبات کی تکمیل نہیں کی تو ان کو ایسی سخت سخت اذیتیں اور سزائیں دی گئیں جو بیان سے باہر ہیں اور جن کو دیکھنے سے رونگٹے کھڑے ہوتے تھے بے شمار کسان گھر بار چھوڑ کر نکل گئے اور آس پاس کی دیسی ریاستوں کو بھاگ گئے۔ زمین کے بڑے بڑے خطے بے کاشت پڑے ہوئے تھے اور بعض اضلاع میں قابل کاشت رقبے کا ایک ثلث سے زیادہ زیر کاشت نہ تھا۔

انجام کار اس نظام سے دست برداری قبول کر لی گئی ۱۸۳۵ء میں بمبئی کے سول سروس کے مسٹر گولڈ اسمتھ اور لفٹننٹ ونگٹ نے جو بعد میں سر جان ونگٹ ہوا ایک جدید پیمائش شروع کی۔

"مختلف اقسام کی زمین کی پیداوار کو معلوم کر کے اور اس کے ایک حصہ متناسبہ تک مطالبہ سرکار کا تعین کر کے تشخیص لگان کا ایک اصولی نصب العین معلوم کرنے کی جو کوششیں اب تک تھیں ان سب کو ترک کر کے پیمائش کے عہدہ داروں نے یہ آسان طریقہ اختیار کیا تھا کہ ہر کھیت میں زمین کی گہرائی اور اوسط پیدا آوری دریافت کر کے اس کا ایک خاص درجہ قرار دیدیا جائے اور اس غرض سے تخمینہ کے نو اقسام قائم کئے۔

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

شرح محصول کے تعین میں محض علمی نقطۂ نظر سے زمین کی پیداآوری اور ضلع کا عام ماحول ان کے پیش نظر رہتا تھا۔

موخر الذکر نظام سرکار کو پسند آنے کے باوجود ناظرین خود ملاحظہ فرما سکتے ہیں کہ یہ جدید طریق کار اصولاً غلط تھا۔ کھیتوں کی اوسط پیداوار کے لحاظ سے تعین محصول کا اصول درست اور قدیم تھا گو پرنگل غلط طریقہ پر کام کرنے کی وجہ سے اس میں ناکام رہا۔ لیکن محصول کا جدید طریقہ یعنی زمین کی اوسط خوبی اور گہرائی معلوم کرنا سننے سے ہی احمقانہ بات معلوم ہوئی تھی گو ونگٹ اس میں اس وجہ سے کامیاب رہا کہ اس نے نہایت اعتدال اور نرمی کے ساتھ جو اس کی طبیعت کا خاصہ تھا اس کام کو بھی کیا علم طبقات الارض کے اصولوں پر زمین کا جو امتحان کیا جائے گا وہ اس کی پیداوار کا تخمینہ قائم کرنے کی بنیاد نہیں بن سکتا اور اس ناقابل اعتبار بنا پر بعد کے بندوبست میں مالگزاری میں جو مسلسل افزونی ہو رہی تھی اس سے تمام صوبے میں افلاس اور مصیبت پھیلی ہوئی تھی۔

۱۸۳۵ء میں جو پیمائش شروع کی گئی تھی وہی بمبئی کے موجودہ نظام مالگزاری کا گویا مقدمہ بن گئی اور اس کے دوسرے ہی سال جب ملکہ وکٹوریہ کی تخت نشینی کی تیاریاں ہو رہی تھیں اس صوبہ کا پہلا باقاعدہ بندوبست شروع ہوا۔ اس بندوبست کی تفصیلی طور پر تنقیح و تدقیق ضروری ہے کیونکہ بمبئی میں فی زمانہ بھی اسی نظام کی تقلید کی جاتی ہے۔

بندوبست کے کام کئی سال تک ہوتے رہے اور بتدریج تمام صوبے کو اس میں لے لیا گیا جتنا جتنا تجربہ پختہ ہوتا گیا سارے نتائج کو ایک جا کرنا اور آئندہ کی رہنمائی کے لئے قواعد بنانا ضروری معلوم ہوتا گیا۔ ۱۸۴۷ء میں یہ کام بھی اس مشترکہ رپورٹ کی شکل میں جس پر ہز اکسلنسی گولڈ اسمتھ کپتان ونگیٹ، اور کپتان ڈیوڈسن کی دستخطیں ہیں پورا ہو گیا۔

اس بندوبست کے اصول جیسے اس مشترکہ رپورٹ میں بیان کئے گئے ہیں حسب ذیل ہیں۔

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

(۱) یہ بند وبست مجموعی طور پر زیر قبضہ زمینوں یا قصبوں پر نہیں کیا گیا تھا بلکہ علیٰحدہ علیٰحدہ ہر کھیت پر تعین محصول کے اصول پر مبنی تھا۔ (۲) سابقہ مختصر المیعاد پٹوں کی بجائے طویل المیعاد سی سالہ پٹے عطا کئے گئے تھے (۳) محصول کی بنیاد تخمینۂ پیداوار پر باقی نہیں رکھی گئی تھی بلکہ آراضی کے تخمینہ قیمت پر مشترکہ رپورٹ سے چند اقتباسات توضیحاً پیش کئے جاتے ہیں۔

"کھیتوں پر کاشتکار کا حق قبضہ ناقابل فسخ رہتا ہے بشرطیکہ جو محصول اس پر لگایا جاتا ہے وہ برابر ادا ہوتا رہے گو ہر کھیت کے متعلق سالانہ اس سے تجدید اقرار نامہ بھی ہوتی رہے اس کی جملہ زمینوں پر محصول لگانے کی بجائے ہر کھیت پر علیٰحدہ علیٰحدہ محصول عاید کرنے میں فائدہ یہ تھا کہ جب وہ مناسب سمجھے اپنی موجودہ اراضی سے دست بردار ہو جائے یا دوسری زمینوں کو جو کسی کے زیر قبضہ نہوں اپنے قبضہ میں کرلے تاکہ وہ اپنی ذمہ داری اپنے ذرایع آمدنی تک محدود رکھ سکے۔ کھیتوں پر ایک معینہ سی سالہ محصول ہوجانے سے جس کی ابتدا ہماری پیمائش سے ہوئی کاشتکار کو سی سالہ پٹے کے سارے فوائد حاصل ہوگئے اور قبضہ قائم رہنے تک سال بسال محصول مقررہ کی ادائی کے سوائے کسی مزید شرط کا بوجھ کاشتکار پر عائد نہیں ہوا۔"

"ہم نے مختلف زمینوں کے نو اقسام قائم کئے ہیں اور تجربے سے ثابت ہے کہ عملی طور پر سارے اغراض کے لئے یہ تفصیلی تقسیم کافی ہے مثلاً فلاں زمین کس قسم کی ہے اس کا تعین کرنے میں محض تقسیم کرنے والے کے اختیار تمیزی پر بالکلیہ بھروسہ کرنے کی بجائے ہم نے ایسے قاعدے اختراع کئے ہیں جن سے یہ پہچان لیا جاسکے کہ کونسی زمین کس درجے کی ہے۔ اس ملک میں یا کم سے کم ان اقطاع ملک میں جہاں تک پیمائش ہوئی ہے زمین کی شادابی کا انحصار مٹی کی نمی کی قوت کو جذب کرنے پر ہے اور چونکہ قوت انجذاب مٹی کی گہرائی سے متاثر ہوتی ہے اس لئے ہم نے اپنے تخمینہ میں اسی کو (یعنی گہرائی کو) کمی وبیشی کا اصول قرار دیا۔"

"اگر مٹی کی ایکساں گہرائی میں ایکساں شادابی ہوتی تو پھر تقسیم کیلئے

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

محض گہرائی کو جانچ لینا کافی سمجھتے ہیں کہ مٹی کو شادابی کے اعتبار سے تین مدارج میں تقسیم کیا جائے بہ لحاظ گہرائی ہمارے معیار کے بموجب اس کے نو اقسام قرار دئے جائیں جو حسب ذیل نقشے سے بآسانی سمجھ میں آسکتے ہیں۔

قسم	قسم کی قیمت اضافی آنوں میں یعنی روپیہ کے سولھویں حصہ میں (گہرائی ہاتھوں کے مساوی ایک ہاتھ کی گہرائی = ½ ۱ فٹ)	مٹی: درجہ اول جو یکساں باریک اجزا سے مرکب ہے اور رنگ میں گہری سیاہ سے گہری بھوری تک ہوتی ہے (گہرائی ہاتھوں کے مساوی ایک ہاتھ کی گہرائی = ½ ۱ فٹ)	درجہ دوم جو مقابلتاً یکساں موٹے اجزاء سے مرکب ہے اور رنگ میں بھی پھیکی اور عموماً سرخ ہوتی ہے۔ (گہرائی ہاتھوں کے مساوی ایک ہاتھ کی گہرائی = ½ ۱ فٹ)	درجہ سوم کنکریلی اور بھربھری رنگ میں ہلکی بادامی یا بھوری ہوتی ہے۔
۱	۱۶	۱¾		۰
۲	۱۴	۱½	۱¾	۰
۳	۱۲	۱¼	۱½	۰
۴	۱۰	۱	۱¼	۰
۵	۸	۱¾	۱	۰
۶	۶	½	¾	۱
۷	۴½	¼	½	¾
۸	۳	۰	¼	½
۹	۲	۰	۰	¼

"اس نقشے کے پہلے خانے میں ہمارے معیار کے بموجب مٹی کے نو اقسام درج ہیں دوسرے خانے میں اضافی قیمتیں درج ہیں جس میں سب سے زیادہ قیمت سولہ آنے یا ایک روپیہ ہے اور روپیوں میں اس لئے قیمت درج کی گئی ہے کہ

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

یہ طریقہ دیسیوں کے قریب الفہم ہے"

"ہر قسم کی زمین سے جن جن مدات محاصل کے تحت ابتک وصولات ہوئے ہیں ہر ایک کے ماخذ و مقدار کے متعلق تفصیلی اعداد کا ایک نقشہ پیش ہونا چاہئے"

"اگر ایسے معلومات فراہم کئے جائیں اور ضلع کی تاریخ گزشتہ سے متعلق مقامی تحقیقات کے ساتھ بالمقابل پیش ہوں تو سابقہ حالات پر کن اسباب وعلل کا اثر پڑتا تھا ہم آسانی کے ساتھ ان کا پتا لگا سکتے ہیں ان وجوہ سے آگاہ ہونے اور اطراف کے اضلاع کی استعداد اراضی سے اس ضلع کا مقابلہ کرنے کے بعد کسی اطمینان بخش نتیجہ پر پہنچ سکتے ہیں کہ اب کتنا محصول عائد کیا جا سکتا ہے"

"کسی ضلع پر ایک خاص محصول مشخص کرنے کی بجائے اس میں زیادہ سہولت ہے اور بات بھی وہی ہے کہ ضلع کے اندرون حدود جتنی مختلف الاقسام مٹی اور کاشت موجود ہے اس کے لحاظ سے ایک ایسی شرح محصول مقرر کر دی جائے جس سے رقم زیر بحث پوری وصول ہو جائے اور اس کے لئے سب قسم کی کاشت پر صرف انتہائی شروح کا معین کرنا کافی ہوگا۔ اس کے بعد سب اضافی قیمتوں کو مدنظر رکھ کر ہماری تقسیم کے معیار سے ہی سب ذیلی شروح بھی اخذ کئے جا سکتے ہیں"

مذکور الصدر اقتباسات اس مشہور "مشترکہ رپورٹ" کا لب لباب ہیں جس پر بمبئی کا نظام مالگزاری مبنی تھا اس میں کاشت کار کے اپنے کھیت پر قابل ارث اور قابل انتقال حقوق تسلیم کر لئے گئے لیکن محصول آراضی کے معینہ رہنے کا قدیم استحقاق جو میراثی کاشتکاروں کو مرہٹوں کے عہد حکومت میں حاصل تھا ہمیشہ کے لئے فسخ کر دیا گیا۔ ضلع کے دس لاکھ کھیتوں کے لئے مطالبہ مالگزاری کا طول طویل معیار تقسیم اختراع تو کیا گیا لیکن اس مطالبہ پر کوئی قید نہیں لگائی گئی تھی اور محصول مشخص کرنے کی غرض سے کھیت کی پیداوار کے واجبی اصول کی بجائے علم طبقات ارض کے ناقابل عمل اصول بھی اختیار کئے گئے تھے ان حالات میں ہر شخص زمین کا درجہ قرار دینے والا بن گیا جو دس شلنگ تنخواہ پر اضافی قیمت مقرر کرنے کے لئے ہر کھیت کی مٹی کی گہرائی اور نوعیت کا محققانہ تعین کرتا تھا اور انہی مقررہ اضافی قیمتوں کے

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

موافق ضلع پر جو جملہ مطالبہ عائد تھا وہ وہاں کے کھیتوں پر تقسیم ہوتا تھا لیکن خود اس جملہ مطالبے کی بنیاد "ضلع کی گذشتہ تاریخ" اور رعایا کی سابقہ حالت پر رکھی گئی تھی۔ چنانچہ اس صوبے میں بیس سال انگریزوں کی حکومت رہنے کے بعد بھی ایک چھوٹی سی بات کے لئے جب رعایا نے حکومت سے اپنا اطمینان کرنا چاہا تو کامیابی نہیں ہوئی۔ ایسٹ انڈیا کمپنی اور اس کے عمال اپنے مطالبہ پر کوئی قید رکھنا نہیں چاہتے تھے اور ہر بعد میں آنے والے بندوبست پر رعایا کے حسب حال اپنے مطالبہ کی تشکیل اور اس کو بڑھانے اور گھٹانے کا اختیار اپنے ہی ہاتھ میں رکھنا چاہتے تھے ہر بعد میں آنے والے بندوبست پر مطالبہ مالگذاری اضافہ کرنے کا اختیار مطلق جس نظام میں بلاقید عہدہ داران مالگذاری پر چھوڑ دیا گیا ہو اس نظام سے زیادہ موزوں کوئی اور نظام ایک زراعت پیشہ قوم کو ہمیشہ مفلس اور بے وسیلہ رکھنے کے لئے انسانی ذہانت نے اختراع ہی نہیں کیا۔ محصول آراضی کے تعین میں کسی کاشتکار کو کچھ دخل نہ تھا۔ اور نہ اس سے کسی قسم کا مشورہ کیا جاتا تھا سرکاری مطالبہ کے تعین کے بعد اس پر تقاضہ کیا جاتا تھا کہ یا تو وہ سرکاری مطالبہ کی تکمیل کردے یا اپنی آبائی زمین سے دست بردار ہو جائے جس کے یہ معنی تھے کہ وہ بھوکوں مرے۔

جو لوگ اس بندوبست میں شریک تھے وہ شاہد ہیں کہ اس جدید نظام کی خرابیوں کے انکشاف میں ہم نے مبالغہ سے کام نہیں لیا ہے ۱۸۵۳ء میں کمپنی کا منشور تجدید کے لئے پیش ہوا اور معمول کے موافق تجدید سے پہلے پارلیمنٹ سے کمپنی کے ہندوستانی نظم ونسق کے ہر شعبہ میں تحقیقات شروع کی دارالعوام اور دارالامرا کی منتخبہ کمیٹیوں نے ۱۸۵۲ء میں شہادت قلمبند کی اور رپورٹیں مرتب کیں ۱۸۵۳ء میں انھوں نے اور بیانات لئے دارالامرا نے تین رپورٹیں اور دارالعوام نے چھ رپورٹیں پیش کیں اس ضخیم شہادت میں سے ہم ایک نوجوان عہدہ دار کی شہادت پیش کرتے ہیں۔ جس کا نام گولڈفنچ تھا اور جس نے بمبئی میں بندوبست کا بھی کام کیا تھا اس نے

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

اپنا کارنامہ ۲۰ جون ۱۸۵۳ء میں تفصیلی طور پر بیان کیا ہے۔

"۶۷۱۴۔ پیمائش ختم ہونے کے بعد جب آپ نے کوئی کھیت مثلاً نمبر ۱۱ پانچ بیگہ کا تقریباً ۲ ایکڑ) کسی خاص شخص کے قبضے میں دیکھا تو کیا کلکٹر نے اس پر محصول اپنی مرضی سے لگایا تھا یا مالک اراضی یا قابض زمین سے بھی دریافت کیا تھا کہ کیا وہ اس رقم کی ادائی پر راضی ہے یا نہیں۔

"مہتمم پیمائش نے بلا استصواب کاشتکار محصول مشخص کر دیا تھا اور جب جدید شرح کی ابتدا ہوئی تو ہر قابض اراضی کو کلکٹر کے پاس طلب کر کے اسکی زمین پر آیندہ جو شرح عائد ہونے والی تھی اس سے آگاہ کر دیا گیا تھا۔ ان شرائط پر جس کاشتکار نے زمین پر قبضہ قائم رکھنا چاہا رکھا اور جس نے نہ رکھنا چاہا نہ رکھا۔"

"۶۷۲۰۔ کیا اس ضلع کے تمام قصبوں میں خالص پیداوار اور محصول کا باہمی تناسب ہر جگہ یکساں ہے یا مختلف؟

"میں اس سوال کا جواب نہیں دے سکتا البتہ زمین کی خالص پیداوار پر محصول کا تناسب کیا ہے اس کے متعلق میں قیاس قائم کر سکتا ہوں۔"

"۶۷۲۲۔ کیا کل ضلع کی پیمائش کے اہتمام و نگرانی پر کوئی ایک عہدہ دار مقرر رہے؟ "جی ہاں"

"۶۷۹۳۔ کیا اسی لئے محصول کے تعین کا اصول پریسیڈنسی کے اس سرے سے اس سرے تک یکساں ہے۔ "یقیناً"

۶۷۴۴۔ مہتمم پیمائش کی اصلی خدمت کیا ہے؟

"وہ انجنیر ہے۔" "کپتان ونگیٹ مہتمم پیمائش ہے۔"

"بلا استصواب کاشتکار" محصول اراضی مقرر کر دینا پھر کاشتکار سے یہ کہہ دینا کہ وہ یا مقررہ لگان قبول کرے یا اپنی زمین سے دست بردار ہو جائے گولڈ فنچ کی نظروں میں ایک منصفانہ اور واجبی طریق کارروائی تھا یہ بات کبھی اس کے ذہن میں نہیں آئی کہ زمین کاشتکار کی ملک تھی اور ایک معینہ محصول اراضی پر اس کے اجداد کے قبضے میں رہی تھی۔ زمین سے

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

دست بردار ہو جانے کے معنی کاشتکار کی موروثی ملکیت کی قرقی تھی۔ اس بندوبست کے نتائج کا تفصیلی بیان دوسری کتاب میں کیا جائے گا جس کا نام "ہندوستان عہد وکٹوریہ میں" ہے۔

کپتان ونگیٹ کے متعلق انصافاً یہ بیان کرنا ضرور ہے کہ اس نے اس خراب نظام کے چلانے میں اعتدال اور رعایت کو ہمیشہ ملحوظ رکھا اور ایسٹ انڈیا کمپنی کے متعلق انصافاً یہ بیان کرنا ضرور ہے کہ کمپنی نے اس نظام کی نا واجبیت محسوس کی اور عام محصول لگانے پر قیود عاید کرنے کی بھی کوشش کی۔ تجدید منشور سے تین سال کے بعد کمپنی نے وہ مشہور مراسلہ ۱۷ دسمبر ۱۸۵۶ء کا تحریر کیا جس میں یہ اصول قرار دیا گیا تھا کہ حکومت اس لگان کی حقدار نہیں ہے جو مصارف کاشت اور زرعی اصل کے منافع کی منہائی کے بعد پیداوار کی جملہ فاضلات پر مشتمل ہے بلکہ صرف مالگزاری ہی کی حقدار ہے اور ایسٹ انڈیا کمپنی کے اٹھ جانے کے بعد سر چارلس ووڈ نے جو اس وقت وزیر ہند تھا اور جس کو بعد میں لارڈ ہیلی فکس کا خطاب ملا اپنے ۱۸۶۴ء کے مشہور مراسلے میں یہ تحریر کیا تھا کہ لگان کا ایک حصہ اور وہ بھی صرف آدھا لینا اس کو پسند تھا۔

لیکن یہ سب محض کہنے کی باتیں تھیں جن پر عمل نہیں کیا جا سکتا تھا کیونکہ بمبئی کے نظام میں کھیت کی پیداوار اور معاش لگان کی کبھی تحقیق ہی نہیں کی گئی تھی بلکہ ہر ضلع میں محصول آراضی کا تعین اس تحقیق کے لحاظ سے کیا گیا تھا کہ رعایا گزشتہ زمانہ میں کیا دیتی تھی اور آیندہ کیا دے سکتی ہے۔ ایسے نظام کے تحت جہاں کاشتکاروں سے کبھی مشورہ نہیں کیا جاتا تھا اور وہ کسی عدالت اراضی کے سامنے استغاثہ پیش نہیں کر سکتے تھے۔ ہر آیندہ بندوبست پر مالگزاری کے مطالبے میں اضافہ ہوتا گیا اور کسان بے وسیلہ افلاس زدہ ہی رہے۔

لارڈ کیننگ نے جو ۱۸۵۶ء سے ۱۸۶۲ء تک ہندوستان کا وایسرائے تھا بمبئی میں ہندوستان کے دوسرے صوبوں کی طرح بندوبست مالگزاری کو دوامی کر دینے کی تجویز پیش کی تھی لیکن وزیر ہند نے ۱۸۸۳ء میں اس تجویز کو رد کر دیا۔ مارکوئیس رپن نے جو ۱۸۸۰ء سے ۱۸۸۴ء تک ہندوستان کا وایسرائے تھا

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

اس واجبی شرط کے عاید کرنے کی تجویز پیش کی کہ جب عام قیمتوں میں افزونی ہو تو صرف اسی وقت اور اسی تناسب مالگزاری میں بھی اضافہ کیا جائے۔ لیکن اس تجویز کو بھی وزیر ہند نے ۱۸۸۵ء میں نامنظور کیا۔

"محصول اراضی پر از روئے انصاف جو معقول شرائط وقتاً فوقتاً عائد کئے تھے وہ سب اسی طرح یا تو نظر انداز کر دئے گئے یا نامنظور کر دئے گئے۔ بمبئی کے کاشتکاروں کو دواماً بے وسیلہ رکھنے کے لئے موجودہ نظام بھی ایسا ہی موزوں تھا جیسے کوئی اور نظام ہو سکتا ہے جس کو انسان کی ذہانت اختراع کر سکتی ہے۔ چنانچہ ساہوکاروں کی غلامی کرتے کرتے کاشتکار قعر مذلت میں پڑے ہوئے تھے مزید براں انیسویں صدی عیسوی کے اختتام پر بمبئی میں ایک ایسا قحط ہوا کہ کبھی نہ ہوا تھا اور اس کے اثرات بھی اس گوشے سے اس گوشے تک پھیل گئے تھے۔

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

بائیسواں باب

برڈ اور شمالی ہند میں بندوبست جدید

(۱۸۲۲ء - ۱۸۳۵ء)

شمالی ہند کا بندوبست ۱۸۲۲ء میں شروع ہوا اور جیسا کہ اس کتاب کے گیارھویں باب میں بیان ہو چکا ہے بالکل ناکامیاب رہا۔ "سیاہہ حقوق" کی ترتیب کے لئے جس دریافت کی ضرورت تھی وہ ایک قدم آگے نہیں بڑھی۔ کھیت کی پیداوار کے متعلق نہایت تفصیلی تحقیقات ایذا رساں اور بے سود ثابت ہوئی۔ حکومت کا لگان کے ۸۰ فیصد سے زیادہ مطالبہ کرنا موجب تکلیف اور ناقابل عمل تھا۔ خود اپنی سختی کی وجہ سے یہ نظام ہی ٹوٹ گیا۔ اصلاح کی سخت ضرورت تھی اور ایک حقیقی مصلح منظر پر نمودار ہوا۔

لارڈ ولیم بنٹنک ۱۸۲۸ء میں بہ حیثیت گورنر جنرل ہندوستان آیا اس سے زیادہ سچا اور رعایا کا مخلص حاکم ایسٹ انڈیا کمپنی نے کبھی بھیجا ہی نہیں۔ بنٹنک نے شمالی ہند کا دورہ کیا اور اپنے مشاہدات نظمائے کمپنی کے موسومہ مراسلہ میں اس نے بیان کئے ہیں۔

"ممالک مغربی کو میرا جانا زیادہ تر جس تردد کے مدنظر تھا معزز مجلس نظما

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

اس سے واقف ہے یعنی ۱۸۲۲ء کے دستورالعمل کے شرائط کی رو سے بندوبست کے کام میں کیا ترقی ہوئی تھی اس کو اپنی آنکھوں سے دیکھ کر میں اپنا اطمینان کروں اور یہ معلوم کروں کہ آیا ترقی میں تعجیل کرنے کا یا ایسے تدابیر اختیار کرنے کا عملاً امکان ہے جس سے ملک فلاح و بہبود کو پہنچے اور یہی معزز مجلس کا مطمح نظر تھا۔"

"۴۔ جن عہدہ داروں سے میں نے صلاح و مشورت کی ان میں نہ تو جوش و سرگرمی کی کمی تھی اور نہ فہم و فراست کی۔ براین ہم معزز مجلس کو اس بات سے آگاہ کر دینا میرا فریضہ ہے کہ ناکامیابی کی وجہ خواہ کچھ ہو ان ممالک کے بندوبست کے لئے اب تک کچھ کیا ہی نہیں گیا۔"

"۸۔ معزز کمپنی کی اس رائے کے پڑھنے سے مجھ کو حقیقی مسرت ہوئی جو مراسلہ مورخہ ۱۹ فروری کے فقرہ (۵۸) میں درج ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ طویل المیعاد پٹے کی ضرورت معزز کمپنی بھی محسوس کرتی ہے بندوبست کے کام میں تعجیل پیدا کرنے اور شکمیدار اسامیوں کے حقوق کی حفاظت کرنے کے متعلق معزز کمیٹی نے تفصیلی طور پر جن خیالات کا اظہار کیا ہے قریب قریب میرے خیالات کے مطابق ہیں۔

لارڈ ولیم بنٹنک نے اسی سال مجلس مالگزاری کے نام ایک مراسلہ لکھا جسمیں ۱۸۲۲ء منصوبے کے اہم اسباب ناکامیابی کی نشاندہی کی۔ اس نے لگان کے ۸۰ فی صد سے زیادہ مطالبہ کرنے پر حکومت کو مورد الزام قرار دیا ہے اور یہ صلاح دینے کی جسارت کی ہے کہ اس مطالبے میں کمی ہونی چاہئیے۔

بنٹنک نے لکھا ہے کہ: ۔ دستورالعمل میں یہ مقرر کر دیا گیا تھا کہ "جہاں مطالبے میں اضافہ کر دیا جائے گا وہاں محصول اس قاعدہ پر لگایا جائے گا کہ زمینداروں اور دیگر اشخاص کے لئے اس جمع کی کل مقدار پر جو خود ان سے یا ان کے توسط سے قابل ادا ہو گی ۲۰ فی صد خالص منافع چھوڑ دیا جائے گا لیکن ہنر لارڈشپ کا خیال ہے کہ عہدہ داران مالگزاری میں جن کی رائے قابل احترام ہے یہ خیال عام طور پر پھیلا ہوا ہے کہ زمینداروں کے حق میں جو منہائی دی جائے وہ کسی حال سرکاری جمع کے تیس ۳۰ پینتیس ۳۵ فی صدی سے کم نہ ہو۔ لیکن سب کچھ بھی

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

اصلاح وترقی کے لئے اصل درکار ہے اور کیا یہ اصل نہیں سمجھا جائے گا۔

تاہم مصارف جمع اس میں شامل نہیں ہیں اور خالص لگان پر اس کا حساب لگایا گیا ہے زمینداروں اور دیگر مالکان اراضی کو خام لگان میں سے ہر حساب میں جو منہائی دی جاتی ہے ہنر لارڈ شپ کا منشاء اس کو معین کر دینے کا ہے اور مناسب شرح کچھ ہی ہو ہنر لارڈ شپ کے حسب خواہش آپ کے غور کرنے کے لئے میں یہ رائے پیش کرتا ہوں کہ خام لگان میں سے جتنی منہائیاں زمینداروں کو دی جاتی ہیں کیا ان کو ایک کر دینا اور ان کی مقدار معین کر دینا ممکن نہیں تاکہ عہدہ داروں کے شخصی اختیار تمیزی پر منہائی دینے کی بجائے جیسا کہ آج تک ہوتا آیا ہے یہ منہائی سب جگہ یکساں ہو جائے "

ان اقتباسات سے ظاہر ہوتا ہے کہ ۱۸۳۱ء میں ہی لارڈ ولیم بنٹنک نے اس جدید بندوبست کے سب اساسی اصول خوب ذہن نشیں کر لیے تھے یعنی طویل المیعاد پٹے جو مالکان اراضی اور پٹہ داروں کے لئے محرک ترقی ہو سکتے تھے اور ایک واجبی مطالبۂ حکومت جس سے زمین کے منافع کا کچھ حصہ ان کے لئے بچتا تھا۔

ایک اور معاملہ میں جس پر گورنر جنرل نے توجہ مبذول کی وہ شمالی ہند میں ملت دیہی کو محفوظ رکھنا تھا۔ سر چارلس مٹکاف گورنر جنرل کی کونسل کے رکن وقت نے جس نے بعد میں گورنر جنرل ہند کی حکومت عارضی طور پر انجام بھی دی تھی اپنے ۱۸۳۰ء کے مشہور مراسلہ میں جس کا اکثر حوالہ دیا جاتا ہے اس بات کی پر زور تائید کی ہے۔

"ملت دیہی چھوٹی جمہوریہ ہیں جن میں ان کے مایحتاج کا سب سامان موجود تھا اور باہر سے تعلقات پیدا کرنے کی انھیں حاجت ہی نہ تھی جہاں کسی چیز کو ثبات نہ تھا وہاں ان کا وجود قائم ہے۔ شاہی خاندان پر شاہی خاندان تہ و بالا ہو گئے۔ انقلاب پر انقلاب رونما ہوئے ملک کے مالک پہلے ہندو تھے پھر پٹھان ہوئے۔ مغل گئے تو مرہٹے آئے اور سکھوں کے بعد اب انگریز ہیں۔ مگر ملت دیہی ایک ہی حالت پر ہیں۔ فتنہ و فساد کے

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

زمانے میں یہ اپنے اسلحہ آپ فراہم اور اپنی مورچہ بندی آپ کر لیتے ہیں جب کسی غنیم کی فوج ان کے علاقے کے حدود میں سے گزرتی ہے۔ ملت دیہی اپنے مویشی کو گانوں کی چار دیواری میں جمع کر لیتے ہیں اور غنیم کو بلا مزاحمت گزر جانے دیتے ہیں۔ اگر تباہی اور غارتگری ان کا رخ کرتی ہے اور زور و ظلم نا قابل مقابلہ ہوتا ہے تو یہ دور کے کسی گانوں کو فرار ہو جاتے ہیں لیکن جب ہنگامہ فرو ہو جاتا ہے تو اپنے اپنے گھروں کو واپس آکر اپنے اپنے کاموں میں لگ جاتے ہیں۔ اگر دیہات کئی سال تک یوں ہی قتل و غارت کے منظر بنے رہیں کہ لوگ وہاں آکر نہ رہ سکیں تو جب کبھی امن و چین کے ساتھ ان کو اپنے مقبوضات واپس ملنے کا زمانہ آتا ہے تو یہ گانوں والے جو جگہ جگہ پھیلے ہوئے تھے سب اپنے گھروں کو لوٹ آتے ہیں اگر ایک پشت بھی یونہی گزر جائے تو دوسری پشت ضرور واپس آئے گی۔ اخلاف آبائی جگہ لیں گے۔ بستیاں جہاں تھیں وہیں ہوں گی۔ مکانات بھی جہاں پہلے تھے وہیں بنیں گے وہی پہلی زمینیں ان کے زیر قبضہ ہوں گی۔ اور ان سب پر انہی لوگوں کی اولاد قابض ہو گی جو گانوں کے اجڑنے پر بے گھر ہو گئے تھے۔ کوئی معمولی واقعہ ان کو گانوں سے نکال نہیں سکتا تھا کیوں کہ اکثر بلوے اور ہنگامے کے زمانے میں بھی ان کے قدم جمے رہتے تھے ان میں اتنی طاقت موجود تھی کہ ظلم اور غارتگری کی مدافعت کر سکیں اور اس میں کامیاب رہیں۔

"ان تمام تغیرات و انقلابات میں جو وقتاً فوقتاً ہندوستان پر نازل ہوتے رہے میرا خیال یہ ہے کہ ہندوستان کے لوگوں کی بقا میں سب اسباب و علل سے بڑھکر ان ملل دیہی کا حصہ ہے جو ہر ایک گویا علیحدہ علیحدہ ایک مملکت کے برابر ہے اور زیادہ تر انھیں سے لوگوں کو سکھ چین بھی نصیب ہے اور آزادی و خود مختاری بھی میری تمنا یہی ہے کہ دستور دیہی میں کبھی کوئی خلل نہ پڑے اور جو بات ان کو درہم برہم کرنے والی پیدا ہوتی ہے اس سے مجھے بھی اندیشہ رہتا ہے۔ مجھ کو یہ بھی خدشہ ہے کہ ملل دیہی کے نمایندہ سے جو ان کا چودھری ہے بند و بست مالگزاری نہ کر کے ہر کاشتکار سے

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

علیحدہ علیحدہ بندوبست کرنا جیسے رعیت واری بندوبست میں عمل ہے کہیں ملت دیہی کی تباہی کا باعث نہ بن جائے۔ اسی لئے اور محض اس وجہ سے مجھے منظور نہیں ہے کہ ممالک مغربی میں عام طور پر رعیت واری بندوبست کی ترویج ہو۔"

بمبئی اور مدراس میں ملت دیہی کے باقی نہ رہنے کی صحیح وجہ سر چارلس مٹکاف کے خیال میں رعیت واری نظام کی ترویج تھی۔ جب ہر کاشتکار سے بندوبست علیحدہ علیحدہ کیا جائے تو ملت دیہی کے وجود کی اصل غائت باقی نہیں رہتی ملت دیہی کو ان کے حقیقی فرائض سے محروم کرنے کے بعد منرو اور الفنسٹن نے ان کو زندہ رکھنے کی کوشش کی مگر اس میں اُن کو ناکامیابی ہوئی۔ شمالی ہند میں بھی انہیں وجوہ سے گزشتہ ستر سال کے زمانہ میں تمام ملل دیہی ایک ایک کرکے مفقود ہو گئیں۔ انگریزوں کی حکومت نے مغربی خیالات کی تقلید میں محصول اراضی کی پوری ذمہ داری خاص خاص آدمیوں مثلاً زمینداروں اور چودھریوں پر عائد کرنے کی کوشش کی حتی کہ محصول ادا کرنے کے ذمہ دار اور مالک اراضی یہی لوگ بن گئے اور ملل دیہی پر زوال آگیا۔ مغربی ادارات کے زیر اثر حکومت نے تمام عدالتی اور عاملانہ اختیارات اپنے ہی عہدہ داروں کے قبضے میں دیکر ان کو مرکزی بنا دینا چاہا جس سے ملت دیہی کے قدیم اختیارات چھن گئے یا کمزور ہو گئے حتی کہ ان درختوں کی طرح گر گئے جن کی جڑیں کٹ گئی ہوں۔ حکومت خود اختیاری کی اس قدیم تشکیل کو محفوظ رکھنے کی نہایت سچی خواہش رکھنے کے باوجود جس کو منرو الفنسٹن اور مٹکاف نے بھی محسوس کیا تھا اور نہایت فصاحت و بلاغت کے ساتھ بیان کیا تھا انگریزی حکومت حصول مقصد میں اس لئے ناکام رہی کہ اس نے ان چھوٹی چھوٹی جمہوریہ سے حکومت خود اختیاری کے سب اختیارات چھین لئے اور اپنی دیوانی عدالتوں اور عاملانہ عہدہ داروں کے تفویض کرکے ان اختیارات کو مرکزی بنا دیا۔ اور لوگوں کے قدیم ادارات پر کوئی حقیقی اعتماد نہیں کیا۔ انگریزوں کے راج کا سب سے زیادہ افسوسناک نتیجہ یہ نکلا کہ نظام دیہی کی حکومت خود اختیاری جس کی ابتدا روئے زمین کے دوسرے ملکوں کے مقابل سب سے پہلے

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

ہندوستان میں ہوئی تھی اور سب جگہ سے زیادہ مدت تک قایم رہی تھی وہی مٹ گئی۔

لارڈ ولیم بنٹنک نے اپنے ارکان کونسل اور مجلس مالگزاری اور نظمائے کمپنی سے مشورہ کرنے کے بعد اپنی تجاویز کو مکمل کر دیا تھا۔ ۱۸۳۳ء میں بنٹنک نے عہدہ داروں کی ایک کانفرنس الہ آباد میں منعقد کی جس کی بالذات اُس نے صدارت کی۔ اس کانفرنس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ۱۸۳۳ء کا دستورالعمل ۹ منظور و نافذ ہوا۔ اور اسی پر شمالی ہند کے بندوبست مالگزاری کی بنیاد قائم ہے۔ اس دستورالعمل کے رو سے اکثر عدالتی مقدمات محکمہ بندوبست سے اور جگہ منتقل کر دیئے گئے۔ پیداوار اور لگان کے تخمینے کو آسان بنادیا گیا۔ اور مختلف الاقسام مٹی کے اوسط لگان کا نظام پہلی دفعہ قائم کیا گیا یہ پہلا مرتبہ تھا کہ کھیتوں کے نقشوں اور کھیتوں کے چیٹھوں کا استعمال عام طور پر لازمی قرار دیا گیا۔ حکومت کا مطالبہ گھٹا کر عام لگان کا دوثلث کر دیا گیا۔ اور جس بندوبست کے کرنے میں ۱۸۳۳ء سے ۱۸۴۹ء تک سولہ سال صرف ہوئے تھے اسکی میعاد تیس سالہ کر دی گئی۔

اس قدر بڑے پیمانے پر بندوبست کرنے کا انتظام ایک ایسے شخص کے ذمے ہوا جس میں اس کام کے سرانجام کی خاص صلاحیت تھی۔ اس شخص کا نام رابرٹ مارٹنس برڈ تھا اور یہی شخص شمالی ہند کے بندوبست مالگزاری کا بانی ہے برڈ ابتدا میں ایک عدالتی عہدہ دار تھا اور عدالتی کام میں اتنا تجربہ اس نے پیدا کیا تھا کہ مالگزاری کے ایک بڑے منتظم کا رہونیکی قابلیت بھی اس میں پیدا ہو گئی تھی۔

برڈ نے ۱۸۴۲ء میں یہ لکھا ہے کہ: "جو تدابیر اب اختیار کی گئی ہیں ان میں کی اکثر و بیشتر سالہا سال گزرے کہ میں نے محض عدالتی نقطۂ نظر سے اس وقت سوچی اور غور و فکر سے نکالی تھیں جب میں ایک عدالتی عہدہ دار تھا اور سررشتہ مالگزاری میں خدمات انجام دینے کی مجھ کو توقع ہی نہ تھی۔"

"ایک عدالتی عہدہ دار کو سرکاری سہولتیں ایسی حاصل نہیں ہیں کہ وہ عام مفاد کے منصوبوں پر عمل کر کے دیکھے۔ اس لئے ضلع گورکھپور کا بندوبست

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

کرنے کے لئے کمشنر مالگزاری نے جب میرے تقرر کی تجویز پیش کی تو اس کو میں نے نہایت خوشی سے قبول کر لیا۔ اس سے میرے مقاصد کو پورا کرنے کا اور خیالات کے صحیح اور عملی ہونے کی آزمائش کا ذریعہ میرے ہاتھ آگیا۔

"مجھ کو یہ شک کرنے کی کوئی وجہ نہ تھی کہ زمین پر ایک واجبی محصول مالگزاری کا تعین کرنے کے ساتھ ہی ساتھ ملت وہی کی مقدار و نوعیت کاشت اور خانگی حقوق بھی معلوم کر لئے جا سکتے ہیں ایسے بیانیے مرتب اور اصول معین کئے جا سکتے ہیں اور ایسے عمدہ طریقے زیر عمل لائے جا سکتے ہیں کہ ان سے ساری خرابیوں کا استیصال ہو جائے ورنہ ان خرابیوں نے تو ملکیت اراضی اور زرعی فلاح و بہبود میں زہریلے کیڑوں کی طرح گھر کر لیا ہے۔

"ان اصول پر میں نے گورکھپور میں کام شروع کر دیا۔ لارڈ ولیم بنٹنک اس کے بعد کے سال اس ضلع میں جب تشریف لائے تھے تو میرے منصوبوں پر انھوں نے خوب تبادلہ خیالات کیا اور ان کے حسب الحکم میں نے اس مضمون پر ان کے ساتھ مراسلت جاری رکھی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ سنہ ۱۳۳۲ء میں لارڈ صاحب نے ایک ایسی خدمت پر میرا تقرر فرمایا جس کے ذمے شمال مغربی ممالک کے بندوبست کی ساری نگرانی اور کل انتظام تھا۔

"میرے خیال میں بہ حیثیت مجموعی یہ سمجھنے کی معقول وجہ ہے کہ زمین پر ایک معتدل اور مساوی اور واجبی مطالبہ جو اجتماع املاک اور زرعی سرسبزی و شادابی میں کسی قسم کی مداخلت کے بغیر وصول ہونا چاہئے اور ہو سکتا ہے۔ عام طور پر مقرر کر دیا گیا ہے۔"

شمالی ہند کے مختلف ضلعوں اور ڈویژنوں کے سوانح بندوبست کا اول سے آخر تک بیان کرنا اس کتاب میں غیر ضروری ہے۔ لیکن اس طرح محصول لگانے کا نتیجہ ذیل کے نقشے کے اعداد سے جو بورڈ کی رپورٹ کا ضمیمہ ہے ناظرین ملاحظہ فرما سکتے ہیں:-

ڈویژن اور ضلع کا نام	جملہ رقبہ ایکر زمین	مزروعہ رقبہ ایکر میں	کاشت کی زمین پر سرکاری شرح مالگزاری بحساب فی ایکر۔		
			روپے	آنے	پائی
پرگنہ دہلی ضلع ہریانہ	۱۶۵۷۹۷۵	۶۹۶۱۴۷	-	۱۴	۴

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

ڈویژن اور ضلع کا نام	جملہ رقبہ ایکر زمین	مزروعہ رقبہ ایکر زمین	کاشت کی زمین پر سرکاری شرح مالگزاری بحساب فی ایکڑ -		
			روپے	آنے	پائی
پرگنۂ دہلی :-					
ضلع دہلی	۳۶۴۵۳۴	۱۷۴۶۰۵	عال	۱ر	۳ہر
" رہتک	۸۴۴۶۶۶	۴۷۴۴۶۵	عمہ	۵ر	۲ہر
" گرگاوں	۱۱۶۰۴۳۷	۶۴۷۳۵۳	عمہ	۹ر	
پرگنۂ میرٹھ :-					
ضلع سہارنپور	۱۰۱۸۷۰۵	۶۰۶۸۴۷	عمہ	۱۰ر	۶ہر
" مظفرنگر	۶۹۱۷۰۶	۳۹۲۳۷۷	عمہ	۱۱ر	۲ہر
" میرٹھ	۱۷۷۶۴۳۰	۱۰۳۴۰۱۶	عال	۱ر	۹ہر
" بلندشہر	۱۰۲۵۰۹۶	۵۹۲۶۳۰	عمہ	۹ر	۸ہر
" علیگڈھ	۱۱۱۹۲۳۸	۹۰۰۵۶۲	عمہ	۴ر	۰
پرگنۂ روہیلکھنڈ					
ضلع بجنور	۱۰۲۷۵۳۳	۴۵۹۴۰۹	عال	۲ر	۱۰ہر
" مراد آباد	۰	۰	۰	۰	۰
" بدایون	۱۴۵۰۴۱۸	۷۵۲۱۰۳	عمہ	۷ر	۶ہر
" پیلی بھیت	۰	۰	عال	۰	۱ہر
" بریلی	۱۱۱۶۱۷۴	۶۳۹۵۷۹	عمہ	۱۵ر	۷ہر
" شاہجہاں پور	۱۳۰۹۲۱۱	۶۵۱۵۴۹	عمہ	۹ر	۰
پرگنۂ آگرہ :-					
ضلع متھرا	۰	۰	۰	۰	۰
" آگرہ	۹۳۵۸۱۵	۶۴۶۸۱۸	عال	۲ر	۵ہر
" فرخ آباد	۱۲۴۷۲۸۸	۶۱۴۲۵۳	عال	۶ر	۰
" میں پوری	۱۲۸۰۹۲۷	۶۱۳۴۲۲	عال	۴ر	۰
" اٹاوہ	۱۰۷۱۷۵۶	۴۷۷۹۰۱	عال	۱۱ر	۱۰ہر

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

ڈویژن اور ضلع کا نام	جملہ رقبہ ایکڑ میں	مزروعہ رقبہ ایکڑ میں	کاشت کی زمین پر سرکاری شرح مالگزاری بحساب فی ایکڑ۔		
			روپے	آنے	پائی
پرگنۂ الہ آباد:-					
ضلع کانپور	۱۴۹۷۷۹۵	۷۸۲۲۷۶	عال	ار	۳ہر
〃 فتح پور	۹۹۰۵۸۴	۵۰۶۹۰۵	عال	۱۲ار	۹سر
〃 الہ آباد	۱۷۹۰۸۴۴	۹۹۷۵۰۸	عال	۲ر	۶سر
پرگنۂ بنارس:-					
ضلع گورکھ پور	۴۱۱۵۲۱۴	۱۹۲۷۲۳۴	عصر	ار	۳ہر
〃 عظیم گڈھ	۱۶۵۲۲۹۳	۷۷۳۶۱۶	عصر	۵ار	۴ہر

رابرٹ برڈ کی ہندوستان کے روانگی کی تاریخ تک اس کی کارگذاری کے عام نتائج یہی تھے جو اوپر مندرج ہیں اس کے دس سال کے بعد جب دارالعوام کی کمیٹی منتخبہ کے سامنے برڈ کی شہادت لی گئی تو اس نے صاف اور واضح طور پر وہ طریق کارروائی بیان کیا جس کی ہندوستان میں اس نے پابندی کی تھی۔ "سب سے پہلے ہیں نے جملہ اراضی کی پیمائش شروع کی۔۔۔۔ دوسرا کام نقشہ مرتب کرنا تھا جس میں ہر کھیت اس طریقہ پر آجائے جیسے انگلستان کے تعین وہ یکی کے نقشہ ہیں ہے۔۔۔۔۔ اس کے بعد کسی تعلیم یافتہ عہدہ دار سے حدود قایم کردہ کی پیمائش کرائی جاتی تھی جس سے مزروعہ اور غیر مزروعہ زمین اور قصبے کی اصل ہیئت جیسی ایک باقاعدہ پیمائش کے بعد ہوتی ہے معلوم ہو سکے اس کے بعد اس خطے کی زمینوں پر سرکاری محصول اراضی کی مقدار کیا ہوتی تھی اس کی تحقیقات کی جاتی تھی جب ہیں یہ معلوم ہو جاتا تھا کہ محصول اراضی کی مقدار کیا تھی اس وقت ہم اس خطے کی تمام آراضی پر محصول سرکار مقرر کر دیتے تھے اور ہر قصبے سے کیا محصول وصول ہونا چاہیئے اس کا بھی تعین کر دیتے تھے۔ پھر رعایا کلکٹر کے سامنے پیش ہوتی تھی۔ اور جیساکہ ہندوستان میں کاروبار کرنے کا ہمارا طریقہ ہے یہ لوگ عموماً کسی درخت کے سایہ میں یا ایک کھلے کھیت میں جمع ہوتے تھے۔

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

اکثر لوگوں کی طرف سے اعتراضات بھی ہوتے تھے۔ مثلاً لوگ کہتے تھے کہ "یہ محصول بہت زیادہ ہے ہمارا گانوں اس قدر نہیں دے سکتا کیونکہ ہمارا گانوں متمول نہیں"

اس پر ان لوگوں سے کہا جاتا تھا کہ ہمارا ارادہ اس تمام خطے سے اس قدر مالگزاری وصول کرنا ہے اور اس خاص گانوں کے متعلق کوئی اعتراض ہے تو وہ بتائیں کہ دوسرا کونسا گانوں اور زیادہ دے سکتا ہے یہ سنکر وہ آپس میں اس معاملہ پر بحث کرنے لگتے تھے ...... تمام خطے پر بعینہ وہی محصول ہمیشہ برقرار نہیں رکھا جاتا تھا۔ اور نہ یہ ہمارا مقصد تھا۔ اگر کوئی وجہ پائی جاتی تھی تو ہم اس میں تخفیف کرنے کو بھی آمادہ تھے۔ لیکن یکمشت اتنی رقم طلب کرنے کا مقصد یہ تھا کہ ان لوگوں کو اپنے معاملات کے جانچ لینے کی ترغیب ہو اور وہ ایسی کمی و بیشی آپس ہی میں کر لیں جو ان کے باعث اطمینان ہو"

یہ طریق کار جس کو خود رابرٹ برڈ نے بیان کیا ہے کچھ ایسا مکمل نہ تھا لیکن بمبئی کے طریقے سے بہتر تھا۔ کیونکہ گولڈ فنچ کے بیان کے موافق بمبئی میں ایک دفعہ زر مالگزاری سرکار کے مقرر کر دینے کے بعد کاشتکار کو اس کے سوا کچھ چارہ نہ تھا کہ یا تو وہ اس زمین پر قبضہ قبول کر لے یا اس سے بالکل دست بردار ہو جائے۔

رابرٹ برڈ سے جب یہ پوچھا گیا کہ پیداوار اراضی پر اس نے کس تناسب کے ساتھ سرکاری مالگزاری کا تعین کیا تھا تو اس نے یہ جواب دیا کہ: "میرا عام خیال یہ ہے کہ مالگزاری پیداوار کے دسویں حصہ سے بڑھکر نہ تھی" اور اس نے یہ بھی کہا کہ :- "مدراس اور دوسرے مقامات میں یہ بات اب مشہور ہو گئی ہے کہ غلطی سے مالگزاری ابتدا ہی میں حد سے زیادہ مقرر کر دی گئی جس سے رعایا میں افلاس پھیل رہا ہے"

رابرٹ برڈ کے بندوبست کا تفصیلی بیان دوسری کتاب میں کیا جائیگا جس کا نام "ہندوستان عہد وکٹوریہ میں" ہے موجودہ باب میں شمالی ہند کی سرگزشت مالگزاری پوری کر دینے کے لئے ہم تھوڑا اور بیان کر دیتے ہیں۔

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

جب رابرٹ مارٹن برڈ ہندوستان سے روانہ ہوا تو وہ کام جس کی ابتدا اسی نے کی تھی اور جس کو قریب قریب وہ ختم کر چکا تھا۔ اس کے لایق قایم مقام کے زیر انتظام و نگرانی کر دیا گیا۔ جیمس ٹامسن شمالی مغربی ممالک کا ۱۸۴۳ء سے ۱۸۵۳ء تک لفٹننٹ گورنر تھا اور اس سے زیادہ رحم دل اور فیاض منش انگریز ہندوستان میں آیا ہی نہیں۔ "عہدہ داران بندوبست کے لئے ہدایات" کے نام سے اس نے چند قواعد ۱۸۴۴ء میں ترتیب دیئے تھے اور یہ قوانین بندوبست کا پہلا مجموعہ تھا جو ہندوستان میں مرتب ہوا۔ یہ قواعد ان قواعد کے ساتھ جن کا نام "کلکٹروں کے لئے ہدایات" تھا پانچ سال کے بعد "عہدہ داران مالگذاری کے لئے ہدایات" کے نام سے شایع کئے گئے اور کئی سال تک امور سرکاری کا معیار رہے شمالی ہند کے نظام اراضی کے اساسی اصول ان "ہدایات" کے دیباچہ میں بیان کئے گئے ہیں۔

"اول۔ ملک کا تمام آباد حصہ کئی حصول پر منقسم ہے جس کے حدود مقرر ہیں ان حصول کو "محال" کہا جاتا ہے ان محال میں سے ہر ایک پر بیس یا تیس سال کی میعاد تک ایک رقم اس حساب سے مقرر کر دی جاتی ہے کہ زمین کی خالص پیداوار کے علاوہ منافع کی فاضلات بھی ایک واجبی مقدار میں رعایا کے لئے چھوڑ دی جائے۔ اور اس رقم کے بروقت ادا کرنے کے لئے زمین سرکار کے پاس دواماً مکفول سمجھی جاتی ہے۔

"دوم۔ کون کون اشخاص منافع کی فاضلات لینے کے مستحق ہیں اس کا تعین کیا جاتا ہے۔ استحقاق کا اس طرح تعین کرنے کے بعد یہ حق قابل ارث اور قابل انتقال قرار دیا جاتا ہے اور جن کو یہ استحقاق ہوتا ہے وہ مالک زمین سمجھے جاتے ہیں اور محال پہ سرکار جو رقم مشخص کرتی ہے وہ انہی سے سالانہ وصول کی جاتی ہے۔

"سوم۔ محال پر سرکار جو رقم مشخص کر دیتی تھی اس کی ادائی کے لئے مجتمعاً اور منفرداً تمام مالکان محال کی ذات اور املاک پر اس کی ذمہ داری عائد ہوتی ہے"

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

شمالی ہند میں لارڈ ولیم بنٹنک نے جس اہم کام کی ابتدا کی تھی اس کی تکمیل کے لئے دس سال تک ٹامس نے عرق ریزی کی اور اگر بنٹنک کے رفیق کار ایسے ممتاز اور قابل اشخاص تھے جیسے مٹکاف ۔ ڈ بولبین اور مکالے تو ٹامس نے بھی اپنے تحت ان سے کم قابل و ممتاز منتظمین سلطنت تیار نہیں کئے تھے مثلاً جان لارنس رابرٹ منٹگمری اور ولیم میور ۔ جیسا لارڈ ولیم بنٹنک کے دل میں رعایا کی مفاد کے کام کرنے کا ولولہ تھا اسی طرح ان لوگوں کو بھی شوق تھا مگر افسوس ہے کہ اس صدی کے آخر دس سال میں یہ جوش و خروش نظر نہیں آتا ۔ ٹامسن کی دہ سالہ خدمات کا انگلستان میں اعتراف کیا گیا اور ۲۷ ستمبر ۱۸۵۳ء میں شمالی ہند کے اس دانشمند اور قابل منتظم مملکت کو گورنر مدراس کی اعلیٰ خدمت عطا کرنے کے لئے ملک معظم کے خاص حکم سے ایک فرمان جاری ہوا ۔ مگر یہ صلہ کسی قدر بعد از وقت ملا ۔ کیونکہ اسی روز یعنی ستمبر ۱۸۵۳ء کی ۲۷ تاریخ جیمس ٹامسن نے اسی ملک میں وفات پائی جہاں اس نے اپنی زندگی کا بہترین حصہ رعایا کی خدمت میں گزارا تھا ۔

اس کے دو سال بعد سرکاری مطالبے میں تخفیف کرنے کے بارے میں بنٹنک کی عاقلانہ حکمت عملی بالکل درست ثابت ہوئی ۔ خود اس نے اس مطالبہ کو گھٹا کر لگان کا دو ثلث کر دیا تھا لیکن عملی طور پر یہ بھی موجب سختی اور نا قابل عمل تھا لارڈ ڈلہوزی کے عہد حکومت میں ۱۸۵۵ء کے مشہور " قواعد سہارنپور " کی رو سے یہ تصفیہ کر دیا گیا کہ سرکاری مطالبہ آمدنی مالگزاری کے ایک ثلث سے زیادہ نہیں ہونا چاہئے ۔

" کسی جائداد کا اثاثہ تفصیلی طور پر بہت کم معلوم کیا جا سکتا ہے لیکن اوسط خالص اثاثے کے متعلق فی زمانہ زمانۂ سابق سے نسبتاً زیادہ معلومات حاصل ہو سکتے ہیں ۔ اس بنا پر حد سے زیادہ محصول لگا دیا جا سکتا ہے کیونکہ اس میں کچھ شک نہیں کہ حقیقی اوسط اثاثے کا دو ثلث یا ۶۶ فی صد اس سے بھی بڑا حصہ تناسبہ ہے جو معمولاً کوئی مالک یا ملت ایک طویل میعاد تک ادا کر سکتی ہے ۔ اسی وجہ سے حکومت نے " عہدہ داران بندوبست کے لئے

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

ہدایات'' کے نام سے جو قواعد موسوم ہیں ان کے فقرۂ (۵۲) کی اس طرح ترمیم کرنے کا تصفیہ کر دیا ہے کہ سرکاری مطالبہ اوسط خالص اثاثے کے ۵۰ فی صدی سے نہ بڑھنے پائے۔ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ہر جائداد کی جمع خالص اوسط اثاثے کی نصف مقرر کر دی جائے بلکہ دوسرے مواد کے ساتھ اس اثاثے پر غور کرتے وقت کلکٹر کو یہ ملحوظ خاطر رکھنا چاہئے کہ خالص اثاثے کے دو ثلث کی بجائے جیسا اب تک عمل تھا صرف تقریباً نصف تک سرکاری مطالبہ ہونا چاہئے۔ کلکٹروں کو چاہئے کہ وہ ان قواعد کے فقرات (۴۷) اور (۵۱) میں جو تنبیہات درج ہیں ان کو پیش نظر رکھیں اور جائداد زیر بندوبست اوسط خالص اثاثہ بلا کم و کاست معلوم کرنے کی بے سود کوششوں میں اپنا وقت رائگاں نہ کریں''۔

اس طرح نصف صدی تک مسلسل سخت غلطی میں پڑے رہنے کے بعد آخر کار حکومت نے اپنے مطالبے کو نصف لگان تک ہی محدود رکھنے کا تصفیہ کیا۔ ہندوستان میں جہاں مالگزاری کا دوامی تعین نہیں ہوا ہے اسی اصول کی اب ہر جگہ پابندی کی جاتی ہے۔ مدراس اور بمبئی میں سر چارلس وڈ کے ۱۸۶۴ء کے مجریہ مراسلے کی رو سے محصول اراضی معاشی لگان کا نصف مقرر ہے شمالی ہند میں ۱۸۵۵ء کے "قواعد سہارنپور" کی رو سے آمدنی مالگزاری کا نصف مقرر کر دیا گیا ہے اگر ایمانداری کے ساتھ بعینہٖ اس اصول کی پابندی کی جائے تو ہندوستان میں اچھی حکومت کے قیام کے لئے یقیناً یہ مفید مطلب ثابت ہوگا۔

لیکن ایسے نظام حکومت کا جس میں "مالگزاری کے جمع کرنے والے (کلکٹر) ہی مالگزاری کی حکمت عملی حکومت کا ہاتھ پکڑ کے لکھواتے ہیں اور رعایا بالکل بے زبان ہے ناگزیر نتیجہ یہ ہے کہ ایسے صاف و صریح قواعد کے بھی (جن کی غلط فہمی کا کوئی امکان ہی نہیں) الفاظ پر زور ڈال ڈال کر غلط معنی نکالے جاتے ہیں یا ان کو لیت و لعل میں ڈال دیا جاتا ہے بمبئی اور مدراس میں یہ کس ڈھنگ سے کیا گیا تھا اس کا اور جگہ بیان ہو چکا ہے شمالی ہند میں یہ کس طرح کیا گیا اس کے معلوم کرنے سے افسوس

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

ہوتا ہے۔ لارڈ کیننگ نے تمام ہندوستان میں مالگزاری کا دوامی بندوبست کرنے کی ۱۸۶۲ء میں تجویز پیش کی تھی جس کی تائید لارڈ لارنس، سر چارلس ووڈ، اور سر اسٹیفورڈ نارتھ کوٹ نے کی لیکن ۱۸۸۳ء میں اس تجویز کو رد کر دیا گیا۔ خود "قواعد سہارنپور" بھی جن کی پابندی کلکٹران مالگزاری پر لازم تھی عملاً نظر انداز کر دئے گئے۔ "قواعد سہارنپور" کے مضمون و معنی سمجھنے میں غلطی نہیں کیجا سکتی تھی چنانچہ ایک قاعدہ اوپر بیان کیا گیا ہے جس کی رو سے حکومت کا مطالبہ "اوسط خالص اثاثے" اور حقیقی اوسط اثاثے" کے نصف حصے تک محدود کر دیا گیا تھا لیکن بعد کے بندوبست میں حکومت نے اس کے یہ معنی نکالے کہ اس سے جائداد کی "آئندہ کی اور امکانی" آمدنی مالگزاری کا نصف حصہ مقصود ہے مثلاً اگر کسی جائداد کی آمدنی" مالگزاری سالانہ ۱۲۰۰ پونڈ ہو تو حکومت ۶۵۰ پونڈ مالگزاری کی حقدار تھی۔ لیکن اس استدلال پر کہ آئندہ لگان بڑھ کر ۱۳۰۰ پونڈ یا ۱۴۰۰ پونڈ ہو جانا ممکن ہے ۷۰۰ پونڈ کا ابھی سے مطالبہ کیا جا سکتا ہے۔ اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ محصول آراضی اب بھی اصولاً لگان کا کم سے کم نصف ہی ہے مگر تعلیمات ڈاک خانہ وغیرہ کے لئے متعدد جدید محصول لگائے گئے ہیں جن کا تعین لگان پر سے کیا جاتا ہے اس سے پیداوار آراضی کے حصۂ سرکار میں اور اضافہ ہو جاتا ہے ناظرین خود انصاف فرمائیں کہ کیا یہ ہندوستان کے لوگوں کے ساتھ منافقانہ برتاؤ نہیں کہ ادھر تو ان سے وعدے کئے جائیں اور ادھر وعدہ خلافی کر کے ان کی سب امیدوں کا خون کیا جائے؟

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

تیئسواں باب

مالیات اور معاشی بدررو (۱۷۹۳ء-۱۸۳۷ء)

۱۸۳۳ء میں ایسٹ انڈیا کمپنی کے منشور کی تجدید اپریل ۱۸۳۴ء سے اور بیس سال تک کی گئی اس قانون کی رو سے جو کچھ انتظامات مالیہ عمل میں آئے وہ سب خاص طور پر قابل توجہ ہونے کی وجہ سے اس باب میں بیان کئے جاتے ہیں۔ ایسٹ انڈیا کمپنی پر یہ شرط عاید کی گئی تھی کہ وہ اپنا تمام تجارتی کاروبار موقوف کردے اور ہر قسم کی تجارت سے بالکل محترز رہے آیندہ اس کی حیثیت "ہندوستان کے محض ایک منتظم مملکت اور حکمراں" کی سی رہے گی۔ یہ حکم بھی نافذ کیا گیا تھا کہ کمپنی کے ملکی قرضے اور دوسرے سب قرضے کی ذمہ واری ہندوستان کی" مذکورہ عملداریوں کے محاصل پر عاید ہوگی اور عاید ہونی چاہئیے"۔ یہ بھی تصفیہ کر دیا گیا تھا کہ ہندوستان کے محاصل سے کمپنی کو اس کے اصل سرمایے پر ہر سال دس پونڈ دس شلنگ کی شرح پر سالانہ مقسوم ادا ہونا چاہئیے یہ بھی حکم صادر کیا گیا تھا کہ "کمپنی کا مقسوم مشروط ہوگا۔ اور ۱۸۷۴ء کے بعد کمپنی کو سو پونڈ اصل سرمایہ کے معاوضہ میں

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

دوسو پونڈ انگلشیہ دینے پر پارلیمنٹ کو اس مقسوم کی حد تک حق انفکاک حاصل رہیگا۔" آخر میں یہ حکم دیا گیا تھا کہ اگر ۱۸۵۴ء کے بعد کمپنی معرض وجود میں نہ رہے یا بحکم پارلیمنٹ ہندوستان کو زیر قبضہ وزیر حکومت رکھنے سے محروم کردی جائے تو کمپنی کو اندرون سال انفکاک مقسوم کا حق ہوگا جس کا وہ مطالبہ کرسکتی ہے اور" ایسے مطالبے سے تین سال کے اندر اندر مذکور الصدر شرح پر مذکورہ مقسوم کے انفکاک کی گنجایش پیدا کردی جائے گی۔"

ان انتظامات کی مزید شرح غیر ضروری ہے۔ برطانوی قوم نے دنیا کے دیگر ممالک میں اپنی حکومت قایم کرنے کے لئے اپنے لکھو کھا روپے صرف کئے تھے لیکن ہندوستان میں ہندوستان کے لوگوں ہی کے خرچ سے ایک شاہنشہی اپنے زیر نگین لے لی جنگ وجدال بھی ہوئی۔ نظم ونسق بھی جاری رہا اور ان مصارف میں برطانوی قوم کا ایک حبہ نہ تھا اس تجارتی کمپنی کے ہاتھ ایک شاہنشہی آگئی اور اسی شاہنشہی کے محاصل سے کمپنی دوپشت تک اپنا مقسوم اور منافع نکال لیتی تھی ۱۸۳۴ء میں جب کمپنی کی تجارت بند کردی گئی تو حکم یہ دیا گیا کہ ہندوستان کے لوگوں پر جو محصول تھے ان کی آمدنی سے ہمیشہ کمپنی کو اس کے سرمایہ پر مقسوم ادا ہونا چاہئے جب آخر کار ۱۸۵۸ء میں کمپنی کا وجود ہی باقی نہ رہا تو اس کا سرمایہ رقم قرض لیکر ادا کردیا گیا۔ اور یہی قرضہ "ہندوستانی قرضے" کی بنیاد ہے اس طرح کمپنی سے تاج برطانیہ پر ایک شاہنشہی کے حقوق حکمرانی منتقل ہوئے لیکن ہندوستان کی رعایا نے ہی اس کا زرخرید ادا کیا اور آج تک بھی یہی رعایا سود کی شکل میں سرکاری قرضے پر نہیں بلکہ دراصل ایک غیر موجود کمپنی کے سرمایے پر مقسوم ادا کررہی ہے۔ ہندوستان کے ۱۷۹۲ء سے ملکہ وکٹوریہ کے سال جلوس تک کمپنی کے ہر سال کے اعداد جمع وخرچ ناظرین کی آگاہی کے لئے ذیل میں پیش کئے جاتے ہیں

	مالگزاری	جمع خام	خرچ خام
بنگال ۱۷۹۲-۹۳	پونڈ ۳۰۹۱۶۱۶	پونڈ ۵۵۱۲۷۶۱	پونڈ ۳۸۷۳۸۵۹

	مالگزاری	جمع خام	خروج خام
	پونڈ	پونڈ	پونڈ
۹۳-۱۷۹۲ بنگال	۳۰۹۱۶۱۶	۵۵۱۲۷۶۱	۳۸۷۳۸۵۹
مدراس	۷۴۲۷۶۰	۲۴۷۶۳۱۲	۲۲۲۲۸۷۸
بمبئی	۷۹۰۲۵	۲۳۶۵۵۵	۸۴۴۰۹۶
جملہ	۳۹۱۳۴۰۱	۸۲۲۵۶۲۸	۶۹۴۰۸۳۳
۹۴-۱۷۹۳			
بنگال	۳۱۷۷۰۲۸	۵۸۷۱۹۴۵	۳۷۱۴۱۶۰
مدراس	۷۸۹۰۵۰	۲۱۱۰۰۸۹	۱۹۷۲۲۲۴
بمبئی	۸۲۰۵۰	۲۹۴۷۳۶	۹۰۶۷۴۵
جملہ	۴۰۴۸۱۲۸	۸۲۷۶۷۷۰	۶۵۹۳۱۲۹
۹۵-۱۷۹۴			
بنگال	۳۲۳۵۲۵۹	۵۹۳۷۹۳۱	۴۸۶۳۵۶۶
مدراس	۸۹۱۶۴۰	۱۷۷۵۷۸۴	۱۸۸۰۳۴۲
بمبئی	۷۰۲۳۸	۳۱۲۴۸۰	۸۲۳۹۱۰
جملہ	۴۱۹۷۱۳۷	۸۰۲۶۱۹۳	۶۵۶۷۸۰۸
۹۶-۱۷۹۵			
بنگال	۳۱۳۰۶۹۷	۵۶۹۴۱۹۴	۳۹۸۶۷۴۴
مدراس	۹۲۹۲۰۰	۱۸۹۴۳۰۴	۲۱۱۹۱۹۶
بمبئی	۹۴۰۸۵	۴۷۷۵۹۶	۷۸۳۰۵۷
جملہ	۴۱۲۳۹۸۲	۷۸۶۶۰۹۴	۶۸۸۸۹۹۷

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

	مالگزاری	جمع خام	خرچ خام
	پونڈ	پونڈ	پونڈ
۱۷۹۶-۹۷			
بنگال	۳۱۱۸۵۵۶	۵۷۰۳۹۰۶	۴۱۲۶۶۴۴
مدراس	۹۰۰۵۳۴	۱۹۹۶۳۲۸	۲۴۴۹۰۰۰
بمبئی	۳۹۷۲۴	۳۱۵۹۳۷	۹۳۲۳۹۴
جملہ	۴۰۵۸۸۱۴	۸۰۱۶۱۷۱	۷۵۰۸۰۳۸
۱۷۹۷-۹۸			
بنگال	۳۰۹۷۴۴۴	۵۶۸۲۷۴۱	۴۳۵۱۹۲۶
مدراس	۷۳۲۹۸۳	۱۹۳۸۹۵۰	۲۶۶۵۲۳۲
بمبئی	۳۸۸۷۲	۳۳۸۱۸۹	۹۹۸۱۹۶
جملہ	۳۸۶۹۲۹۸	۸۰۹۵۸۸۰	۸۰۱۵۳۲۷
۱۷۹۸-۹۹			
بنگال	۳۰۷۲۷۴۳	۶۱۵۳۶۱۵	۴۴۱۶۹۵۴
مدراس	۸۵۶۶۶۶	۲۱۲۳۸۳۱	۳۴۴۲۰۹۴
بمبئی	۳۷۰۰۷	۳۷۴۵۸۷	۱۲۸۰۳۱۵
جملہ	۳۹۶۶۴۱۶	۸۶۵۲۰۳۳	۹۱۳۹۳۶۳
۱۷۹۹-۱۸۰۰			
بنگال	۳۲۱۳۲۳۰	۶۴۹۸۴۷۳	۵۰۵۸۶۶۱
مدراس	۸۸۳۵۳۹	۲۸۲۲۵۳۶	۳۳۱۹۵۴۷
بمبئی	۳۱۳۶۴	۴۱۵۶۶۳	۱۵۷۷۱۸۲
جملہ	۴۱۲۸۱۳۳	۹۷۳۶۶۷۲	۹۹۵۵۳۹۰

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

	مالگزاری	جمع خام	خرچ خام
	پونڈ	پونڈ	پونڈ
۱۸۰۰-۱			
بنگال	۳۲۱۸۷۶۶	۶۶۵۸۳۳۴	۵۴۲۰۹۶۶
مدراس	۹۵۷۷۹۹	۳۵۴۰۲۶۸	۴۶۱۴۳۸۷
بمبئی	۴۵۱۳۰	۲۸۶۴۵۷	۱۴۳۲۸۳۲
جملہ	۴۲۲۱۶۹۵	۱۰۴۸۵۰۵۹	۱۱۴۶۸۱۸۵
۱۸۰۱-۲			
بنگال	۳۲۹۶۳۰۳	۷۱۲۷۹۸۸	۵۶۴۷۴۱۵
مدراس	۱۰۹۵۹۷۲	۴۷۲۹۶۰۹	۵۳۴۷۸۰۵
بمبئی	۵۴۵۷۱	۳۰۵۹۹۲	۱۴۱۴۸۲۵
جملہ	۴۴۴۶۸۴۶	۱۲۱۶۳۵۸۹	۱۲۴۱۰۰۴۹
۱۸۰۲-۳			
بنگال	۳۲۹۵۷۶۱	۸۳۸۰۰۸۷	۵۷۹۰۸۵۸
مدراس	۹۳۳۱۹۸	۴۷۲۴۹۰۴	۵۱۱۷۷۶۹
بمبئی	۶۸۰۱۵	۳۵۹۵۴۶	۱۴۱۰۲۵۳
جملہ	۴۲۹۶۸۸۴	۱۳۴۶۴۵۳۷	۱۲۳۲۶۸۸۰
۱۸۰۳-۴			
بنگال	۳۲۵۲۶۲۱	۸۰۶۰۹۹۳	۶۱۹۳۶۳۸
مدراس	۹۲۱۶۴۶	۴۶۵۱۷۴۴	۶۳۰۶۲۸۴
بمبئی	۳۰۵۸۶۱	۵۵۸۶۴۸	۱۸۹۵۸۴۳
جملہ	۴۴۸۰۱۲۸	۱۳۲۷۱۳۸۵	۱۳۴۹۵۴۰۵

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

	مالگزاری	جمع خام	خرچ خام
	پونڈ	پونڈ	پونڈ
۱۸۰۴-۵			
بنگال	۳۲۲۵۴۳۶	۹۹۳۶۷۰۷	۷۴۶۴۲۹۱
مدراس	۹۹۳۸۴۹	۴۸۹۷۱۴۰	۶۳۱۲۶۱۳
بمبئی	۳۸۴۷۴۰	۷۱۵۵۴۸	۲۳۳۸۲۷۹
جملہ	۴۶۰۴۰۲۵	۱۴۹۴۹۳۹۵	۱۶۱۱۵۱۸۳
۱۸۰۵-۶			
بنگال	۳۳۱۱۶۷۳	۹۵۴۲۴۳۰	۸۹۳۱۹۵۸
مدراس	۱۰۹۷۴۱۶	۵۰۱۴۴۹۳	۵۷۲۸۱۶۴
بمبئی	۴۷۱۳۴۴	۸۴۶۴۸۶	۲۷۶۱۲۹۶
جملہ	۴۸۸۰۲۳۳	۱۵۴۰۳۴۰۹	۱۷۴۲۱۴۱۸
۱۸۰۶-۷			
بنگال	۳۲۹۶۶۸۴	۹۱۶۰۱۴۹	۹۲۹۱۸۲۶
مدراس	۹۶۳۴۴۰	۴۶۰۴۷۲۱	۵۷۴۲۸۲۹
بمبئی	۳۸۸۵۳۶	۷۷۲۸۶۹	۲۴۷۴۴۰۹
جملہ	۴۶۴۸۶۶۰	۱۴۵۳۵۷۳۹	۱۷۵۰۸۸۶۴
۱۸۰۷-۸			
بنگال	۳۷۲۹۰۹۸	۲۹۷۱۶۹۵	۷۷۶۰۹۲۰
مدراس	۱۰۳۹۶۷۱	۴۹۲۷۵۱۹	۵۷۱۷۴۲۸
بمبئی	۴۱۷۱۸۶	۷۷۰۶۹۱	۲۳۷۲۱۴۲
جملہ	۵۱۸۵۹۵۵	۱۵۶۶۹۹۰۵	۱۸۵۸۰۲۹۰

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

	مالگزاری	جمع خام	خرچ خام
	پونڈ	پونڈ	پونڈ
۱۸۰۸ -۹			
بنگال	۳۸۵۱۱۲۸	۹۸۱۶۴۵۸	۷۸۹۸۹۲۴
مدراس	۱۰۵۷۶۲۸	۴۹۶۸۳۲۱	۵۲۳۱۱۵۱
بمبئی	۴۲۷۰۳۳	۷۴۰۲۷۶	۲۰۶۲۸۱۴
جملہ	۵۳۳۵۷۸۹	۱۵۵۲۵۰۵۵	۱۵۳۹۲۸۸۹
۱۸۰۹ -۱۰			
بنگال	۳۷۰۶۲۰۰	۹۵۹۰۸۸۰	۷۸۱۵۶۷۵
مدراس	۱۱۸۴۲۵۳	۵۳۷۳۱۹۱	۵۳۹۷۳۶۵
بمبئی	۳۹۶۴۸۲	۶۹۱۹۱۴	۲۰۸۱۶۷۱
جملہ	۵۲۸۶۹۳۵	۱۵۶۵۵۹۸۵	۱۵۵۳۴۷۱۱
۱۸۱۰ -۱۱			
بنگال	۳۴۹۵۳۸۲	۱۰۶۸۲۲۴۹	۷۲۴۱۸۳۹
مدراس	۱۰۷۱۶۶۶	۵۲۳۸۵۷۶	۵۱۱۰۹۷۷
بمبئی	۴۳۷۱۰۸	۷۵۸۳۷۲	۱۵۵۷۱۶۵
جملہ	۴۸۰۴۱۵۶	۱۶۶۷۹۱۹۷	۱۳۹۰۹۹۸۱
۱۸۱۱ -۱۲			
بنگال	۳۲۹۶۹۰۵	۱۰۷۰۶۱۷۲	۷۰۵۸۸۷۱
مدراس	۱۰۴۸۸۴۴	۵۱۵۶۴۱۶	۴۶۱۹۶۱۰
بمبئی	۴۳۳۷۸۵	۷۴۲۷۲۶	۱۵۴۲۴۸۵
جملہ	۴۷۷۹۵۳۴	۱۶۶۰۵۶۱۵	۱۳۲۲۰۹۶۶

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

	مالگزاری	جمع خام	خرچ خام
	پونڈ	پونڈ	پونڈ
۱۸۱۲ - ۱۳			
بنگال	۳۳۱۰۸۷۴	۱۰۳۹۰۲۵۷	۷۲۲۲۹۳۶
مدراس	۱۱۵۹۷۷۸	۵۲۵۸۲۴۴	۴۷۹۹۶۳۰
بمبئی	۴۲۰۳۲۳	۶۸۷۷۸۹	۱۴۹۳۲۶۲
جملہ	۴۸۹۰۹۷۵	۱۶۳۳۶۲۹۰	۱۳۵۱۵۸۲۸
۱۸۱۳ - ۱۴			
بنگال	۳۰۳۱۰۶۱۷	۱۱۱۷۲۴۷۱	۷۱۳۵۱۷۲
مدراس	۸۹۲۷۹۳	۵۲۹۷۰۸۸	۴۸۹۳۲۲۴
بمبئی	۴۰۰۸۰۲	۷۵۹۱۵۲	۱۵۸۹۳۲۹
جملہ	۴۶۰۴۲۱۲	۱۷۲۲۸۷۱۱	۱۳۶۱۷۷۲۵
۱۸۱۴ - ۱۵			
بنگال	۷۳۷۰۷۴۱	۱۱۱۵۵۹۱۲	۹۱۴۵۵۶۰
مدراس	۳۸۸۹۵۵۵	۵۳۴۲۱۶۴	۵۱۳۴۲۴۶
بمبئی	۴۸۸۹۹۸	۸۱۹۲۰۴	۱۴۷۵۲۰۰
جملہ	۱۱۷۴۹۲۹۴	۱۷۲۹۷۲۸۰	۱۵۹۵۵۰۰۶
۱۸۱۵ - ۱۶			
بنگال	۷۵۶۶۴۳۹	۱۱۳۱۲۸۹۶	۹۸۳۳۰۶۲
مدراس	۳۶۰۹۹۶۸	۵۱۰۶۱۰۷	۵۲۸۹۴۷۶
بمبئی	۴۶۷۷۷۷	۸۱۸۸۱۶	۱۹۳۷۴۳۰
جملہ	۱۱۶۴۳۸۸۴	۱۷۲۳۷۸۱۹	۱۷۰۵۹۹۶۸

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

	مالگزاری	جمع خام	خرچ خام
	پونڈ	پونڈ	پونڈ
۱۸۱۶–۱۷			
بنگال	۷۸۷۵۶۴۷	۱۱۸۵۶۹۵۳	۱۰۲۰۰۳۰۳
مدراس	۳۸۲۶۱۰۷	۵۳۶۰۲۲۰	۵۲۰۱۳۹۹
بمبئی	۴۹۸۱۰۲	۸۶۰۴۰۵	۱۹۰۲۴۶۰
جملہ	۱۲۱۹۹۸۵۶	۱۸۰۷۷۵۷۸	۱۷۳۰۴۱۶۲
۱۸۱۷–۱۸			
بنگال	۷۶۳۹۱۵۴	۱۱۶۹۲۰۶۸	۱۰۶۸۵۱۵۴
مدراس	۳۸۵۶۴۳۳	۵۳۸۱۳۰۷	۵۴۷۵۲۵۴
بمبئی	۸۶۸۰۴۷	۱۳۰۲۴۴۵	۱۸۸۵۷۸۶
جملہ	۱۲۳۶۳۶۳۴	۱۸۳۷۵۸۲۰	۱۸۰۴۶۱۹۴
۱۸۱۸–۱۹			
بنگال	۸۵۴۸۱۳۸	۱۲۴۳۷۳۸۵	۱۱۲۹۵۳۴۹
مدراس	۳۷۹۹۴۱۰	۵۳۶۱۴۳۲	۵۹۷۹۰۴۵
بمبئی	۱۱۴۳۰۴۱	۱۶۶۰۲۰۰	۲۴۹۲۱۹۳
جملہ	۱۳۴۹۰۵۸۹	۱۹۴۵۹۰۱۷	۲۰۳۹۶۵۷۸
۱۸۱۹–۲۰			
بنگال	۸۱۶۳۹۱۹	۱۲۲۴۵۵۲۶	۱۱۵۹۸۴۱۹
مدراس	۳۷۹۱۹۳۱	۵۴۰۷۰۰۴	۵۶۹۴۸۴۴
بمبئی	۱۰۷۸۱۶۴	۱۵۷۷۹۳۲	۲۳۹۵۸۴۴
جملہ	۱۳۰۳۴۰۱۴	۱۹۲۳۰۴۶۲	۱۹۶۸۹۱۱۷

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

	مالگزاری	جمع خام	خرچ خام
	پونڈ	پونڈ	پونڈ
۱۸۲۰ — ۲۱			
بنگال	۸۱۳۹۴۱۵	۱۳۵۴۷۴۲۳	۱۱۲۸۷۳۹۷
مدراس	۳۷۳۸۴۷۰	۵۴۰۳۵۰۶	۵۵۷۲۴۸۹
بمبئی	۱۸۱۸۳۱۴	۲۴۰۱۳۱۲	۳۱۹۷۳۶۶
جملہ	۱۳۶۹۶۱۸۹	۲۱۳۵۲۲۴۱	۲۰۰۵۷۲۵۲
۱۸۲۱ — ۲۲			
بنگال	۸۲۵۸۹۰۳	۱۳۳۹۰۳۳۹	۱۰۸۴۱۰۰۳
مدراس	۳۶۰۸۴۰۴	۵۵۵۷۰۲۹	۵۴۰۵۵۹۲
بمبئی	۱۷۶۱۹۱۰	۲۸۵۵۷۴۰	۳۶۰۹۸۹۴
جملہ	۱۳۷۲۹۲۱۷	۲۱۸۰۳۱۰۸	۱۹۸۵۶۴۸۹
۱۸۲۲ — ۲۳			
بنگال	۸۲۶۱۸۴۳	۱۴۳۱۲۰۴۴	۱۰۷۴۶۳۰۱
مدراس	۳۷۶۹۳۶۹	۵۵۸۵۲۱۰	۵۰۷۲۹۹۲
بمبئی	۱۵۵۱۵۹۲	۳۲۷۴۴۴۷	۴۲۶۴۴۴۸
جملہ	۱۳۵۸۲۸۰۴	۲۳۱۷۱۷۰۱	۲۰۰۸۳۷۴۱
۱۸۲۳ — ۲۴			
بنگال	۸۲۱۱۲۵۱	۱۲۹۹۲۰۶۹	۱۱۳۹۷۰۲۴
مدراس	۳۷۴۱۱۰۰	۵۴۹۸۷۶۵	۶۶۲۸۸۲۳
بمبئی	۱۶۰۷۰۸۸	۴۷۸۹۵۵۰	۳۲۲۸۱۵۰
جملہ	۱۳۵۹۴۳۹	۲۱۲۸۰۳۸۴	۲۰۸۵۳۹۹۷

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

	مالگزاری	جمع خام	خرچ خام
	پونڈ	پونڈ	پونڈ
۱۸۲۴-۲۵			
بنگال	۸۰۸۱۴۶۲	۱۳۵۴۴۲۲۳	۱۳۵۰۹۹۱۰
مدراس	۳۷۶۵۲۱۲	۵۴۴۰۷۴۳	۵۷۱۴۴۲۸
بمبئی	۱۲۰۸۷۳۵	۱۷۸۵۲۱۷	۳۲۷۹۳۹۸
جملہ	۱۳۰۵۵۴۰۹	۲۰۷۵۰۱۸۳	۲۲۵۰۴۱۵۶
۱۸۲۵-۲۶			
بنگال	۸۱۳۳۶۲۵	۱۳۱۵۱۰۸۰	۱۴۴۵۶۱۶۴
مدراس	۳۹۷۸۶۸۲	۵۷۱۴۹۱۵	۵۷۰۴۸۲۹
بمبئی	۱۶۲۷۲۳۷	۲۶۲۳۹۳	۴۰۰۷۰۲۰
جملہ	۱۳۷۳۹۵۴۴	۲۱۲۸۳۸۸	۲۴۱۶۸۰۱۳
۱۸۲۶-۲۷			
بنگال	۸۳۵۵۸۰۰	۱۴۸۱۲۸۳۳	۱۳۹۰۴۳۲۲
مدراس	۳۶۶۹۳۱۲	۵۹۸۱۶۸۱	۵۴۳۲۵۶۲
بمبئی	۱۸۷۳۴۲۷	۲۵۸۸۹۸۳	۳۹۷۵۴۱۱
جملہ	۱۳۸۹۸۵۳۹	۲۲۳۸۲۴۹۷	۲۳۳۱۲۲۹۵
۱۸۲۷-۲۸			
بنگال	۸۳۳۱۶۰۴	۱۴۹۷۳۱۱۰	۱۴۰۱۲۷۶۳
مدراس	۳۶۰۵۲۲۶	۵۳۴۷۸۲۸	۶۰۰۷۵۹۷
بمبئی	۱۸۱۷۸۷۳	۲۵۴۲۲۲۵	۴۰۳۳۴۷۷
جملہ	۱۳۷۵۴۷۰۳	۲۲۸۹۴۲۶۳	۲۴۰۵۳۸۳۷

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

	مالگزاری	جمع خام	خرچ خام
	پونڈ	پونڈ	پونڈ
۱۸۲۸–۲۹			
بنگال	۸۲۰۰۶۷۹	۱۳۸۳۳۸۴۰	۱۲۵۶۳۵۵۰
مدراس	۳۶۴۹۰۱۲	۵۵۷۵۰۴۹	۵۵۰۲۲۲۴
بمبئی	۱۷۲۲۳۳۵	۲۳۳۱۸۰۲	۳۶۵۲۷۸۶
جملہ	۱۳۵۷۲۱۲۶	۲۲۷۴۰۶۹۱	۲۱۷۱۸۵۶۰
۱۸۲۹–۳۰			
بنگال	۸۱۹۷۵۶۴	۱۳۸۵۸۱۷۸	۱۱۷۱۰۸۷۰
مدراس	۳۵۲۲۱۰۰	۵۴۱۵۵۸۷	۵۲۵۶۶۴۷
بمبئی	۱۵۸۵۴۳۲	۲۴۲۱۴۴۳	۳۶۰۰۸۴۱
جملہ	۱۳۳۰۵۰۹۵	۲۱۶۹۵۲۰۸	۲۰۵۶۸۳۵۸
۱۸۳۰–۳۱			
بنگال	۸۲۲۸۱۶۱	۱۴۱۱۹۹۱۴	۱۱۵۴۲۳۹۸
مدراس	۳۴۶۰۳۲۹	۵۳۵۸۲۶۰	۵۱۰۷۰۲۰
بمبئی	۱۶۵۰۰۶۱	۲۵۴۱۱۳۶	۳۵۹۴۴۷۲
جملہ	۱۳۳۳۸۵۵۱	۲۲۰۱۹۳۱۰	۲۰۲۳۳۸۹۰
۱۸۳۱–۳۲			
بنگال	۶۹۴۲۳۲۴	۱۱۷۴۸۷۵۷	۱۳۴۶۴۵۲۰
مدراس	۳۲۵۲۱۱۷	۴۳۷۲۱۳۷	۲۱۶۷۵۷۴
بمبئی	۱۳۹۵۸۹۱	۲۰۹۶۳۴۳	۱۴۱۲۰۷۹
	۱۱۵۹۰۳۳۲	۱۸۳۱۷۲۳۷	۱۷۰۴۸۱۷۳

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

	مالگزاری	جمع خام	خرچ خام
	پونڈ	پونڈ	پونڈ
۱۸۳۲ – ۳۳			
بنگال	۷۰۹۹۲۴۹	۱۲۲۴۴۵۴۳	۱۰۵۳۹۵۲۷
مدراس	۲۹۴۰۷۰۳	۴۱۰۸۰۶۱	۴۳۱۲۴۵۴
بمبئی	۱۴۴۱۹۸۶	۲۱۲۵۳۴۰	۲۶۶۲۷۴۱
جملہ	۱۱۴۸۱۹۳۸	۱۸۴۷۷۹۲۳	۱۷۵۱۴۷۲۰
۱۸۳۳ – ۳۴			
بنگال	۶۶۳۷۹۶۱	۱۱۶۱۶۹۵۴	۹۰۸۱۹۲۷
مدراس	۳۱۷۶۷۰۸	۴۳۵۸۲۰۷	۴۳۸۲۳۶۸
بمبئی	۱۶۲۹۵۸۰	۲۲۹۲۲۰۷	۲۶۶۰۰۳۷
جملہ	۱۱۴۴۳۴۹	۱۸۲۶۷۳۶۸	۱۶۹۲۴۳۳۲
۱۸۳۴ – ۳۵			
بنگال	۳۲۳۴۳۳۶	۱۵۲۹۰۴۱۴	۸۴۷۰۴۷۴
شمالی مغربی ممالک	۴۰۱۸۳۴۴	۴۸۹۹۲۷۴	۱۴۹۴۰۲۷
مدراس	۳۲۵۶۸۵۵	۴۴۸۰۰۲۵	۴۱۲۸۷۵۳
بمبئی	۱۵۴۴۱۸۳	۲۱۸۶۹۳۴	۲۵۹۱۲۴۴
جملہ	۱۲۰۵۳۷۱۸	۲۶۸۵۶۶۴۷	۱۶۶۸۴۴۹۶
۱۸۳۵ – ۳۶			
بنگال	۳۳۰۴۲۹۴	۸۲۸۶۲۸۷	۷۹۴۲۵۰۱
شمالی مغربی ممالک	۴۲۱۷۹۸۱	۴۸۳۸۱۳۳	۱۶۴۰۴۷۸
مدراس	۳۲۹۷۶۰۲	۳۵۹۹۰۲۶۱	۳۸۳۹۷۵۸
بمبئی	۱۷۱۹۸۹۵	۲۴۲۴۴۴۴۴	۲۵۷۲۰۶۷
جملہ	۱۲۵۳۹۷۷۲	۲۰۱۴۸۱۲۵	۱۵۹۹۴۸۰۴

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

	مالگزاری	جمع خام	خرچ خام
	پونڈ	پونڈ	پونڈ
۱۸۳۶-۳۷			
بنگال (بشمول پنگی)	۳۵۷۵۰۵۹	۸۶۱۸۴۷۰	۸۴۵۵۲۸۷
شمالی مغربی ممالک	۴۴۷۸۴۱۷	۵۰۵۶۴۸۹	۱۷۳۵۴۱۹
مدراس	۳۱۶۱۴۹۰	۴۶۱۸۳۰۹	۴۱۷۴۷۸۴
بمبئی	۱۸۴۲۷۵۹	۲۷۰۵۸۶۲	۲۹۹۹۸۷۸
جملہ	۱۳۰۵۷۷۲۵	۲۰۹۹۹۱۳۰	۱۷۳۶۵۳۶۸
۱۸۳۷-۳۸			
بنگال (بشمول پنگی)	۳۶۱۵۹۷۵	۹۰۸۱۰۱۴	۸۵۳۶۴۲۳
شمالی مغربی ممالک	۳۷۶۵۹۷۳	۴۳۶۹۳۵۱	۱۸۰۷۲۰۹
مدراس	۳۴۳۱۲۷۰	۴۸۱۹۸۹۰	۴۲۹۵۰۳۶
بمبئی	۱۸۵۸۵۲۵	۲۵۸۸۵۶۵	۲۹۱۴۸۵۷
جملہ	۱۲۶۷۱۷۴۳	۲۰۸۵۸۸۲۰	۱۷۵۵۳۵۲۵

بظاہر محض اعداد کی طویل خانہ پُری بالکل خشک اور بے لطف ہوتی ہے لیکن جب ان اعداد سے نصف صدی کی سیاسی تاریخ اور سوانح نظم و نسق پر روشنی ڈالی جاتی ہے تو یہ پر معنی اور مطلب خیز نظر آنے لگتی ہے برطانوی حکومت کی حکمت عملی میں جنگ و جدال کی طرف رجحان رہا یا امن و تخفیف مصارف کی طرف ان سب کا اثر ہندوستان کے مالیات پر بھی پڑا اور مذکورالصدر اعداد ان نظم و نسق کی اصلاحات پر جو کارنوالس اور بارلو کے زمانے سے بنٹنک اور مٹکاف کے زمانے تک ہوئیں زبان حال سے شاہد و گواہ ہیں۔

لارڈ کارنوالس نے ۱۷۹۳ء میں اپنے ہندوستان سے روانہ ہونے سے

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

پہلے مالیات ایسے سُلجھا دیئے تھے کہ جملہ خرچ ستر لاکھ کے اندر اندر ہو گیا تھا جس سے دس لاکھ پچاس ہزار کی جمع فاضلات نکلتی تھی۔ اس تاریخ سے بارہ سال کے اندر اندر مارکوئس ویلزلی کی بیتابانہ جنگجو حکمت عملی سے خرچ بڑھکر ایک کڑور پچاس لاکھ ہو گیا تھا۔ جس سے بیس لاکھ کی کمی واقع ہوئی یہی بات تھی جس پر مجلس نظما سخت ناراض ہو گئی۔ تجارتی جماعت کی واجب التعظیم قوت بالا یعنی کمپنی اس عہد کی ہندوستانی صلح و جنگ کو جب اس کے فاضلات معرض خطر میں نہ تھے بالکل بے پروائی سے دیکھتی تھی اور نظم و نسق کے اچھے یا بُرے ہونے کا معیار اس کی نظر میں محض پیسہ ہی تھا جو اس کی عملداریوں سے وصول ہو سکتا تھا اس لئے فاضلات کا کمی سے بدل جانا کمپنی نے کبھی معاف نہیں کیا چنانچہ اس نے ولزلی کی لڑائیوں کو قطعاً ناپسند کیا اور محض اس لئے کہ جنگ میں مصارف بہت ہوتے تھے۔ اس نے اپنے "پروکونسل" وزیر اعظم کو بیوقری کے ساتھ واپس طلب کر لیا۔

۱۷۹۵ء سے ۱۸۱۰ء تک اس پانزدہ سالہ مدت میں بنگال میں فاضلات ہوتی تھی اور مدراس و بمبئی میں صرف کمی ہی کمی تھی یہ کہنا مبالغہ نہیں کہ بنگالے ہی کی معاونت سے جہاں دوامی بندوبست کے تحت آراضی سے ایک مستقل اور غیر متغیر آمدنی ہوتی تھی برطانوی قوم نے اپنی شاہنشاہی ہند قایم کر لی شمالی اور جنوبی ہند کی پرحوصلہ کشورکشائی و الحاقات کے جملہ مصارف بنگالے نے ہی ادا کئے ان سنین میں مدراس اور بمبئی دونوں خود اپنے انتظام مملکت کا پورا خرچ ادا نہیں کر سکتے تھے برطانیۂ عظمیٰ نے ہندوستان کے حصول میں اپنی ایک پائی بھی صرف نہیں کی۔ لارڈ ولزلی کی روانگی کے بعد مالیات میں دوبارہ ایک توازن قایم ہو گیا ۱۸۱۰ء اور ۱۸۱۴ء کے درمیان ہندوستان کے پُر امن نظم و نسق سے سالانہ مصارف گھٹ کر ایک کڑور تیس لاکھ سے کچھ زیادہ رہ گئے اور اسی طرح جب سالانہ بیس سے چالیس لاکھ تک فاضلات ہوئے تو نظماء کی باچھیں کھل گئیں۔ لیکن مارکوئس ہیسٹنگز کے جنگجو نظم و نسق میں یہ فاضلات غایب ہو گئے اور ۱۸۲۶ء میں جب آخری جنگ

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

مرہٹہ اختتام پر پہنچی تو پھر کمی نکلی لارڈ ہیسٹنگز نے نظام کے عتاب سے بچنے کیلئے ۱۸۲۳ء میں
بیس لاکھ کے فاضلات کر کے بتائے۔ بمبئی ہنوز اپنا پورا خرچ ادا نہیں کر سکتا تھا پیشوا کی
قلمرو کے الحاق سے پانچ سال بعد بمبئی میں دس لاکھ کی کمی تھی مگر بنگالے میں تیس لاکھ کے فاضلات
تھے اس لئے کامل صداقت کے ساتھ یہ کہا جا سکتا ہے کہ لارڈ ویلزلی کی طرح لارڈ ہیسٹنگز
کے فتوح کے مصارف بھی دوامی بندوبست شدہ بنگالے کے ہی راس المال سے ادا ہوئے۔

لارڈ مہرسٹ کی جنگ برما نے ہندوستان کے مالیات کو تہ و بالا کر دیا
چنانچہ ۱۸۲۴ء سے ۱۸۲۶ء تک مسلسل کمی نکلتی رہی۔ شاہنشہی کی توسیع
اور محصول آراضی کے استبداد کے ساتھ ساتھ ہندوستان کا محاصل بھی بڑھتے
بڑھتے دو کروڑ بیس لاکھ پر پہنچ گیا۔ لیکن انھیں سالوں میں مصارف بھی
بڑھتے بڑھتے دو کروڑ تیس لاکھ یا دو کروڑ چالیس لاکھ ہو گئے۔

اب اس حکمت عملی کے حیرت خیز نتائج نمایاں ہوئے جس کی لارڈ ولیم بنٹنک
نے ابتدا کی تھی اور جو امن و تخفیف مصارف اور اصلاح پر مبنی تھی۔ مصلح مالیات
کی حیثیت سے بھی لارڈ ولیم بنٹنک ان سب برطانوی منتظمین مملکت میں
جو مختلف اوقات میں ہندوستان بھیجے گئے ایک ہی شخص ہے کیونکہ ہندوستان
میں اصلاح مالیہ یہ نہیں ہے کہ اجرائے محصول کے لئے ماخذ تلاش کر کے
نکالے جائیں بلکہ تخفیف مصارف ہی ہے ہر جگہ محصول آراضی بے اندازہ
تھا اس میں تخفیف کی گئی اور چھ سال کے اندر اندر (۱۸۲۵ء-۱۸۳۱ء)
گھٹتے گھٹتے ایک کروڑ تیس لاکھ کا ایک کروڑ پندرہ لاکھ رہ گیا تھا لیکن
تخفیف مصارف سے اس نقصان کی کافی سے زیادہ تلافی ہو گئی۔

۱۸۲۸ء میں جب لارڈ ولیم بنٹنک ہندوستان آیا ہے تو جملہ مصارف
دو کروڑ چالیس لاکھ تھے اور اس طرح دس لاکھ سے کچھ زیادہ کمی نکلتی
تھی۔ لیکن ۱۸۳۵ء میں جب وہ ہندوستان سے چلا ہے تو جملہ مصارف
ایک کروڑ ساٹھ لاکھ تھے اور اس طرح چالیس لاکھ کے فاضلات
ہوئے تھے۔

ہندوستان کے لئے کس قدر اچھا ہوتا اگر بنٹنک کی وضع کے

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

منتظمین مملکت اس کے جانشین ہوتے ۔ لیکن ہندوستان میں مصارف کی تخفیف کا اثر ہر وقت ملک کے خاص خاص طبقات پر پڑتا تھا اور وہی لوگ بہت چیخ پکار کرتے تھے ۔ اسی لئے لارڈ ولیم بنٹنک پر اس قدر لعن وطعن ہوی کہ کمپنی کی حکمرانی میں کسی دوسرے گورنر جنرل پر کبھی نہیں ہوئی تھی ۔ یہ فطرت انسانی کا مقتضاء نہیں ہے کہ برطانوی منتظمین مملکت ہندوستان کے لوگوں کے مفاد کے مطابق خدمات بھی کریں ۔ اور اس کے ساتھ ساتھ اپنے ہم وطنوں کا غیظ وغضب بھی سہیں ۔ موجودہ نظام حکومت میں توفیر مصارف کے لئے مسلسل دباؤ ڈالا جاتا ہے ۔ لیکن تخفیف مصارف کو کوئی پوچھتا بھی نہیں لارڈ ولیم بنٹنک کے زمانے کے بعد سے سرکاری خرچ اور سرکاری قرضہ دونوں میں دیکھتے ہی دیکھتے توفیر ہوگئی اس روز افزوں خرابی کا کوئی علاج ممکن نہ تھا بجز اس کے کہ لوگوں کے اپنے معاملات کا انتظام کچھ نہ کچھ انھیں کے ہاتھ میں دیا جائے کیونکہ لوگ اپنے پیسے کے خیال سے ضرور تخفیف مصارف کی تائید کریں گے ۔ قاعدہ ہے کہ جن لوگوں سے محض خرچ متعلق ہو اگر انتظام مالیہ بھی انھیں سے بالکلیہ متعلق رہے تو خرچ میں ضرور بیشی ہوگی اور جن سے محصول وصول کیا جاتا ہے اگر ان کو انتظامات مالیہ میں شریک کیا جائے تو خرچ میں ضرور احتیاط کی جائے گی ۔ ساری دنیا کا یہی قاعدہ ہے جس سے ہندوستان مستثنےٰ نہیں ہوسکتا ۔

اوپر بیان ہوچکا ہے کہ ہندوستان کی متعدد جنگ وجدال اور نظم ونسق کے تمام اخراجات ہندوستان کے راس المال سے ہی ادا ہوئے اور یہ یاد رکھنا اہم ہے کہ ان سب اخراجات کے بعد بھی اس چہل سالہ میعاد میں جس کا اختتام ملکہ وکٹوریہ کی تخت نشینی پر ہوتا ہے ہندوستان کے محاصل میں معتدبہ بچت رہی ۔

مذکورالصدر اعداد سے ظاہر ہوتا ہے کہ اگر چودہ سال تک کمی نکلی بھی تو کیا بتیس سال تک تو فاضلات ہی ہے اور اگر جملہ کمی تقریباً

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

ایک کروڑ ستر لاکھ ہوئی تو فاضلات تقریباً چار کروڑ نوے لاکھ تھے اس لئے چالیس سال کے دوران میں ہندوستان کے انتظام مملکت کے مالیات کا خالص نتیجہ یہ نکلا کہ تین کروڑ بیس لاکھ فاضلات ہوئے لیکن یہ زر بچت کی شکل میں نہ تو ہندوستان میں رہا اور نہ آبپاشی یا دوسرے ترقی و اصلاح کے کاموں میں لگایا گیا بلکہ کمپنی کے حصہ داروں کو منقسوم ادا کرنے کے لئے خراج کی شکل میں مسلسل انگلستان ارسال ہوتا رہا چونکہ منقسوم ادا کرنے کے لئے ہندوستان سے کافی مقدار میں زر نہیں جاتا تھا اس لئے ہندوستان کے قرضے میں جو ہندوستان کا سرکاری قرضہ کہلاتا ہے توفیر ہوتی چلی گئی جس سے محصول ادا کرنے والوں کے کندھوں کا بوجھ اور بڑھ گیا کیونکہ انہیں کو اس کا سود دینا پڑتا تھا۔ ہندوستان کی افسوسناک تاریخ مالیات کا سب سے زیادہ افسوسناک واقعہ یہی ہے۔

سنہ ۱۷۹۲ء میں ہندوستان کا قرض جس پر سود ادا ہوتا تھا ستر لاکھ سے کچھ زیادہ نہ تھا۔ مگر سنہ ۱۷۹۹ء میں ایک کروڑ تک پہنچ گیا تھا۔ لارڈ ولزلی کی لڑائیوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ سنہ ۱۸۰۵ء میں یہ قرضہ دو کروڑ دس لاکھ تک پہنچ گیا اور سنہ ۱۸۰۷ء تک دو کروڑ ستر لاکھ ہو گیا کئی سال تک تو اسی حد سے پر قایم رہا لیکن سنہ ۱۸۲۹ء میں یہ تین کروڑ تک پہنچ گیا لارڈ ولیم بنٹنک کے انتظام مملکت کا اچھا اثر یہ ہوا کہ بتدریج قرضے میں تخفیف ہوتی گئی اور ۳۰ اپریل سنہ ۱۸۳۶ء میں اس کی مقدار دو کروڑ ستر لاکھ رہ گئی۔

اگر یہ نظام دونوں قوموں کے مابین مساوات پر مبنی ہوتا تو ہندوستان پر لازم ہوتا کہ وہ اپنے انتظام مملکت کا خرچ خود اٹھائے اور انگلستان پر لازم ہوتا کہ ایک ایسی شاہنشاہی کے قیام پر جو انگلستان کی تجارت اور اقتدار کے لئے اس قدر سودمند تھی اور نوجوان افراد قوم کے لئے جو مشرق میں جویائے روزگار تھے مفید مطلب بھی تھی کمپنی کو معاوضہ ادا کرے اگر ہندوستان میں برطانوی شاہنشاہی کے قیام میں دونوں اقوام کا فائدہ تھا تو دونوں قوموں پر اس کے مصارف برداشت کرنا لازم تھا۔ ہندوستان اپنے انتظام مملکت کا خرچ خود اٹھاتا اور برطانیہ عظمیٰ اپنے مطالبات وطن

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

خود ادا کرتی لیکن ہندوستان میں انگریزی راج کے آغاز ہی سے ایک عجیب حکمت عملی کی پابندی کی گئی تھی جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ہندوستان سے مسلسل معاشی سوتاؤ جاری رہا اور جتنا جتنا زمانہ گزرتا گیا اس کی مقدار بھی بڑھتی گئی جس سے جفاکش اور امن پسند قوم پر جو کبھی متمول وخوشحال تھی ایک طرح کا افلاس چھا گیا۔ پُرمغز انگریزوں نے اس ابتدائی زمانے میں بھی جس کا ذکر ہم اس باب میں کر رہے ہیں ان نتائج کو قبل وقوع تاڑ لیا تھا۔

منٹگمری مارٹن نے ۱۸۳۶ء میں لکھا تھا کہ "برٹش انڈیا پر انگریزی راج میں ہندوستان سے تیس لاکھ پونڈ بدررو تیس سال میں ۱۲ فیصد سود در سود (یعنی ہندوستان کی معمولی شرح سود) پر ۷۲۳۹۹۷۹۱۷ پونڈ انگلشیہ کی کثیر المقدار رقم ہوگئی جیسے ۲۰۰۰۰۰۰ پونڈ ایک قلیل شرح سود پر پچاس سال میں ۸۴۰۰۰۰۰۰۰۰ پونڈ ہو جاتے ہیں اسی طرح کا مسلسل اجتماعی بدررو اگر انگلستان میں بھی ہو تو وہاں بھی افلاس آجائے گا پھر اس کا اثر ہندوستان پر کس قدر شدید ہوگا جہاں مزدور کی روزانہ اجرت صرف دو پنس سے تین پنس تک ہے۔"

"نصف صدی سے بیس تیس اور بعض دفعہ چالیس لاکھ پونڈ انگلشیہ تک ہر سال ہم ہندوستان کا خزانہ دولت خالی کرتے رہے ہیں اور یہ دولت اس غرض سے انگلستان ارسال کرتے رہے ہیں کہ اس سے تجارتی تخمین کی کمی پوری ہو قرضے کا سود ادا ہو اور انگلستان کے ملکی عملے کے مصارف بھی ادا ہوں اور ان کی اجتماعی دولت سے جنھوں نے ہندوستان میں عمر گزاری تھی انگلستان میں کچھ شغل پیدا ہو۔ ہندوستان کے سے دور دراز ملک سے سالانہ تیس چالیس پونڈ کی مسلسل بدررو کا ہونا جس کی ایک پائی بھی ہندوستان کو کسی شکل سے واپس نہیں ملتی ایسے مضر اثرات پیدا کرتا ہے کہ میری رائے میں ان کو فراستِ انسانی سے بالکلیہ دور کرنا محال ہے۔"

"اس سالانہ معاشی سوتاؤ نے ہندوستانیوں کو اعلیٰ خدمات سے محروم رکھنے میں اور بھی مدد دی تھی اس مضمون پر جو کچھ تحریر و تقریر ہوئی اگر وہ سب یہاں بیان کی جائے تو اس کی ایک کتاب بن جائے اس لئے ان چار ممتاز

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

منتظمین مملکت کے خیالات بیان کرنے پر ہم قناعت کرتے ہیں جو ہندوستان کے چار بڑے صوبوں یعنی بنگالہ اور مدراس شمالی ہند اور بمبئی میں سرکاری خدمتوں پر رہ چکے تھے۔ آنریبل جان شور جس کا ہم نام پچھلی تاریخ میں مشہور ہے اٹھارویں صدی عیسوی کے پہلے تیس سال کے بہترین بنگالی منتظمین مملکت میں شمار ہوتا ہے اور اس نے خود اپنے مشاہدات کو مکمل طور پر نہایت وضاحت کیساتھ اپنی پر مغز کتاب میں جو ہندوستان پر لکھی گئی تھی درج کیا ہے۔

"جہاز سے اتر کر پہلی دفعہ میرے اس سرزمین پر قدم رکھنے کے وقت سے آج تک سترہ سال سے زیادہ گزر چکے ہیں لیکن میرے فروپور اور کلکتہ میں تقریباً ایک سال کے قیام کے اثناء میں مجھکو خوب یاد ہے کہ اس زمانے میں انگریزی راج کا قیام دیسیوں کے حق میں موجب برکت ہونے کے متعلق بنگالے میں رہنے والے انگریزوں کے عقیدے اطمینان بخش و دل خوش کن اور پختہ تھے۔ دیسی حکومتوں کے مقابل جن کی جگہ ہم نے چھین لی تھی ہماری برتری عدل وانصاف کا ایک بہترین انتظام جس کی ابتدا ہم نے کی ہمارا اعتدال رعایا کو فائدہ پہنچانے کے لئے ہمارا تردد وفکر، مختصر یہ کہ ہماری ساری خوبیاں یوں گنائی جاتی تھیں گویا وہ مسلم الثبوت و برحق ہیں اور جن کے خلاف زبان ہلانا کفر و الحاد سے کم نہیں مجھ کو یاد پڑتا ہے کہ گاہے ماہے اشارۃً کنایتہً اس کے خلاف باتیں کسی ایسے شخص سے میرے سننے میں آئی تھیں جس نے کئی سال ملک کے اندرونی حصے میں کاٹے تھے اگر اس مسلمہ عقیدے پر اعتراض کی کسی نے جسارت کی تو فوراً ایک طوفان بے تمیزی برپا ہوجاتا تھا اور اس بدنصیب کے سر پر طوفانی بادل گرجنے لگتے تھے جو ایک دلیر سے دلیر کا دل دہلانے کو کافی تھا۔

"اسی وجہ سے رفتہ رفتہ میں نے برطانوی ہند کے انتظام مملکت کے اصول و عمل کی تحقیقات شروع کردی اور جتنا جتنا میں آگے بڑھتا گیا حکومت اور ہمارے متعلق رعایا کے احساسات کیا تھے وہ فوری میری سمجھ میں آنے لگے اگر حالت اس کے برخلاف ہو تو تعجب کی بات تھی۔ انگریزی حکمرانی کا اساسی اصول یہ رہا تھا کہ ہندوستان کی تمام قوم کو اپنے اغراض و مفاد کے لئے ہر ممکنہ

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

طریقہ سے اپنا حلقہ بگوش بنالے۔ چنانچہ رعایا پر انتہائی حد تک محصول لگائے گئے تھے۔ لیکن جیسے ہی کہ یکے بعد دیگرے مختلف صوبے ہمارے زیر اقتدار آئے گئے نئے نئے محاصل کے میدان وسیع ہونے لگے۔ ہمیشہ ہم نے فخریہ کہا ہے کہ دیسی روساء جس قدر مالگزاری زور و ظلم سے وصول کرتے تھے اس سے بھی کہیں زیادہ ہم نے وصول کی ہے۔ ہندوستانیوں کو ان کے سارے مناصب و مراتب و اعزاز سے محروم کر دیا گیا جن کے قبول کرنے کے لئے کسی ادنی سے ادنیٰ انگریز کو آمادہ کیا جا سکتا تھا۔“

ہندوستان سے دولت کا جو چشمہ جاری تھا اس کے متعلق شور نے کہیں لکھا ہے کہ ”ہندوستان میں ایام دولت و کامرانی اب کہاں۔ اس کی دولت کے سب خزانے خالی ہو گئے اور اس ذلیل بدنظمی کے عہد میں جہاں لاکھوں کے مقاصد چند افراد کے مفاد پر قربان کر دیئے گئے تھے قوم کے ہاتھ پاؤں شکنجے میں ہیں۔“

”جان سلیون سنہ ۱۸۰۴ء میں ہندوستان آیا مختلف ذمہ داری کے عہدوں مثلاً میسور کا رزیڈنٹ۔ کوئمبٹور کا کلکٹر، مجلس مدراس اور کونسل مدراس کا رکن رہا اس کے بعد سنہ ۱۸۴۱ء میں خدمت سے سبکدوش ہونے پر اس نے ہندوستان سے وطن کی جانب مراجعت کی۔ سنہ ۱۸۳۳ء میں کمپنی کے منشور کی تجدید کے موقع پر سلیون کا بھی اظہار لیا گیا۔ ہندوستان کے اعلیٰ سرکاری خدمات سے وہاں کے لوگوں کو بالکل محروم رکھنے پر بہت متاثر ہو کر اس نے اپنے خیالات یوں بیان کئے۔

”(۵۰۳) انگریزی راج میں وہ لامحدود دشواریاں کیا ہیں جن کو دیسی لوگ فی زمانہ سخت باعث زحمت و تکلیف سمجھتے ہیں۔

”اعتماد و آمدنی کے سب خدمات سے اور ملک کے نظم و نسق سے کے دیوانی اور فوجی عہدوں سے جن پر دیسی روساء کے عہد حکومت میں دیسی لوگ مامور تھے اب ان کا محروم رہنا“

”(۵۰۹) دیسی حکومت میں یہ لوگ جن سرکاری خدمات کا اپنے کو

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

مستحق سمجھتے تھے اور بلا شرکت غیرے جن پر مامور بھی تھے ان سے محروم ہو جانے کی تلافی بالکلیہ نہ ہہی تو بیشتر کیا اس نظام سے نہیں ہوتی جو انگریزوں کی حکومت نے دیسیوں کے لئے قایم کیا ہے۔

"میں تو پھر بھی یہی کہوں گا کہ کوئی بات اس محرومی کی تلافی نہیں کر سکتی اس سے بیس سال کے بعد ۱۸۵۳ء میں جب کمپنی کے منشور کی تجدید کا وقت آیا تو پھر سلیوں کے بیانات لئے گئے تھے اور اس موقع پر بھی اس نے نہایت پر زور الفاظ میں اظہار دیا"

"(۴۸۶۶) آپ کے خیال میں کیا ہندوستانیوں کے پاس ایسے روایات موجود ہیں جن سے لوگوں پر یہ ظاہر ہوتا ہو کہ زمانہ سابق میں رعایا کی معاشی حالت جیسی دیسی روساء کے عہد میں بہتر تھی ویسی اب نہیں ہے"

"میرے خیال میں ایک عام نقطۂ نظر کے مطابق تاریخ سے یہ ظاہر ہے کہ ان کی حالت بہتر تھی اور قدیم سے قدیم زمانے کی تاریخ بتاتی ہے کہ ابتدا سے ہی یہ لوگ نہایت متمول وخوش حال رہے ہیں"

"(۴۸۶۹) جب یہ لوگ جنگ وجدال میں ہم سے بھی زیادہ دولت اور جانیں قربان کرتے تھے بالخصوص جبکہ ساری لڑائیاں ان کے حدود سے باہر ہونے کے بجائے خود ان کی سرزمین پر ہوتی تھیں تو پھر ان لوگوں کی معاشی حالت کی برتری کے آپ کیا اسباب سمجھتے ہیں جب کہ اس کے باوجود انھوں نے لکھو کھا روپے نہروں تالابوں اور آبپاشی پر صرف کر دیئے"

"ہم میں ایک بیش خرچ عنصر ایسا ہے جو ان میں کبھی نہ تھا یہ یورپی عنصر ہے جو دیوانی اور جنگی سررشتہ جات میں مالگزاری کی کثیر المقدار رقم ہضم کر جاتا ہے اسی وجہ سے ہمارا انتظام مملکت بیش خرچ ہے اور میرے خیال میں اس کلہی ایک بڑا سبب ہے"

"جب جان سلیون سے پوچھا گیا کہ شاہنشہی کا فوجی انتظام انگریزوں ہی کے ہات میں رکھ کر انگریزوں کی عملداریوں کو دیسیوں کے زیر حکومت واپس دینے پر کیا وہ راضی تھا تو اپنے خیالات کا یوں صحیح نتیجہ نکالنے پر

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

وہ کچھ سٹپٹایا نہیں۔

"۵۰۹۴۔ کیا آپ اصول معدلت پر دیسی روساء کو عملداری کا ایک بہت بڑا حصہ واپس دیدیں گے؟

"جی ہاں"

"کیا اس لئے کہ کسی استحقاق وحق کے بغیر محض زور وظلم یا دیگر ذرایع سے یہ عملداری ہمارے قبضے میں آئی ہے۔

"محض اصول معدلت واصول کفایت مالیہ کو پیش نظر رکھتے ہوئے میں اس طرح عمل کرنے پر تیار ہوں"

جان سلیون کے معاصرین میں چند ہی ایسے تھے جنہوں نے اتنا بھی کہا البتہ اکثر ایسے تھے جو خوب جانتے تھے اور اس کا احساس بھی رکھتے تھے کہ ہندوستانیوں کا خود اپنے معاملات کے انتظام سے محروم رہنا ان کے حق میں سخت ناانصافی تھی۔

ہولٹ میکنزی نے ۱۸۳۰ء میں ہندوستان کے عدالتی اور مالگزاری کی نظم ونسق پر ایک یادداشت قلم بند کی جس سے ذیل کے اقتباسات لئے گئے ہیں۔ یہ وہی ہولٹ میکنزی ہے جس کے ممتاز خدمات کا حوالہ جو شمالی ہند کے بند وبست سے متعلق تھے اس کتاب کے گیارھویں باب میں دیا گیا ہے اور یہ اس کی وہی یادداشت ہے جو ۱۸۳۳ء میں دارالعوام کی منتخبہ کمیٹی کی رپورٹ میں شامل کی گئی تھی۔

"اس سے بڑھکر کوئی اور تعجب کی بات نہیں ہے کہ رعایا نے ان اشخاص کے ہاتھوں بھی عملاً ذلت اٹھائی جن کے دلوں میں رعایا کو انتہا درجہ فیض پہنچانے کے خیالات تھے۔ کیونکہ ابتدائے عالم سے آج تک کسی ایسی حکومت کی نظیر نہیں ملتی کہ دیوانی کے نظم ونسق کے ذریعے سے (اگر ہم ایسے نظم ونسق کو دیوانی کا نظم ونسق کہہ سکیں جس کی روح تک جنگی ہے) مطلق العنانی کے اصول کو اس کمال پر پہنچا دیا گیا ہو اور یہی نہیں بلکہ رعایا کو خود اپنے معاملات کا انتظام کرنے سے یوں علیحدہ کر دیا گیا ہو۔ جیسے فوج کے انتظامات سے

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

سپاہیوں کو دور رکھا جاتا ہے وضع قانون کے اعلیٰ اختیارات کے استعمال سے لیکر ادنیٰ سے ادنیٰ سرکاری عہدہ دار کے تقرر کرنے میں بھی یہی اصول ہر فعل میں سرایت کر گیا تھا اگر ایک مرتبہ سرکاری عہدہ داروں کو لوگوں کے کاروبار کی ذرا ذرا سی تفصیل میں بر وقت مداخلت کا موقع یا اجازت دیدیں تو پھر یہ خیال محض بے فائدہ معلوم ہوتا ہے کہ ہم کسی قانون تدبیر سے ملت کو ان کی رشوت ستانی اور ایذا رسانی سے بچا سکیں گے۔ بدنصیبی سے ہم اس کے بالکل مخالف اصول پر کاربند رہے ہیں یعنی ہم نے ہر بات میں مداخلت کی اور جہاں عوام کے ادارات موجود تھے وہاں ان کی کچھ خبر نہ لی اور جہاں موجود نہ تھے وہاں ان کے قایم کرنے کی کبھی کچھ کوشش نہ کی،،

''لیکن جس شخص نے سب سے زیادہ مستند طور پر دارالعوام کی کمیٹی منتخبہ کے سامنے ۱۸۳۲ء میں بیانات پیش کئے وہ سر جان میلکم تھا جس کا شمار منرو اور الفنسٹن کی طرح ان لوگوں میں ہے جو برطانوی شاہنشہی ہند کے بانی اور انیسویں صدی عیسوی کے پہلے پچاس سال میں سب سے بڑھکر قابل و ہمدرد حکمراں تھے۔ مرہٹوں کے جنگ میں سر جان ملکم نے داد مردانگی دی تھی اور فتح و نصرت حاصل کی تھی اس کے علاوہ اپنی خوش خلقی اور ملنساری سے سپاہیوں اور غیر سپاہیوں میں بڑا اعتبار پیدا کر لیا تھا۔ ایک ربع صدی تک حسن وخوبی کے ساتھ سرکاری خدمات انجام دینے کے بعد ۱۸۲۷ء میں گورنر بمبئی کے اعلیٰ عہدے پر یہ الفنسٹن کا قایم مقام مقرر ہوا تھا اس لئے جب ۱۸۳۲ء میں دارالعوام کے سامنے بہ حیثیت گواہ میلکم کا اظہار لیا گیا تو اس نے انگریزی راج کے زیر نگیں ہندوستان کے لوگوں کے حالات اسی مستند واقفیت کے ساتھ بیان کئے جو اس کے انگریزی معاصرین یا موخرین میں ہی نہیں بلکہ اس سے بڑھکر کسی میں کبھی پیدا ہی نہیں ہوئی۔

''۳۶۸۔ جہاں دیسی روسا کی بدانتظامی رہی تھی وہاں ہماری حکومت قایم ہونے سے کیا آپ کی رائے میں زرعی تجارتی آبادی کی خوش حالی زیادہ ہوگئی ہے۔

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

"ہندوستان کے ہر صوبے کے متعلق میں یہ نہیں کہہ سکتا۔ لیکن جہاں تک تجربہ میری مدد کر سکتا ہے میں یہ کہنے کو تیار ہوں کہ میں نہیں سمجھتا کہ اس تغیر سے اکثر دیسی ریاستوں کے تجارتی یا صاحب زر یا زرعی طبقات کو کچھ فائدہ پہنچا ہے یا پہنچ سکتا ہے گو دو شہروں کو پہنچا ہو۔ جب ۱۸۰۳ء میں موجودہ ڈیوک ولنگٹن کی ہمراہی میں جنوبی اضلاع مرہٹہ کو میں گیا تو اس ملک میں زمین کی بہترین کاشت پیداوار اراضی کی افراط اور تاجروں کی دولت کی انبار میں نے وہ وہ دیکھے ایسا جو پھر کہیں دیکھنے میں نہیں آئے مثلاً خاصکر ان قطعات کی طرف میرا اشارہ ہے جو دریائے کرشنا کے کناروں پر واقع ہیں پونہ جو پیشوا کا پایہ تخت تھا ایک بہت متمول اور سرسبز تجارتی شہر تھا اور دکن میں بھی اتنی ہی کاشت تھی جتنی ایسی خشک اور بے ثمر زمین میں ہو سکتی ہے۔

"مالوہ کے متعلق بحیثیت ایسے شخص کے جس کا تقرر اس عملداری کو زیر قبضہ لینے اور اس کا دیوانی فوجی اور سیاسی نظم ونسق چلانے کے لئے ہوا ہو جو کچھ سرکاری دفاتر سکھا سکتے ہیں وہ سب کچھ سیکھ لیتے اور دوسرے ذرائع سے بھی پورے معلومات حاصل کرنے کے مجھکو بہت سارے ذرائع حاصل تھے اور جب میں نے ان تمام فرائض کو اپنے سر لیا ہے اس وقت درحقیقت میرا پختہ عقیدہ یہی تھا کہ یہاں تجارت ناپید ہو گی اور ساکھ معدوم لیکن یہ دیکھکر میں حیران رہ گیا کہ راجپوتانہ، بندیلکھنڈ اور ہندوستان (شمالی ہند) کے اور گجرات کے بھی چوٹی کے تجار اور صاحب زر اشخاص اجین اور دوسرے شہروں کے ساہوکاروں کے ساتھ جس کا اعتبار اور ساکھ بڑے فروغ پر تھا کاروبار کرتے تھے اور معاملہ زرکثیر مقدار میں ہوتا تھا اور نہ صرف کثیر مال تجارت اس صوبے سے مسلسل گزرتا تھا بلکہ دفاتر بیمہ کے کاروبار بھی جو ہندوستان کے اس حصے میں جگہ جگہ موجود تھے اور جن میں بڑے بڑے روپے والے شریک تھے برابر چلتے رہتے تھے البتہ خطرے کے زمانہ میں قسط بیمہ میں اضافہ ہو جاتا تھا"

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

مجھ کو یہ باور نہیں آتا کہ اس ملک میں ہماری براہ راست حکمرانی سے تجارتی اور زرعی سرسبزی اس سے زیادہ یا کم سے کم اتنی بھی ہو سکے جتنی کہ اس ملک کے سابقہ سرداروں اور رؤساء کی کار فرما حکومت میں تھی۔

"جنوبی اضلاع مرہٹہ کے متعلق جن کی سرسبزی کا ذکر میں اوپر کر چکا ہوں بلا پس و پیش یہ کہنا مجھ پر لازم ہے کہ "پٹواران" کے خاندان اور بعض دوسرے سرداروں کے زیر قبضہ لب کرشنا جو صوبے واقع ہیں انکی زرعی اور تجارتی سرسبزی ہندوستان کے کسی اور ملک سے جن سے میں واقف ہوں بہت بڑھی ہوئی ہے میں اس کے اسباب و وجوہ کو نظم و نسق کے نظام میں مضمر سمجھتا ہوں۔ باوجود اس کے گاہے ماہے وہاں بھی استحصال بیجا کا ایک آدھ دورہ آجاتا ہے تاہم وہ مجموعی حیثیت سے نہایت شفیق و پدرانہ ہے دوسرے یہ کہ وہاں تغیرات بہت کم ہوتے ہیں اس کے علاوہ ہنود تمام زرعی پیشوں سے مکمل طور پر واقف اور ان میں پورے طور پر منہمک رہتے ہیں انتظام مملکت کے اکثر شعبوں میں وہ ہم سے بہتر واقفیت رکھتے ہیں یا کم از کم ہم سے بہتر عمل کرتے ہیں۔ خاصکر دیہات اور قصبات کو ترقی دیکر وہاں خوشحالی پھیلانے میں تو ان کو کمال حاصل ہے۔ روپے والوں کا وہ خوب دل بڑھاتے ہیں تاکہ اصل کا رواج ہو اور سب سے بڑا سبب یہ ہے کہ جاگیردار اپنی اپنی جاگیروں میں ہی بود و باش رکھتے ہیں اور ان صوبوں کا انتظام مملکت ذی رتبہ اشخاص کے ہاتھوں میں رہتا ہے جن کی موت و زندگی اسی سرزمین سے وابستہ ہوتی ہے اور جن کے بعد ان کی اولاد یا اقارب انہیں عہدوں پر ان کی قائم مقامی کرتے ہیں اگر یہ لوگ گاہے ماہے من مانے طور پر استحصال زر بھی کرتے ہیں تو ان کا خرچ کرنا اور ان کا لینا دونوں اپنے ہی صوبے تک محدود رہتا ہے۔ لیکن سرسبزی کے ان اسباب و علل میں سب سے زیادہ اہم یہ ہے کہ یہ دیہات اور دوسرے دیسی ادارات کی ہمیشہ مدد کرتے ہیں اور آبادی کے سب طبقات سے کام بھی لیتے ہیں ہمارے نظام میں

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

اس کی گنجائش نہیں ہے۔"

"سر جان میلکم اور دوسرے ممتاز گواہوں نے کمیٹی منتخبہ کو جن خرابیوں کی اطلاع دی تھی ان میں خاصکر یہ تھیں کہ ہندوستان کے لوگ خود اپنے ملک میں تمام اعلیٰ خدمتوں سے محروم تھے اور سال بسال ہندوستان کے محاصل کا ایک بڑا حصہ ہندوستان سے باہر ارسال ہوتا تھا۔ ان کے تدارک کا صحیح طریقہ وہی تھا جو چند سال قبل شیپ ہیبر نے تجویز کیا تھا یعنی خود اپنے معاملات کے انتظام پر لوگوں کو اور زیادہ لگا دینا اور ہندوستانی محاصل کو ہندوستان میں ہی صرف کرنا۔ اول الذکر امر میں منرو، الفنسٹن اور بنٹنک نے بہت کچھ مدد کی اور ۱۸۳۳ء میں کمپنی کے منشور کی تجدید کے وقت برطانوی پارلیمنٹ نے وہ مشہور دفعہ نافذ کیا جس کا ذکر اس کے بعد کے باب میں آئے گا۔ اس دفعہ میں یہ درج تھا کہ بغیر امتیاز قوم و مذہب ہندوستان کے لوگوں کو سب سرکاری خدمتیں دی جاسکتی ہیں مگر موخر الذکر کے لئے پارلیمنٹ نے ہندوستانیوں کی کچھ مدد نہ کی بلکہ ان کے خلاف ہی کیا۔ چنانچہ پارلیمنٹ نے اپریل ۱۸۳۴ء سے کمپنی کی تجارت اگرچہ موقوف کر دی لیکن جیسا اوپر بیان کیا گیا ہے یہ شرط بھی لگا دی کہ کمپنی کے سرمائے پر سود ۱۰½ فی صد شرح پر ہندوستان کے محاصل سے ادا کیا جائے۔ ہندوستان کے حق میں یہ بڑی ناانصافی تھی جس پر ایک اور ممتاز انگریز نے ۱۸۵۸ء میں جب شاہنشاہی کمپنی سے تاج برطانیہ میں منتقل ہوگئی تو نہایت پر زور اعتراض کئے تھے جیسا کہ ناظرین نے اکیسویں باب میں ملاحظہ فرمایا ہوگا۔

سر جان ونگیٹ نے بمبئی کے بندوبست مالگزاری میں امتیاز حاصل کیا تھا۔ ایک بہت خراب نظام کے تحت کام کرنے کے باوجود اس نے اپنی فطری نرم دلی اور لوگوں کا خیال رکھنے کی وجہ سے اس نظام کو کامیاب کر دکھایا تھا۔ ونگیٹ ہندوستان کے لوگوں میں مل جل کر رہتا تھا اور ان کے لئے تقریباً تیس سال تک اس نے محنت شاقہ اٹھائی تھی اس طرح ہندوستانی معاملات کے تجربے اور معلومات میں پختہ ہونے کے بعد اپنے

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

وطن کو مراجعت کرنے پر حکومت برطانیہ نے اس کو اعزاز عطا کئے تھے۔ قوم نے بھی اس کو بمبئی کے بندوبست مالگزاری کا بانی تسلیم کر لیا تھا لیکن ہندوستان اور انگلستان کے درمیان جو مالی تعلقات قائم تھے وہ اس کے لئے باعث تردد ورنج تھے۔ اور جب شاہنشاہی کا انتظام مملکت تاج برطانیہ کے زیر اقتدار آیا تو اس نے اپنے ہم وطنوں سے التجا کی کہ جدید انتظامات کے وقت ہندوستان کے ساتھ ایک منصفانہ اور واجبی برتاؤ کیا جائے۔

"اگر ہم نے ہندوستان پر محض ہندوستان کے دیسیوں کی خاطر نہیں بلکہ اپنی خاطر ہی حکومت کی ہے تو ہم خالق ومخلوق دونوں کی نظروں میں اضافہ طور پر قابل الزام ہیں کیونکہ ہم نے اس حکومت کے مصارف ادا کرنے میں ایک حبہ بھی نہیں دیا ہے اپنی ہندوستانی حکمت عمل کے طے کرنے میں ہم نے برطانوی اغراض ومفاد کو جس قدر پیش نظر رکھا ہے اسی کی مناسبت سے ہمیں اپنا واجبی حصہ خواہ وہ زیادہ ہو یا کم ادا کرنا چاہئے تھا۔ لیکن یہ کبھی نہیں ہوا اور اب ایک بیش مقدار قرضہ ہم پر ہے جو کئی سال سے قابل ادا چلا آ رہا ہے۔ لیکن انگلستان طاقتور ہے اور ہندوستان اس کے قدموں پر پڑا ہوا ہے اور اس کمزور ملک کو کوئی توقعہ حاصل نہیں ہے کہ ایک ایسی زبردست قوم کو واجب الادا قرضہ بے باق کرنے پر مجبور کر سکے"!

"ہندوستان کے حالات پر اس خراج کا معاشی اثر جو انگلستان کو ادا کیا جاتا ہے بہت خراب پڑتا ہے اور ہماری موجودہ حکمت عملی میں سب سے زیادہ قابل اعتراض شکل یہی ہے۔ ان محصولات کا اخراج کی آمدنی اسی ملک میں خرچ ہوتی ہے جہاں وہ وصول ہوتے ہیں ان محصولات سے بالکل مختلف ہے جو ایک ملک میں وصول ہوتے ہیں مگر دوسرے ملک میں خرچ ہوتے ہیں۔ اول الذکر شکل میں عوام سے محصول وصول کئے جاتے ہیں اور عوام کے ان افراد پر بھی خرچ کئے جاتے ہیں جو ملازم سرکار ہیں اور جب افراد اس رقم کو اپنے خرچ میں لاتے ہیں تو وہ کل رقم اس طریقے سے صنعت گروں کو پھر واپس چلی جاتی ہے۔ اس سے اگرچہ تقسیم دولت میں فرق ہو جاتا ہے

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

لیکن قومی آمدنی میں کوئی خسارہ نہیں ہوتا یہی وجہ ہے کہ ترقی یافتہ متمدن ممالک میں جہاں انسان کی پیداآوری قوتوں میں طرح طرح کی مشینوں کے استعمال سے اور عاملین قدرت کو ٹھیک طور پر کام میں لانے کے باعث بہت اضافہ ہو جاتا ہے۔ کثیر المقدار محصولات وصول کرنے پر بھی قوم کو ان کا کچھ بار محسوس نہیں ہوتا۔ لیکن اگر محصولات جس ملک سے وصول کئے جائیں وہیں صرف نہ کئے جائیں تو صورت حال بالکل دگرگوں ہو جاتی ہے۔ اس حالت میں قومی آمدنی کا کچھ حصہ باشندوں کے ایک طبقے کے پاس سے نکلکر دوسرے طبقے کے پاس منتقل نہیں ہوتا بلکہ محصول کی جملہ رقم ادا کرنے والی ملک سے باہر چلی جاتی ہے گویا وہ ہمیشہ کے لئے اس کے حق میں معدوم ہو جاتی ہے اس کا اثر قومی پیداآوری پر ایسا ہی ہوتا ہے جیسے کہ اس رقم کو دوسرے ملک میں منتقل کرنے کے بجائے اس کو کسی نے غرق دریا کر دیا۔ کیونکہ کسی شکل میں بھی اس کا کوئی حصہ اس ملک کو پھر واپس نہیں آتا جس پر یہ محصول عاید ہے۔ یہ ہے اس خراج کی اصلیت جو ہم ایک زمانہ دراز سے ہندوستان سے زبردستی وصول کر رہے ہیں!!

"ہندوستان کے اس خراج کو اگر ہم انصاف کی ترازو میں تولیں یا اپنے حقیقی مفاد کی روشنی میں دیکھیں تو معلوم ہو گا کہ یہ خراج مقتضائے انسانیت اور معمولی عقل نیز معاشیات کے مسلمہ قاعدوں کے بالکل خلاف ہے یہ صحیح دانشمندی کی بات ہو گی کہ ہندوستان کی حکومت کے اخراجات ادا کرنے کے لئے جو انگلستان میں عائد ہوتے اور حقیقی طور پر خراج کی شکل رکھتے ہیں شاہنشاہی خزانہ سے آیندہ گنجائش نکالی جائے۔ یہ اخراجات غالباً حسب ذیل ہیں ایسٹ انڈیا سرمائے کا مقسوم وطنی قرضے کا سود، عہدہ داروں اور عملے کی تنخواہیں حکومت ہند کے سر رشتہ دیوانی کے عمارات کی لاگت اور انتظام ہندوستان کے فوجی اور دیوانی سر رشتوں کے ملازمین کے وظائف اور تنخواہیں جب وہ انگلستان میں ہوں مختلف قسم کے اخراجات جو اس ملک میں ادا کئے جاتے ہیں اور جو ہندوستان میں ملازمت کرنے والے

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

برطانوی سپاہیوں سے متعلق ہوتے ہیں اور برطانوی فوج کی ہندوستان کو آمد و رفت کے اخراجات کا کچھ حصہ"۔

"اگر ہندوستان کے سر سے خراج کا یہ بار سنگین ہلکا کر دیا جائے اور ہندوستان میں جو محصول وصول ہوتے ہیں وہ وہیں صرف کئے جائیں تو اس ملک کے محاصل میں اس درجہ فراخی پیدا ہو جائے گی جس کا ہم اندازہ ہی نہیں کر سکتے"۔

اس مذکور الصدر التجا کا بھی کوئی نتیجہ نہ نکلا۔ ملکہ وکٹوریہ کی تخت نشینی کے وقت مطالبات وطن تیس لاکھ تھے مگر ملکۂ معظمہ کے سال وفات میں یہ اخراجات ایک کروڑ ساٹھ لاکھ تک پہنچ گئے تھے۔ اگر روئے زمین پر کوئی سر سبز سے سر سبز اور خوش حال سے خوش حال ملک بھی ہو تو اس کے حدود میں سے اتنی رقم کا معاش سوتاؤ کی شکل میں باہر چلا جانا اس کو مفلس و قلاش بنائے بغیر نہیں رہ سکتا۔ ڈرین ہی کی وجہ سے ہندوستان اس حالت پر پہنچ گیا تھا کہ وہاں اسے متواتر عالمگیر اور مہلک قحط نمودار ہو رہے تھے جو کبھی اس سے پہلے تاریخ ہند میں تو کیا تاریخ عالم میں بھی نہیں واقع ہوئے تھے۔

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

چوبیسواں باب

ملکہ وکٹوریہ کی تخت نشینی ۱۸۳۷ء کا قحط

ایسٹ انڈیا کمپنی کے منشور کی تجدید کے وقت ۱۸۳۳ء میں بہت کچھ مالی انتظامات ہوئے تھے جو پچھلے باب میں سب بیان کر دئے گئے ہیں لیکن جس قانون کی رو سے منشور کی تجدید ہوئی تھی اسی میں اور شرائط بھی عائد کئے گئے اور یہ شرائط یہاں روشنی میں لائے جاتے ہیں۔

۱۸۰۲ء اور ۱۸۰۳ء میں لارڈ ویلزلی کے شمالی ہند کے فتوحات اور الحاقات سے صوبہ بنگالہ کے حدود میں جب وسعت ہوئی تو بنگالہ کے شمالی قطعات کو بنگالہ سے علیحدہ کر کے ایک دوسرا صوبہ قایم کیا گیا اسی زمانے سے ہندوستان میں تین صوبوں کے بجائے چار صوبے ہو گئے چنانچہ اس جمع و خرچ کے نقشے میں جو پچھلے باب میں دیا گیا ہے اسی تاریخ سے شمالی ہند کو ایک علیحدہ صوبہ بنایا گیا ہے۔

وارن ہیسٹنگز کے زمانے سے گورنر جنرل اصطلاح قانون میں گورنر جنرل بنگالہ تھے جن کو دوسرے صوبہ جات کی نگرانی و انتظامات کے بھی اختیارات تھے مگر ۱۸۳۴ء میں جو شخص اس عہدہ پر تھا وہ اس قانون کی رو سے

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

گورنر جنرل ہند بن گیا اس طرح لارڈ ولیم بنٹنک پہلا گورنر جنرل ہند ہوا تھا اب تک ہر صوبہ اپنے لئے ایک علیحدہ دستور العمل منضبط کرتا تھا۔ لیکن اب گورنر جنرل کو باجلاس کونسل ایسے قوانین کا اختیار نفاذ مل گیا جو سارے ہندوستان میں نافذ العمل ہوسکتے تھے۔ اب تک کونسل علاوہ گورنر جنرل کے چار ارکان پر مشتمل تھی لیکن اب اس میں ایک پانچواں رکن بھی شامل ہوگیا جس کو رکن قانونی کے لقب سے ملقب کیا گیا تھا۔ اور پہلے رکن قانونی کی حیثیت سے میکالے کو ہندوستان بھیجا گیا۔ ہندوستان کے قوانین مرتب کرنے کے لئے کمشنران قانون کے تقرر کا اختیار بھی گورنر جنرل کو دیا گیا اور انہی کمشنران قانون کے میر مجلس کی حیثیت سے میکالے نے اپنے مشہور قانون تعزیرات ہند کا مسودہ مرتب کیا جو اس سے پچیس سال کے بعد بشکل قانون نافذ ہوا۔

یورپی لوگوں کے ہندوستان میں بود و باش رکھنے پر جو قیود عائد تھے وہ سب اٹھا دیئے گئے۔ کلکتہ کی قدیم "بشپرک" (اسقفی) کے علاوہ مدراس اور بمبئی میں بھی ایک ایک اسقفی قایم کی گئی۔ ہندوستانی ملازمت دیوانی پر جن امیدواروں کو نظماء کمپنی نامزد کرتے تھے ہندوستان سے ان کے روانہ ہونے سے پہلے "ہیلیبری کالج" میں ان کی تعلیم کے انتظامات کئے گئے اور ایکٹ کے قانون ہند کے رو سے جو ۱۸۳۳ء میں نافذ ہوا تھا کمپنی کے انتظام مملکت پر نگرانی کرنے کے لئے تاج برطانیہ نے جن کمشنروں کا تقرر کیا تھا وہ برقرار رکھے گئے۔

خود ہندوستان کے لوگوں کی امداد کے بغیر ہندوستان پر بطور مناسب نظم و نسق قایم رکھنے کے عدم امکان کو کمپنی کے قابل ترین عمال نے محسوس کیا تھا اور جیسا کہ کسی پچھلے باب میں بیان کیا گیا ہے منرو، الفنسٹن اور بنٹنک نے تعلیم یافتہ ہندوستانیوں کو سررشتۂ عدالت کی بڑے ذمہ دارانہ عہدوں پر مقرر کیا تھا۔ انہی فیاضانہ حکمت عملی کا اعلان پر زور طریقے پر اس قانون کی ایک مشہور دفعہ میں بھی ہوا ہے جس کے الفاظ یہ ہیں:۔

"اور حکم دیا جاتا ہے کہ مذکورہ عملداریوں کے کسی پیدائشی باشندے کو

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

یا ملک معظم کے کسی پیدائشی فرد رعایا کو جو وہاں بود و باش رکھتا ہو محض اپنے مذہب، مقام پیدائش، نسل یا رنگ کی وجہ سے کمپنی کے تحت کسی خدمت، عہدے، یا نوکری سے محروم نہیں رکھنا چاہیئے"

جب یہ قانون منظور ہوا اس وقت میکالے دارالعوام کا رکن تھا۔ اور اس دفعہ پر اس نے وہ مشہور تقریر کی جس کا اکثر اعادہ کیا جاتا ہے اور جو یہاں بھی قابل ذکر ہے۔

"تاہم اس مسودہ قانون کا ایک خاص جز ایسا ہے جس پر حال حال میں جو کچھ کہیں اور گزرا ہے اس کے نظر کرتے ہوئے چند باتیں کہنا میرے لئے بھی ناگزیر بن گیا ہے اس جز و سے میرا منشاء وہ عاقلانہ اور فیاضانہ اور شریفانہ دفعہ ہے جس میں حکم صادر فرمایا گیا ہے کہ ہماری ہندوستانی شہنشاہی کا کوئی باشندہ جس کی پیدائش وہیں کی ہو اپنے رنگ، نسل یا مذہب کی وجہ سے کسی سرکاری خدمت سے کبھی محروم نہیں کیا جا سکتا اس تحقیر و تذلیل کے اندیشے کے باوجود کہ کہیں میرا نام وہ نہ پڑ جائے جس کو خود غرض تنگ نظر لوگ بری سے بری گالی کے برابر سمجھتے ہیں یعنی اس خدشے کے باوجود کہ کہیں میں فیلسوف نہ کہلانے لگوں میں تو ضرور بالضرور یہی کہوں گا کہ اس مسودۂ قانون کی ترتیب میں مدد دینے والوں میں جس میں یہ خاص دفعہ شامل ہے میرا بھی شمار ہونا میرے لئے مرتے دم تک باعث فخر ہے۔"

برنیر یہ کہتا ہے کہ ہندوستان کے کمبخت خود سر بادشاہوں کا یہ طریقہ تھا جن کو ہم نے بھی دیکھا ہے کہ جب اپنی رعایا میں سے کسی ممتاز شخص کی قابلیت اور جولانی طبع سے ان کو خدشہ ہو جاتا تھا لیکن اس کے قتل کی جرات نہیں ہوتی تھی تو اس کو پوستہ یعنی مرکب افیون کی ایک خوراک روزانہ پلائی جاتی تھی اس کا چند ہی مہینوں میں یہ اثر ہوتا تھا کہ جس کسی کو یہ مرکب پلایا جاتا تھا اس بیچارے بدنصیب کے قوائے دماغی و جسمانی فنا ہو جاتے تھے اور وہ ایسا دیوانہ بن جاتا تھا جس کا کوئی علاج نہیں۔ یہ قابل نفریں دغا جو قتل عمد سے بھی زیادہ دہشت ناک ہے انھیں لوگوں کو

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

سزاوار تھی جو اس پر عمل پیرا تھے اور قوم انگلیشیہ کے لئے یہ طریقہ نہیں بن سکتی اس بات پر ہم کبھی راضی نہ ہوں گے کہ ایک ملت کو اپنا مطیع و فرمانبردار بنانے کی ذلیل غرض سے کثیر التعداد عوام کو جن کی حفاظت خدا نے ہمارے ذمے کی ہے بے ہوش و بے دست و پا کرنے کے لئے ساری ملت ہی کو پوستہ پلاتے رہیں۔ ایسے اقتدار کی قدر و قیمت ہی کیا جس کی بنیاد خباثت و خواری و جہالت پر ہو اور جس کو ہم اسی وقت اپنے ہاتھ میں رکھ سکتے ہیں جب اُن فرائض خدمت کے خلاف عمل کریں جو محکوم کے مفاد میں حاکم پر عاید ہوتے ہیں یعنی ایسی قوم کے مفاد میں جس کی کردار تین ہزار سال تک مطلق العنانی کے زور و ظلم سے، مہنتوں اور گروؤں کے مکر و فریب سے بدتر بن ہو گئی ہے یہ فریضۂ منصبی ہم پر عائد ہوتا ہے۔ کیونکہ ہم کو ایک غیر معمولی پیمانے پر سیاسی آزادی اور روشن دماغی کی برکتیں حاصل ہیں بیشک ہمیں آزادی نصیب ہے، لیکن یہ سب کچھ بیکار رہے اگر ہم نوع انسانی کے کسی حصے کو مساوی پیمانے پر آزادی دینے اور متمدن بنانے پر حسد کرنے لگیں۔ کیا ہم ہندوستان کے لوگوں کو محض مطیع و فرمانبردار رکھنے کے لئے جاہل ہی رکھیں؟ یا ہم یہ سمجھتے ہیں کہ ان کی حوصلہ مندی کو میٹھی نیند سے بیدار کئے بغیر ان کو تعلیم دی جا سکتی ہے یا ہمارا انشاء یہ ہے کہ ان کی حوصلہ مندی کو یوں بیدار تو کریں لیکن اس کی جائز تکمیل کا کوئی سامان نہ کریں! کون شخص ایسا ہے جو ان سوالات کا اثبات میں جواب دے سکے تاہم ان سوالات میں ایک کا تو اثبات میں جواب دینا ہر اس شخص پر لازم ہے جو ہمیشہ اس بات پر قایم ہے کہ دیسی لوگوں کو اعلیٰ عہدوں سے دواماً محروم رکھنا ہم پر فرض ہے۔ مجھ کو کسی بات کا خدشہ نہیں ہے۔ ہمارے سامنے فرض کی سیدھی راہ ہے اور یہی راہ دانشمندی قومی سرسبزی اور قومی عزت کی ہے۔

"ہماری ہندوستانی شاہنشہی کا ستارہ بخت تاریکی میں چھپ گیا ہے یہ قیاس کرنا مشکل ہے کہ ایک ایسی مملکت کا انجام کیا ہوگا جو تاریخ عالم میں

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

کسی دوسرے ملک کے مماثل ہی نہیں اور جو سیاسی مظاہر کا لحاظ کرتے ہوئے بالکل علحدہ اور جدا شکل رکھتی ہے ان قوانین سے جن پر اس کے عروج و زوال کی بنیاد ہے ہم اب بھی ناواقف ہیں ممکن ہے کہ ہندوستان کے ذہن عامہ میں ہمارے زیر نظام ایسی وسعت پیدا ہو جائے کہ یہ نظام اس کے لئے موزوں نہ رہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ ہماری رعایا ہمارے حسن انتظام سے بہتر طریقے پر حکومت کرنے کی قابلیت پیدا کرے اور یورپی علوم کی تحصیل کے بعد کسی آیندہ زمانے میں یورپی ادارات بھی مانگنے لگے یہ دن کب آئے گا یہ تو مجھ کو معلوم نہیں۔ لیکن میں تو کبھی اس آنے والے دن کا مزاحم یا سدِّ راہ نہیں ہوں گا۔ اور جب کبھی ایسا دن آئے گا تو وہ انگلستان کی تاریخ میں ایک بڑا دن ہوگا۔ ہمارے لئے بڑے فخر و مباہات کی بات ہوگی کہ جب ہم نے ایک بڑی قوم کو غلامی اور توہمات کے قعر عمیق میں پڑا ہوا دیکھا تو اس پر اس وضع سے حکومت کی کہ وہ قوم شہریوں کے سب حقوق و مراعات کی نہ صرف خواہاں بلکہ سزاوار بھی بن گئی تاج و تخت ہمارے ہاتھ سے نکل جائے حادثات ناگہانی ہماری حکمت عملی کے نہایت گہرے منصوبوں کو درہم و برہم کر دیں، فتح و نصرت ہماری فوج کا ساتھ چھوڑ دے لیکن دنیا میں ایسے فتوح بھی ہیں جو ہمیشہ قایم رہتے ہیں اور جن کے بعد شکست کبھی نہیں آتی ایک ایسی شاہنشہی بھی موجود ہے جو انحطاط و زوال کے فطری اسباب و علل سے بالکل پاک و صاف ہے۔ یہ فتوح وہ پر امن فتوح ہیں جو فہم و عقل، جہالت پر حاصل کرتی ہے۔ یہ شاہنشہی ہمارے فنون ہمارے اخلاق ہمارے ادبیات اور ہمارے قوانین کی شاہنشہی ہے۔"

جسطرح کہ مکالے کی تمام تحریرات و تقریرات میں غلو پایا جاتا ہے اسی طرح اس تقریر میں بھی مبالغے سے کام لیا گیا ہے مثلاً جب مکالے نے شاہان مغلیہ کو "کمبخت، خود سر" کہا ہے یا ایسے الفاظ استعمال کئے ہیں جیسے "تین ہزار سال کے مطلق العنانی کے زور و ظلم، بھتنوں اور

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

گروہوں کے مکروفریب" اور غلامی اور توہمات کا قعر عمیق" لکھا ہے سو وہ بھی ایک انگریز کی عادتاً ناقدرشناسی کی وجہ سے لکھا ہے کیونکہ وہ دیسی اقوام کے ان رسم و رواج اور اداراتِ نیز ان کی کامیابی و کامرانی کی قدر نہیں کر سکتا تھا اس لئے کہ یہ چیزیں انگلستان کے نہایت مختصر حدود سے باہر تھیں۔

پھر بھی اس میں کچھ شک نہیں کہ جدید حکمت عملی جس کی مکالے نے پر زور تائید کی تھی وہی حکمت عملی تھی جس کو ۱۸۳۳ء میں انگریز مشاہیر نے بھی جنہوں نے قانون اصلاح اسی زمانے میں نافذ کیا تھا اس لئے پسند کیا تھا کہ ہندوستان میں اس کا آغاز اور اس کی پابندی کی جائے۔ اجارہ اور حقوق غیر مشترک اس زمانے کے انگریزوں کو ناپسند تھے اعلیٰ عہدوں اور مناصب سے ہندوؤں کے باشندوں کو محروم رکھنا ان کو سخت ناگوار تھا کیونکہ ان لوگوں نے اسی زمانے میں حق رائے دہی کو وسعت دی تھی۔ ایک محکوم قوم کے ساتھ راست بازی سے پیش آنا نہ صرف سنجیدہ مصلحان قوم کا سب سے پہلا خیال تھا بلکہ جزائر برطانیہ کے عوام کا بھی اور جس دفعہ کا ہم نے اوپر ذکر کیا ہے اس سے عصر جدید کا نیا رنگ ڈھنگ ظاہر ہوتا ہے یعنی برطانوی قوم ہندوستان میں کس حکمت عملی کو پسند کرنے لگی تھی وہ معلوم ہوتا ہے۔

ہندوستان کے لئے کیا ہی خوش نصیبی کی بات ہوتی کہ اس وقت سے آج تک اس ستر سال کے عرصے میں مسلسل کسی عاقلانہ اور فیاضانہ منصوبے کی پابندی کی جاتی۔ اگر ہندوستان کے نظم و نسق میں ہندوستانیوں کو بطور مناسب حصہ دیا جاتا تو انگلستان کی حکمرانی اس سے زیادہ ہر دلعزیز و کامیاب ہوتی جیسی آج ہے۔ اگر محاصل کا ایک بڑا حصہ تجارت و حرفت کو بارور کرنے کے لئے ملک میں بازگشت ہوتا تو لوگوں کی معاشی حالت بھی بہتر ہوتی لیکن ایسے ملک میں اجارہ بڑی مشکل سے فتح ہوتا ہے جہاں بے زبانوں کا کوئی نمائندہ نہیں۔ اور اس ستر سال کے دوران میں " وہ عاقلانہ فیاضانہ اور شریفانہ دفعہ" جس کی تعریف میں مکالے نے اپنی ساری فصاحت و بلاغت صرف کر دی تھی

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

عملی طور پر ہمیشہ نظر انداز کر دیا گیا۔

اس کے نصف صدی کے بعد ایک وائسرائے ہند نے لکھا ہے کہ "جیسے ہی یہ قانون نافذ ہوا حکومت عملی طور پر اس کے نفاذ کو نظر انداز کرنے کی تدابیر سوچنے لگی اس قانون کے شرائط کی رو سے وہ تعلیم یافتہ دیسی اشخاص جو ان شرائط کو بغور پڑھ کر خوب دل میں رٹ لیتے ہیں اور جن کا طبقہ بھی روز بروز وسیع ہو رہا ہے (کیونکہ حکومت گو اس طبقے کے موجودہ ارکان کی توقعات پورے نہیں کرتی ہے لیکن تعلیم و تربیت ہر جگہ پھیلا رہی ہے) اگر ایک مرتبہ ان عہدوں تک پہنچ جانے جو سابق میں کوننٹڈ سروس کے لئے مخصوص تھے تو ایسے دیسی اشخاص کو توقع اور حق ہو سکتا ہے کہ وہ ایک معمولی ترقی کی طرح اعلیٰ ترین عہدوں پر بھی نامزد ہو جائیں۔ ہم سب جانتے ہیں کہ یہ حقوق و توقعات کبھی پورے نہیں کئے جائیں گے ہمارے لئے ان دو طریقوں میں سے ایک کا اختیار کرنا ناگزیر تھا یعنی یا تو ہم دیسیوں کی قطعی ممانعت ہی کر دیں یا ان کے ساتھ دغا بازی کریں۔ اور ہم نے ٹیڑھا راستہ ہی اختیار کیا امتحان مقابلہ جس طور پر انگلستان میں ہوتا ہے اس کا ہندوستانیوں پر اطلاق اور امیدواروں کے داخل امتحان ہونے کی قید عمر میں حالیہ تخفیف، یہ دونوں شرائط ہندوستانیوں پر اس لئے عائد کئے گئے تھے کہ اس قانون کو مہمل ثابت کر کے تقویم پارینہ بنا دیا جائے اور اسی کے لئے دیدہ و دانستہ اتنے کھلے حیلے حوالے کئے گئے تھے۔ جو کچھ بھی میں لکھ رہا ہوں چونکہ راز میں لکھ رہا ہوں اس لئے مجھ کو یہ کہنے میں ذرا بھی پس و پیش نہیں ہوتا کہ حکومت انگلیشیہ اور حکومت ہند دونوں اس وقت تک بھی اس الزام کا کوئی جواب شافی نہیں دے سکے کہ ان دونوں نے حتی الامکان ان وعدوں کا خون کرنے میں کبھی کوتاہی نہیں کی جن کو خود دیسیوں نے اپنے کانوں سے سنا تھا"

یوں لیت و لعل میں اس دفعہ کو ڈال رکھنا جس کی تعریف دارالعوام میں بڑی فصاحت و بلاغت کے ساتھ کی گئی تھی اور جس کو برطانوی قوم نے اس شد و مد کے ساتھ پسند کیا تھا ایک ایسی صورت حال تھی جو ۱۸۳۳ء میں

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

اس قانون کی منظوری کے وقت پیش نظر نہ تھی بلکہ اس کے برخلاف جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ہے لوگوں کے دلوں میں ہندوستان میں اشاعت تعلیم کرنے کی اور بلا امتیاز نسل و مذہب و رنگ تعلیم یافتہ ہندوستانیوں کو اخود ان کے ملک میں اعلیٰ خدمات کی بجاآوری میں روز افزوں حصہ دینے کی حقیقی خواہش تھی۔ انگریز انصاف پسند رہنا چاہتے تھے اور ایک ایسے ایماندار اور حق شناس قوم کی امپیریل طاقت کے تحت ہندوستان کے لوگوں کو ترقی اور حکومت خود اختیاری پر پہنچنے کی بڑی بڑی توقعات ہوگئی تھیں۔"

اس کے چار سال بعد ۱۸۳۷ء میں ملکہ وکٹوریہ کی تخت نشینی ہوئی تمام تاریخ ہند میں ایسے مختلف سنین کی نشاندہی کرنا بالکل ناممکن ہے جن میں انگریزوں کی حکمرانی اس سے زیادہ ہمدردو فیاضانہ رہی ہو یا لوگوں کے دلوں میں اس سے زیادہ احترام و وفاداری پیدا ہوی ہو جیسی کہ اس سنہ میں۔ لارڈ ویلزلی، لارڈ ہیسٹنگز اور امہرسٹ کے سب معرکے ختم ہو چکے تھے اور سارے ملک میں امن وامان کا دور دورہ تھا نظم ونسق کی نمایاں خرابیوں کا بہت کچھ استیصال ہو چکا تھا ہندوستان کے لوگوں کو خود اپنے معاملات کے انتظام میں بخوشی شریک کیا جاتا تھا مدراس میں منرو کی حکمرانی بمبئی میں الفنسٹن کی، بنگالہ میں بنٹنک کی، غرض ان سب کی یاد لوگوں کے دلوں میں تازہ تھی۔ ہندوستان میں اشاعت تعلیم کی حکمت عملی مسلّمہ تھی مصارف بیجا میں تخفیف ہو چکی تھی اور ہندوستان کے محاصل میں فاضلات ہوتے تھے۔ ظالمانہ و بے رحمانہ مطالبۂ مالگزاری میں بھی تخفیف ہو چکی تھی۔ شمالی ہند میں "برڈ" اور بمبئی میں "ونگیٹ" طویل المیعاد بندوبست نہایت نرمی کے ساتھ کر رہے تھے ایسٹ انڈیا کمپنی کی حیثیت تاجرانہ نہیں رہی تھی بلکہ ایک منتظم مملکت کی ہوگئی تھی۔ برطانوی پارلیمنٹ نے بھی بلا امتیاز مذہب و رنگ ہندوستانیوں کو اعلیٰ سے اعلیٰ عہدے دینے کا عہد و پیمان کیا تھا، ایک نوجوان ملکہ تخت شاہی پر جلوہ افروز تھی اور ہندوستانیوں کے دلوں میں وہ امیدیں اور امنگیں پیدا ہوگئی تھیں جو ایک

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

مہربان عورت کی کارفرمائی سے مشرقی لوگوں میں پیدا ہو سکتی ہیں۔
اور جیسا یہ دور روشن نظم و نسق کی اصلاحات کا زمانہ تھا اسی طرح یہ ادبی نشو و نما کا بھی تھا مکالے نے ہندوستان میں وہ وسیع النظری پیدا کر دی تھی جو ارباب علم و حکمت کی خصوصیات میں داخل ہے۔ اس زمانے میں ہارس ہیمن ولسن ایک ممتاز مستشرق تھا جو بعد میں ایک ممتاز مورخ بھی ہوا الفنسٹن بھی صاحب قلم تھا اور اپنی مشہور تاریخ ہند کو شایع کرنے کی تیاری میں تھا۔ برگز محصول اراضی ہند کے موضوع پر ایک مستند کتاب شایع کرنے کے بعد تاریخ فرشتہ کے ترجمہ میں مصروف تھا کرنل ٹاڈ نے جس کو راجپوتوں سے ایک راجپوت کی سی ہمدردی تھی وہ مشہور تاریخ راجستان لکھی جو عشق کے قصہ کہانیوں سے بھی زیادہ دلچسپ و دلفریب ہے۔ گرانٹ ڈف تاریخ مرہٹہ لکھ رہا تھا جس کی ہر زمانے میں قدر ہوگی ہندوستان میں اس سے اعلی ادبی مذاق اور لیاقت کا اظہار کسی زمانے کے انگریزوں نے کبھی نہیں کیا اور نہ رعایا کے ساتھ ایسی سچی ہمدردی کی یہ ناممکن ہے کہ ان بڑے بڑے ہندوستان کے منتظمین مملکت اور مقننین کے بیانات پڑھنے پر جو انھوں نے ۱۸۳۱ء و ۱۸۳۲ء کی پارلیمنٹی کمیٹیوں کے سامنے دیئے تھے یہ محسوس نہ ہو کہ اس زمانے میں یہ لوگ ہندوستانیوں کو عزت کی نظر سے دیکھتے تھے اور ان کی خوبیوں کی قدر کرتے تھے۔
چیاپلن جس کے بمبئی میں مالگزاری کے کارنمایاں کا ذکر کسی پچھلے باب میں آیا ہے لکھتا ہے کہ "میں عام طور پر دیسیوں کی کردار کے متعلق اچھی رائے رکھتا ہوں۔ میرے خیال میں دنیا کے کسی ملک کے رہنے والوں کا مقابلہ ان سے کیا جائے تو ظاہر ہو گا کہ انہی کو برتری حاصل ہے"
مدراس کی ملازمت دیوانی میں جو جان سلیون تھا اس سے یہ پوچھا گیا "کیا آپ ہندوستان کے باشندوں پر وہی اعتماد کرنا پسند فرمائیں گے جو آپ اپنے ہموطنوں پر کرتے ہیں؟" اس نے جواب میں یہ کہا "جی ہاں بشرطیکہ ان کے ساتھ بھی ویسا ہی اچھا برتاؤ کیا جائے۔

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

جیمس سدرلینڈ نے جو چند سال تک کلکتے کے اولیں انگریزی اخبار کا جس کا نام بنگالہ کا ہرکارہ تھا مدیر تھا تعلیم یافتہ ہندوستانیوں کے متعلق لکھا ہے کہ "یہ طبقہ اتنا ہی قابل اطمینان ہے جتنا کہ دنیا میں کوئی اور طبقہ"۔

لوگوں پر جو اس طرح اعتماد و اعتبار کیا جانے لگا تو اس میں بھی روح اعتماد پیدا ہوگئی۔ ہندوستان کے رہنمایان ملت، مصلحان معاشرت و مذہب، اور ممتاز طلبا جنھوں نے کلکتے کے ہندو کالج میں تعلیم پائی تھی انگریزی ادبیات اور تخیلات کو نہایت قدر کی نظر سے دیکھتے تھے اور برطانوی کردار اور برطانوی حکمرانی پر پورا پورا بھروسہ رکھتے تھے ان میں سب سے زیادہ والا قدر نامور راجہ رام موہن رائے تھا جس نے برہما سماج قایم کیا اور اس زمانے کی تمام معاشری اور تعلیمی اصلاحات کی تکمیل میں مدد دی۔ ستی کی نہایت ظالمانہ رسم کے اٹھا دینے کی بھی دل کھول کر تائید کی جس کا لارڈ ولیم بنٹنک نے نہایت عمدہ طور پر اعتراف کیا اس کے بعد راجہ رام موہن رائے انگلستان پہنچا اور اس وقت دار العوام میں موجود تھا جبکہ لارڈ ولیم کی تجویز کے خلاف وہاں ایک محضر پیش ہوا تھا۔ اس کو یہ دیکھکر خوش ہوئی تھی کہ برطانوی پارلیمنٹ نے بھی حکومت ہند کے فیصلے کی توثیق کردی ہزارہا نوجوان ہندوستانیوں میں جنھوں نے ابھی ابھی انگریزی مدارس اور کالج چھوڑے تھے راجہ رام موہن رائے کی طرح قوم میں اصلاح کرنے کی نئی روح پڑ گئی مغربی ادبیات اور تخیلات سے دل بستگی پیدا ہوگئی برطانوی کردار اور برطانوی حکمرانی پر اعتماد کلی پیدا ہوگیا۔

چنانچہ جب ملکہ وکٹوریہ برطانوی شاہنشاہی کے تخت پر جلوہ افروز ہوئیں تو ان کی تمام رعایا کے دلوں میں نہایت ہی گہری اور سچی وفاداری اور عقیدت کا پورا پورا احساس موجود تھا اور یہ اس لئے کہ انگلستان نے ہندوستانیوں کے ساتھ فیاضی اور اعتماد کا برتاؤ کیا تھا ہندوستان انگلستان دونوں کے لئے یہ بہت ہی اچھا ہوتا کہ یہی فیاضی اور یہی اعتماد ملکہ کے دراز عہد حکومت کے اختتام تک جاری رہتا کیونکہ انگلستان نے جتنے کام

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

ابتک اپنے سر لئے ہیں ان میں سب سے زیادہ ہندوستان کا انتظام مملکت اہم اور دشوار ہے اور یہ کام اس وقت تک تکمیل کو نہیں پہنچ سکتا جب تک کہ ہندوستان کے لوگوں سے کام نہ لیا جائے اور ان پر اعتبار و اعتماد نہ کیا جائے

جس سال ملکہ کی تخت نشینی ہوئی اسی سال ہندوستان کے نظم و نسق کی دشواریاں ظاہر ہوئیں۔ لارڈ ویلزلی کی ۱۸۰۳ء اور ۱۸۰۴ء کی لڑائیوں کے بعد متعدد قحط نمودار ہوئے۔ بمبئی میں ایک دوسرا قحط بھی ۱۸۱۳ء میں ہوا۔ مدراس میں بھی جہاں ظالمانہ اور کمبخت بندوبست اراضی پہلے سے موجود تھا ۱۸۰۶ء اور ۱۸۲۳ء پھر ۱۸۳۳ء میں قحط پر قحط پڑے ملکہ کے جلوس کے پہلے ہی سال شمالی ہند میں بھی جہاں مدراس کی طرح ظالمانہ بندوبست اراضی تھا ایک ایسا سخت عالمگیر قحط پڑا جو اس سے پہلے اس صدی میں کہیں نہیں پڑا تھا اور جس سے شمالی ہند اس سرے سے اس سرے تک بالکل بے چراغ ہو گیا۔ رابرٹ مارٹنس برڈ کا جدید بندوبست ابھی تکمیل کو نہیں پہنچا تھا لوگ بے وسیلہ تھے ہی اور قرض میں گرفتار۔ ۱۸۳۷ء میں بارش جو نہ ہوئی تو قحط کیا آیا کہ اپنی ساری مصیبتوں کو بھی ساتھ لیتا آیا۔

جان لارنس جو بعد میں لارڈ لارنس ہوا لکھتا ہے کہ:-

"میں نے اپنی ساری عمر میں ایسی ویرانی اور بربادی کہیں نہیں دیکھی جیسی پرگنہ ہوڈل اور پرگنہ پالوال میں تھی۔ اموات کی تعداد اتنی تھی کہ شمار سے باہر تھی۔ کانپور میں ایک خاص عملہ اس لئے مقرر تھا کہ وہ گلی کوچوں میں گشت لگا کر اور دریا پر جا کر لاشیں نکالے فتحپور اور آگرے میں بھی یہی تدابیر اختیار کی گئی تھیں سیکڑوں ہزاروں گمنام آدمی قصبوں میں مرے پڑے تھے جن کی تجہیز و تکفین کرنے والا کوئی نہ تھا سڑکوں پر لاشیں پڑی رہتی تھیں حتیٰ کہ جنگلی جانور ان کو کھا جاتے تھے کیونکہ ان کا دفن کرنے یا جلانے والا کوئی نہ تھا۔

وہ دشواریاں جو ہندوستان کے نظم و نسق کو درہم و برہم کرنے والی تھیں (یعنی ادھر آفت نازل ہوتی تھی ادھر افلاس پھیلتا جاتا تھا) اس

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

جدید حکومت کی ابتدا ہی میں نمایاں ہوگئی تھیں ملکہ وکٹوریہ کے عہد حکومت میں متعدد تغیرات ملک میں وقوع پذیر ہوئے تھے۔ سندھ اور پنجاب، اودھ اور ممالک متوسط، برما اور بلوچستان کے الحاقات سے شاہنشاہی کے حدود وسیع تر ہوگئے تھے اس وسیع اقلیم میں چاروں طرف ریلیں دوڑنے لگی تھیں ڈاک اور تار برقی کا سلسلہ ہر جگہ پھیل گیا تھا۔ مختلف صوبوں میں عدالت العالیہ اور جامعہ قایم ہوئی تھیں شہروں کے حدود بھی وسیع ہوگئے تھے بڑے بڑے قطعات اراضی قابل زراعت بنائے گئے تھے مجالس وضع قوانین، مجالس ضلع، اور بلدیات پہلی دفعہ قایم ہوئے تھے۔ شہروں میں انگریزی تعلیم اور قصبوں میں ملکی زبان کی تعلیم خوب فروغ پر تھی۔

وہ دو اہم اصلاحیں جو اس عہد میں نہیں ہوئیں یہ ہیں کہ ہندوستان کے لوگوں کو خود اپنے معاملات کے انتظام و نگرانی میں کچھ حصہ نہیں ملا اور عامۃ الخلایق کی مالی حالت کچھ اچھی نہیں ہوئی۔ اور نہ ملک ہی متعدد مہلک اور عالمگیر قحطوں سے محفوظ رہا جو متمدن نظم و نسق میں فی زمانہ کہیں نہیں پڑتے۔ انگریزی راج کی تاریخ بھی اسی سبق کو دہراتی ہے جو سبق ہم نے تاریخ عالم سے سیکھا ہے۔ یعنی رعایا کے حق میں مفید طور سے ملک پر حکومت کرنا اس وقت تک ناممکن ہے جب تک کہ رعایا کو کچھ نہ کچھ حکومت خود اختیاری یا حکومت نیابتہ نہ دی جائے۔

تمت

पुस्तकालय
गुरुकुल कांगड़ी

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

صحت نامہ

معاشی تاریخ ہند جلد اوّل

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱	۲	۳	۴	۱	۲	۳	۴
۲ دیباچہ	۱۶	کم سے	کم سے کم	۲۷۰	۲۵	سکے	کے
۲۶	۱۴	لرر ہے	کر رہے	۲۸۳	۲۴	اس	اس کا
۳۱	۱	انگھوٹے	انگوٹھے	۲۸۷	۱۷	نہ	x
۴۳	۲	صعب انگیز	صعوبت انگیز	۲۸۹	۱۱	یہ کہ	تیسرے یہ کہ
۷۴	۴	براج کشور	برج کشور	۲۹۲	۷	عقل تھی	عقل موجود تھی
۱۰۲	۱۸	ایسی	اسی	۲۹۳	۵	بیتے والے	جیتنے والے
۱۳۸	۲۴	کمار	کمھار	۳۰۱	۲۳	پاتے	پانے کی
۱۳۹	۲۳	مالو	متو	۳۰۹	۱۴	انداند	اندر اندر
۱۴۵	۱۵	رہ نو	روز	۳۱۰	۱۴	سکاتھ	سکاٹھ
۱۴۷	۲	لال	اہل	۳۱۸	۲	یوپ	یورپ
۱۶۷	۱۸	کی	کے	ر	۵	سے سے	سے
۱۷۳	۲۵	گزدہم	گرہم	۳۲۲	۹	لے لیئے	کے لئے
۱۸۳	۲۵	اباقی	باقی	۳۳۲	۱۱	بکانہیں	بکانن
				۳۳۲	۱۳	بکائین	بکانن
۲۵۲	۱۵ و ۱۰ و ۱	سکارگے	کرگھے	۳۳۳	۲	سکامکتی	کان کنی
۲۵۶	۸	آبشاریں،	آبشاریں	۳۳۶	۱۳	صدری	صدی
ر	۲۴	تعمیر جاری	تعمیر وجاری	۳۴۷	۲۵	کرتی ہی	کرتی رہی

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱	۲	۳	۴	۱	۲	۳	۴
۳۵۴	۱۶	زرخیز بھی	زرخیز بھی ہے	۴۴۱	۱۷	میں	ہمیں
۳۵۸	۲۵	اس قدر سیع	اس قدر وسیع	۴۴۳	۱۲	حصول	حصول
۳۷۵	۱۰	میزان وہ	میزان دہ	۴۶۲	۲۳	ساتھر	ساٹھر
۳۹۴	۱۳	نادارالوجود	نادرالوجود	۴۶۵	۳	جفاکشی	جفاکش
۳۹۹	۱۳	فصول مقدرات	فصل مقدرات	۴۶۹	۱۳	بیکیتزی	میکنزی ۔
۴۰۳	۱	بعض کا صورتوں	بعض صورتوں	۴۷۲	۹	وجوہ دکو	وجوہ کو
۴۰۴	۱۳	کوئی پڑتی	کرنی پڑتی	۴۷۳	۱۱	دفع	دفعہ
۴۰۵	۱۲	چیاپلس	چیاپلین	۴۷۴	۱۰	حکمۃ عمل	حکمت عملی
۴۰۷	۱۳	پیداور	پیداوار	۴۷۵	۸	اداکرینوالی	اداکرنے والے
۴۱۳	۱۳	وخیل کار	دخیل کار	۴۷۶	۱۲	معاش	معاشی
۴۱۴	۱۶	اپر	اوپر	۴۸۷	۱۴	۱۳۳۷ء	۱۰۳۷ء
۴۲۲	۱۰	شاد مابی	شادابی	۴۸۸	۷ و ۸	محابس	مجالس

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar